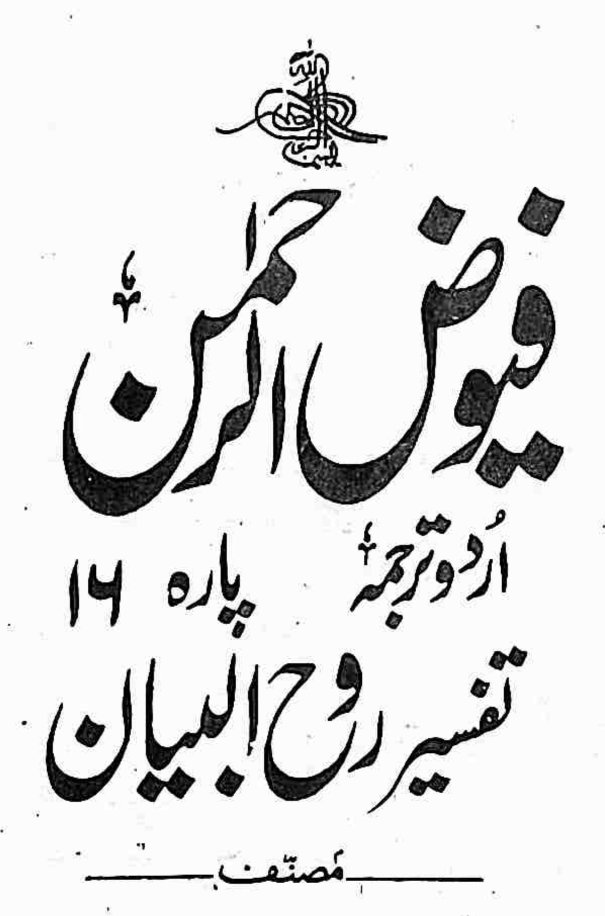


مصنّف

سراج العلماء زبدۃ الفضلاء
حضرت علامہ شیخ اسماعیل حقی رحمہ اللہ تعالیٰ

محدّثِ دوراں شیخ القرآن استاذ العلماء حضرت علامہ
الحاج محمد فیض احمد اویسی صاحب مدظلہ العالی

ناشر: مکتبہ اویسیہ رضویہ سیرانی روڈ بہاولپور (پاکستان)

نام کتاب ________ فیوض الرحمن اردو ترجمہ روح البیان پارہ ۱۶
مصنف ________ علامہ اسماعیل حقی رح
مترجم ________ علامہ محمد فیض احمد اویسی رضوی
سن طباعت ________ ۱۴۰۲ھ / ۱۹۸۲ء
مطبع ________
ناشر ________ مکتبہ اویسیہ رضویہ، سیرانی روڈ، بہاولپور
باہتمام ________
قیمت ________

فہرست پارہ نمبر ۱۶



قَالَ اَلَمْ

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِىَ صَبْرًا ۝ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَىْءٍۭ بَعْدَهَا فَلَا
تُصٰحِبْنِىْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّىْ عُذْرًا ۝ فَانْطَلَقَا ۗ حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِ ِۨ اسْتَطْعَمَآ
اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوْ شِئْتَ
لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ۝ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِىْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ
تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ۝ اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِى الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ
اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ۝ وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ
مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۝ فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا
مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ۝ وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِى الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ
تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا
كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِىْ ؕ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ
عَّلَيْهِ صَبْرًا ۝

ترجمہ: کہا، میں نے آپ کو کہا نہیں تھا بے شک آپ میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکیں گے۔

کہا اگر اس کے بعد میں تم سے کسی بات کا سوال کروں تو پھر مجھے ساتھ نہ رکھئے بے شک تم میری طرف سے عذر کی انتہا کو پہنچے ہیں۔ پھر دونوں چل پڑے یہاں تک کہ ایک بستی والوں کے ہاں آکر ان لوگوں سے کھانا مانگا تو انھوں نے ان کی مہمان نوازی سے انکار کر دیا پھر ان دونوں نے اس بستی میں ایک دیوار پائی جو گرنا چاہتی تھی تو اسے بندۂ خدا نے کھڑا کر دیا کہا اگر چاہتے تو اس پر کچھ مزدوری لے لیتے۔ کہا یہ وقت میری اور تیری جدائی کا ہے اب میں آپ کو وہ باتیں بتاتا ہوں جن پر آپ صبر نہ کر سکے۔ بہر حال وہ کشتی چند مسکینوں کی تھی جو دریا میں کام کرتے تھے تو میں نے ارادہ کیا کہ اس کو میں عیب دار کر دوں اور ان کے درپے ایک بادشاہ تھا جو ہر کشتی کو جبراً چھین لیتا تھا۔ اور وہ لڑکا جو تھا اس کے والدین اہل ایمان تھے تو مجھے خطرہ محسوس ہوا کہ وہ انھیں سرکشی اور کفر پر ڈال دے۔ تو ہم نے ارادہ کیا کہ ان کا پروردگار اس سے بہتر پاکیزگی میں اور مہربانی میں قریب تر عطا فرمائے۔ اور وہ دیوار شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس کے نیچے ان کا خزانہ تھا اور ان کا باپ نیک انسان تھا تو آپ کے رب نے چاہا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچیں اور اپنا خزانہ خود نکالیں۔ آپ کے پروردگار کی رحمت سے اور یہ سب کچھ میں نے اپنی رائے سے نہیں کیا۔ یہ حقیقت ہے ان باتوں کی جس پر آپ صبر نہ کر سکے۔

تفسیر عالمانہ

قَالَ خضر علیہ السلام نے کہا، اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا۔ میں نے آپ کو نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ نہیں گزار سکیں گے۔ یہ خضر علیہ السلام کا موسےٰ علیہ السلام کو زجر و توبیخ ہے کہ آپ میری وصیت کو اور اپنے وعدہ کو بھول گئے لفظ لک کے اضافہ میں عتاب فرمایا کہ بار بار بھولنے کا کیا معنے ہے۔ قَالَ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ اب کے بعد اگر آپ سے ایسے افعال غیر پسندیدہ کا صدور ہوا اور میں سوال کروں گا تو مجھے اپنی رفاقت میں نہ رکھنا۔ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ۝ آپ نے مجھ سے کوئی عذر پایا۔ میں آپ کی تین بار مخالفت کر چکا ہوں فلہٰذا مجھے ترک صحبت میں معذور تصور فرمائیں۔

حل لغات : العذر (بضمتین والسکون) انسان کا اپنی غلطیوں کے ازالہ کی کوشش کرنا مثلاً کہنا کہ میں نے سرے سے یہ کام کیا ہی نہیں یا کہے کہ میں نے یہ کام کیا لیکن اس میں فلاں مصلحت تھی یا کہے اب تو مجھ سے غلطی ہو گئی لیکن آیندہ ایسا نہیں ہوگا۔

حضرت موسے علیہ السلام کا تیسری بار صرف معذرت نہیں بلکہ توبہ فرمائی اس لئے کہ ہر توبہ معذرت ہے لیکن ہر معذرت توبہ نہیں (الاعتذار) سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کی غلطی کا اثر زائل ہو جائے در اصل الاعتذار

بمعنے القطع ہے مثلاً کہا جاتا ہے :

اعتذرت الیہ ای قطعت ما فی قلبہ من الموجدۃ (میرے متعلق جو فلاں کے دل میں کچھ احساس تھا اسے میں نے مٹا دیا۔

حدیث شریف : حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

اللہ تعالٰے موسٰے علیہ السلام پر رحم فرمائے کہ حیار کے پیشِ نظر ایسے فرمایا ورنہ اگر وہ کچھ دیر صبر فرما کر خضر علیہ السلام کے ساتھ رہتے تو بڑے بڑے عجائبات دیکھتے۔

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جامع کمالات صوریہ ومعنویہ ہیں الخصائص الصغریٰ میں ہے کہ ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم شریعت وحقیقت کے جمیع کمالات کے جامع ہیں اور دوسرے انبیار علیہم السلام کو ان دونوں میں کسی ایک کا جامع بنایا گیا جیسا کہ موسٰے وخضر علیہما السلام کے قصے سے ظاہر ہے اس لئے کہ شریعت سے احکام ظاہری اور حقیقت سے احکام باطنی مراد ہیں اور تمام علمار کرام نے واضح طور پر فرمایا کہ اکثر انبیار علیہم السلام کو اللہ تعالٰے نے ظاہری احکام کی اشاعت کے لئے مبعوث فرمایا انھیں باطنی امور سے بظاہر واسطہ اور تعلق نہیں تھا اور نہ ہی وہ ان کے حقائق کی اطلاع کے درپے رہتے تھے (البتہ بطون اور ان کے حقائق کے معلومات ہوتے تھے وہ انھیں ظاہر کرنے پر مامور نہیں تھے) اسی لئے موسٰے علیہ السلام نے خضر علیہ السلام کے باطنی امر کے اظہار پر انکار فرمایا بلکہ جب خضر علیہ السلام نے نوجوان کو قتل کیا تو انھیں برملا کہا کہ لقد جئت شیئاً نکرا۔ خضر علیہ السلام نے انھیں جواباً فرمایا : وما فعلتہ عن امری۔ (اور میں نے یہ اپنی طرف سے نہیں کیا) پہلے ہم نے موسٰے علیہ السلام کا مکالمہ درج کیا ہے کہ خضر علیہ السلام نے موسٰے علیہ السلام سے فرمایا کہ میرے ہاں ایسا علم ہے جس کے اظہار کا حکم نہیں اور نہ ہی آپ اس پر عمل کر سکتے ہیں اور آپ کے ہاں ایسا علم ہے جس کے عمل کا میں نہ مامور ہوں اور نہ ہی اس کے عمل کا پابند ہوں۔

خضر علیہ السلام کا باطنی علم[1] تفسیر ابن حبان میں ہے کہ جمہور امت کا اتفاق ہے کہ خضر علیہ السلام نبی تھے۔ اور ان پر بواطن امور کی وحی نازل ہوتی تھی اور وہ انہی علوم بواطن کے عارف تھے اور اسی پر عمل کرنے پر مامور تھے اور موسٰے علیہ السلام امور ظاہرہ پر عمل کرنے کے پابند تھے۔ اور ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم امور ظواہر کے بھی جامع تھے اور امور[2] بواطن کے بھی اگرچہ آپ کا اکثر عمل ظاہر پر ہوتا تھا اور امور باطن پر بھی عمل کر لیتے

---

[1]:۔ ایسے باطنی علوم کے وہابی اور اکثر دیوبندی اور مودودی اور خاکساری اور دیگر پارٹیاں منکر ہیں۔ ۱۲ (اویسی)

[2]:۔ (حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

تھے جیسے آپ نے ایک سارق (چور) کو قتل کرا دیا اور ایک[1] باطن کے مریض اور بظاہر نمازی کے قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا جب اس کے دل پر دیکھا کہ اس کا دل بغض نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) سے لبریز ہے اگرچہ بظاہر شرعًا ان دونوں کو قتل کرنا جائز نہ تھا لیکن حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے باطن کی خباثتوں کے پیش نظر ان کو قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

[2] :۔ دیوبندی وہابی اور سنی (بریلوی) اختلاف کا موجب اصلی یہی امر ہے۔ اہلسنت اپنے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے باطنی کمالات کے جامع ہونے کے نہ صرف قائل بلکہ آپ کے ایسے امور کے اثبات میں بھرپور دلائل قائم کرتے ہیں اور وہ لوگ ایسے کمالات کے نہ صرف منکر ہیں بلکہ ایسے کمالات باطنیہ کے قائل کو کافر و مشرک کہتے ہیں۔ اس حقیقت سے عوام کو بے بہرہ رکھ کر نزاعی مسائل کھڑے کرا دیئے۔ اہل اسلام خود انصاف فرمائیں کہ کون حق پر ہے؟۔

(حاشیہ صفحہ ہٰذا)

[1] :۔ یہی ہمارے دور کے وہابیوں، دیوبندیوں اور تبلیغیوں کے معنوی اجداد سے ایک تھا۔ پہلے اس کا قصہ ملاحظہ ہو:

صاحب ابریز نے اپنی کتاب میں نقل کیا:

عن انس قال کان فینا شاب ذو عبادة و زهد و اجتهاد فسماه الرسول الله صلے الله علیه وسلم فلم یعرفه ووصفناه بصفة فلم یعرفه فبینما نحن کذالك اذا قبل فقلنا یا رسول الله هو هذا فقال انی لاریٰ علی وجهه سعفة من الشیطان فجاء فسلم فقال له رسول الله صلی الله علیه وسلم اجعلت فی نفسك ان لیس فی القوم خیر منك فقال اللهم نعم ثم ولّٰی فدخل المسجد فقال رسول الله صلی الله وسلم من یقتل الرجل فقال ابوبکر انا فدخل فاذا هو قائم یصلی فقال ابوبکر کیف اقتل رجلاً

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ مدینے میں ایک بڑا ہی عابد و زاہد نوجوان تھا ہم نے ایک دن حضورؐ سے اس کا تذکرہ کیا۔ حضور اسے نہیں جان سکے پھر اس کے حالات و اوصاف بیان کئے جب بھی حضور صلے اللہ علیہ وسلم اسے نہیں پہچان سکے یہاں تک کہ ایک دن وہ اچانک سامنے آگیا جیسے ہی اس پر نظر پڑی ہم نے حضورؐ کو خبر دی کہ یہ وہی نوجوان ہے۔ حضورؐ نے اس کی طرف دیکھ کر ارشاد فرمایا میں اس کے چہرے پر شیطان کے دھبے دیکھتا ہوں پھر وہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے قریب آیا اور سلام کیا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ کیا یہ بات صحیح نہیں ہے کہ تو ابھی اپنے دل میں سوچ رہا تھا کہ تجھ سے بہتر یہاں کوئی نہیں ہے اس

الجوبہ : جو لوگ فجاۃ (اچانک) موت مرتے ہیں دراصل انہیں خضر علیہ السلام قتل کر دیتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

وهو يصلي وقد نهانا النبي صلى الله عليه وسلم من قتل المسلمين فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم من يقتل الرجل فقال عمر انا يا رسول الله! فدخل المسجد فاذا هو ساجد فقال مثل ما قال ابوبكر واراد لا رجعن فقد رجع من هو خير مني فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم مَهْ يا عمر فذكر له فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم من يقتل الرجل فقال علي انا فقال انت تقتلوا ان رجدته فدخل المسجد فوجده قد خرج فقال اما والله لو قتله لكان اولهم واخرهم ولما اختلفا في امتي اثنان اخرجه ابن ابي شيبه۔

(۱) ابریز شریف ص ۲۷۷

(۲) حجۃ اللہ علی العالمین ص ۵۵۵

(۳) خصائص کبریٰ، جلد ۲، ص ۱۴۷

(۴) فتح الباری، جلد ۱۳، ص ۲۶۴

اس نے جواب دیا ہاں، اس کے بعد جیسے ہی وہ مسجد کے اندر داخل ہوا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے آواز دی کہ کون اسے قتل کرتا ہے۔ صرف ابوبکرؓ نے جواب دیا میں۔ جب اس ارادہ سے وہ مسجد کے اندر گئے تو اسے نماز پڑھتا دیکھا تو واپس لوٹ آئے اور اپنے دل میں خیال کیا کہ ایک نمازی کو کیسے قتل کردوں جب کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے نمازی کے قتل سے منع فرمایا ہے پھر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے آواز دی کہ کون اسے قتل کرتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ نے جواب دیا: میں! وہ مسجد کے اندر گئے تو اس وقت نوجوان سجدہ کی حالت میں تھا۔ وہ بھی اسے نماز پڑھتا دیکھ کر، حضرت ابوبکر کی طرف لوٹ آئے۔ پھر حضورؐ نے آواز دی کہ کون اسے قتل کرتا ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اسے ضرور قتل کر دوگے بشرطیکہ وہ تمہیں مل جائے لیکن جب حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ مسجد کے اندر داخل ہوئے تو وہ جا چکا تھا۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر تم اُسے قتل کر دیتے تو میری امت کے جملہ فتنہ پردازوں میں سے یہ پہلا اور آخری شخص ثابت ہوتا۔ اور میری امت کے دو فرد بھی آپس میں کبھی نہ لڑتے۔

ف: واقعہ مذکورہ پر غور کیجئے کہ شخص مذکور شرعی احکام کا کتنا بڑا پابند تھا لیکن حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کرم اور آپ کے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سوال : خضر علیہ السلام اگر نبی ہیں تو انھیں کیا حق ہے کہ وہ ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی امت میں احکام کا اجرا فرمائیں ؟

جواب : ان کا یہ فعل ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی نیابت کی حیثیت سے ہے یعنے وہ اس دنیا میں ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی ہونے کی حیثیت سے زندہ موجود ہیں جیسے عیسےٰ علیہ السلام جب دوبارہ اس عالم میں تشریف لائیں گے تو وہ احکام شرعیہ کا اجرا فرمائیں گے تو حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی نیابت اور آپ کے امتی ہونے کی حیثیت سے نہ بحیثیت نبی ورسول ہونے کے ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

عشق و پیار سے یکسر خالی تھا۔ اسی لئے حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کو بار بار متوجہ کرنے کے باوجود آپ نے اس کی جان پہچان سے انکار فرما دیا۔ اگرچہ باطنی طور پر آپ اس کے حالات سے پوری طرح واقف تھے۔ چنانچہ جب وہ شخص حاضر ہوا تو آپ نے فرما دیا : انی لاری علی وجھہ سفعۃ من الشیطان یعنی میں اس کے چہرے پر شیطانی دھبے دیکھتا ہوں اور اسے مخاطب ہو کر اس کے اندرونی مرض (بغض و دشمنی نبوت) کا پتہ بھی دے دیا۔ چنانچہ اس کے ساتھ خطاب کے الفاظ مبارک یہ ہیں کہ اجعلت فی نفسک ان لیس فی القوم خیر منک فقال اللھم نعم یعنے کیا تو نے ابھی دل میں یہی سوچا کہ تجھ سے بہتر و برتر کوئی نہیں۔ اس کے منہ سے نکلا ہاں ، یہی خیال تھا۔

(۲) غور فرمائیں کہ ہمارے نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کی وسعتِ علم کتنی ہے کہ نہ ہر بندے کے حالات سے باخبر ہیں بلکہ آپ ہر ایک کے اندرونی معاملات کو بھی خوب جانتے تھے اس کی مزید تفصیل فقیر کے رسالہ " علم غیب " میں ہے ۔

(۳) پھر غور کیجئے کہ اس شخص کے اتنا بہت بڑے زہد و تقویٰ کے باوجود رحمۃ للعٰلمین امت کے غم میں ساری رات رونے والے کریم، رحیم اور شفیق نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا اور نہ صرف ایک بار بلکہ بار بار اور وہ بھی جلیل القدر صحابہ اور خلفائے راشدین جیسی شخصیات کو پھر جب وہ قتل نہ ہو سکا تو افسوس فرماتے ہوئے فرمایا : اما واللہ لو قتلتہ لکان اولھم واخرھم ولما اختلفا امتی اثنان یعنے اگر وہ قتل کیا جاتا تو ملاقی سبیل اللہ فساد کا یہی پہلا اور آخری مقتول ہوتا اور تاقیامت مذہبی جھگڑا اور اختلاف بھی دنیا سے اٹھ جاتا ۔

(۴) ثابت ہوا کہ یہ جھگڑے اور فسادات مثلاً کبھی سُنّی شیعہ فساد اور کبھی گیارہویں، عرس حرام اور کبھی میلاد و جلوس بارہ ربیع الاوّل شریف کے عدم جواز پر لڑائی غرضیکہ گھر گھر میں شرارتیں برپا کرنا اسی نیک انسان لیکن نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے دشمن کی معنوی اولاد سے ہے ۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

الجواب: حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کے دورِ زندگی (ظاہرہ) میں عیسٰے علیہ السلام نے بیت المقدس میں آپ کی زیارت کی تو اسی عالمِ دنیا کی زندگی کی حیثیت سے اس معنے پر عیسٰے علیہ السلام کو حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا صحابی کہا جا سکتا ہے (کذا فی انسان العیون)

ف: اس اجماعیت سے صرف عیسٰے علیہ السلام کی صحابیت کے اثبات کی تخصیص کا کیا معنے جس حیثیت سے حضرت عیسٰی علیہ السلام کا صحابی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ایسے ہی ادریس، الیاس، خضر علیہم السلام کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ اسی لئے یوں کہا جائے کہ یہ حضرات بھی حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔

رد وہابی، دیوبندی، نجدی اس سے اپنے نبی پاک شہ لولاک صلے اللہ علیہ وسلم کی شرافت کا اندازہ لگائیے کہ آپ کے اُمتی بننے کے لئے بڑے بڑے اولوالعزم پیغمبران عظام علیہم السلام نے اللہ تعالٰے سے مہلت مانگی۔ (پھر ہم اہلسنت کیوں نہ کہیں):

؎

سرخیلِ انبیاء و سپہ دارِ اتقیاء
سلطانِ بارگاہ دنیٰ قائدِ امم

ترجمہ: تمام انبیاء علیہم السلام کے سردار اور تمام اتقیاء کے سپہ سالار اور بارگاہِ دنیٰ کے سلطان جمیع امتوں کے قائد ہمارے نبی پاک حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔

فَانْطَلَقَا دوبارہ مشروط صحبت کے بعد دونوں پڑے۔ **حَتّٰٓی اِذَآ اَتَیَآ اَھْلَ قَرْیَۃِ**، یہاں تک کہ ایک گاؤں میں تشریف لائے۔ اس لبتی سے انطاکیہ (بالفتح والکسر وسکون النون وکسر الکاف وفتح الیاء المخففۃ) یہ ایک بہت بڑا

(حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ)

ف: ہم نے اس شخص کو وہابیوں، نجدیوں، تبلیغیوں اور دیوبندیوں کا معنوی دادا اس لئے کہا کہ حدیث شریف میں اس کی اولادِ معنوی کی پیشگوئی فرمائی گئی ہے۔ اور پھر ان کی مفصل نشانیاں بھی بتائی گئی ہیں، جو سب کی سب ان لوگوں پر فٹ آئی ہیں۔ اگر آپ اس کی تفصیل چاہتے ہیں تو میری تصنیف "وہابی دیوبندی کی نشانی" اور "تبلیغی جماعت کے کارنامے" پڑھئے۔ (فقیر اویسی غفرلہٗ)

(حاشیہ صفحہ ہٰذا)

؎: اس میں مرزائی ٹولہ کے غلط تصورات کا رد ہے کہ وہ عیسٰے علیہ السلام کو مردہ خیال کرتے ہیں حالانکہ اسلاف صالحین کا عقیدہ ہے کہ وہ تاحال زندہ ہیں اور قربِ قیامت میں بہ نفس نفیس تشریف لائیں گے۔ مزید فقیر کا رسالہ "القول الفصیح" دیکھئے۔

(فقیر اویسی غفرلہٗ)

مضبوط شہر ہے جس کے بہترین پانی کے چشمے اور نہروں کی بڑی عظیم دیواریں پانچ پہاڑوں کے درمیان واقع ہیں جن کا گھیرا بارہ میل کا ہے۔ (کذا فی القاموس)

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ اس شہر والوں کی عادت تھی کہ جب شام ہوتی تو شہر کے تمام دروازے بند کر دیتے۔ کوئی کتنا ہی پریشان حال کتنی ہی زاری کرتا کسی کے لئے دروازہ نہیں کھولتے۔

جب یہ دونوں حضرات شام کو پہنچے تو شہر کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔ ان حضرات نے جتنا دروازہ کھلوانے کی کوشش کی اور بار بار کہا کہ ہم دور کے مسافر ہیں دروازہ کیوں نہیں کھولتے ہو تو تم کم از کم کھانا ہی بھیج دو۔ چنانچہ فرمایا: اِسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا اس گاؤں والوں سے ان دونوں حضرات نے مہمانی کے طور پر کھانا مانگا۔ بعض فرماتے ہیں کہ ان حضرات نے طعام مانگا نہیں تھا لیکن چونکہ بحیثیت مہمان کے تشریف لے گئے تھے۔ بنا بریں ان کا تشریف لانا بمنزلہ طعام مانگنے کے تھا۔

سوال: یہاں موسیٰ علیہ السلام نے طعام مانگا تو انہیں طعام نہ ملا اور شعیب علیہ السلام کی صاحبزادیوں سے بے مانگے طعام مل گیا۔ چنانچہ قرآن مجید میں ان کا واقعہ یوں لکھا ہے: ان ابی یدعوک لیجزیک اجر ما سقیت لنا (ہمارا باپ پانی بھرنے کی مزدوری دینے کے لئے آپ کو بلا رہا ہے۔ ان دونوں قصوں میں فرق کیوں؟

جواب: خضر علیہ السلام کی رفاقت میں موسیٰ علیہ السلام نے مخلوق پر سہارا کر کے طعام کا سوال کیا تو آپ کو طعام نہ دیا گیا تاکہ نصیحت ہو کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کے علم پر سہارا ضروری ہے اور یہاں شعیب علیہ السلام کے واقعہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے صرف اللہ تعالیٰ پر توکل کیا، مخلوق میں کسی کو درمیان میں واسطہ نہ بنایا بلکہ بارگاہِ حق میں تسلیم و رضا کے گھٹنے ٹیک دیئے؛ کما قال:

انی لما انزلت الی من خیر فقیر۔

حضرت حافظ نے فرمایا: ؎

فقر و خستہ بدرگاہت آمدم رحمے
کہ جز دعائے توام نیست ہیچ دست آویز

ترجمہ: فقیر و عاجز ہو کر تیری درگاہ میں رحم و کرم کی درخواست کرتا ہوں اس لئے کہ تیری بارگاہ میں سوائے عاجزی اور دست بدعا ہونے کے اور کوئی بہتر دستاویز نہیں ہے۔

نیز فرمایا: ؎

ما آبروئے فقر و قناعت نمی بریم
با پادشہ بگوی کہ روزی مقدر ست

ترجمہ: ہم فقر و قناعت کا دامن نہیں چھوڑ سکتے بادشہ کو کہہ دو کہ روزی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

ترکیب : (استطعما) محلاً مجرور ہے اس لئے کہ یہ قریۃ کی صفت ہے۔

سوال : یہاں پر ھُمْ ضمیر کا ہونا ضروری تھا اسے کالعدم کرکے (استطعما) کو قریۃ کی صفت بنانے کا کیا فائدہ ؟

جواب : اسی طرح سے بستی والوں کی زیادہ مذمت اور شناعت اور قباحت کا اظہار ہوگا کہ بستی والے چند ایک بدبخیل نہیں تھے بلکہ سارے کے سارے ایسے ہی تھے کہ طعام کھلانے میں قارون تھے۔

فَاَبَوْا اَنْ یُّضَیِّفُوْھُمَا ان سب نے موسٰے وخضر علیہما السلام کی مہمان نوازی سے انکار کر دیا۔

حل لغات : یہ ضَافَہٗ سے مشتق ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کے ہاں کوئی مہمان آئے اور ضیّفہ بمعنے انزلہ وجعلہ ضیفاً یعنے اس نے فلاں کی مہمانی کی ، یہ اس کا حقیقی معنے ہے پھر طعام کھلانے میں مجازاً عام مستعمل ہونے لگا۔ دراصل ضیافت بمعنے میلان ہے مثلاً کہا جاتا ہے ، ضاف بمعنے مال الیہ (وہ اس کی طرف مائل ہوا) ضاف السھم عن الغرض سے لیا گیا ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب تیر نشانہ پر نہ لگے۔

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت اسی بستی والے بہت بڑے بدبخیل تھے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

بزرگان مسافر بجان پرورند
که نام نکوئی بعالم برند
غریب آشنا باش و سیاح دوست
که سیاح جلاب نام نکوست
تبه گردد آن مملکت عن قریب
کزو خاطر آزرده گردد غریب
نکو دار ضعیف و مسافر عزیز
وز آسیب شان پُر حذر باش نیز

ترجمہ : (۱) بزرگ مسافروں کی دل سے خدمت کرتے ہیں کیونکہ وہ دنیا میں نیک نامی پھیلاتے ہیں۔

(۲) غریب الوطن کی پہچان پیدا کیجئے اور سیاح کا دوست اس لیے بن کہ سیاح دنیا میں نیک نامی کی مشہوری کرتا ہے۔

(۳) وہ شاہی عنقریب تباہ و برباد ہوگی جس سے مسافر دل شکستہ ہو جاتے ہیں۔

(۴) مہمان کا دل خوش کیجئے اور مسافر کو جان سے زیادہ پیارا رکھئے ان کے خطرات سے پرحذر رہئے۔

حکایت عجیب بروایت حدیث الحبیب صلے اللہ علیہ وسلم

مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو اس بستی انطاکیہ والے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں سونے کا ڈھیر لے کر حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ ہمارے ساتھ اسی آیت کا سودہ کیجئے وہ یہ کہ : فابوا ان یفیفوھما کے بجائے " فاتوا ان یفیفوھما " بار کی بجائے "تا" لکھ دیں صرف نیچے اوپر اور ایک نکتے کا فرق ہے تاکہ ہمارے ابا و اجداد سے بدبختی کا سیاہ داغ مٹ جائے۔ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے انکار فرما کر فرمایا کہ ایسی تبدیلی سے اللہ تعالےٰ پر جھوٹ کا الزام آئیگا اور اس کی الوہیت پر سیہ دھبہ لگانا نبوت کا کام نہیں۔
(کذا فی التفسیر الکبیر)

فَوَجَدَا فِيْهَا ۔ کاشفی نے لکھا کہ یہ دونوں رات کو شہر کے باہر بھوکے پیاسے رہ کر صبح کو دروازہ کھلتے ہی شہر میں تشریف لے گئے تو وہاں پایا ، جِدَارًا ۔ ایک دیوار کو جس کا ایک طرف جھکاؤ تھا اور گرنے والی تھی ۔ يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ ارادہ بمعنے نزوع النفس الی شیٔ مع حکمۃ فیہ بالفعل او عدمہ ۔ کسی شئے کے فعل و عدم فعل کے حکم کے لئے نفس کا رجوع اور اللہ تعالےٰ کے لئے ارادہ بمعنے حکم مستعمل ہوتا ہے ۔

سوال : دیوار ایک بے جان شے ہے اس کے ارادہ کا کیا معنےٰ ؟

جواب : اہل عرب کا دستور ہے کہ وہ مجازات کو بکثرت استعمال کرتے ہیں ۔ ارادۂ دیوار بھی اسی مجاز کے قبیل سے ہے یعنے ارادہ بمعنے قرب و دنی من السقوط ہے یعنے وہ دیوار گرنے کے قریب تھی شلاً اہل عرب کہتے ہیں : داری تنظر الی دار فلان میری دار فلان کی دار کو دیکھتی ہے ۔ اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ میرا مکان فلان کے مکان کے بالمقابل ہے ۔ اسی لئے الارشاد میں لکھا ہے :

یرید ان ینقض کا معنے یدانی ان یسقط ہے ۔

اس سے دیوار کے بہت جلد گرنے کے لئے مبالغہ کے ارادہ پر یرید استعمال کیا گیا ہے ۔ الانقضاض بمعنے الاسراع فی السقوط یعنے گرنے میں جلدی کرنا ۔ یہ انقض باب انفعال ہے مثلاً کہا جاتا ہے : قفضتہ فانقض ، یعنے میں نے اسے توڑا تو وہ ٹوٹ گیا ۔ اسی محاورہ سے ہے انقضاض الطیر والکواکب ، جب پرندے بہت جلد تر گرتے ہیں تو اس وقت ان کے لئے یہی الفاظ بولتے ہیں ۔ بعض اہل لغت نے کہا ہے کہ یہ اِنْقَضَّ سے ہے جیسے الاحمرار ، الحمرۃ سے ہے یہ گویا ان کے نزدیک یہ انفعال کا باب نہیں بلکہ افعلال کا باب ہے ۔

فَاَقَامَهٗ ط تو خضر علیہ السلام نے ہاتھوں کے اشارے سے اسے سیدھا کر دیا ۔ (کذا المروی عن النبی علیہ السلام) ۔

ف : اس دیوار کا طول آسمان کی طرف ایک سو گز تھا ۔

قَالَ چونکہ طعام کی انھیں شدید ضرورت تھی اسی لئے موسٰے علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے فرمایا۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ موسٰے علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے فرمایا کہ ہم ان کے ہاں آئے انھوں نے نہ بیٹھنے کی جگہ دی اور نہ ہی طعام کھلایا کتنے بے مروت ہیں لیکن آپ نے ان کی دیوار سیدھی فرمادی۔ یہ جزا اس شرط کی ہے جو کہ فرمایا۔

لَوْشِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ○ اگر آپ ان سے دیوار کے سیدھے کرنے پر کچھ پیسے لے لیتے تو ہم اس سے طعام خریدتے۔

حل لغات: اتخذت از اتخاذ افعال کا باب ہے ہمچوں اتبع یہ اخذ سے نہیں۔ یہی بصریوں کا مذہب ہے۔

راز و رموز کی باتیں موسٰے علیہ السلام نے جب خضر علیہ السلام سے فرمایا: لتغرق اھلھا۔ تو خضر علیہ السلام نے موسٰے علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ جب دریا میں تھے تو آپ غرق نہ ہوئے تو اب کشتی میں کیسے غرق ہو سکتے ہیں۔ پھر جب موسٰے علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے کہا: اقتلت نفسا زکیۃ بغیر نفس۔ تو خضر علیہ السلام کو آپ نے بھی ایک قبطی کو قتل کر دیا تھا اور وہ بھی بے چارہ بے گناہ تھا اور جب موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے فرمایا: لو شئت لتخذت علیہ اجرا۔ تو خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ اپنی بات بھول گئے جب کہ شعیب علیہ السلام کی صاحبزادیوں کو پانی بھر کر دیا تھا اور اس پر آپ نے کتنی مزدوری لی تھی۔ یہ عجیب اور لطیف باتیں راز و نیاز کی تھیں جو استاذ و شاگرد اور پیر و مرید کے درمیان ہوئیں۔

عجیب کہانی جناب قاسم نے کہا کہ جب موسٰے علیہ السلام کی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک کچے گوشت کی ہرنی موسٰے علیہ السلام کے قریب کھڑی کر دی گئی اور دوسری بھنی ہوئی ہرنی خضر علیہ السلام کے قریب کھڑی کر دی گئی حالانکہ بھوکے تو دونوں ہی تھے لیکن اس میں اشارہ تھا کہ خضر علیہ السلام طمع کے بغیر کام کر رہے ہیں تو جو طمع کے بغیر کام کرے اسے مقصد حاصل ہوتا ہے اور موسٰے علیہ السلام چونکہ خضر علیہ السلام کو طمع و لالچ کی بات بتا رہے تھے۔ اسی لئے انھیں کھانے کی چیز سے خالی رکھا گیا۔

مسئلہ روحانی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نیکی کے کام میں کسی قسم کا طمع ہو تو وہ عمل ضائع جاتا ہے جیسے موسٰے علیہ السلام کے حال ہوا کہ جب انھوں نے ذرا سا طمع سامنے رکھا تو حضرت خضر علیہ السلام سے جدائی ہوگئی۔

طمع و لالچ کی مذمت حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جب طمع و لالچ کسی دل پر اثر انداز ہو تو امور باطنہ کے دیکھنے سے وہ دل اندھا ہو جاتا ہے۔

سوال: موسٰے علیہ السلام نے خضر علیہ السلام کو دیوار سیدھی کرنے کی مزدوری کا مطالبہ کیوں کیا حالانکہ اس دیوار کو سیدھے کرنے پر موسٰے علیہ السلام نے کوئی کام نہیں کیا بلکہ صرف اشارہ فرمایا تو دیوار سیدھی ہوگئی اس پر انھیں کوئی تکلیف تو نہیں

ہوئی تھی؟

جواب: موسٰے علیہ السلام نے دیوار کے بنانے کے اسباب کی وجہ سے سوال نہیں کیا بلکہ آپ نے دیوار والوں کو دیوار سے فائدہ اٹھانے کی وجہ سے کہا اور ایسے طریق سے بھی اجرت کی طلب جائز ہے۔ ایک صحابی نے سورۃ فاتحہ پڑھ کر بچھو کے ڈسنے آدمی پردم کیا تو اسے آرام آگیا۔ اس سے اس صحابی نے اجرت مانگی۔ اس طرح کے اور واقعات بھی احادیث میں موجود ہیں[1]

سوال: تم کہتے ہو کہ انبیاء علیہم السلام دعوت و ارشاد پر مزدوری اور اجر طلب نہیں کرتے لیکن یہاں موسٰے علیہ السلام نے مزدوری مانگ لی؟

جواب: یہ طلب اجرت دعوت و ارشاد کی وجہ سے نہیں تھی جیسا کہ قصہ کا قرینہ خود بتاتا ہے۔

قَالَ، خضر علیہ السلام نے فرمایا: هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ "یہی میرے اور تمہارے درمیان جدائی کا وقت ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کا یہ تیسرا اعتراض اس جدائی کا سبب بنا۔ اس کے بعد موسٰے علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے وعدہ کیا۔

(فلا تصاحبنی) بین کی طرف فراق کی اضافت، اضافۃ المصدر الی الظرف کے قبیل سے ہے اور یہ ظرف میں اتساع کی وجہ سے جائز ہے۔

سَأُنَبِّئُكَ ابھی میں آپ کو خبر دوں گا۔ یہ "سین" تراخی کا نہیں بلکہ تاکید کا ہے اس لئے کہ اس کے بعد خضر علیہ السلام نے فوراً بلا تاخیر تمام باتیں بتا دیں۔ بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ۝ انجام ان امور کا جن میں آپ صبر نہ کر سکے۔

حل لغات التاویل یرجع الشی الی مالہ۔ شے کا اپنے مال کی طرف لوٹنے کا نام تاویل ہے یہاں پر صرف مآل و عاقبت مراد ہے۔ اس لئے کہ یہاں مصدری معنٰے نہیں بن سکتا۔ اور ان امور کا انجام یہ تھا:

(۱) کشتی ظالموں سے بچ جائے گی۔
(۲) نوجوان کو قتل کیا گیا تاکہ اس کے والدین اس کے شر سے محفوظ ہو جائیں۔
(۳) دیوار کو سیدھا کرنے سے یتامیٰ اپنے خزانے کو پا لیں گے۔

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کاش! حضرت موسٰے علیہ السلام صبر فرماتے تو خضر علیہ السلام کی باتیں ہمیں بتائی جاتیں۔ یاد رہے کہ اس بتانے سے مراد قرآن میں نزول وحی سے مندرج ہو جائیں۔ ورنہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] : غیر مقلدین، نجدی ایسے دم درود کو شرک کہتے ہیں۔ افسوس کہ ایک طرف احادیث پر عمل کرنے کے مدعی ہیں تو دوسری طرف منکر ہیں منکرین الحدیث کا گروہ ان کی اس غلط پالیسی سے پیدا ہوا۔ ۱۲ (اویسی غفرلہٗ)

کو وحی خفی کے ذریعے بتائی گئیں تھیں تو ہم نے ان کی اوپر تفسیر لکھی ہے۔ اگر حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو علم نہ ہوتا تو ہمیں کیسے معلوم ہوتیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ شیخ اپنے مرید سے یا استاذ اپنے شاگرد سے غلطی محسوس کرے تو اسے جلدی سے اپنے آپ سے جدا نہ کرے جب تک کہ اس سے تین بار غلطی نہ ہو۔ اس کی دوبار کی غلطیوں سے چشم پوشی کرے۔ تیسری بار جب اسے غلطی میں معذور پائے تو اسے خضر علیہ السلام کی طرح کہہ دے: ھٰذا فراق بینی و بینک۔ نیز پیرومرشد اپنے مرید سے اور استاذ اپنے شاگرد سے جدائی کے وقت پہلے ان اعتراضات کے جوابات دے (جن امور سے جدائی ہو رہی ہے) اس کی علت اور موجب بتائے تاکہ مرید اور شاگرد کے دل میں شکوک و شبہات نہ رہیں جن کی وجہ سے اس کا خاتمہ برباد جائے (معاذ اللہ)

استاذ کی بد دُعا فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ کسی بزرگ سے پوچھا گیا کہ استاذ کے نالائق شاگرد کا انجام کیسے برباد ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس نامراد کو کہو کہ تو اللہ تعالےٰ کی عین عنایت سے محروم ہوگیا۔ چنانچہ اس کے بعد اسے ہیجڑوں میں دیکھا گیا پھر اس نے چوری کی تو اس کا ہاتھ کاٹا گیا۔

استاذ[1] کی شفقت کا نتیجہ جیسے استاذ کی بد دعا سے انجام بد ہوتا ہے ایسے ہی اس کی شفقت سے بیڑا پار ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابو سلیمان دارانی قدس سرہٗ نے اپنے شاگرد سے فرمایا کہ اپنے آپ کو جلتے ہوئے

---

[1] : فقیر نے اس موضوع پر ایک مستقل تصنیف لکھی ہے۔ بعنوانِ "البحث اللذیذ فی حقوق الاستاذ علی التلمیذ" چند امور اس مقام پر عرض کئے دیتا ہوں ممکن ہے کہ کسی بندۂ خدا کو اس سے فائدہ نصیب ہو۔ ورنہ عموماً آج کل شاگرد اپنے اساتذہ کو اپنے عام دوست جیسا بھی تصور نہیں کرتے۔ مجھے ایک صاحب کے قول پر تعجب ہوا جسے ہم نے اسے اس کے استاذ صاحب کی تعظیم و تکریم کی تلقین کی تو کہا کہ دورِ حاضر میں ہمیں عزتِ نفس ضروری ہے۔ اگر ہم اساتذہ کی عوام کے سامنے تعظیم کرتے ہیں تو ہماری عزت عوام کی نظروں میں گر جاتی ہے۔ میں نے اسے عرض کیا کہ آپ نے بے غوری میں فرمایا ہے کیونکہ یہی عزت جس کے صدقے ملی ہے اگر اب بھی ان پر اسی عزت کو قربان کر دیں تو دارین میں کئی گنا اور عزت نصیب ملے گی اگر آپ اسی نظریہ پر مر گئے تو جہنم ہوگی اور یہی عزت ذلت سے بدل جائے گی۔

ذیل کا مضمون علیحدہ مختصر طور پر پمفلٹ میں چھاپ دیا جائے تو بھی۔

استاذ کے حقوق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم

تنور میں ڈال دیجئے۔ چنانچہ شاگرد نے فوراً آگ میں چھلانگ لگادی تو وہ آگ کا تنور اس پر باغ بہار بن گیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

امابعد، آج اساتذہ کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا حالانکہ اہلِ علم کو یہ عزت ان کے صدقے ملی ہے۔ اس کا حق ادا کرنا ضروری اور لازمی ہے۔ فقیر احادیث مبارکہ سے چند باتیں عرض کرتا ہے۔

فرمانِ رسالت [۱]: (۱) ابوداؤد میں مروی ہے کہ حضور سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بوڑھے مسلمان اور عالم، حافظ قرآن، بادشاہِ عادل اور استاذ کی عزت و احترام تعظیم خداوندی میں داخل ہے۔

(۲) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار ہیں۔ ایک بار زید بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہ گھوڑے پر سوار مدینہ منورہ جا رہے تھے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ رکاب پکڑے ساتھ ساتھ جارہے تھے۔ دریافت کیا گیا کہ آپ ایسا برتاؤ کیوں کر رہے ہیں۔ فرمایا:

هٰكذا اُمِرْنَا

فرمانِ مُرتضوی رض: حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ منقول ہے:

من علمنی حرفا فهو مولای۔ جس نے مجھے علم دین کا ایک حرف سکھایا میں اس کا غلام اور وہ میرا آقا ہے چاہے مجھے بیچ دے یا اپنے پاس رکھے خواہ آزاد کرے۔

قرآن اور حدیث کے سیکھنے کا نام "علم دین" ہے۔ دنیوی فن اپنی جگہ کتنا ضروری ہے وہ بہر حال روزی کمانے کا دھندا ہے۔ پیشہ ور کاری گر، انجینئر، ملازم اور عہدہ دار اپنے کسب اور فرائض کی ادائیگی کرکے روزی کماتا ہے۔ یہ سب کام موت کے ساتھ ختم ہوجاتے ہیں۔ قبر سے آگے کوئی چیز سوائے علم دین کے نہیں جاتی۔ علم دین ہی ایک ایسی چیز ہے جو قبر، حشر اور جنت میں ہمیشہ ساتھ رہے گا۔

اعلٰی دولت علمِ دین یا دنیوی مراتب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ دولت کا مقام بلند ہے یا علمِ دین کا؟ آپ نے فرمایا کہ علم دین کے مقابل دولت کوئی چیز نہیں۔

۵ (۱) جس کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہو۔ اس کے دشمن بہت زیادہ ہوتے ہیں جتنی دولت بڑھے گی اتنے ہی دشمن بڑھیں گے لیکن جس کے پاس جتنا زیادہ علم دین ہوگا اس کے دوست بھی اسی قدر کثرت سے ہوں گے۔

(۲) دولت کی حفاظت دولت مند کو خود کرنی پڑتی ہے لیکن علم دین "اہل علم" کا محافظ ہوتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مثنوی شریف میں ہے: ؎

جرعہ بر خاک وفا آن کس کہ ریخت
کے تواند صید دولت زو گریخت

جس نے وفا کا دامن تھام لیا اس سے دولت کا شکار کہیں نہیں بھاگ سکے گا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

۳ دولت خرچ کرنے سے گھٹتی ہے علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے جتنا زیادہ بڑھاؤ گے اتنا ہی اس میں اضافہ ہوگا۔

۴ دولت کا ہونا فخر کی بات نہیں کہ یہ فرعون و نمرود کی میراث ہے اور علم حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی وراثت ہے۔

۵ دولت عام طور پر انسان میں بغاوت اور سرکشی پیدا کرتی ہے اور علم دین انکساری اور تواضع سکھاتا ہے۔

۶ علم دین کو صحیح طریقہ سے استعمال کیا جائے تو بادشاہوں کے سر اہل علم کی چوکھٹ پر جھکتے ہیں ہم نے ہزاروں بادشاہوں اور بے شمار امیروں کو اہل علم کے سامنے جھکتے دیکھا۔ سردست ایک واقعہ پڑھئیے:

سلیمان بن عبدالملک، عطاء بن رباح کے حضور مورخین جانتے ہیں کہ سلیمان بن عبدالملک کیسا بارعب بادشاہ تھا اس کی سلطنت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی اوہ اپنے شاہزادگان کے ہمراہ حج پر گئے چونکہ حج کے مناسک سیکھنا اور ان کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔ انھوں نے کسی عالم دین کو اپنے پاس نہیں بلایا بلکہ شاہزادگان سمیت اس وقت کے جلیل القدر عالم عطاء ابن ابی رباح کی خدمت میں گئے۔ یہ سیاہ فام حبشی غلام تھے لیکن علمی مرتبہ کے لحاظ سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالےٰ کے استاد ہیں۔ جب بادشاہ ان کی قیام گاہ پر پہنچا تو وہ اشراق کی نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ کی نماز کافی لمبی تھی۔ خشوع وخضوع کے ساتھ نماز ادا کرکے فارغ ہوئے تو بادشاہ کی آمد کی خبر ہوئی لیکن کوئی خاص توجہ نہ کی۔ سلیمان نے خود مسائل دریافت کئے جن کے جوابات ملنے پر خود جانے لگا تو شاہزادوں کو ہدایت کی کہ تم ٹھہرو اور ادب واخلاق کی تعلیم اس عالم دین سے حاصل کرو۔ ہمراہیوں میں سے کسی نے بادشاہ سے دریافت کیا انھوں نے آپ کی طرف توجہ تو نہیں دی آپ شاہزادوں کو چھوڑے جا رہے ہیں تو جواب دیا کہ اس حبشی غلام نے میرے ساتھ جو سلوک کیا اس سے مجھ کو بادشاہی کے مقابل میں عالم دین کی حیثیت کا علم ہوگیا۔

مظہر جانجاناں قدس سرہٗ کے حضور میں شاہ عالم کی حاضری: حضرت مظہر جان جاناں سلسلہ نقشبندیہ کے کبار اولیاء

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تفسیر عالمانہ اَمَّا السَّفِیۡنَۃُ وہ کشتی کہ جسے ہم نے پھیر دیا تھا۔ فَکَانَتۡ لِمَسٰکِیۡنَ وہ چند ایسے کمزور مسکینوں کی تھی جو اسے بزور بازو ظالموں سے محفوظ نہ رکھ سکتے تھے اور ان کی وجہ معاش یہی کشتی تھی۔ وہ دس بھائی تھے ان میں پانچ تو لُنجے لنگڑے تھے۔ یَعۡمَلُوۡنَ فِی الۡبَحۡرِ مزدوری کے طور پر دریا میں کشتی چلا کر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

میں سے ہیں۔ شاہی خاندان سے تعلق کی بنا پر انتہائی نازک مزاج تھے۔ ایک بار شاہ عالم بادشاہ ان کے ہاں ملنے کے لئے آئے دوران ملاقات بادشاہ کو پیاس لگی وہاں ایک صراحی رکھی تھی جس پر کٹورہ تھا۔ آپ نے بادشاہ کو فرمایا کہ صراحی رکھی پانی پی لیں۔ بادشاہ نے پانی پی کر کٹورہ رکھ دیا لیکن وہ کچھ ٹیڑھا رکھا گیا۔ مظہر جان جاناں نے فرمایا کہ سر میں درد پڑ گیا کہ کٹورہ رکھنے کی بھی تمیز نہیں بادشاہی کیا کرو گے۔

یہ واقعات، علم و دولت کا فرق بتاتے ہیں کہ انسان علمی دولت کے حصول میں سر کی بازی لگا دے اگرچہ دنیا میں کوئی ظاہری عزت حاصل نہ بھی ہو تب بھی آخرت کی عزت اور اجر و ثواب سے مایوسی نہ ہونی چاہیے۔ لیکن یہ فوائد و خصائل و کمالات اس وقت نصیب ہوں گے جب استاذ کے متعلق عزت و احترام دل شاد ہو ورنہ بربادی و تباہی کے سوا کچھ حاصل نہیں۔

باپ اور استاد سکندر اعظم سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ استاد کو باپ پر کیوں ترجیح دیتے ہیں جواب دیا کہ میرا باپ تو مجھے آسمان سے زمین پر لایا اور میرا استاد "ارسطو" مجھے زمین سے آسمان پر لے گیا نیز باپ سبب حیات فانی ہے اور استاذ موجب حیات جاودانی ہے۔

استاد کی عظمت حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالےٰ نے جب حضرت امام مالک رحمہ اللہ کی خدمت میں زانوئے تلمذ تہہ کئے۔ جب کتاب کا ورق پلٹنے کی نوبت آتی تو اس قدر احتیاط کرتے کہ آواز پیدا نہ ہو مبادا استاد کو تکلیف پہنچے۔

امام اعظم اور حماد حماد ابن سلیمان جو حضرت ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالےٰ کے استاد ہیں۔ ان کی بیوی کا بیان ہے کہ حضرت ابو حنیفہؒ تیس برس تک ہمارے گھر کا سودا لاتے رہے ہم نے اس خیال سے روکا کہ اتنے بڑے امام سے معمولی کام کیوں لیں۔ جواب میں کہا کہ یہ تو میری خوش قسمتی ہے اسے کیوں چھوڑوں۔

سرتاج نقشبند حضرت مظہر جان جاناں سلسلہ نقشبندیہ کے کبار اولیاء میں سے ہیں۔ آپ نے مولانا حاجی محمد افضل سے علم دین پڑھ کر سند حدیث حاصل کی۔

فرماتے ہیں بوقت رخصت مجھے استاد صاحب نے پگڑی کے نیچے کی ٹوپی عنایت فرمائی۔ پندرہ سال تک میں نے اُسے پگڑی کے نیچے رکھا۔ پھر اس کے بعد دھونے کا خیال آیا تو رات کے وقت گرم پانی میں بھگو رکھا۔ صبح اس کو رگڑ کر اور مل کر صاف

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

کسب معاش کرتے۔

عمل کا اسناد کل کی طرف یا تو تغلیباً ہے یا وکیل کا کام مؤکل کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ بنا بریں اگرچہ کام بعض کرتے ہیں لیکن فعل کی نسبت کل کی طرف کی گئی ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

کیا اور پانی کو ضائع نہ ہونے دیا اس کا رنگ املاس سے مشابہہ تھا، وہ پانی میں نے ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے پی لیا۔ جس کی برکت سے علم کے بے شمار دروازے میرے اوپر کھل گئے۔

استاذ کی معمولی بے ادبی تباہی کا موجب ہے صاحب ہدایہ کے استاذ حضرت شمس الائمہ حلوائی رحمہ اللہ تعالیٰ ایک بار اپنے شہر سے دوسرے شہر کو جانے لگے تو سب لوگ حاضر ہوئے! امام زنجری رحمہ اللہ نہیں آئے۔ اپنی بوڑھی ماں کی خدمت کر رہے تھے۔ اس لئے استاد کی زیارت سے محروم رہے جب اس کے بعد ملاقات ہوئی تو استاذ نے شکایت کی۔ امام زنجری نے اپنا عذر پیش کیا۔ حضرت حلوائیؒ نے فرمایا کہ ماں کی خدمت کو استاد کی ملاقات پر ترجیح دی۔ اس لئے تمھاری عمر بڑھے گی لیکن علم دین کی درس و تدریس نہ کر سکو گے۔ تعلیم المتعلم میں ہے کہ جیساکہ استاد نے کہا تھا ویسے ہی ہوا۔ علم سینے میں ہی قبر میں لے گئے لیکن کسی کو فائدہ نہ پہنچا سکے۔

استاذ کے لڑکے کی تعظیم ایک بزرگ اپنے حلقۂ درس میں درس دے رہے تھے کہ خلاف معمول آپ اثنارِ درس میں کئی بار کھڑے ہوئے اور بیٹھتے رہے۔ اختتام درس پر اس کا سبب دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ میرے استاد کا صاحبزادہ گلی میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا ہے کھیلتے کھیلتے جب وہ مسجد کے دروازے کے سامنے آجاتا ہے تو اس کی تعظیم میں کھڑا ہو جاتا ہوں۔ اس سے ثابت ہوا کہ استاد کی عزت میں اس کی اولاد کی توقیر بھی شامل ہے۔

استاد کی خدمت کی برکت رئیس الائمہ قاضی فخر الدین کے علوم مرتبت کا کیا کہنا، شاہ وقت بھی ان کا بے حد احترام کرتا تھا۔ انھوں نے اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ میرا منصب جلیلہ صرف استاد کی خدمت کا مرہون منت ہے۔ علاوہ اور خدمات کے تیس (۳۰) برس تک میں اپنے استاد ابو زید دبوسی کا کھانا پکایا کرتا تھا اور بپاس ادب اس میں کبھی خود نہ کھایا تھا۔

شہزادے استاذ کے قدموں پر خلیفہ ہارون الرشید نے اپنے لڑکے مامون کو علم و ادب کی تعلیم کے لئے امام اصمعی کے سپرد کر دیا تھا ایک دن ہارون الرشید درس گاہ میں جا پہنچے دیکھا کہ امام اصمعی اپنے پاؤں دھو رہے ہیں اور شاہزادگان پاؤں پر پانی ڈال رہے ہیں۔ ہارون نے امام سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

مسئلہ: شریعت میں فقیر ہر شخص کو کہا جاتا ہے جس کے پاس مال تو ہو لیکن نصاب زکوٰۃ کی مقدار سے کم ہو۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)
نے شہزادے کو آپ کے پاس اس لئے بھیجا تھا کہ اسے ادب سکھائیں۔ آپ نے شہزادے کو یہ حکم کیوں نہیں دیا کہ ایک ہاتھ سے آپ کے پاؤں دھوئے اور دوسرے سے پانی ڈالے۔

استاد کے حضور میں امام ربیع فرماتے ہیں کہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالےٰ کی نظر کے سامنے مجھ کو کبھی پانی پینے کی جرأت نہ ہوئی۔

اساتذہ کو ہدایات

خلاصہ: (۱) استاذ کا مقام ہر اعتبار سے عزت اور قدر و منزلت کا مستحق ہے استاذ کے اوصاف و اطوار ایسے ہونے چاہئیں کہ وہ نیکی اور پرہیزگاری کا مکمل و مجسم نمونہ ہو اور اس کی زیارت ہی سے تعلیم کے مقدس فیض کا عکس شاگرد کے دل میں کھنچ جائے۔

(۲) جو استاذ اخلاقی برائیوں کو حسن اخلاق کے ذریعے رفع کرنے کی قابلیت نہیں رکھتا وہ استاذ کہلانے کا مستحق نہیں۔ استاذ کا کام ذہن کو ترقی دینا اور نیک عادات کا پیدا کرنا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ علم کے سمندر میں تیرنے والے بچوں کو کشتی نہ بناؤ کہ وہ تمہارے دھکیلنے سے ہی چلیں۔ بلکہ انھیں اپنی ذاتی صلاحیت سے تیرنا سکھاؤ۔

(۳) شاگرد کا فرض ہے کہ انتہائی انکسار اور تواضع اختیار کرے اور اپنی اطاعت شعاری اور خدمت گذاری سے استاد کی سختی کو بھی نرمی میں بدل دے تاکہ استاد سے فیض حاصل کر سکے۔

استاذ کی ناز برداری ابن عیینہ رحمہ اللہ تعالےٰ سخت مزاج تھے۔ کسی نے کہا کہ طالب علم دُور دُور سے آپ کے پاس آتے ہیں اور آپ ان سے خفا ہوتے ہیں کہیں وہ آپ کو چھوڑ کر چل نہ دیں۔ آپ نے جواب دیا کہ وہ تمہاری طرح احمق ہوں گے کہ وہ میری سخت روی کی وجہ سے اپنا فائدہ ترک کر دیں۔

شاگردوں کو ہدایات (۱) امام ابویوسفؒ کا قول ہے کہ استاد کا احترام یہ ہے کہ اگر وہ کوئی نکتہ بیان کرے اور وہ شاگرد کو معلوم ہو تو استاد پر یہ ظاہر نہ ہونے دیں کہ ہمیں پہلے اس کا علم ہے۔

(۲) بزرگوں کا فرمان ہے کہ استاد کے پہلو بہ پہلو نہ بیٹھنا چاہیئے۔ اگر وہ فرمائیں تب بھی احتراز کرے ہاں اگر اس کے خلاف ان کو دل پر صدمہ پہنچتا ہے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ "الامر فوق الادب"

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ)

مسئلہ : دوسو درہم یا اس کی قیمت کے مطابق مال کو نصاب زکوٰۃ کہتے ہیں ۔
مسئلہ : دوسو درہم یا اس کی قیمت حاجت اصلیہ سے زاید ہو ۔
مسئلہ : دوسو درہم یا اس کی قیمت کا مال نامی ہو یا نہ ۔
مسئلہ : مسکین وہ ہے جس کا کچھ بھی نہ ہو ۔

یہی امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے اور شوافع فقیر و مسکین کی تعریف برعکس مانتے ہیں ۔

مسئلہ : قاضی نے کہا کہ آیت سے ثابت ہوا ہے کہ مسکین وہ ہے کہ جس کے پاس کچھ مال ہو اگرچہ اس کی معاش کو غیر مکتفی ہو اسی لئے یہ 'لام' تملیک پر محمول ہوگی ۔

ف : مولانا سعدی مفتی نے فرمایا کہ 'لام' تملیک کی اس وقت مانی جائے جب ثابت ہو جاتے کہ وہ کشتی ان کی اپنی تھی ۔ لیکن اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ ضروری نہیں کہ 'لام' تملیک ہو بلکہ ممکن ہے یہ تخصیص کی ہو اور وہ اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ وہ کشتی بطور عاریۃً یا اُجرت پر لے کر کام کر رہے تھے ۔ اسی مناسبت سے کشتی کو ان کی طرف منسوب کیا گیا ہے ۔ چنانچہ بعض روایات میں بھی اسی طرح وارد ہوا ہے ۔

ف : عاریۃً یا مزدوری کے مفہوم کی صاحب کفایہ نے شرح ہدایہ میں تصریح فرمائی ہے ۔ نیز یہ بھی ہے کہ یہاں پر فقراء کے بجائے مساکین کہنے میں اشارہ ہو کہ وہ بادشاہ ظالم کی دستبرد سے کشتی کو بچانے کی طاقت نہیں رکھتے تھے ۔ علاوہ ازیں ان میں چند لُنجے لنگڑے بھی تھے اور مسکین عرف عام میں ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو کسی وجہ سے ذلت و خواری کا شکار ہو خواہ اس کے پاس مال ہو یا نہ ۔ اس معنے پر فقہی مسکین اور ہوگا اور عرف عام کے اعتبار سے اور ۔ یہاں پر وہی عرف عام والا مسکین مراد ہے نہ کہ عرف خاص یعنے فقیہانہ مسکین (یہ تحقیق صرف شوافع کے مفہوم کے ردّ میں لکھی گئی ہے جب کہ ان کے مسکین کے معنے کی تائید اسی آیت سے ہوتی تھی ۔ ہم نے اوپر اس کے متعلق تفصیل عرض کر دی ہے ۔

فَاَرَدْتُّ میں نے اللہ تعالٰی کے ارادہ و مشیت اور اس کے حکم سے ارادہ کیا ۔ اَنْ اَعِیْبَهَا کہ اسے عیب دار کر ڈالوں ۔ وَكَانَ وَرَآءَهُمْ حالانکہ ان کے آگے تھا ۔ یہاں پر وراء بمعنے امام بمعنے آگے کے لیا گیا ہے ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

بہر حال استاد کا ادب و احترام ہر لحاظ سے لازم ہے اور جتنا جلیل القدر مشائخ عظام اور علماء کرام گذرے ہیں سب نے علوم و مرتبت اور فیوض و برکات اساتذہ کی خدمات اور ان کی کفش برداری کے طفیل حاصل کئے ہیں ۔

استاذ اور ماں باپ اور پیر و مرشد کا بے ادب اور انھیں رنجیدہ کرنے والا کبھی سرفرازی نہ پائے گا اگرچہ دنیا میں کسی طریقے سے بچ گیا تو آخرت میں ذلیل و خوار ہوگا ۔

جیسے دوسرے مقام پر اللہ تعالےٰ نے فرمایا :

وَمِنْ وَّرَاۗىِٕهٖ بَرْزَخٌ

یہاں پر بھی وراء بمعنے آگے ہے۔ یہ لفظ فوق کی طرح ذو اضداد سے ہے یعنے جیسے فوق میں اوپر نیچے ہر دونوں ہوتے ہیں ایسے ہی وراء میں ہر دونوں آگے پیچھے کے معانی پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ سورہ قصص میں اس پر مزید بحث آئے گی (انشاء اللہ)۔

مَّلِكٌ بادشاہ کا نام جلندی ابن کرکر تھا وہ شہر قرطبہ کے جزیرۂ اندلس رہتا تھا۔ دریائی فسادات ڈالنے والا یہی پہلا شخص تھا جیسے زمین پر پہلا فساد ہابیل کو قابیل کا قتل ہے۔ (کذا ذکرہ ابو اللیث فی تفسیرہ تحت آیت ظہر الفساد)۔

يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ وہ ہر صحیح وسالم اور اچھی کشتی کو چھین لیتا تھا۔ یہ ایجاز الحذف کے قبیل سے ہے۔

غَصْبًا ۝ یعنے کشتی والوں سے جبراً کشتیاں چھین لیتا تھا۔ اس کا منصوب ہونا یا تو علے المصدریت (مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے) ہے جو کہ کشتی چھیننے کی نوعیت کو بیان کرتا ہے یا علی الحالیۃ غصبا بمعنے غاصبا ہے۔ "الغصب اخذ الشیء ظلما وقہراً"، یعنے ظلم وقہر کے طور پر کسی سے کوئی شے لینے کو عربی میں "غصب" کہتے ہیں اور شئے مغصوب کو بھی غصب کہا جاتا ہے۔

ف : یعنے خضر علیہ السلام نے کشتی کو غصب کے خوف سے عیب دار فرمایا۔

نکتہ : وجہ بتانے کی تاخیر مہتم بالشان ہونے کے لحاظ سے ہے اور باقی وجوہ سے اسے مقدم کرنے کی وجہ ظاہر ہے کہ خضر وموسےٰ علیہما السلام کو سب سے پہلے یہی واقعہ پیش آیا اور انھوں نے بھی سوال اسی کے متعلق فرمایا کہ اخرقتہا لتغرق اهلها۔ اب اس کی وجہ بتائی کہ ہم نے کشتی کو عیب دار کشتی والوں کو غرق کرنے کے لئے نہیں کیا بلکہ اس لئے کہ وہ ظالموں کی دستبرد سے بچ جائے۔ چنانچہ مروی ہے کہ خضر علیہ السلام نے کشتی کا تختہ اکھاڑنے کے بعد کشتی والوں کو بتایا کہ تمھارے آگے ایک ظالم بادشاہ ہے جو جبراً کشتیاں چھین لیتا ہے لیکن جو کشتی عیب دار ہوگی اسے نہیں چھینے گا۔ میں نے تمھاری کشتی کو اسی لئے عیب دار بنایا ہے تاکہ ظالم بادشاہ تم سے کشتی نہ چھین سکے۔

ف : قصص الانبیاء میں ہے کہ کشتی تھوڑی دیر آگے کو چلی تو بادشاہ کے کارندے آگئے اور کہا کہ بادشاہ نے کشتی لانے کا حکم فرمایا ہے بشرطیکہ اس میں عیب نہ ہو۔ یہ کہہ کر کشتی کی دیکھ بھال کو لگ گئے کشتی تو عیب دار تھی ہی، چنانچہ کشتی کا عیب دیکھ کر کشتی والوں کو چھوڑ کر چلے گئے جب دور نکل گئے تو خضر علیہ السلام نے اکھڑے ہوئے تختے کو اپنی جگہ پر چسپاں کردیا جس سے کشتی بدستور صحیح سالم ہوگئی۔

مثنوی شریف میں ہے :

گر خضر در بحر کشتی را شکست
صد درستی در شکست خضر ہست

ترجمہ: اگر خضر علیہ السلام نے دریا میں کشتی توچیرا تھا تو ہزاروں فائدے اس کے اندر مضر تھے۔ ظاہراً تخریب تھی تو باطناً تعمیر مطلوب تھی۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

(۱) آن یکے آمد زمین را می شگافت
ابلہی فریاد کرد و بر نتافت

(۲) کیں زمین را از چہ ویران می کنی
می شگافی و پریشان می کنی

(۳) گفت اے ابلہ برو برمن مران
تو عمارت از خرابی باز دان

(۴) کی شود گلزار و گندم زار ایں
تا نگردد زشت و ویران ایں زمین

(۵) کی شود بستان و کشت و برگ بر
تا نگردد نظم او زیر و زبر

(۶) تا نشگافی بنشتر ریش چغز
کی شود نیکو و کی گردید نغز

(۷) تا نشوزد خلطہایت از دوا
کی رود شورش کجا آید شفا

(۸) پارہ پارہ کرد درزی جامہ را
کس زند آن درزی علامہ را

(۹) کہ چرا ایں اطلس بگزیدہ را!
بر دریدی چہ کنم بدریدہ را

(۱۰) ہر بنای کہنہ کآبادان کنند
نے کہ اول کہنہ را ویران کنند

(۱۱) ہمچنین نجار و حداد و قصاب
ہستشان پیش از عمارتہا خراب

(۱۲) آن ہلیلہ وان بلیلہ کوفتن
زان تلف کردند معموریٔ تن

(۱۳) تا نکوبی گندم اندر آسیا!
کی شود آراستہ زان خوان ما

ترجمہ: (۱) ایک شخص زمین کو چیرتا یعنے ہل چلا رہا تھا۔ ایک بے وقوف نے شور مچایا کہ زمین کو خراب کر رہے ہو۔

(۲) زمین کو کیوں ویران کرتا ہے اسے چیر کر برباد کر رہا ہے۔

(۳) اس نے کہا، اے بے وقوف! چل تجھے کیا خبر کہ میں اس زمین کو آباد کر رہا ہوں، تجھے تعمیر و تخریب کی تمیز نہیں۔

(۴) اگر میں ایسا نہ کروں تو اس سے باغات اور گندم کیسے پیدا ہوگی اگر ایسا نہ کروں تو الٹا زمین خراب اور ویران ہو جائے گی۔

(۵) اگر ایسا نہ کروں تو اس سے پھول، کھیتیاں، سبزیاں کہاں سے آئیں گی۔ اگر ایسا نہ ہو تو زمین کا نظم و نسق برباد ہو جائے گا۔

(۶) اگر انگور کا ریشہ نہ کاٹا جائے تو وہ خود بھی اچھا نہ ہوگا اور نہ ہی اس سے میوے پیدا ہوں گے۔

(۷) اگر تیری فاسد خلطیں دور سے باہر نہ پھینکی جائیں تو تیری طبیعت کی شورش نہ جائے گی اور شفایاب نہ ہوگا۔

(۸) درزی نے کپڑے کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جسے مالک نے ٹوکا کہ اس کا نقصان کیوں کر دیا۔

(۹) کہ تو نے اطلس جیسے قیمتی کپڑے کو کاٹ ڈالا۔ اب میں اس کٹے ہوئے کپڑے کو کیا کروں۔

(۱۰) جو کوئی ویران زمین کو آباد کرتا ہے تو وہ پہلے اسے ویران کرتا ہے۔

(۱۱) ایسے ہی ترکھان، لوہار اور قصاب کا حال ہے کہ وہ پہلے اپنے معاملات میں ویرانی کرتے ہیں۔

(۱۲) ہلیلہ و بلیلہ کو کوٹا جاتا ہے تو پھر بدن کی تعمیر ہوتی ہے۔

(۱۳) جب تک گندم کو چکی میں پیسا نہیں جاتا اس وقت تک وہ روٹی ہمارے دستر خوان کی زینت نہیں بن سکتی۔

نسخہ روحانی: وجودِ مجازی کی فنا وجودِ حقیقی کے حصول کا سبب ہے جب تک بشریت اور اس کے اوصاف باقی ہوں اس وقت تک اخلاق الٰہیہ کا ظہور نہیں ہوتا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں چند اشارات ہیں:
① کشتی کا چیرنا اور اسے عیب دار کرنا اس غرض پر کہ اسے ظالم نہ لے جائے۔ اگرچہ بظاہر شرعاً ناجائز ہے لیکن اندرونی طور پر اس میں کشتی والوں کا فائدہ تھا۔ اسی لئے شرع کے باطنی امور کے اعتبار سے جائز ہو گیا اور ایسے ہی امور شرعاً بھی جائز ہوتے ہیں جب مجتہد کو معلوم ہو کہ اس کے ظاہر پر عمل کرنے سے باطناً بہت بڑا فساد ہو گا جب یہ حقیقت کے مطابق ہو چنانچہ خضر علیہ السلام نے اس کی وجہ خود بتائی: وکان وراءھم۔ الآیۃ۔

② جب اللہ عام مسکین بندوں پر ایسی نظر عنایت رکھتا ہے کہ ان کی بے خبری میں دشمنوں ظالموں کا حملہ ہوتا تھا لیکن انہیں اپنے فضل و کرم سے بچا لیا تو پھر اپنے انبیاء علیہم السلام پر اس کی کتنی عنایات بے نہایات ہوں گی۔ اور ان سے کتنی بلائیں اور مضرتیں دفع فرماتا ہو گا۔

③ بظاہر کبھی سالکین یعنی غیر انبیاء کی مصلحت کو انبیاء علیہم السلام کی مصلحت کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اگرچہ در حقیقت باطناً اس میں بھی انبیاء علیہم السلام کی مصلحت کو ترجیح ہوتی ہے مثلاً موسیٰ علیہ السلام کی مصلحت کو کشتی والوں کی مصلحت پر ترجیح دی گئی جو بظاہر موسیٰ علیہ السلام کی خضر علیہ السلام سے جدائی کا موجب بنا اور جدائی رسالت و نبوت کے امور کی سرانجامی کا سبب بنا کہ وہ یہاں سے جدا ہو کر بنی اسرائیل کی تربیت میں لگ گئے اور یہی بات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں افضل و اولیٰ تھی بہ نسبت اس کے کہ آپ خضر علیہ السلام کی صحبت میں رہتے۔

فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ اس میں ایک اور اشارۂ لطیف ہے وہ یہ کہ کشتی والوں نے خضر و موسیٰ علیہما السلام کو عزت کی نگاہ سے دیکھا اور ان کی تعظیم و تکریم میں ان سے کرایہ بھی نہ لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے عوض میں انہیں بہتر صلہ عطا فرمایا کہ بہت بڑے ظالم سے ان کی کشتی کو بچا لیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ والوں کی تعظیم و تکریم اور ان کے آداب بجا لانے میں دارین کی فلاح و بہبودی ہے (لکن الوہابیۃ قوم لا یعقلون)[1]

تفسیر عالمانہ وَاَمَّا الْغُلٰمُ۔ بہرحال اس نوجوان جیسور نامی کے قتل کر دینے میں مصلحت یہ تھی کہ فَكَانَ اَبَوٰهُ اس کا باپ کا زبرا اور اس کی ماں سہوی تھی۔ (کذا فی التعریف)

مُؤْمِنَيْنِ۔ ہر دونوں مومن تھے یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید کے اقراری تھے۔ فَخَشِيْنَآ۔ پس خطرہ ہوا ہمیں۔ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا۔ یہ رھقہ بمعنے غشیہ و لحقہ سے مشتق ہے اس کی گردن ارھقہ طُغْيَانًا یعنے اغشاہ

---

[1] اضافہ از فقیر اویسی۔

ایاہ و الحق ذالک بہ (کذا فی القاموس)۔

شیخ نے اس کا ترجمہ بکلفهما کیا ہے۔

طُغْیَانًا بمعنے ضلالۃ ہے۔ وَّکُفْرًا ۝ یعنے وہ نوجوان اپنے ماں باپ کو گمراہی اور کفر کے گھاٹ اتار دیتا۔ اور وہ بھی لڑکے کی محبت میں مبتلا ہوکر بطیب خاطر ایمان سے ہاتھ دھوکر گمراہ ہو جاتے اور خضر علیہ السلام کو چونکہ اللہ تعالٰے نے بتلا دیا تھا کہ یہ لڑکا جبلی کافر ہے اس لئے اسے قتل کر دینا مناسب ہے۔

فَاَرَدْنَا۔ پس ہم نے چاہا۔ اَنْ یُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَیْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً۔ کہ ان کا رب تعالٰے انھیں نعم البدل عطا فرماتے جو اس مقتول سے بہتر ہو اور گناہوں اور اخلاقِ ردیئہ سے پاک ہو۔ وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ۝ اور شفقت اور خدمت گذاری کے لحاظ سے اس سے بہتر ہو۔

اعجوبہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰے عنہما نے فرمایا کہ ان اللہ تعالٰے نے ان دونوں کو ایک بچی بخشی جس کے ساتھ کسی نبی علیہ السلام نے نکاح کیا۔ جس کی نسل سے ستّر انبیاء علیہم السلام پیدا ہوتے۔

ف: جب وہ نوجوان پیدا ہوا تو اس کے ماں باپ بہت زیادہ خوش ہوئے اور جب مارا گیا تو بہت غمگین ہوئے۔ اگر زندہ رہتا تو ان کو بھی جہنم میں لے ڈوبتا۔

مسئلہ: انسان کو اللہ تعالٰے کی قضا و قدر پر راضی رہنا ضروری ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالٰے کی ہر تقدیر انسان کے لئے بہتر ہوتی ہے۔

~

① ان لیثر را کش خضر ببرید حلق
سر آنرا در نیابد عام خلق

② آنکہ جان بخشد اگر بکشد رواست
نائب است و دست او دست خداست

---

③ بس عداوتہا کہ آن یارے بود
بس خرابیہا کہ معماری بود

ترجمہ: ① جس لڑکے کی (خضر علیہ السلام) نے گردن کاٹی اس کا راز عام انسانوں کو معلوم نہیں ہو سکتا۔

② جو ذات جان بخشتی ہے اور اگر وہ جان لےلے تو کون سا حرج ہے اور یہ ولی اللہ بھی اس کا نائب ہے۔ اس کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہے۔

(۳) بہت سی عداوتوں میں بہتری ہوتی ہے اور بہت سے خرابیوں میں آبادی ہوتی ہے۔
بہت سے بظاہر دشمن نظر آتے ہیں درحقیقت وہ دوست ہوتے ہیں اور بہت سے بظاہر دوست ہیں درحقیقت وہ دشمن ہوتے ہیں۔
ف: دشمن سے بھی عقلمند انسان بہت سے فوائد حاصل کرتا ہے مثلاً دشمن عیوب گنتا ہے تو اسے اپنے عیوب کا علم ہو جاتا ہے ورنہ دوست کو عیوب کو محاسن سمجھتا یا انہیں محاسن بنا کر سناتا ہے یا چشم پوشی کرتا ہے۔ اسی لئے دوست سے عیوب کا پتہ نہیں چلتا۔
مثنوی شریف میں ہے: ؎

در حقیقت دوستانت دشمنند
کہ ز حضرت دور و مشغولیت کنند
در حقیقت ہر عدو داروئے تست
کیمیا و نافع و دلجوئے تست
کہ ازو اندر گریزی در خلا
استعانت جوئی از لطف خدا

ترجمہ: (۱) درحقیقت تیرے یہ دوست، دشمن ہیں جو تجھے درگاہِ حق سے دور اور مشغول کرتے ہیں۔
(۲) درحقیقت ہر دشمن تیرا دوا ہے بلکہ کیمیا، نافع اور دل جو ہے۔
(۳) تاکہ تم برائی سے بھاگو اور اللہ تعالےٰ کے لطف سے مدد مانگو۔

حکایت ایک واعظ بزرگ تھے وہ اپنی دعا میں ڈاکوں کو شامل کرتا تھا۔ لوگوں نے سبب پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ مجھے راہ سلوک انہی ڈاکوؤں کی وجہ سے نصیب ہوا۔ صورت یوں ہوئی کہ میں بہت بڑا تاجر تھا تجارت کا مال کہیں لے جا رہا تھا راستہ میں ڈاکوؤں نے گھیر لیا، مال بھی لوٹا اور میری بھی خوب مرمت کی۔ اس دن کے بعد جب بھی مجھے تجارت کا خیال آتا تو ڈاکوں کے ڈنڈے یاد آ جاتے۔ اسی لئے تجارت کو خیرباد کہہ کر سالکین راہِ خدا کی صحبت اختیار کر لی۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں چند اشارات ہیں:
(۱) نفس زکیہ کو بلا جرم قتل کرنا شرعاً حرام ہے اگرچہ اس میں دوسرے کا فائدہ مطلوب ہے لیکن شرع کے باطن میں جائز ہے، بشرطیکہ قتل کرنے والا امور کے انجام کا عارف ہو اور اسے یقین ہو کہ واقعی اس کی

زندگی دوسرے کے دین وایمان کے فساد کا سبب بنے گا جیسے خضر علیہ السلام نے نوجوان کو قتل کرکے اس کی مصلحت بتا دی۔ واما الغلام الاٰیۃ۔ اس لئے کہ اگر وہ نوجوان ایک مدت تک زندہ رہتا تو اپنے ماں باپ کے دین وفساد کا سبب بنتا۔ اس وقت بھی اگرچہ اس کے اندر شقاوت طبعی موجود تھی لیکن اپنی شقاوت سے دوسرے کو شقی بنانے کے لئے کچھ وقت چاہئے اور وہ نوجوان ابھی خود شقاوت کے کمال کو نہیں پہنچا تھا کہ ابھی اس کی عمر چھوٹی تھی اور نہ ہی اعمال کفر اس سے سرزد ہوئے تھے اس لئے ابھی ماں باپ کے اعمال کے زیر اثر تھا۔

(۲) بہت سے امور سے ہم محبت کرتے ہیں حالانکہ وہ ہمارے لئے مضر ہوتے ہیں اور بہت سے امور سے ہم کراہت کرتے ہیں حالانکہ وہ ہمارے لئے مفید ہوتے ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالٰی نے فرمایا:

عسی ان تکرھوا شیا وھو خیر لکم۔ الآیۃ

جیسے اس نوجوان کے والدین نے بلا جرم اپنے بیٹے کے قتل کو برا محسوس کیا اس لئے کہ وہی لڑکا ان کے دل کا ٹکڑا تھا اور حسین بھی تھا۔ اسی طرح لڑکا خود بھی اپنا قتل نہیں چاہتا تھا لیکن اس میں سب کا فائدہ تھا۔ ماں باپ کا تو اس لئے کہ وہ شقاوت اور کفر سے بچ گئے اور لڑکا بھی کہ اگر وہ بڑا ہوتا تو شقاوت وکفر کے ارتکاب سے جہنم میں جاتا۔ خضر علیہ السلام کی کارروائی سے سب کا بھلا ہو گیا۔

(۳) اللہ تعالٰی کی عادت کریمہ ہے کہ جب کسی بندے سے محبوب ترین شے چھین لیتا ہے تو اسے بہتر و برتر شے عنایت فرماتا ہے۔ بشرطیکہ چھینی ہوئی شے پر وہ صبر وشکر کرے تو بظاہر اگر وہ چھینی ہوئی شے اسے محبوب محسوس ہوتی ہے لیکن درحقیقت وہ ہزاروں مضرتوں کا مجموعہ تھی۔ اس کو اللہ تعالٰی کے ارشاد گرامی سے سمجھئے۔ کما قال فی ہذا المقام:

فاردنا ان یبدلھما ربھما (الآیۃ) (کذا فی التاویلات النجمیہ)

ہم اللہ تعالٰی سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں شریعت وطریقت کے صابرین وشاکرین سے بنائے اور ہمارے لئے وہی کرے جس میں ہماری بہتری ہو اور جو ہمیں حقیقت کے کمال تک پہنچا دے۔

تفسیر عالمانہ وَاَمَّا الْجِدَارُ بہرحال وہ دیوار جسے خضر علیہ السلام نے سیدھا کر دیا تھا۔ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ تو وہ دو یتیم بچوں کی تھی۔ ان یتیموں میں سے ایک کا نام 'اَصْرَم' دوسرے کا نام 'صُرَیم' اور ان کے والد کا نام کاشح تھا۔ یہ سیاح اور نہایت متقی انسان تھا۔ ان دونوں یتیموں کی والدہ کا نام دینا تھا۔ (کذا ذکرہ النقاش)

فِی الْمَدِیْنَۃِ ۔ اس بستی میں جس کا نام انطاکیہ تھا جس کا پہلے ذکر گذرا ہے ۔ وَکَانَ تَحْتَہٗ ۔ اور اس دیوار کے نیچے تھا ۔ کَنْزٌ لَّھُمَا ۔ ان دونوں کا خزانہ ۔ کنز ، ہر اس مال کو کہتے ہیں جسے کوئی انسان زمین میں دفن کرے اس کی گردان کنز ہ یکنز ہ آتی ہے بمعنے (دفن یدفن) یعنے ان بچوں کا سونے اور چاندی کا مال اسی دیوار کے نیچے مدفون تھا ۔ اسی طرح مرفوع حدیث میں مروی ہے ۔ اور یہی مطلب راجح ہے اس لئے کہ قرآن مجید میں سونے اور چاندی کو خزانہ کرنے کی مذمت آئی ہے :

کما قال :

والذین یکنزون الذھب والفضۃ

جو لوگ سونے اور چاندی کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اور دیگر حقوق واجبہ ادا نہیں کرتے ۔

بعض کہتے ہیں کہ اس خزانے میں سونے یا سنگ مرمر کی ایک تختی تھی جس کی ایک طرف کندہ تھا :

ترجمہ مع شرح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم عجبت لمن یومن بالقدر و کیف یحزن وعجبت لمن یومن بالرزق کیف ینصب عجبت لمن یومن بالموت کیف یفرح و عجبت لمن یومن بالحساب کیف یغفل و عجبت لمن یعرف الدنیا وتقلبھا باھلھا کیف یطمئن الیھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) وعجبت لمن یومن بالنار کیف یضحک

شروع کرتا ہوں ساتھ نام اللہ کے جو رحمٰن و رحیم ہے ۔ مجھے اس پر تعجب ہے جسے تقدیر پر ایمان ہے یعنے یقین رکھتا ہے کہ تمام امور اللہ تعالےٰ کی قضاء و قدر سے ہیں باوجود ایں ہمہ پھر بھی وہ غمگین ہوتا ہے جب کہ نعمت چھن جاتی ہے یا اس پر شدت کا حملہ ہوتا ہے اور مجھے تعجب ہے اس پر جو رزق پر ایمان رکھتا ہے یعنے سمجھتا ہے کہ رزق کی تقسیم منجانب اللہ ہے اور جانتا ہے اللہ تعالےٰ ہر ایک کو رزق بخشے گا اس کے باوجود پھر بھی وہ رزق کے حصول میں جان کی بازی لگاتا ہے اور مجھے تعجب ہے اس پر جسے موت پر ایمان ہے یعنے مانتا ہے کہ وہ عنقریب مرے گا اور موت کی حقانیت پر یقین کر کے کے باوجود پھر بھی دنیا میں خوش ہے اور چھوٹی عمر پر خواہ مخواہ خوش رہتا ہے ۔ اور مجھے تعجب ہے اس پر جو حساب پر ایمان رکھتا ہے یعنے ایمان رکھتا ہے کہ قیامت میں ہر چھوٹی بڑی شئے کا

حساب لیا جائے گا اس کے باوجود پھر بھی غافل رہتا ہے اور دنیوی امور میں مشغول رہتا ہے اور مجھے تعجب ہے اس پر جو دنیا اور دنیا داروں کو پریشان حال دیکھ کر پھر بھی دنیوی کاموں پر مطمئن ہے۔ درمیان میں لکھا تھا:

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

مجھے تعجب ہے اس پر جو نارِ جہنم کا اقرار کرتا ہے اور پھر بھی ہنستا رہتا ہے۔

اس کی دوسری جانب عبارتِ ذیل لکھی تھی:

انا اللہ لا الٰہ الا انا وحدی لا شریك لی خلقت الخیر و الشر فطوبٰی لمن خلقتہ للخیر و اجریتہ علی یدیہ و الویل لمن خلقتہ الشر و اجریتہ علی یدیہ۔

میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں میں ایک ہوں میرا کوئی شریک نہیں ہے میں نے خیر و شر کو پیدا فرمایا اسے مبارک ہے جس نے خیر پیدا فرمائی اور اسے اس کے آگے چلاتی ہے اور شر کو میں نے پیدا فرمایا اور اس کے

یہی جمہور کا قول ہے۔ (کذا فی بحر العلوم)

وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ان دونوں کا باپ نیک تھا اس کے پاس لوگ امانتیں رکھتے تھے تو ان کی امانتوں میں خیانت نہیں کرتا تھا بلکہ انھیں امانتیں صحیح سالم ادا کرتا تھا۔ اسی لئے اللہ تعالٰے نے ان کے مال کو محفوظ فرمایا:

اعجوبہ: جعفر بن محمدّ نے فرمایا کہ ان دونوں اور اس صالح نیک بخت بزرگ کے درمیان سات پشتوں کا فاصلہ تھا۔ اس معنے پر اب مطلب یہ ہوا کہ ان کے دادا کا مال تھا جس کی اللہ تعالٰے نے اتنا عرصہ تک حفاظت فرمائی۔

کما قال:

فَاَرَادَ رَبُّكَ پس تیرے رب تعالٰے نے ارادہ فرمایا یعنے خضر علیہ السلام کو دیوار کے سیدھا کرنے کا حکم فرمایا۔ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا۔ یہاں تک کہ وہ دونوں بچے اپنے سِن بلوغ اور کمال عقل مندی اور ہوشمندی کو پہنچ جائیں۔

حل لغات: بحر العلوم میں ہے کہ الاشد میں قوت کا معنے ہے اور یہ شدۃ کی جمع ہے جیسے نعمت کی جمع انعم

آتی ہے لیکن شدت کی تا جمع کے وقت محذوف کر دی گئی ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ ایسی جمع ہے کہ جس کا واحد نہیں اور اشد کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو ہر طرح کی عقلی تکمیل حاصل ہو۔ بعض نے کہا کہ بالغ ہونے کے بعد جس سے سمجھداری محسوس ہو اس کے سن کا آخری حصہ تینتیس (۳۳) یا اٹھائیس (۲۸) سال پر ختم ہوتا ہے۔

سوال: خضر علیہ السلام نے کشتی پھیرتے وقت فعل کا اسناد صرف اپنی طرف فرمایا اور نوجوان کو قتل کے وقت (خشینا) جمع کا صیغہ کیوں، اور پھر دلوار کو سیدھا کرنے کے بعد فعل کا اسناد صرف اللہ تعالٰی کی طرف کیوں؟ کما قال: فاراد ربك ان یبلغا۔

جواب (۱): چونکہ پہلا کام قبیح تھا اسی لئے اس کا اسناد اپنی طرف کیا تاکہ تنزہ الٰہی کے خلاف نہ ہو دوسرے فعل میں چونکہ خشیۃ کفر تھا اسی لئے اس میں اللہ تعالٰی کی تائید شامل رکھی تاکہ اس کی مدد سے کفر کی خرابی سے حفاظت ہو۔ تیسرے فعل میں خیر محض تھی اسی لئے اس کا اسناد صرف اللہ تعالٰی کی طرف کیا گیا۔

جواب (۲): بعض نے کہا کہ جب خضر علیہ السلام نے فعل کا اسناد پہلی دفعہ اپنی طرف کیا تو اس پر اللہ تعالٰی کی جانب سے الہام ہوا کہ آپ کون ہیں کہ فعل کا اسناد اپنی طرف کر رہے ہیں!

(یہ بین العاشق والمعشوق کا بھید ہے اسے عتاب پر محمول نہ کیا جائے[1])

اس الہام کے بعد خضر علیہ السلام نے دوسرے فعل کے اسناد میں جمع کا صیغہ ملا دیا۔ کما قال: فاردنا، اس کے بعد پھر الہام ہوا کہ اس میں تمہاری اور موسٰی علیہ السلام کی نسبت کا اظہار ہوتا ہے۔ فلہٰذا تم کون ہو کہ میرے نام کے بغیر اپنا نام لے رہے ہو۔ اسی لئے آخر میں خضر علیہ السلام نے اللہ تعالٰی کا نام لیا۔

کما قال تعالٰی:

فاراد ربك ان یبلغا اشدھما۔

وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا اور وہ دونوں بچے اپنا خزانہ اٹھائیں گے جب بڑے ہوں گے اگر میں اس دیوار کو سیدھا نہ کرتا تو دیوار گر جاتی اور خزانہ کھلا رہ جاتا جسے لوگ اٹھا لے جاتے اور بچوں کے بالغ ہونے سے پہلے ہی خزانہ لٹ جاتا۔

سوال: اس خزانے کو اگر یتیم یا ان کے متولی جانتے تھے تو وہ خود دیوار کو سیدھا کرتے اور اگر انھیں اس کا علم نہیں تھا تو پھر بچوں کے بڑے ہونے کے بعد انھیں کیسے معلوم ہوتا؟

جواب: اگر بچوں کو خزانے کا علم نہ تھا لیکن ان کے متولی کو معلوم تھا مگر وہ شہر سے باہر کسی کام کے لئے چلا گیا تھا، جس وقت وہ باہر گیا تھا اس وقت دیوار کی حالت اچھی تھی لیکن جب خضر علیہ السلام وہاں تشریف لے گئے تو متولی موجود نہ تھا۔ (کذا

---

[1]: از فقیر اویسی غفرلہٗ۔

فی بحر العلوم) ۔
ف : فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ خزانے کے لئے بچوں کی لاعلمی کا قول غیر مسلّم ہے اس لئے کہ جس طرح اللہ تعالٰے نے ان کے خزانے کو محفوظ رکھنے کا اہتمام فرمایا اسی طرح اس کی قدرت وحکمت میں شامل ہے کہ وہ ان یتیموں کو وقت پر خزانے کا علم دے دے۔ اور ہر زمانے میں بے شمار مثالیں ملتی ہیں کہ بہت سے لوگوں کو بے خبری میں بے شمار خزانے ملے اور کنز لھما میں لام اختصاص کی ہے کہ وہ خزانہ صرف انہی دونوں بچوں کے لئے مخصوص تھا ۔
نیز یہ قول بھی غیر معتبر ہے کہ وہ خزانہ ساتویں پشت کے بعد کی اولاد کو ملے اور پہلی چھ پشتوں والوں سے مخفی رکھا جائے۔
رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ یعنے ان بچوں پر تیرے رب کی رحمت سے خزانے کی حفاظت کی گئی۔
ف : رحمة مصدر حال کے قائم مقام ہے بمعنے مرحومین یعنے وہ دونوں رحمت الٰہی کے مستحق تھے نیز یہ بھی ہے کہ یہ ایک محذوف امر کی علت کے لئے ہو۔ دراصل عبارت یوں ہے کہ رحمهما الله بذالك رحمة ۔
وَمَا فَعَلْتُهٗ ۔ اے موسیٰ علیہ السلام! آپ نے جو کچھ ملاحظہ فرمایا کہ کشتی توڑی گئی اور نوجوان کو قتل کیا گیا اور دیوار کھڑی ہو گئی یہ تمام امور عَنْ اَمْرِیْ میں نے از خود نہیں کئے اور نہ ہی میرا اجتہادی معاملہ ہے بلکہ اللہ تعالٰے کے حکم اور اس کی وحی خفی سے کیا ہے ۔ اس سے موسیٰ علیہ السلام کے اشکال کی توضیح اور بظاہر جو امور شرع کے خلاف کے لئے ان کی معذرت کے اظہار کی تمہید مطلوب ہے ۔

فائدہ روحانی مرید اور مرشد کے مابین جو شکوک وشبہات پیدا ہوں ان کے ازالہ کا یہی طریقہ ہے اس لئے کہ مرید اور مرشد کے درمیان شفقت ضروری ہے ۔

ذٰلِكَ امور مذکورہ کے متعلق۔ تَأْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ۝ یہی تاویل ہے جس پر آپ صبر نہ کر سکے ۔
تسطع دراصل تستطیع تھا "تا" کو تخفیفاً حذف کر دیا گیا ہے ۔ اس سے خضر علیہ السلام کا ایفائے عہد ہے جس کے متعلق موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ فرمایا تھا کہ ان امور کے متعلق وضاحت کروں گا ۔

موسیٰ علیہ السلام نے گریہ فرمایا مروی ہے کہ جب خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے مفارقت کا ارادہ کیا تو ان سے فرمایا کہ اگر آپ میرے ساتھ خاموشی سے چلتے رہتے تو میں آپ کو اس قسم کے ہزاروں عجائبات دکھاتا جو ہر ایک ایک دوسرے سے بڑھ کر ہوتا۔ موسیٰ علیہ السلام خضر علیہ السلام کی جدائی کے وقت روتے اور عرض کی کہ اے اللہ کے نبی! مجھے وصیت فرمائیے ۔

خضر علیہ السلام کی موسیٰ علیہ السلام کو وصیتیں حضرت خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو الوداع کرتے وقت

مندرجہ ذیل وصیتیں فرمائیں :

① علم اس لئے نہ پڑھنا کہ دوسروں کو بتاؤں گا بلکہ اس لئے پڑھنا کہ اس پر عمل کروں گا۔ اس لئے کہ جس نے علم پڑھ کر عمل نہ کیا بلکہ دوسروں کو نصیحت کرتا رہا تو اس علم سے اسے کوئی فائدہ نہ ہوا بلکہ دوسروں کو فائدہ پہنچا۔
مثنوی شریف میں ہے : ؎

چونکہ یوسف بود آن یعقوب را
بوئے نانش می رسید از دور جا
آنکہ بستد پیرہن را می شتافت
بوئے پیراہاں یوسف می نیافت
وآنکہ صد فرسنگ ز آن سو بوئے او
چونکہ بد یعقوب می بوئید بو
اے بسا عالم ز دانش بے نصیب
حافظ علمست آنسں نے حبیب
مستمع از وے ہمی باید مشام
گرچہ باشد مستمع از جنس عام
زآنکہ پیراہان بدستش عاریہ است
چون بدست آن نخاسی جاریہ است
جاریہ پیش نخاسی سرسریست
درکف او از برائے مشتریست

ترجمہ : ۱۔ چونکہ یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کی بھوک تھی اسی لئے انہیں دور سے ان کی خوشبو آتی۔
۲ - لیکن جو یوسف کا پیراہن لا رہا تھا اس نے خوشبو نہ پائی۔
۳ - اور تین سو میل دور خوشبو تھی جسے یعقوب علیہ السلام نے سونگھا۔
۴ - بہت سے عالم اپنے علم سے بے نصیب ہیں علم کا حافظ تو ہے لیکن وہ محبوب خدا نہیں۔
۵ - اس سے علم حاصل کرنا چاہیئے اگرچہ اس سے علم حاصل کرنا والا عام آدمی ہے۔
۶ - اس پیراہن لانے والے کے ہاتھ میں پیراہن عاریت کا تھا جیسے بردہ فروش کے ہاں دوسرے کی

لونڈی عاریۃ کی ہوتی ہے ۔

۷ ۔ عاریت کی لونڈی بردہ فروشں کے ہاں چند روز رہے اس لئے کہ دراصل وہ ہاں خریدنے والے کے لئے ہوتی ہے ۔

(۲) خضر علیہ السلام نے موسئے علیہ السلام کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا کہ دوسروں کو نفع دینا نقصان نہ پہنچانا ۔

(۳) ہر ملاقاتی سے بشاشت سے ملنا اس کے سامنے تیور نہ بدلنا نہ کسی سے غضب ناک ہو کر ملنا ۔

(۴) کسی کے سامنے ناجائز خوشامد اور چاپلوسی نہ کرنا ۔

(۵) کسی کے ہاں بلا ضرورت نہ جانا ۔

(۶) بلا وجہ نہ ہنسنا ۔

(۷) جب کوئی شخص اپنے گناہوں پر اظہار ندامت کرے تو پھر اسے وہی گناہ یاد دلا کر رسوا نہ کرنا ۔

(۸) کوئی غلطی ہو جائے تو تادمِ زیست آنسو بہاتے رہنا ۔

(۹) آج کا کام کل پر نہ چھوڑنا ۔

(۱۰) آخرت کی فکر میں رہنا ۔

(۱۱) جو تمھاری پرواہ نہیں کرتا اس کے آگے خواہ مخواہ اظہار عجز نہ کرنا ۔

(۱۲) جو تم سے نہیں ڈرتا اس سے بے خوف نہ رہنا ۔

(۱۳) خوف الٰہی کے وقت اس سے ناامید بھی نہ ہونا ۔

(۱۴) اپنے امور کی تدبیر علانیہ طور پر کرنا ۔

(۱۵) کسی پر احسان کرنے میں حتےّ الامکان کمی نہ کرنا ۔

یہ سُن کر موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے فرمایا کہ بس کیجئے ، اللہ تعالےٰ آپ کو نعمتوں سے نوازے اور آپ کو اپنی رحمت میں ڈھانپے اور آپ کو دشمنوں سے محفوظ فرمائے ۔ اس کے بعد خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ بھی مجھے کچھ نصیحت فرمائیے :

موسیٰ علیہ السلام کی خضر علیہ السلام کو وصیتیں موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے فرمایا :

(۱) اگر کسی پر ناراضگی ہو تو اللہ کے لئے ۔

(۲) دنیا سے محبت نہ کرنا اس لئے کہ اس کی محبت بندے کو ایمان سے خارج کر کے کفر میں داخل کر دیتی ہے ۔

خضر علیہ السلام نے موسےٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ اب بس کیجئے، اللہ تعالےٰ طاعات میں آپ کی مدد فرمائے اور آپ کو ہر معاملہ میں مسرور فرمائے اور مخلوق کی نظروں میں آپ کو محبوب بنائے اور اپنے فضل وکرم سے نوازے موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام کی دعا پر کہا: آمین۔ (کذافی التعریف والاعلام للامام السہیلی رحمہ اللہ تعالےٰ)

فائدہ تصوف موسےٰ علیہ السلام کے اس واقعہ قرآنی سے ثابت ہوا کہ علم ظاہری شرعی کو کمال اور ترقی اس وقت نصیب ہوتی ہے جب اس کے ساتھ علم باطنی حاصل کر کے حقائق امور پر آگاہی حاصل کی جائے (کذافی تفسیر الامام)

تصوف یعنے علم باطنی کے منکر کو کوڑا

فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے:

قال بعض العارفین من لم یکن له نصیب من هذا العلم ای العلم الوهبی-الکشفی اخاف علیه سوء الخاتمة[1]

بعض عارفین کا فرمان ہے کہ جسے علم باطنی سے حصہ نصیب نہیں اس کے خاتمہ خراب ہونے کا خطرہ ہے[2]

ف: اس کا ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ کم از کم اس علم باطنی (کشفی) کو مانے اور یقین رکھے کہ یہ علم حق ہے۔ (الحمد للہ ہم اہلِ سنت عوام کو یہ مرتبہ نصیب ہے) (اویسی)۔ اور اس کے منکرین کی ادنیٰ سزا یہ ہے کہ وہ اس علم سے یکسر محروم ہوتے ہیں حالانکہ یہی علم مقربین و صدیقین و عارفین کا ہے۔ (کذافی احیاء العلوم)

(ناظرین اس حوالہ کو خوب غور سے پڑھ کر حق و باطل کا امتیاز کریں)۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں مندرجہ ذیل چند اشارات ہیں:

(۱) اس میں اللہ تعالےٰ کی کمال شفقت اور حکمت کا اظہار ہے کہ اس نے اپنے دو نبیوں کو بالخصوص موسیٰ و خضر علیہما السلام جیسے پیارے پیغمبروں کو دو چھوٹے بچوں کے کام میں لگایا۔

(۲) اس سے ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام دنیوی امور میں جد و جہد کرتے ہیں جب کہ ان امور میں ان کا

---

[1]: روح البیان، جلد ۵، صفحہ ۲۷۸۔

[2]: اس سے ان منکرین کو سبق لینا چاہئے جو کہتے ہیں علم باطنی اور علم تصوف کوئی چیز نہیں۔ یاد رہے کہ تصوف کو لفظاً دیوبندی مودودی بھی مانتے ہیں لیکن اس باطنی تصوف کے وہ بھی نہ صرف منکر ہیں بلکہ تقریباً اس کے اکثر مسائل کو شرک گردانتے ہیں اور وہابیوں، پرویزیوں اور نیچریوں کی تو بات ہی کیا۔ (اویسی)

مقصد صرف اللہ تعالےٰ کی رضا مطلوب ہوتی ہے بالخصوص جب دیکھیے کہ ان امور میں ایسے بندوں کا فائدہ ہے جو اللہ تعالےٰ سے لگن رکھتے ہیں۔

(۳) اس سے معلوم ہوا کہ ایک ولی کامل کے صدقے سے اللہ تعالےٰ اس کی پوری قوم کی حفاظت فرماتا ہے اور کئی قبیلے اس کی وجہ سے دکھ درد سے بچتے ہیں اور کامل کے برکات کئی پشتوں تک پہنچتے ہیں۔ کما قال: وابوھما صالحا۔

حضرت محمد بن المنکدر رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ ایک کامل صالح کے طفیل اللہ تعالےٰ اس کی اولاد کی کئی پشتوں تک حفاظت فرماتا ہے اور اس کے قبیلے اور ہمسائیگاں اللہ تعالےٰ کی حفاظت میں آجاتے ہیں۔

حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ میں نماز پڑھتے وقت اپنی دعا میں اپنی اولاد کے لئے بھی دعا[1] کرتا ہوں۔

(۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح روایت میں ہے کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا، وکان ابوھما صالحا، صرف ان دو بچوں کے نیک والد کی وجہ سے فرمایا ہے۔ جب یہ ایک نیک بخت بندے کی اولاد کا حال ہے کہ ساتویں پشت تک اس کے برکات پہنچے۔ اس سے حضور پاک سید الانبیاء والمرسلین صلے اللہ علیہ وسلم کی قرابت کا حال کیا ہوگا؟

نبوت کے ادب کا اعزاز: حرم کے کبوتروں کو یہ اعزاز اس کبوتر کی وجہ سے نصیب ہوا جس نے حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے وقت غار کے منہ پر انڈے دیئے۔ (کذا فی الصواق لابن حجرؒ)

حکایت ہارون الرشید نے ایک علوی کے قتل کرنے کا ارادہ کیا لیکن جب وہ ہارون الرشید کے ہاں حاضر ہوا تو اس کی بہت زیادہ تعظیم وتکریم کر کے اسے معاف فرما دیا۔ لوگوں نے قاتل سے پوچھا کہ آپ کو ہارون الرشید نے قتل کرنے کی بجائے آپ کی تعظیم وتکریم بھی کی اور معاف بھی فرما دیا؟ قاتل نے کہا کہ جب میں ہارون الرشید کے ہاں حاضر ہوا تو میں نے اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں عرض کی:

یا من حفظ الکنز اصلاح ابیھما احفظنی — اے وہ ذات! جس نے دو بچوں کے والد کی نیکی وجہ سے

---

[1] فقیر بھی نماز کی آخری دعا پڑھ کر بارگاہِ حق میں عرض کرتا ہے:
ربنا ھب لنا من ازواجنا وذریاتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماماً۔
فقیر امید کرتا ہے کہ فقیر کی اولاد مصطفےٰ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے دین کی خادم بنے گی۔

خزانے کی حفاظت فرمائی براہ کرم میرے آباء کا صدقہ میری اصلاح ابائی ۔ (کذافی العرائس)
بھی حفاظت فرما ۔

(۵) مرید پر لازم ہے کہ اس کو اپنا شیخ جس کام پر لگائے اسے رضاالٰہی سمجھ کر انجام دے ۔ اس میں دنیوی لالچ اور طمع کو مدنظر نہ رکھے اور نہ ہی نفسانی غرض سامنے ہو بلکہ سر تسلیم خم کر کے تعمیل فرماں کرے ، خلاف کرے گا تو اس کے اعمال بھی اکارت جائیں گے اور شیخ کی صحبت سے بھی محروم ہو جائے گا ۔

(۶) نیک بخت کے لئے اللہ تعالٰے حلال مال کی حفاظت کرتا ہے جب کہ اس کے مال میں اس کا فائدہ ہوتا ہے

(۷) نبی علیہ السلام اور ولی اللہ جو کام کرتا ہے اس میں انھیں امرالٰہی ہوتا ہے ، ظاہرًا یا باطنًا ۔ ظاہرًا کو حضرت خضر علیہ السلام نے واضح فرمایا ۔ کما قال :

وما فعلته عن امری ۔

اور باطنًا موسٰی علیہ السلام کے اعتراض سے ظاہر ہوا اس لئے کہ ان کا اعتراض بھی باطنًا منجانب اللہ تھا کیونکہ ان کا اعتراض شریعت کی وجہ سے تھا ۔

(۸) مشائخ کے معاملات پر صبر کرنا ایک سخت امر ہے ۔ اگر کسی وقت مرید صادق کا قدم ڈگمگا جائے یا کسی معاملہ میں اپنے شیخ پر اعتراض کر بیٹھے یا کسی وقت وہ کام بتائے اور وہ بجا نہ لا سکے یا تعمیل کرتے ہوئے گھبرا کر صبر نہ کر سکے تو اپنے شیخ سے معذرت کرتے ہوئے معافی طلب کرے اور استاد یا شیخ اپنے مرید یا شیخ کو تین بار تو معافی دے اگر پھر بھی وہ غلطی کرے تو اسے اپنے سے جدا کر دے اور جن باتوں میں شاگرد و مرید کو استاد و شیخ پر غلط فہمی ہوتی ہے ان کی تسلی دے کر رخصت کر دے ۔

ف : مرید پر لازم ہے کہ وہ اپنے شیخ پر کسی قسم کا اعتراض نہ کرے بلکہ اسے وہ امور جو اپنے شیخ سے غلط دیکھتا ہے اس کے تصور کو بھی ختم کر دے اس لئے کہ شیخ پر غلط تصور مرید کے لئے سم قاتل ہے ۔ وہ مرید کبھی باطنی طور پر کامیاب نہیں ہو سکتا جو اپنے شیخ پر اعتراض کرتا ہے ۔ جب بھی اسے اپنے شیخ کے متعلق کوئی غلط تصور ذہن میں آئے تو فورًا موسٰے و خضر علیہما السلام کا قصہ یاد کرے ۔ اوّلاً تو موسٰے علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام پر اعتراض کرتے رہے لیکن جب خضر علیہ السلام نے ان امور کے متعلق انکشاف فرمایا تو پھر خود پشیماں ہوئے ۔

حضرت حافظ نے فرمایا : ؎

نصیحتے کنمت بشنو و بہانہ مگیر
ہر آں کہ ناصح مشفق بگویدت بپذیر

ترجمہ : میں تجھے ایک نصیحت کرتا ہوں اسے اچھی طرح سنئے اور بہانہ مت کیجئے اس لئے کہ تجھے مشفق ناصح نصیحت

کرے تو اسے دل وجان سے قبول کرو۔

ف: مرشد (استاذ) کے لئے ضروری ہے کہ وہ محقق ومشفق ہو دوسرے کسی کے امور کا پابند نہ ہو اور نہ ہی مریدین وتلامذہ کے لئے ترش رو ہو تاکہ اس غریب کی کوشش ضائع نہ ہو جو اس کی پیروی اور تابع داری کرتا ہے۔

اسی لئے کسی نے فرمایا: ؎

اذا کان الغراب دلیل قوم

سیھدیھم الی ارض الجیاف

ترجمہ: جب کسی قوم کا رہبر کوا ہو تو وہ انہیں ایسے علاقہ کی طرف رہبری کرے گا جہاں مردار ہوں۔

حضرت حافظ نے فرمایا: ؎

دردم نهفته به ز طبیبان مدعی

باشد از خزانۂ غیبش دوا کنند

ترجمہ: میرا درد پوشیدہ ہے اور مجھے وہی اچھا ہے۔ ان طبیبوں سے علاج کی ضرورت نہیں ممکن ہے کہ میرا معالج غیب سے ہی میرا علاج کرے۔

حضرت صائب نے فرمایا: ؎

زبے درداں علاج درد خود جستن بآں ماند

کہ خار از پا برون آرد کسے با نیش عقربہا

ترجمہ: بے دردوں سے علاج کرانا ایسے ہے جیسے بچھو کے نیش سے پاؤں سے کانٹا نکالا جائے۔

⑨ اگر دو ضرر در پیش ہوں تو لازم ہے کہ ان میں اسے قبول کرے جو آسان تر ہو، یہ ایک شرعی قاعدہ ہے مثلاً ایک شخص کا زخم ایسا ہے کہ سجدہ کرنے سے بہتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ بیٹھ کر نماز ادا کرے اور اسی حالت میں رکوع وسجود کے لئے اشارے کرے۔ دیکھئے اس میں دو ضرر پیش ہوئے:

(۱) زخم بہا کر نماز پڑھنا، اس میں بے وضو ہونے کی خرابی لازم آئی۔

(۲) نماز تو باوضو پڑھی لیکن صرف قیام اور رکوع اور سجدہ نہ ہوا اور یہ پہلے ضرر سے آسان ہے۔ اسی لئے اسی کو اختیار کیا گیا۔

اسی طرح ایک بوڑھا مرد یا سخت بیمار انسان کھڑا ہو کر قرأت نہیں کر سکتا لیکن بیٹھ کر قرأت کر سکتا ہے تو اسے بیٹھ کر قرأت سے نماز پڑھنی چاہئے۔ اس میں اسے دو ضرر پیش ہوئے یعنے نماز نہ پڑھنا اور نماز بیٹھ کر پڑھنے سے صرف ترک قیام۔ ان میں سے اسے آسان طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔

اسی طرح ایک شخص نماز با جماعت پڑھنے کے لئے جاتا ہے تو اسے قیام نصیب نہیں ہوتا اگر گھر میں پڑھتا ہے تو جماعت جاتی ہے لیکن نماز کا قیام نصیب ہوتا ہے تو خلاصہ میں پہلے مسئلہ کو ترجیح دی ہے یعنے ایسے شخص تو نماز با جماعت پڑھنی چاہئے لیکن شرح منیۃ میں ہے کہ اسے ترک جماعت لازم ہے کہ گھر میں نماز پڑھے جب کہ جماعت میں نماز پڑھنے سے قیام جاتا ہے۔
حضرت ابن نجیم نے فرمایا: "وھو الاظھر"[1] یعنے یہی قول قوی تر ہے۔ اس میں ترک جماعت اس لئے آسان ہے کہ ترک جماعت میں قیام فرض نصیب ہوا اور ترک جماعت میں صرف سنت کا ترک ہوا۔
(ایسے ہی بدمذہب کے پیچھے نماز پڑھنے سے سرے سے نماز گئی اور تنہا پڑھنے سے نماز کا ثواب تو مل گیا)[2]

---

[1] یہی ہم کہتے ہیں کہ نماز با جماعت پڑھنے میں خرابی یہ ہے کہ امام بدمذہب ہے مثلاً دیوبندی عقیدہ رکھتا ہے یا مرزائیوں کے عقائد کو صحیح سمجھتا ہے تو ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنے سے اکیلا نماز پڑھنا لازمی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ترک جماعت ہوئی، میں کہتا ہوں ایسی ترک جماعت لازم ہے جس کا امام گندے عقیدے رکھتا ہے جب سرے سے امام کی نماز نہ ہوئی تو مقتدی کی کیسے ہوگی تفصیل فقیر کی کتاب "التحقیق الکامل فی امتیاز الحق والباطل" میں دیکھئے۔ ۱۲ (اویسی)

[2]:

ازالۂ وہم فقیر (اویسی) ۱۳۹۹ھ میں زیارت حرمین شریفین، طیبین کی زیارت سے مشرف ہوا۔ لیکن نجدی امام کے پیچھے نماز نہ پڑھی نہ مکہ معظمہ میں نہ مدینہ طیبہ میں، لیکن بفضلہ تعالیٰ اکثر نمازیں با جماعت نصیب ہوئیں۔ کبھی خود امامت کرنے سے اور کبھی کسی اہلسنت متشرع امام کے پیچھے۔ فقیر کی واپسی پر مخالفین اہلسنت یعنے وہابیوں، دیوبندیوں نے شور مچایا کہ ایسا کیوں ہوا۔ فقیر نے ان کو خاموش کرانے کے لئے ایک رسالہ "انزال السکینۃ علی من لم یصل خلف امام مکہ والمدینۃ" المعروف، امام حرم کے پیچھے نماز کیوں ناجائز" کے نام سے لکھا۔ اس سے چند ضروری باتیں حاضر ہیں تاکہ ناظرین تفسیر بھی مستفید ہوں۔

ہم ان کے پیچھے نجدی عقائد کی وجہ سے نماز نہیں پڑھتے۔ اور دنیا جانتی ہے کہ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے عقائد زندیقانہ ہیں جس کی زندیقیت پر عالم اسلام کے جملہ علماء و مشائخ کا اتفاق ہے یہاں تک کہ دیوبندی فرقہ کے شیخ الاسلام حسین احمد ٹانڈوی المعروف مدنی نے بھی اپنی کتاب "الشہاب الثاقب" میں نہ صرف اعتراف کیا بلکہ سب سے بڑھ چڑھ کر نجدی کی مذمت کی۔ ہم اس کے چند عقائد اس کتاب سے نقل کرتے ہیں۔

چونکہ نجدی عقائد سے متعارف کرانا مطلوب ہے اسی لئے ہم "الشہاب الثاقب" کے علاوہ نجدی کی اصل کتاب "التوحید" اور اس کی سوانحعمری "محمد عبدالوہاب" سے چند حوالے درج کرتے ہیں اور وہ یہ ہیں:

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

اسی طرح ایک شخص سخت بھوک میں مبتلا ہو یہاں تک کہ موت کا خطرہ ہے اس وقت اسے مردار کا گوشت بھی ملا اور حلال شئے بھی، غیر کی، کھانے کے لئے ملی، اس پر لازم ہے کہ غیر کی حلال شئے کھائے اس لئے کہ اسے دو حرام درپیش ہیں۔ یہاں

(بقیہ حاشیہ گذشتہ)

وہابی یعنی نجدی عقائد

تمام مسلمان کافر — جو شخص مُردوں (انبیاء و اولیاء) کو پکارتا، یا رسول اللہ، یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ کہتا) ہے ان سے ضرورتوں کو پورا کرنے اور مصیبتوں کو دور کرنے کی درخواست کرتا ہے تو وہ کافر و مشرک ہے اس کا خون بہانا اور مال لوٹنا حلال ہے۔ اگرچہ وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہتا، نماز پڑھتا روزے رکھتا اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہے۔ (محمد عبدالوہاب ص ۱۶۲)

روضے گرانا — مذہب نامہذب وہابیت کے بانی اور نام نہاد توحید، تحریک جہاد کے علمبردار محمد بن عبدالوہاب نجدی اور اُس کے متبعین نے نہ کبھی کافروں، مشرکوں کے ساتھ جہاد کیا نہ کسی بت خانہ کو پاش پاش کیا۔ ان کے جہاد کی حقیقت صرف یہی کہ محبوبانِ خدا، انبیاء و اولیاء کی عظمت و شان پر حملے کرنا، ان کے مزارات شریفہ کو شہید کرنا اور مسلمانوں کو بلا وجہ کافر و مشرک بنا کر ان کو تہ تیغ کرنا۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ (جو یوم یمامہ میں شہید ہوئے تھے) کے نام سے مقام جبلیلہ میں جو قبر مبارک تھی، محمد بن عبدالوہاب نے ہتھوڑا لے کر اپنے ہاتھ سے اس کے قبہ کو گرا کر زمین کے برابر کر دیا۔ ص ۳۶

کربلا معلیٰ پر حملہ — سنہ ۱۲۱۶ھ کو سعود بن عبدالعزیز نجدی تمام نجد جنوب، حجاز اور تہامہ سے ایک لشکر جرار لے کر کربلا کے ارادہ سے چلا اور "بلد الحسین" کے باشندوں پر حملہ کیا اور نجدیوں وہابیوں نے اس پر دھاوا بول دیا۔ اس کی دیواروں پر چڑھ گئے اور زبردستی (گھروں میں) داخل ہو گئے اور اکثر باشندوں کو گھروں اور بازاروں میں تہ تیغ کر دیا اور اس قبہ کو جو ان کے اعتقاد کے مطابق حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر مبارک پر بنایا گیا تھا، منہدم کر دیا۔ قبہ اور اس کے آس پاس اور چڑھاوے کی تمام چیزیں لے لیں۔ قبہ زمرد، یاقوت اور جواہر سے آراستہ تھا اور اس کے علاوہ شہر میں جو کچھ (مال و متاع، ہتھیار، لباس، سونا، چاندی، مصاحب اور بے شمار چیزیں) ملا سب کچھ لوٹ لیا۔ اور کربلا کے باشندوں میں سے تقریباً دو ہزار آدمی قتل کئے گئے (محمد بن عبدالوہاب ص ۶۹)

مکہ مکرمہ — سنہ ۱۸۰۳ء کو سعود بن عبدالعزیز (نجدی بادشاہ) ایک فاتح کی حیثیت سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوا۔ تاآنکہ مکہ کے تمام مشاہد اور قبے زمین کے برابر کر دیئے گئے کعبہ کے جواہر اور قیمتی ذخیرے فاتحین (نجدی مجاہدین) میں تقسیم کر دیئے گئے اور بعض مجاور قتل بھی کئے گئے۔ (محمد بن عبدالوہاب ص ۷۳)

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

اسے مردار کے گوشت سے غیر کی حلال شے کا کھانا موزوں ہے ۔

(حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ)

مدینہ منورہ پر حملہ : ۱۸۰۴ء میں مدینہ منورہ فتح ہوا حسب دستور مدینہ منورہ میں عام قبروں کے قبے اور زیارت گاہیں منہدم کر دی گئیں۔ سعود کو قبہ (روضۂ نبوی) کھول کر جو کچھ ملا۔ اس نے اپنے قبضہ میں کر لیا۔ (محمد بن عبدالوہاب ص ۲۰)

تمام اہلسنت مشائخ و علماء کافر ویسے تو نجدی وہابی اپنے مختصر فرقہ کے سوا تمام اہل اسلام کی تکفیر کرتے ہی ہیں مگر جو اکابر اولیائے امت ہیں اننے زبردست معاملے میں وہابی ان کا بھی کچھ لحاظ نہیں کرتے۔ چنانچہ مذکور ہے کہ :

قد كفر الشيخ ابن العربي وابن الفارض وامثالهما.

بے شک ابن عبدالوہاب نے حضرت ابن العربی و ابن فارض اور ان جیسے دیگر اولیاء امت و بزرگان کی بھی تکفیر کی۔
(محمد بن عبدالوہاب ص ۱۵)

خود محمد بن عبدالوہاب کی کتاب "التوحید" کے متعدد مقامات پر مسلمانوں کو کافر، مشرک اور بدعتی اور خدا جانے کیا کیا بنایا گیا ہے۔ نمونہ کے طور پر صرف ایک عبارت مع ترجمہ ہدیہ ناظرین ہے :

ان اعداء الله لهم اعتراضات كثيرة على دين الرسل يصدون بها الناس منها قولهم نحن لا نشرك بالله بل نشهد انه لا يخلق ولا ينفع ولا يضر الا الله وحده لا شريك له وان محمدا صلى الله عليه وسلم لا يملك لنفسه نفعا ولا ضرا فضلا من عبدالقادر او غيره و لكن انا مذنب و الصالحون لهم جاه عند الله و اطلب من الله بهم فاتجاب به بما تقدم وهو ان الذين قاتلهم رسول الله صلى الله عليه و سلم مقرون بما ذكرت و مقرون اوثانهم لا تدبر شيئاً و انما ارادوا الجاه و

دشمنانِ خدا کے بہت سے اعتراضات ہیں جن سے وہ لوگوں کو بہکاتے ہیں۔ ان کا ایک اعتراض یہ ہے کہ ہم خدا کے ساتھ شرک نہیں کرتے بلکہ گواہی دیتے ہیں کہ خدا کے سوا پیدا کرنے، نفع اور نقصان پہنچانے والا کوئی نہیں۔ اس کا شریک نہیں اور کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اپنے نفع اور نقصان کے مالک نہیں ہیں چہ جائیکہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ وغیرہ کے لئے یہ وصف ثابت ہو لیکن چونکہ میں گنہگار ہوں اور اللہ کے نزدیک صلحاء کا بڑا مرتبہ ہے اس لئے میں ان کے طفیل سے خدا سے حاجات طلب کرتا ہوں۔ پس تو اس اعتراض کا جواب یہ دے کہ گذر چکا کہ اے معترض جس کا تو نے ذکر کیا اس کا وہ لوگ (مشرک) بھی اقرار کرتے ہیں جن کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اسی ایک شخص کو کہا جائے کہ یا تو اپنے آپ کو آگ میں ڈال دے یا خود کو قتل کر دے یا تجھے قتل کر دیا جائے۔ آگ میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

الشفاعۃ "

(مجموعۃ التوحید ص ۵۶، مطبوعہ ام القری مکۃ معظمہ، ۱۳۲۳ھ بحکم ابن سعود)

نے جہاد کیا تھا وہ اقرار کرتے ہیں کہ ان کے بت کسی چیز کے مدبر نہیں ہیں اور وہ (تیری طرح) جاہ اور شفاعت ہی کا ارادہ رکھتے تھے۔

اس عبارت میں اس مسلمان کو مشرکین عرب سے شمار کیا گیا ہے۔

کتب درود شریف کا تلف کیا جانا

ابن سعود مذکور کے حکم سے ایک اور کتاب چھپ کر مفت تقسیم ہوئی جس کا نام الھدیۃ السنیہ ہے اس میں ہے:

و لا نامر باتلاف شئ من المؤلفات اصلا الا ما اشتمل علی ما یرفع الناس فی الشرک کروض الریاحین و ما یحصل بسببہ خلل فی العقائد کعلم المنطق فانہ قد حرمہ جمع من العلماء علی انا لا نفحص عن مثل ذالک و کالدلائل۔

(خلاصہ مطلب) ہم کسی کتاب کے تلف کرنے کا ہرگز حکم نہیں دیتے مگر ہاں ہم اس کتاب کو تلف کرا دیتے ہیں جن میں ایسے مضامین ہوں جو لوگوں کو شرک میں مبتلا کریں یا ان کے سبب سے عقائد میں خلل آتا ہو۔ جیسے روض الریاحین اور دلائل الخیرات (یعنی ان کو تلف کرا دیا جاتا ہے)۔

(الھدیۃ السنیہ ص ۴۵، ۴۶ مطبوعہ المنار مصر ۱۳۴۲ھ)

دیکھئے دلائل شریف کو تلف کرنے کا صاف اعتراف ہے اس بہانہ سے کہ اس میں اول سے آخر تک کلمات درود شریف کے علاوہ توحید، عشق الٰہی اور محبت سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا ولولہ انگیز درس موجود ہے اسی وجہ سے ہزاروں علماء صلحاء اور اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم اس مقدس کتاب کو حرز جاں بناتے ہوتے ہیں۔

اسلام کا چھٹا رکن

حضرت علامہ سید احمد زینی دحلان مکی قدس سرہٗ الملکی (جن کی بزرگی وعلم وفضل کے خود دیوبندی وہابی بھی معترف ہیں۔ اپنی کتاب مستطاب دُرر سنیہ فی الرد علی الوہابیہ میں فرماتے ہیں:

گروہ وہابیہ اپنے پیروؤں کے سوا کسی کو موحد نہیں جانتے۔ محمد بن عبدالوہاب نے یہ نیا مذہب نکالا۔ اس کے بھائی شیخ سلیمان رحمہ اللہ تعالےٰ علیہ تھے اس پر فعل وقول میں سخت انکار فرماتے۔ ایک دن اس سے کہا اسلام کے کتنے رکن ہیں؟ بولا پانچ۔ فرمایا، تو نے چھ کر دیئے۔ چھٹا یہ کہ جو تیری پیروی نہ کرے (وہابی نہ بنے) وہ مسلمان نہیں، یہ تیرے لئے اسلام کا رکن ششم ہے۔

ڈالنا یا خود کو قتل کرنا بھی موت ہے لیکن اسے چاہئے کہ ان تینوں میں سے وہ اختیار کرے جو اسے آسان محسوس ہو۔ یہی امام

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

درود و سلام سے انکار اس کی خباثتوں سے ایک یہ ہے کہ ایک نابینا متقی مؤذن خوش آواز کو منع کیا کہ منارہ پر اذان کے بعد صلوٰۃ نہ پڑھا کرو۔ انھوں نے نہ مانا اور حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھی اِس پر اُس نے ان کے قتل کا حکم دے کر شہید کرا دیا۔ پھر بولا کہ رنڈی کی چھوکری اس کے گھر ستار بجانے والی اتنی گنہگار نہیں جتنا کہ منارہ پر بآواز بلند نبی صلے اللہ علیہ وسلم پہ درود بھیجنے والا۔

فقہ شرعی سے منع کرنا محمد بن عبدالوہاب اپنے پیروؤں کو کتب فقہ دیکھنے سے منع کرتا تھا۔ اس نے فقہ کی بہت سی کتابیں جلا دیں اور وہابیوں کو اجازت دے دی کہ ہر شخص اپنی سمجھ کے مطابق قرآن کے معنی گھڑ لیا کرے۔

کلمہ دوبارہ پڑھوانا جب کوئی مسلمان خوشی سے یا جبراً وہابیوں کے مذہب میں آنا چاہتا اس سے پہلے کلمہ پڑھواتے پھر کہتے خود اپنے اوپر گواہی دے کہ اب تک تو کافر تھا اور اپنے ماں باپ پر گواہی دے کہ وہ کافر مرے اور اکابر ائمہ سلف سے ایک جماعت کا نام لے کر کہتے کہ ان پر گواہی دے کہ یہ سب کافر تھے۔ پھر اگر اس نے گواہیاں دے دیں جب تو قبول، ورنہ مقتول۔ اگر ذرا انکار کیا مروا ڈالتے اور صاف کہتے کہ چھ سو برس سے ساری امت (اکابر، ائمہ وعلمار اولیار کرام وعوام المسلمین) کافر تھی۔

سر منڈوانا ابن عبدالوہاب نجدی کو سر منڈوانے میں اتنا غلو تھا کہ اگر کوئی عورت بھی اس کے دین ناپاک میں داخل ہوتی تو اس کا سر بھی منڈوا دیتا کہ زمانۂ کفر کے بال ہیں، انھیں دور کرو۔ یہاں تک کہ ایک عورت نے اس کی یہ روش دیکھ کر کہا کہ جو مرد تیرے دین میں آتے ہیں ان کی ڈاڑھیاں بھی منڈوا یا کرو کہ وہ بھی تو زمانہ کفر کے بال ہیں۔

تقیہ کرنا ابن عبدالوہاب ائمہ کے مذہب اور علمار کے اقوال پر طعن کرتا اور براہ تقیہ جھوٹ فریب سے حنبلی ہونے کا ادعا رکھتا حالانکہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ اس سے بیزار ہیں۔ اس کی یہ چال ڈھال دیکھ کر جمیع مذاہب کے علمار شرق و غرب اس کے رد پر کمربستہ ہوگئے۔

میلاد، دُرود شریف اور دعا کے بعد دُرود ناجائز حضور پرنور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے میلاد شریف پڑھنے اور اذان کے بعد پُرنور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجنے اور نماز کے بعد دعا مانگنے کو ناجائز بتاتا۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

صاحب قدس سرہٗ کا مذہب ہے اور صاحبین فرماتے ہیں اسے لازم ہے کہ صبر کرے یہاں تک کہ قتل کر دیا جائے۔ (کذا فی الاشباہ)۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

انبیاء و اولیاء کا وسیلہ انبیاء و اولیاء سے توسل کرنے والے کو صراحۃً کافر کہا۔ اور نبی کریم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی زیارت سے منع کرنا۔ چنانچہ اس کے منع کرنے کے باوجود مقام احسائے کے جو حضرات نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے گئے تھے جب واپس آئے تو اس نے ان کی داڑھیاں منڈوا دیں اور انہیں الٹا سوار کر کے درعیہ سے احسا پہنچایا۔

بتوں والی آیات اہلِ اسلام پر پڑھنا: مشرکین کے متعلق نازل شدہ آیات کو مسلمانوں پر چسپاں کر کے کافر بنانا۔

شانِ رسالت کی تنقیص: دلائل الخیرات شریف، درود شریف کی مشہور و مقبول کتابوں کو جلانا۔ رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی تنقیص شان کرنا اور کہنا کہ وہ تو طارش (محض ایلچی، قاصد اور ڈاکیہ) ہیں۔

نبی کو کوئی اختیار نہیں یہ عصا محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) سے بہتر ہے کیونکہ اس سے سانپ مارنے اور دیگر ضروریات میں نفع حاصل کیا جاتا ہے اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم تو مر چکے ہیں، ان میں اصلاً کوئی نفع باقی نہیں رہا۔ (خاک بدہن گستاخ)۔ ۱۲۱۷ھ ذیقعدہ میں جب نجدی طائف کے مالک ہوئے تو انھوں نے چھوٹے بڑے حاکم روم سب کو قتل کر ڈالا۔ بچوں کو ماؤں کے سینے پر ذبح کیا۔ مال لوٹ لئے، عورتوں کو قید کر لیا۔ نیز اور بہت سی باتیں کیں جو باعث طوالت ہیں۔ (الدرالسنیہ مطبوعہ مصر (ملخصاً))

ابن سعود کا کارنامہ نجدی وہابیوں کے شاہ سعود کے باپ عبد العزیز ابن سعود (علیہ ما علیہ) نے مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کے قبرستان جنت المعلےٰ، جنت البقیع کے تمام مزارات و مقابر و مآثر کو گرایا، اور ان پر غلاظت ڈالی۔ حضرات اہلِ بیت و صحابہ کرام و بزرگانِ دین علیہم الرضوان کے روضہ ہائے مقدسہ کی سخت توہین و بے حرمتی کی۔ سیدہ آمنہ (والدہ محبوبِ خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے مزارات کو توہیناً گرایا۔ قبہ مولد النبی صلے اللہ علیہ وسلم، قبہ حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا کو بہت بری طرح مسمار کیا۔ سیدہ ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے مزار پاک کو سخت توہین کے ساتھ گرایا، اس پر بند وقیں چلائیں، غلاظت ڈالی اور کہا کہ اپنی پوجا کراتی رہی ہو، اب اٹھ کر ہمارا مقابلہ کر۔ خلیفہ ثالث سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا مزار مقدس منہدم کیا۔ حضرت شیر خدا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے مزار شریف اور مسجد کو شہید کیا۔ اس کے علاوہ مسجد ابو قبیس، مسجد بلال وغیرہا بھی گرا دیں۔ انا للہ انا الیہ راجعون۔ (انوار آفتابِ صداقت)

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۴۶ پر)

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۭ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ۝ۭ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ
كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ۝ۙ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ۝ حَتّٰٓي اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا
قَوْمًا ڛ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ۝ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ
ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ۝ وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَاۗءَ اِۨلْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ
مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ۝ۭ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ۝ حَتّٰٓي اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰي قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ
مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ۝ۙ كَذٰلِكَ ۭ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ۝ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ۝ حَتّٰٓي اِذَا بَلَغَ بَيْنَ
السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ۝ قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَ
مَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓي اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ۝ قَالَ مَا
مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ۝ۙ اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ۭ حَتّٰٓي
اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوْا ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِيْٓ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ۝ۭ
فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ۝ قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ
رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّاۗءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ۝ۭ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَىِٕذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ
فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ۝ۙ وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَىِٕذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضَا ۝ۙ الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَاۗءٍ عَنْ
ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ۝ۧ

ترجمہ: اور تم سے ذوالقرنین کا حال پوچھتے ہیں۔ انھیں فرمائیے کہ اس کا ذکر تمھیں ابھی پڑھ کر سناتا ہوں بیشک ہم نے اسے زمین میں قدرت بخشی اور اسے ہر شئے کا سامان عطا فرمایا۔ تو وہ ایک راہ کے پیچھے چلا۔ یہاں تک کہ جب وہ سورج کے غروب کی جگہ پر پہنچا اور اسے ایک سیاہ کیچڑ کے چشمے میں ڈوبتا پایا اور وہاں ایک قوم دیکھی ہم نے فرمایا اے ذوالقرنین یا تو انھیں سزا دے یا ان کے ساتھ بھلائی کیجئے۔ عرض کی ان میں جس نے ظلم کیا اسے تو ہم عنقریب خوب سزا دیں گے پھر اپنے رب کی طرف لوٹایا جائے گا تو پھر وہی اسے سخت عذاب دے گا اور جو ایمان لایا اور نیک عمل کیا تو اس کا بدلہ بھلائی ہے اور عنقریب ہم اسے اپنا آسان کام کہیں گے پھر وہ (سکندر) ایک اور راہ کے پیچھے چلا۔ یہاں تک کہ وہ سورج کے نکلنے کی جگہ پر پہنچا سورج کو پایا جو ایسی قوم پر طلوع کرتا تھا جس کے لیے ہم نے سورج سے کوئی آڑ نہیں رکھی۔ ایسے ہی ہے اور جو سامان اس کے پاس تھا اس کی ہر خبر کو ہمارا علم محیط ہے۔ پھر ایک اور راہ کے پیچھے چلا۔ یہاں تک کہ اس نے دو پہاڑوں کو پایا ان پہاڑوں سے اس طرف ایک ایسے لوگ دیکھے جو کوئی بات نہ سمجھتے تھے۔ انھوں نے کہا اے ذوالقرنین بے شک یاجوج و ماجوج زمین میں بڑا فساد برپا کرتے ہیں تو کیا ہم آپ کے لیے چندہ جمع کریں اس پر کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان دیوار کھچوا دیں۔ کہا کہ میرے رب نے

جس پر مجھے قدرت بخشی ہے وہ بہتر ہے تم اپنی قوت سے میری مدد کرو میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار تیار کر دوں میرے پاس لوہے کی چادریں لاؤ۔ یہاں تک کہ جب دیوار دونوں پہاڑوں کے درمیان برابر کر دی تو کہا پھونکو۔ یہاں تک کہ جب اسے آگ کر دیا کہا لاؤ میں اس پر گلا ہوا تانبہ انڈیل دوں تو پھر یاجوج و ماجوج نہ اس پر چڑھ کر آسکے اور نہ اس میں سوراخ کر سکے۔ کہا یہ میرے رب کی رحمت ہے پھر جب میرے پروردگار کا وعدہ آئے گا۔ تو اسے ریزہ ریزہ کر دے گا اور میرے رب کا وعدہ سچا ہے۔ اور اس دن ہم انھیں چھوڑ دیں گے کہ ان کا ایک گروہ دوسرے پر ریلا آئے گا اور صور پھونکا جائے گا تو ہم سب کو اکٹھا کر کے لائیں گے اور اس دن ہم جہنم کافروں کے سامنے لائیں گے۔ وہ (کافر) کہ جن کی آنکھوں پر میری یاد سے پردے پڑے تھے اور وہ حق بات سن بھی نہ سکتے تھے

(تفسیر آیاتِ صفحہ گذشتہ)

تفسیر عالمانہ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ط اے محبوب کریم صلے اللہ علیہ وسلم آپ سے ذوالقرنین کے متعلق سوال کرتے ہیں۔

شانِ نزول: ذوالقرنین کے متعلق سوال کرنے والے یہودی تھے انھوں نے حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ وہ شخص کون تھا جس نے مشرق و مغرب اور شمال و جنوب تک دھرتی کے چپے چپے کی شاہی کی یا اس کے سائل قریش مکہ تھے اور صیغۂ استقبال دلالت کرتا ہے کہ یہ لوگ اس کے متعلق بار بار سوال کرتے تھے جب تک انھیں جواب نہ ملا اور وہ اس سوال کا تکرار کرتے رہے۔

سلطان سکندر کا تعارف یہاں پر سکندر اکبر مراد ہے اس کا نام اسکندر بن فیلقوس یونان کا باشندہ تھا۔ دنیا کے چپہ چپہ کا بادشاہ بنا۔

ف: حضرت مجاہد نے فرمایا کہ ساری دھرتی پر چار شخصوں نے شاہی کی ان میں دو مومن اور دو کافر ہیں:

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۴۴)

نتیجہ: ان عقائد والوں کے پیچھے اگر نماز پڑھنا کسی کو گوارہ ہو تو پھر اسے چاہئیے کہ گاندھی، نہرو، پٹیل، جیسے بدبختوں سے رشتہ وابستہ کرے۔ ورنہ یہ ایسے گندے عقائد ہیں جنھیں سن کر ایک مسلمان کا کلیجہ پھٹنے کو آتا ہے اور ہم مجبور ہیں ان خبیث عقائد والوں کو امام بنانا تو درکنار ہم ان کو دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے۔

سوال: ممکن ہے کہ موجودہ امام حرمین ان عقائد سے بیزار ہوں؟

جواب: ممکن ہے بیزار نہ ہوں بلکہ ہمارا پختہ یقین ہے کہ یہ ان عقائد سے سر مو پیچھے نہیں ہے بلکہ دو قدم آگے ہیں۔ مزید تفصیل فقیر کے رسالہ میں دیکھئے۔
(اویسی)

دو مؤمن :

① سلطان سکندر

② حضرت سلیمان علیہ السلام

اور دو کافر :

① نمرود

② نصر بخت

اور مشکوٰۃ الانوار میں بخت نصر کے بجائے شداد بن عاد لکھا ہے۔

ف : ذوالقرنین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ کے نمرود کے بعد پیدا ہوا تھا اس کی تفصیل آتی ہے لیکن اس نے عمر طویل پائی لکھا ہے اس کی عمر ایک ہزار چھ سو سال تھی۔

ف : تفسیر الشیخ میں ہے کہ وہ ثمود کے بعد ہو گذرا ہے حضرت خضر علیہ السلام اس کے مشیر خاص تھے اور وہ ان کی بادشاہی میں وہی کام کرتے تھے جیسے بادشاہوں کے وزیر اعلیٰ۔

سکندر نبی تھے یا صرف بادشاہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ وہ صرف بادشاہ تھا لیکن تھا بہت بڑا نیک اور عادل۔ وہ نبی نہیں تھے۔ انھوں نے ہفت اقلیم کی شاہی کی تمام دنیا کے بادشاہ اس کے زیرنگین تھے شہر وزرشہر میں فوت ہو کر وہیں مدفون ہوئے یہ اس وقت ہوا جب آپ ظلمات کے علاقے فتح کر کے واپس شہر وزرشہر میں پہنچے۔

ف : تبیان میں لکھا ہے کہ سلطان سکندر نے صرف پانچ سو سال عمر پائی تھی اور جب وہ سدِ سکندری کی تعمیر سے فارغ ہوتے تو اس کے بعد بیت المقدس میں تشریف لائے تو وہیں فوت ہوئے اور وہیں پر مدفون۔

سکندر ذوالقرنین کے وجوہ انھیں ذوالقرنین اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ مشرق و مغرب کے ہر دو نوں کونوں کے مالک ہوئے اسی مناسبت سے انھیں ذوالقرنین کہا گیا جیسے اردشیر نرد کے واضع کو کہا جاتا ہے وہ بھی اسی لیے کہ اس کے لمبے ہاتھ تھے کہ جو چاہتا وہی ہوتا۔

ف : قاموس میں ہے کہ جب لوگوں کو انھوں نے دعوت ایمان دی تو آپ کو لوگوں نے آپ کے دائیں کاندھوں پر شدید ضربیں لگائیں اسی سے ہی ان کی موت واقع ہوئی پھر انھیں اللہ تعالےٰ نے زندہ فرمایا پھر انھوں نے لوگوں کو دعوت ایمان دی تو لوگوں نے آپ کو بائیں بازو پہ مارا اس سے آپ کی موت واقع ہوئی۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ذوالقرنین ہیں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بھی ذوالقرنین کہا جاتا ہے وہ بھی اسی مناسبت سے کہ آپ کے سر مبارک کے دونوں کناروں پر دو زخم

ہوئے تھے۔

① عمرو بن ود کے زخمی کرنے سے

② عبدالرحمٰن ابن ملجم لعنہ اللہ کے زخمی کرنے سے ۔

سکندر ذوالقرنین کے دوسرے وجوہ قصص الانبیاء میں ہے کہ حضرت سکندر نے خواب میں دیکھا کہ وہ سورج کے ہاں پہنچ کر سورج کے شرقی وغربی کنارے ہاتھ میں لے لئے ہیں۔ جب آپ نے معبرین کو اپنا خواب سنایا تو اس سے آپ کو ذوالقرنین کے نام سے مشہور کر دیا گیا۔

سلطان سکندر کے سر میں سینگ حضرت علامہ سیوطی قدس سرہٗ نے "الاوائل" میں لکھا کہ سر پہ پگڑی سب سے پہلے سلطان سکندر نے باندھی اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ان کے سر میں دو سینگ پیدا ہوگئے تھے اور وہ جانوروں کے کھروں کی طرح ملتے تھے ان دونوں کو چھپانے کے لیے آپ نے سر پہ پگڑی کی شکل اختیار فرمائی۔ ایک دن وہ نہانے کے لیے غسل خانہ میں داخل ہوئے اس وقت آپ کا پرائیویٹ سیکرٹری ساتھ تھا وہ اس راز سے واقف ہو گیا اسے سلطان سکندر نے نہیں کہا کہ میرا یہ ایک ایسا راز ہے جو کسی کو تاحال معلوم نہیں اسی لیے تجھے خصوصی آرڈر ہے کہ میرا یہ راز کسی کو نہ بتانا اگر میں نے کسی سے سن لیا تو تجھے قتل کر دوں گا۔ حمام سے فارغ ہوتے ہی پرائیویٹ سیکرٹری پر نزع (موت) کی کیفیت طاری ہوگئی۔ وہ یہاں سے جنگل میں چلا گیا وہاں اس کا منہ زمین پر جا لگا اور اچانک اس کے منہ سے نکلا کہ : الا ان للملک قرنین۔ (خبردار ہوجاؤ کہ بادشاہ کے سر پر دو سینگ ہیں) وہ تو مر گیا لیکن اللہ تعالےٰ نے اپنی قدرت سے اسی جگہ سے دو کانے پیدا فرمائے ایک دن اسی جگہ سے ایک چرواہا گذرا اس نے وہی کانے کاٹ کر بانسری بنالی، جب وہ بجاتا تو اس کے منہ سے آواز آتی : الا ان للملک قرنین)

یہ آواز ایسی پھیلی کہ ملک کے بچے بچے کے منہ سے نکل رہا تھا کہ بادشاہ کے سر میں سینگ۔ سلطان سکندر نے سمجھا کہ یہی اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے اور اس کا ارادہ ہے کہ میرا یہ راز ظاہر ہو اسی لیے وہ رضائے خدا پر راضی ہوا۔ اس کے بعد ذوالقرنین کے نام سے مشہور ہوگیا۔

ثانی ذوالقرنین یہ دوسرا ذوالقرنین روم کا باشندہ تھا اسی وجہ سے رومی سن لکھا جاتا ہے۔ جیسے حضور علیہ السلام کی ہجرت کی وجہ سے سن ہجری لکھا جاتا ہے یہ پہلے ذوالقرنین سے بڑے عرصہ دراز کے بعد پیدا ہوا ان کے مابین عرصہ دو ہزار سال سے بھی زائد کا فاصلہ ہے۔ یہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام سے تین سو سال پہلے ہو گذرا ہے اس کے وزیر کا نام ارسطاطالیس (ارسطو، فلسفی تھا۔ دارا سے اس نے جنگ کی تھی اور فارس کے بادشاہوں پر بھی اس نے قبضہ جمایا تھا لیکن تھا وہ کافر۔ اس کی عمر صرف چھتیس سال تھی۔

ف : قرآن مجید میں جس ذوالقرنین کا ذکر ہے اس سے پہلا ذوالقرنین مراد ہے نہ کہ یہی جو کافر تھا بہت سے لوگ بلکہ بڑے علماء

نے ان دونوں میں فرق نہ کرتے ہوئے بہت بڑی غلطیاں کھائی ہیں اور بعض نے تو یہ کہہ دیا کہ قرآن مجید میں اسی دوسرے ذوالقرنین کا ذکر ہے۔ اللہ تعالےٰ انھیں معاف فرمائے جو قرآن مجید کی تفسیر میں ایسی فاش غلطی کے مرتکب ہوئے۔

قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَیْکُمْ مِّنْہُ ذِکْرًا ○ اے محبوب کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا فروں' یہودیوں کے جواب میں فرما دو کہ میں تمھیں ذوالقرنین کے متعلق واضح طور پر اللہ تعالےٰ کے حکم سے بتادوں گا اگر ذکر سے قرآن مراد ہے تو اب مطلب یہ ہوگا کہ میں تمھیں منجانب اللہ ذوالقرنین کے متعلق قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہوں۔

ف: آیت میں سین تاکید کا اور تحقق کے لیے ہے یعنے میں قرآن مجید کی تلاوت کسی صورت کسی صورت میں بھی نہیں چھوڑ سکتا۔

اِنَّا مَکَّنَّا لَہٗ فِی الْاَرْضِ۔ یہاں سے ذوالقرنین کا قصہ بیان کرنا مطلوب ہے جیسے وعدہ کیا اب اس کا ایفا ہوا۔ یہاں تمکین یعنے کسی دوسرے کو قدرت دینا اور اس کام کے لیے اسباب تیار فرمانا اسی لیے اب اس کے لیے مفعول بہٖ کی ضرورت نہیں۔

ف: مکنہ اور مکن لہ کے استعمال میں فرق ہے وہ اس طرح کہ جب مکنہ بولتے ہیں تو اس وقت معنٰے ہوتا ہے (جعلہ قادرًا قویًا) اس نے فلاں کو قادر اور قوی بنایا اور مکن لہ سے مطلوب یہ ہوتا ہے کہ اس نے فلاں کو کام کی قدرت و قوت بخشی۔ تلازم فی الوجود اور تقارب فی المعنیٰ کی وجہ سے ایک دوسرے کی جگہ پر مستعمل ہوتے ہیں چنانچہ قرآن مجید میں ہے کہ:

مکناھم فی الارض مالم نمکن لکم یعنے ہم نے قوی واسباب وآلات دے کر مختلف تصرفات پر انھیں قادر بنایا اور تمھارے لیے اس طرح کی قوت اور وسعت فی المال اور عدد کا استظہار اور اسباب نہیں بنایا۔ گویا کہا گیا کہ مالم نمکن لکم فیھا (ای مالم نجعلکم قادرین علیٰ ذالک فیھا) یہ اس وقت ہے جب کہ اس کا ماخذ مکان ہو بہ بنائے توہم کہ اس کا میم اصلی ہے اب معنٰے یہ ہوا کہ (انا جعلنا لہ مکنۃ وقدرۃ علی التصرف من حیث التدبیر والرای والاسباب۔ یعنے ہم نے سکندر کو تصرف کی طرح کی تدبیر و رائے اور اسباب پر تصرف کرنے کی قدرت بخشی یہاں تک کہ بادل بھی اس کے تابع کر دیتے اور اسباب کی فراوانی دی اور اسے ایسا نور بخشا کہ وہ رات اور دن کو برابر دیکھتا تھا اور زمین کے سفر اس کے لیے آسان کر دیتے گئے اور راستے اس کے ہموار تھے وغیرہ وغیرہ۔

سکندر کو نبی کے ادب کا لحاظ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سلطان سکندر ایک دفعہ مکہ معظمہ میں حاضر ہوئے کسی نے کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہیں پر تشریف فرما ہیں تو سکندر سواری سے اتر پڑا اور کہا کہ جس دھرتی پر نبی علیہ السلام تشریف فرما ہوں وہاں سواری پر سوار ہو کر جانا ناموزوں ہے اس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دولت کدہ تک پیدل گیا اور ملاقات کا عرض کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام باہر تشریف لائے اور سکندر کو سلام کہہ کر گلے لگایا۔

ف: ملاقات کے وقت (معانقہ) گلے لگانے کی سنت ابراہیم علیہ السلام سے جاری ہوئی (کذا فی انسان العیون و دار الفرر)

نبوت کے ادب کا فائدہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سکندر نے ادب کیا تو اللہ تعالٰی نے اس کے صلے میں بادل کو حکم دیا کہ سکندر کے اشاروں پر چلیں وہ جہاں چاہیں اور قانون بنادیا :

"من تواضع رفعہ اللہ"

اسی دن سے بادل کا کام بن گیا کہ وہ سکندر اعظم کے لشکر اور ان کے جنگی آلات اور دیگر اسباب اٹھا کر پہنچاتا اور وہاں پہنچاتا جہاں وہ چاہتے تھے اور اسی وقت سے یہ بھی ہوگیا کہ نور و ظلمت سکندر کے قبضے میں ہوگئے کہ جہاں وہ جانا چاہتے تھے تو نور آگے آگے ہوتا اور پھر انھیں اور ان کے لشکر کو ظلمات ڈھانپ لیتی تھی ؎

چون نہد در تو صفات جبرئیل
ہمچو فرخے بر ہوا جوئی سبیل
چون نہند در تو صفتہائے خرے
صد پرت گرہست در آخور پری

چونکہ چشم دل شدہ محرم بنور !
ظلمت کون و مکان شد از تو دور
ہر کہ نا بینا شود اندر جہاں
روز او با شب برابر بے گمان

ترجمہ : جب اللہ تعالٰی تیرے اندر جبرائیلی صفات رکھتا ہے تو تم آسمانوں کی طرح اڑتے نظر آؤ گے ۔
اگر تمھارے اندر گدھے کے صفات ہوں گے اگر تجھے سو پر دیئے جائیں تب بھی تو صرف گھاس تک اڑے گا اور بس ۔

• جب تیرا دل نور کا محرم راز ہوجاتے تو کونین کی ظلمات تیرے سے دور ہوجائے گی ۔
جو دنیا میں نابینا ہوجاتا ہے تو اس غریب کے لیے رات اور دن برابر ہوتے ہیں ۔

وَاٰتَیْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ سَبَبًا ○ اور شاہی امور کو سر کرنے اور جمیع متعلقات (جو شاہی کے لیے ضروری ہیں) ہم نے ہر قسم کے اسباب اسے عنایت فرمائے ، سببا سے وہ طریقہ کار مراد ہے جس سے مقصود حاصل ہوسکے علم یا قدرت یا آلات جنگی وغیرہ یعنے ایسے دستاویز دیئے گئے جس سے وہ اپنے مقصد پر آسانی سے کامیاب ہوجاتا تھا ۔ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ○ اس کا ہمزہ قطعی ہے یعنے کونہ مغرب تک اگر وہ پہنچنے کا ارادہ کرتا تو اُسے ایسے اسباب حاصل تھے کہ وہ انھیں کے ذریعے منزل مقصود تک پہنچ جاتا ۔ اتبع بمعنے لحق و تبع وسلک وسار ہے ۔

حلِ لغات قاموس میں ہے کہ واتبعتھم و تبعتھم کا ایک معنٰے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کے آگے چلا جائے تو وہ دوسرا جلدی کر کے اسے پہنچ جائے جیسے واتبعتھم ایفس غیری اسی محاورہ پر ہے قولِ باری تعالٰے ہے :

فاتبعھم فرعون

بمعنٰے لحقھم خلاصہ یہ کہ اتباع از باب افعال بمعنے ادراک واسراع ہے۔ ابن الکمال نے فرمایا کہ اہلِ عرب کہتے ہیں :

تبعہ ابتاعا

یہ اس وقت بولتے ہیں جب دوسرا پہلے آدمی تک پہنچنے کو چاہے اور کہا جاتا ہے "تبعہ تبعاً"، یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی سے گذرے۔

آبِ حیات کی تلاش سلطان سکندر کا کونۂ مغرب تک کا ارادہ ہوا تو حرکت شمسیہ اس کے لیے آسان کر دی گئی تاکہ وہ نہایت آسانی سے اور جلد تر وہاں پہنچے اور کونۂ مغرب میں چشمہ آبِ حیات کی تلاش کے لیے تشریف لے گئے۔

صاحب تبیان نے فرمایا کہ انھیں کسی نے کہا کہ وہاں کونۂ مغرب کے ظلمات کے قریب چشمۂ آبِ حیات ہے جو شخص اس سے قطرۂ آب پیتا ہے وہ قیامت تک نہیں مرے گا اسی لیے تشریف لے گئے کہ شاید وہ چشمہ مل جائے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ویسئلونک الآیۃ میں اشارہ ہے کہ سائل کو ٹھکرانا اچھا نہیں نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قصے کہانیوں سے قلوب کو عبرت اور تقویت اور تثبیت حاصل ہوتا ہے۔ انا مکنا لہ فی الارض الآیۃ میں اشارہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالٰے اپنی خلافت و نیابت بخشتا ہے یعنے ہم نے انسان کو زمین کی خلافت بخشی اور خلافت کے لیے عالم مقدورات میں جتنا مقدورات تھے تمام اسے بخشے یہاں تک کہ اسے قلب الاعیان کی بھی اسے قدرت دی گئی اور تمام دنیا اس کے تابع کر دی گئی[1] یہی وجہ ہے کہ اگر وہ کہیں دور جانا چاہتا ہے تو زمین اس کے لیے لپیٹ دی جاتی ہے (اسے اہلِ سنت طے الارض سے تعبیر کرتے ہیں) اور اگر وہ دریائی سفر پہ ہوتا ہے تو پانی پہ چلا جاتا ہے۔ اگر وہ چاہے تو وہ ہوا پہ اڑتا ہے اور چاہے تو آگ میں چلا جاتا ہے اس پر نار گلزار ہو جاتی ہے۔

فاتبع سبباً کا یہی مطلب ہے کہ وہ ہر مقدر پہ قادر ہوتا ہے (مندرج ذیل عبارت کو غور سے پڑھیے جسے وہابیہ نجدیہ

---

[1] : یہی ہم اہلسنت کا مسلک ہے کہ جب بندہ نبوت و ولایت سے نوازا جاتا ہے تو ہر طرح کی قدرت واختیار اللہ تعالٰے سے اسے نصیب ہوتے ہیں اسے وہابی اور دیوبندی اور ان کے تمام ہم نوا فرقے شرک سے تعبیر کرتے ہیں۔

(اویسی غفرلہٗ)

دیوبندیہ شرک سے تعبیر کرتے ہیں)۔

فصار مقدور الله بالخلافة فی الارض و کان مقدورا لنا بالاصالة فی السماء و الارض [1]

اسے (یعنے ولی و نبی کو) خلافۃ فی الارض کی وجہ سے ان تمام مقدورات کی قدرت حاصل ہوتی ہے ہماری وہ قدرت بالاصالۃ ہے ہم زمین و آسمان کا تصرف کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ حَتّٰٓی اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ یہاں تک کہ وہ سورج کے غروب کی جگہ پر پہنچا۔ مغرب سے زمین کا منتہا مراد ہے جو بجانب مغرب ہے کہ اس کے بعد کسی کو امکان نہیں کہ وہاں سے متجاوز ہو سکے چنانچہ حضرت سکندر وہاں پہنچ کر دریائے محیط کے کنارے پر کھڑے ہو گئے۔ شیخ نے فرمایا کہ حضرت سکندر ایسی قوم کے ہاں پہنچے کہ ان کے علاقہ کے حدود کے آگے کسی کو جانے کی طاقت نہ تھی اس لیے کہ جہاں سورج ڈوب رہا ہے وہاں جانے کی کسی کو ہمت نہ ہو سکی۔

خضر علیہ السلام کو چشمہ آب حیات تبیان میں ہے کہ جب حضرت سکندر ذوالقرنین کو نہ مغرب تک پہنچے تو انھیں کسی شیخ نے کہا کہ ظلمۃ الارض کو طے کرو اُس کے آخری کونہ پر چشمہ آب حیات ہے۔ حضرت سکندر نے اپنے مشیروں سے پوچھا کہ رات کو کون سے جانور کی بینائی تیز ہوتی ہے۔ مشیروں نے کہا گھوڑے کی پھر پوچھا گھوڑوں میں نر یا مادہ کی۔ مشیروں نے کہا، مادہ کی۔ اس مقصد کے لیے لشکر سے چھ ہزار گھوڑیاں منتخب کر لی گئیں اور گھوڑیاں بھی باکرہ، اسی لیے کہ یہ دوسری گھوڑیوں کی بنسبت تیز تر دیکھتی ہیں۔ چھ ہزار سواریوں کے مطابق چھ ہزار سوار بہادر جنگی لے کر علاقہ ظلمۃ الارض میں چل پڑے اور باقی لشکر وہیں پر چھوڑ دیا۔ صرف آٹھ پہر چلتے رہے وہ چشمہ آب حیات حضرت خضر علیہ السلام کو ملا کیونکہ آپ ہی امیر لشکر اور سب سے آگے آگے تھے اور سکندری جھنڈا بھی آپ کے ہاتھ میں تھا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے نہ صرف آب حیات (کا پانی) پیا۔ بلکہ اس سے غسل فرمایا لیکن سکندر خالی ہاتھ لوٹا۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

فیض ازل بزور زر ار آمدی بدست
آب خضر نصیبہ سکندر آمدے

ترجمہ : فیض ازل اگر زور بازو سے نصیب ہوتا تو آب حیات حضرت خضر علیہ السلام کے بجائے سکندر کو حاصل ہوتا۔

---

[1] : روح البیان جلد ۴ صفحہ ۲۹۲، مطبوعہ جدید

زمرد کا حصول ایسے ہی چلتے چلتے پتھریلی زمین پہ گذرے لیکن اس کے پتھر ایسے طریقہ کے تھے کہ جس کی حقیقت کو عوام نہیں جانتے تھے اس کی سکندر کو دی گئی تو اس نے کہا کہ تم جتنا اٹھا سکتے ہو اٹھا لو اس لیے کہ اگر زیادہ اٹھاؤ گے تو بھی پریشان اور اگر تھوڑے اٹھاؤ گے تو بھی پریشان۔ وہ دراصل زمرد اخضر تھا۔ سب نے وہاں سے اپنی ہمت کے مطابق اٹھا لیے لیکن ظلمۃ الارض کے علاقے سے باہر آئے تو سخت پریشان ہوئے اور کہا کہ کاش! ہم اور اٹھاتے۔

وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ سکندر نے سورج کو کالی سیاہ مٹی میں ڈوبتے دیکھا۔ حمئۃ بمعنے ذات حمئۃ یعنے کالی سیاہ مٹی۔

حل لغات: حمئت البیر سے مشتق ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب مٹی پر گارے کا غلبہ ہو۔

ف: جب سکندر دریا کے کنارے پر پہنچے تو سورج کو ڈوبتے دیکھا اس لیے کہ پانی میں ان کا مطمح نظر پانی کے سوا کچھ نہ تھا جیسے دریائی سفر کرنے والوں کو معلوم ہے کہ دریا میں کشتی جا رہی ہے اور پانی کی انتہا معلوم نہ ہو تو غروب کے وقت ایسے معلوم ہوتا ہے گویا سورج پانی میں ڈوب رہا ہے۔ اسی لیے فرمایا: وجدھ تغرب ورنہ صرف تغرب فرماتے۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ جب سکندر مرحوم ایسے مقام پہ پہنچے جہاں جانب مغرب میں کوئی عمارت نہیں تھی تو سورج کو غروب کے وقت دیکھا تو ایسے معلوم ہوا کہ گویا وہ ظلمۃ الارض کی کیچڑ میں ڈوب رہا ہے جیسے دریا میں کشتی کا سوار دیکھتا ہے کہ گویا سورج دریا میں ڈوب رہا ہے یہ اس وقت محسوس ہوتا ہے کہ دریا کا کوئی کنارہ نہیں حالانکہ سورج دریا میں نہیں ڈوبتا بلکہ دریا کے پار اوپر کہیں جا کر ڈوبتا ہے۔ ورنہ خود سکندر کو بھی معلوم تھا کہ زمین کروی شکل میں ہے اور آسمان اس کو محیط ہے اور سورج اپنے فلک میں چلتا ہے اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ جہاں سورج غروب کرتا ہے وہاں کوئی قوم موجود نہیں۔ اور یہ بھی واضح ہے کہ سورج کا کرہ زمین کے کرّے سے کئی گنا بڑا ہے پھر سورج کا زمین کے کسی چشمہ میں داخل ہونے کا کیا مطلب؟

سوال: بحر العلوم سمرقندی رحمہ اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص سوال کرے کہ حدیث شریف میں ہے کہ سورج چوتھے آسمان میں سے نکل کر زمین پہ اپنی کرنیں ڈال رہا ہے اور اس کا نورانی چہرہ اہلِ سموٰات کی طرف ہے اور اس کا عظم زمین کے عظم سے تین سو گنا زائد ہے۔ یا اس سے کم و بیش (واللہ اعلم) پھر کیسے کہا گیا ہے کہ وہ زمین کے ایک چشمہ کے اندر ڈوب رہا ہے؟

جواب: اللہ تعالٰے بہت بڑی قدرت کا مالک ہے اور ان گنت حکمتیں اس کی قدرت میں ہیں صرف ایک سورج کو ایک چشمہ میں داخل کرنے کی کیا بات ہے وہ اگر چاہے تو ساتوں آسمان اور ساتوں زمینوں کو چھوٹی سے چھوٹی اور ذلیل سے ذلیل ترین شے میں داخل کر دے تو ہمارا ایمان ہے اور اس کی قدرت کے لیے ہم اس سے بھی زائد عقیدہ رکھتے ہیں۔

سوال: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اگر کوئی سائل سوال کرے کہ سورج چوتھے آسمان میں ہے اور وہ بھی ایک خاص فلک میں دورہ کرتا ہے پھر اس آیت کا کیا مطلب کہ وہ زمین کے ایک کیچڑ بھرے چشمہ میں غروب کرتا ہے؟

جواب: قرآن مجید میں یہ کہاں ہے کہ واقعی سورج ایک کیچڑ بھرے چشمہ میں ڈوبتا ہے البتہ اس آیت میں اللہ تعالٰے نے سکندر

ذوالقرنین کے وجدان کی خبر دی ہے کہ اس کے وجدان میں ایسے ہوا۔ کما قال :

وجدها تغرب فی عین حمئۃ ،

ان کی وجدان کے متعلق بھی ایک وجہ تھی وہ اس طرح کہ ذوالقرنین بحر الغرب میں کشتی لے گئے اور دریائے محیط کا کنارہ کہاں! البتہ ذوالقرنین کی کشتی ایک ایسے مقام پر پہنچی جہاں پانی کا زور کشتی کو آگے نہیں جانے دیتا تھا اس وقت دیکھا کہ سورج ڈوب رہا ہے لیکن انھیں سورج ایک چشمہ میں ڈوبتا ہوا نظر آیا۔

ف : اگر ذوالقرنین نبی تھا تو نبوت کے سبب ضروری ہے کہ شے کو حقیقت کے عین مطابق دیکھے جیسے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کو دور سے دیکھا اور اس کے لیے دعا بھی فرمائی یا نماز جنازہ پڑھی اور اگر وہ نبی نہیں تھا تو پھر اس کا خیالی وجدان تھا جسے کسی لحاظ سے قابلِ قبول نہیں سمجھا جاتا۔

وَوَجَدَ عِنْدَهَا اور اسی چشمہ کے نزدیک پایا یعنے عمارت کے انتہا کے آگے یعنے دریائے محیط غربی کے کنارہ پر پایا۔

قَوْمًا ط ناسک میں لکھا ہے کہ وہ لوگ بت پرست تھے ان کی آنکھیں سبز اور سرخ تھیں اور ان کا لباس حیوانات کے چمڑے اور ان کی خوراک آبی حیوانات کا گوشت تھا۔ بعض نے فرمایا ہے کہ وہ ایسی قوم تھی کہ جن کے شہر کے بارہ ہزار دروازے تھے اگر ان کا شور وغل نہ ہوتا تو سورج کے غروب کا دھماکہ دنیا کا بچہ بچہ سنتا۔

ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی شان عظیم ہے

امام سہیلی رحمہ اللہ تعالے نے فرمایا کہ اس قوم سے اہل جابلص (بالفتح) مراد ہے اور جابلص ایک شہر کا نام ہے جسے سریانی بولی میں جرجیسا کہا جاتا ہے اس شہر کے دس ہزار دروازے ہیں ہر دروازے کے درمیان ایک فرسخ (تین میل) کا فاصلہ ہے وہ قوم ثمود کی نسل سے تعلق رکھتی ہے یعنے وہ حضرات جنھوں نے حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لایا تھا اور عذابِ الٰہی سے بچ گئے تھے ورنہ صالح علیہ السلام کے منکرین تو سب کے سب عذاب میں ایسے تباہ وبرباد ہوگئے تھے کہ ان کا نام ونشان تک باقی نہیں رہا تھا اور یہ قوم ہمارے نبی پاک شہ لولاک صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے جب آپ شبِ معراج تشریف لے گئے تو آپ کا اس شہر (جابلص) سے گذر ہوا اور وہاں کے تمام باشندے حاضر ہوکر دولتِ اسلام سے نوازے گئے۔

ف : اسئلۃ الحکم میں ہے کہ لیلۃ المعراج کی حدیث میں جابلصا و جابلقا کا ذکر آیا ہے اور ان کے رہنے والوں کے متعلق ایمان لانے کا قصہ ہے یہ حدیث مشہور ہے۔

قُلْنَا ہم نے فرمایا بطریق الہام کے۔

سوال : اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سکندر نبی تھے اور آپ اسی قوم کے لیے جہاد پر مامور من اللہ ہوئے اور جیسے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں کفار کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے مامور من اللہ ہوں جب تک کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کا اقرار اور تصدیق نہ کریں۔ ایسے ہی سکندر نے جب ایسی قوم سے دینِ حق کے لیے جنگ لڑی

تو معلوم ہوا کہ وہ نبی تھے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

جواب: نبوت کے اثبات کے لیے نص قطعی چاہیے اور سکندر کی نبوت کے لیے نص قطعی نہیں بلکہ صرف ایک ظنی معاملہ ہے جیسے قلنا سے سمجھا جا رہا ہے۔ اسی لیے اس کی نبوت کا اثبات نہیں ہو سکتا[1]

یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَ اِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِیْهِمْ حُسْنًا ○ اے ذوالقرنین! یا تم انھیں عذاب دو یا ان سے کسی نیک کا معاہدہ لیں۔ یہاں اصل عبارت " امرا ذا حسن " تھی، مضاف محذوف کر دیا گیا اس میں ذوالقرنین کو اختیار دیا گیا کہ وہ دعوتِ دینی دینے کے بعد اگر وہ قوم انکار کرے تو چاہیں تو انھیں قتل کے عذاب میں مبتلا کریں چاہیں تو ان کے ساتھ احسان و مروت سے پیش آئیں۔ یا یہ اما توزیع و تقسیم کے لیے ہے تخییر کا نہیں۔ اب معنٰے یہ ہوا کہ اے سکندر! آپ انھیں قتل کر دیں اگر دین حق سے انکار کریں اگر وہ دین کو قبول کریں تو آپ اُن کے ساتھ احسان و مروت سے پیش آئیں۔

قَالَ ذوالقرنین نے فرمایا: اَمَّا مَنْ ظَلَمَ بہرحال تم میں سے جس نے ظلم کیا یعنے دین سے انکار کر کے کفر پر اصرار سے جس نے اپنے نفس پر ظلم کیا اس لیے کہ میری دعوتِ دینی کو اس نے قبول نہ کیا۔ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ تو میں اور میرے ساتھی انھیں دنیا میں قتل کر کے عذاب میں مبتلا کریں گے۔

ف: حضرت قتادہ نے فرمایا کہ سلطان سکندر کافروں کو دین حق کی دعوت کرتے اگر کوئی انکار کرتا تو اسے آگ کی دیگ میں ڈال دیتے اور اگر کوئی دینِ حق کو قبول کر لیتا تو اسے انعام و اکرام سے نوازتے۔

ثُمَّ یُرَدُّ اِلٰی رَبِّهٖ فَیُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ○ پھر وہ منکر کافر مرنے کے بعد آخرت میں اللہ تعالٰے کے ہاں حاضر ہوگا تو اسے اللہ تعالٰے عجیب و غریب عذاب میں مبتلا فرمائے گا جو انھوں نے سنا دیکھا نہ ہوگا۔ اس سے جہنم کا عذاب مراد ہے۔

وَ اَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ﹰالْحُسْنٰی اور جس نے میری دعوت قبول کی اور ایمان لے آیا اور ایمان کے مقتضا پر نیک عمل کیا تو اسے دارین میں نیک اجر نصیب ہوگا۔ یہ عبارت حال ہے اب معنٰے یہ ہوا کہ نیک کو نیکی کا اجر ملے گا در آنحالیکہ وہ پورا پورا ہوگا۔ یا مفعول فیہ ہے یعنے نیک کو دارِ آخرت میں بہشت نصیب ہوگی۔ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا یُسْرًا ○ اور ہم اسے اپنے تمام ادامر آسان کر کے بتائیں گے یعنے ان پر ہمارے امر کردہ احکام آسان ہوں گے۔ امر آسان ہر وہ کام جس کے ادا کرنے میں انسان کو تکلیف نہ ہو۔

---

[1] یہی جواب شیعوں کو دیا جاتا ہے جب وہ خلافت علی بلا فصل اور دوسرے ائمہ کے لیے امامت و خلافت کا دعوٰے کرتے ہیں اور ادھر عقیدہ رکھتے ہیں کہ امامت و خلافت نبوت سے بھی اعلٰے ہے اب انھیں کہو کہ اس کے لیے نص قطعی دکھاؤ۔ تفصیل فقیر کی کتاب "آئینہ شیعہ مذہب" میں ہے۔ ۱۲ (اویسی)

یسرا دراصل ذا یسر تھا مبالغہ کے طور پر مصدر لایا گیا ہے یعنے ہم اپنے وہ احکام جو ان پر اتاریں گے وہ آسان ہوں گے ۔

ف : کاشفی نے لکھا ہے کہ ذوالقرنین نے ظلمت یعنے تاریکی کا لشکر قوم ناسک پر متعین کیا یہاں تک کہ وہ لشکر اس قوم کی آنکھوں اور کانوں میں گھس گیا اور وہ قوم پناہ مانگ کر سکندر کے حکم کے موافق دین حق کو مان گئی ۔

قصص الانبیاء میں ہے کہ ذوالقرنین جب بجانب مغرب روانہ ہوئے تو جس قوم سے گذرتے انہیں دین حق کی دعوت دیتے اگر وہ قبول کر لیتے تو انھیں امن اور چین دیتے اگر وہ نہ مانتے تو ان پر ظلمت چھا جاتی یہاں تک کہ وہ علاقہ تاریکی سے بھر جاتا تمام شہر اور بستیاں تاریک ہو جاتیں ان کے گھروں اور قلعوں اور آنکھوں میں اندھیرا ہی اندھیرا ہوتا یہاں تک کہ وہ تاریکی دھوئیں کی طرح ان کے مونہوں اور ناکوں اور کانوں اور پیٹوں میں گھس جاتی ۔ اس طرح سے ان لوگوں کو پریشانی لاحق ہوتی جب تک سکندر کی دعوت ایمانی کو قبول نہ کرتے ان کے ساتھ یہی کیفیت رہتی اس طریق سے حضرت ذوالقرنین سورج کے ڈوبنے کی جگہ تک پہنچے ۔ وہاں ان لوگوں کو پایا جن کا بیان آیت بالا میں ہے ۔ اور ان کے ساتھ وہی کیا جو مذکور ہوا ۔ اس کے بعد سکندر علاقہ ظلمت میں چلے گئے اور اس علاقہ میں پورے آٹھ دن رات چلتے رہے اور لشکر کو ظلمت کے علاقہ تک چھوڑ دیا یہاں تک کہ اس پہاڑ کے قریب پہنچے جو تمام روئے زمین کو محیط ہے ۔ وہاں ایک فرشتے کو دیکھا جو اسی پہاڑ پر قبضہ جمائے ہوئے ہے ۔

جبل قاف کے مؤکل فرشتے کی تسبیح

جس فرشتے کو کوہ قاف پر مقرر کیا گیا ہے اسے سکندر اعظم نے دیکھا وہ مندرج ذیل تسبیح پڑھ رہا تھا جو پڑھتے پڑھتے تھکتا بھی نہیں :

سبحان ربی من الازل الی منتہی الدھر	پاکی میرے رب کی ازل سے منتہٰی الامر تک
وسبحان ربی من اول الدنیا الی اٰخرھا	پاکی میرے رب کی تسبیح کی اول دنیا سے آخر تک
وسبحان ربی من موضع کفی الی عرش ربی	پاکی میرے رب کی میری ہتھیلی سے عرش تک
وسبحان ربی من منتہٰی الظلمۃ الی النور ۔	پاکی میرے رب کی پانی منتہٰی ظلمت سے نور تک

یہ تسبیح وہ فرشتہ بڑے زور دار الفاظ یعنے جہر سے پڑھ رہا تھا ۔

کوہ قاف پر فرشتے اور سکندر اعظم کا مکالمہ

جب سلطان سکندر نے اس فرشتے کو دیکھا تو سجدہ میں گر گئے اور اس وقت تک سر سجدے سے نہ اٹھایا جب تک کہ اللہ تعالٰے نے اسی پہاڑ کو دیکھنے کی طاقت نہ بخشی اور اس فرشتے کو بھی آنکھوں سے دیکھ لیا ۔

فرشتے نے سلطان سکندر کو دیکھ کر کہا کہ آپ اس مقام پر کیسے پہنچے جب کہ آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے یہاں پر آپ سے پہلے اور کوئی نہیں پہنچا ۔ سلطان سکندر نے فرشتے کو جواب دیا جس ذات نے آپ کو اس پہاڑ پر قبضہ جمانے کی طاقت بخشی ہے مجھے بھی اسی نے یہاں تک پہنچنے کی طاقت عنایت فرمائی ہے لیکن آپ فرمائیں کہ آپ اس پر کیسے قابض ہیں اس نے فرمایا ۔

کہ میں اسی جبل قاف کا مؤکل فرشتہ ہوں اور یہ وہی جبل ہے جو تمام زمین کو محیط ہے اگر یہ نہ ہوتا تو زمین اپنے مکینوں سمیت الٹی ہو جاتی اور اس سے بڑھ کر اور کوئی پہاڑ نہیں ہے۔ جب ذوالقرنین واپس لوٹنے لگے تو فرشتے سے عرض کی کہ آپ مجھے وصیت فرمائیے۔ فرشتے نے فرمایا کہ اسے ذوالقرنین! آپ کل کے رزق کے لیے پریشان نہ ہونا اور آج کا کام کل پر مت چھوڑنا اور جو شئے چوک جائے اس پر غم نہ کرنا اپنے ہر معاملہ میں نرمی کو مدِ نظر رکھنا کسی پر نہ سرکشی کرنا اور نہ ہی تکبر کرنا ؎

تکبر کند مرد حشمت پرست
نداند کہ حشمت بحلم اندرست
وجود تو شہریست پر نیک و بد
تو سلطان و دستور دانا خرد
ہمانا کہ دو نان گردن فراز !
درین شہر کبرست وسود و آز
چو سلطان عنایت کند بابدان
کجا ماند آسایش بخردان
تو خود را چو کودک ادب کن بچوب
بگرز گران مغز مردم مکوب

ترجمہ: (۱) حشمت والا تکبر نہیں کرتا۔ اسے علم نہیں کہ حوصلہ میں ہی حشمت ہے۔
(۲) تیرا وجود خود نیک و بد کا ایک شہر ہے اس کا تو بادشاہ اور عقل اس کی وزیر ہے۔
(۳) بے شک اس شہر کے کمینے سرکش تکبر، سودا حرص ہیں۔
(۴) جب بادشاہ بروں سے مہربانی کرنے لگے تو پھر غریبوں کو آرام کہاں۔
(۵) تو اپنے آپ کو بچوں کی طرح ڈنڈے سے سیدھا کر۔ بڑے گرز سے سرکش لوگوں کا مغز ٹھیک کر۔

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ○ پھر وہ راستہ چلا جو مغرب سے مشرق تک پہنچنے والا تھا۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ قوم ناسک کو اپنے ساتھ لے کر نور کا لشکر آگے روانہ کیا اور ظلمت کا لشکر پیچھے رکھا اور دکھن کی طرف متوجہ ہو کر قوم ہاویل کو جو قطر ایمن میں تھی مسخر کیا اور پھر جس طرح قصہ قوم ناسک مذکور ہوا اسی طرح مشرق کی طرف توجہ کی۔

حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ یہاں تک کہ مطلع آفتاب تک پہنچا یعنے زمین کی آبادی کی اس جگہ تک پہنچے جہاں سورج کے طلوع کے بعد سب سے پہلے اسی جگہ پر سورج کی کرنیں پڑتی ہیں یعنے از جانب مشرق کی وہ جگہ جو عمارات زمین کا مبدا ہے۔

سوال: قرآن مجید میں مطلع الشمس، کہا گیا ہے اور تم نے اس کے خلاف مطلب بیان کیا ہے؟

جواب : شمس کے اصلی مطلع پر پہنچنا تو مشکل ہے اسی لیے ہم نے مجازاً وہی مطلب بیان کیا ہے جو عقلاً اور نقلاً صحیح ہے ۔

ف : بعض روایات میں ہے کہ مغرب الشمس سے مطلع الشمس تک بارہ سال اور بعض روایات میں اس سے بھی کم مدت میں پہنچنا مذکور ہے ۔ اتنی بڑی مسافت کو بشری امکانات سے نہیں طے فرمایا تھا بلکہ ربانی طاقت کے ذریعے ، جو اسے اللہ تعالیٰ نے بخشی کہ بادلوں کو آپ کے تابع کر دیا گیا اور دوسرے اسباب بھی آپ کو عنایت ہوئے تھے ۔

وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰی قَوْمٍ سورج کو پایا ایسی قوم پر طلوع کرتا ہوا جو بالکل ننگ دھڑنگ تھے ۔ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا جن کے لیے سورج اور ان کے درمیان ہم نے کوئی آڑ نہ پائی یعنی نہ ان پر لباس تھا اور نہ وہ کسی مکان میں چھپ کر رہتے تھے ۔ اس لیے کہ ان کی زمین اتنی نرم ہے کہ اس پر مکان نہیں بنائے جا سکتے ۔ جب سورج نکلتا ہے تو وہ غاروں میں چھپ جاتے ہیں جب تک سورج ان سے دور نہیں ہوتا وہ غاروں میں سے نہیں نکلتے جب نکلتے ہیں تو مچھلی کا شکار کرکے سورج کی گرمی سے بھون کر کھاتے ہیں ۔

ف : حدادی نے فرمایا کہ ان کے سروں اور جسم پر کوئی بال نہیں تھے اور نہ ہی ان کے ابرو پر بال ہیں ۔ ایسے معلوم ہوتا ہے گویا ان کی کھال اتاری گئی ہے ۔ بالوں نہ ہونا سورج کی گرمی کی وجہ سے ہے ۔

حکایت ایک سیاح کا واقعہ ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے چین کے ملک سے آگے نکل کر پوچھا کہ ان لوگوں تک پہنچنے میں کتنا وقت لگے گا ۔ کہا گیا کہ صرف آٹھ پہر کی مسافت ہے جب میں وہاں پہنچا تو انھیں دیکھا کہ ان کے کان لمبے ہیں یہاں تک کہ ایک کان کو نیچے بچھا لیتے ہیں اور دوسرے کو اوپر اوڑھ لیتے ہیں میرے ساتھ ایک رفیق تھا جو ان کی بولی جانتا تھا ، ان سے کہا کہ ہم سورج کو طلوع کرتا ہوا دیکھنے آئے ہیں ۔ یہی بات ہو رہی تھی کہ ہم نے گھنٹی کی آواز سنی اس سے میں تو بے ہوش ہو گیا جب ہوش آیا تو انھیں دیکھا کہ وہ مجھے تیل کی مالش کر رہے تھے ۔ جس وقت سورج پانی پر طلوع ہوا تو وہ پانی زیتون کے تیل کی طرح کھولنے لگا اس کیفیت سے یہ لوگ غاروں میں چھپ گئے اور مجھے بھی ساتھ لے گئے جب سورج ان کے حدود سے آگے نکل گیا تو انھوں نے دریا کی مچھلیاں پکڑ کر سورج کی گرمی سے پکائیں ۔

ف : حضرت مجاہد کی روایت ہے کہ یہی اطوار قوم زنگی کے ہیں اور وہ باقی روئے زمین کے انسانوں سے کئی گنا زائد ہیں ۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ یہ قوم منسک (نامی) تھی ۔

ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس کا بیان سہیلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ اہل جابلق (بالفتح) ہیں جابلق ایک شہر ہے جس کے دس ہزار دروازے ہیں ایک دروازہ سے دوسرے دروازے تک کی مسافت ایک فرسخ (تین میل) ہے ۔ انھیں سریانیہ میں مرقیتا کہا جاتا ہے ۔ عاد کی بقایا قوم جنھوں نے ہود علیہ السلام پر ایمان لایا تھا یہ لوگ انہی کی اولاد سے تھے اور اہل جابلق شب اسریٰ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے ان کے آگے بھی بہت بڑی قومیں ہیں وہ ناقیل اور فارس کی نسل سے ہیں لیکن وہ ہمارے نبی اکرم

صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے ۔

ف : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ یہ اسباب کا عالم ہے کوئی بھی کسی شے اور مقصد کو نہیں پا سکتا جب تک اللہ تعالےٰ نہ پہنچائے یا اس کے لیے اسباب نہ بنائے ۔ حضرت ذوالقرنین کے لیے بھی اللہ تعالےٰ نے اسباب بنائے جن کی وجہ سے وہ مغرب و مشرق تک پہنچے ۔

کَذٰلِكَ ط یعنے ذوالقرنین کا معاملہ مذکور جیسا کہ ہم نے بیان کیا کہ وہ بلند مرتبہ کو پہنچا اور بادشاہی کے جملہ امور اسے حاصل ہوئے یا جیسے ہم نے اسے اہل غرب کے لیے اختیار بخشا ایسے ہی آنے والا معاملہ ۔

ف : کاشفی نے لکھا ہے کہ ان کے ساتھ بھی سکندر نے ویسا ہی کیا جیسا کہ مغرب والوں کے ساتھ کیا تھا یا اسی طرح سبب کی اتباع کی اور بائیں قطر کی طرف چلا ایک قوم میں پہنچا کہ ان کو تاویل کہتے تھے اور ان کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جو قوم ہاویل کے ساتھ کیا تھا ۔

وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ۝ اور بے شک ہم نے گھیر رکھا ساتھ اس کے جو اس کے پاس تھا اسباب اور لشکر از روئے علم کے ۔ خبرا تمیز ہے بمعنے علماً یعنے ہمیں اس کے ظواہر و خفایا کا علم ہے یعنے اس کے اسباب و لشکر اتنی کثیر تعداد میں تھے کہ اس کا احاطہ سوائے اللہ تعالےٰ لطیف و خبیر کے اور کسی کو نہیں ۔

ف : یہ اللہ تعالےٰ کی مہربانی اور لطف و کرم ہے کہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے عطا فرماتے ۔

سکندر اعظم ایک بڑھیا کے صاحبزادے تھے وہب بن منبہ نے فرمایا کہ ذوالقرنین اسکندریہ کے باشندوں سے تھے اور ایک بڑھیا کے صاحبزادے تھے اور اس بڑھیا کے آپ اکلوتے بیٹے تھے اور اپنی قوم سے علیحدہ ہو کر زندگی بسر کرتے تھے اور اتنے بڑے حسب و نسب والے نہیں تھے البتہ حسن و جمال میں یکتا تھے اور حلم و مروت و عفت میں ضرب المثل تھے بچپن سے چڑھتی جوانی تک نیک اوصاف اور حسن اخلاق میں مشہور رہے بڑے بڑے معاملات سر کرنے کے لیے بڑے لوگ حضرت سکندر کو جب تک شامل نہ کرتے وہ کام سرانجام نہ ہوتا اسی بنا پر آپ نے اپنے ملک میں بہت زیادہ شہرت پائی اور خلق خدا میں معزز ترین انسان سمجھے جاتے ۔ خدا تعالےٰ نے بھی بہت زیادہ ہیبت بخشی اس طرح میں عوام میں مقبول عام ہوتے ۔ اس دور میں صرف آپ کی شخصیت تھی جس کے دل میں دین حق کی محبت جاگزیں ہوئی ۔ اسی لیے آپ نے عوام کو اللہ تعالےٰ کے دین کی دعوت دینی شروع کی ۔ آپ کی پُر وقار شخصیت کے اثر سے بہت سے لوگ دینِ حق میں داخل ہوئے اور بہتوں کو قہر و غلبہ سے دینِ حق منوایا اس کے بعد مستقل بادشاہی کے مالک بن گئے اور یہاں تک ترقی پائی کہ قرآن مجید نے رہتی دنیا تک اس کی داستان کو زندہ فرما دیا ۔

سکندر اعظم نے زمین کے چپّے چپّے پر شاہی کس طرح کی اور کیوں؟ سکندر اعظم سے کسی نے پوچھا کہ آپ

مشرق ومغرب تک کس طرح چھا گئے حالانکہ آپ سے بہت بڑے بڑے خزانوں والے اور بڑی طاقتوں والے بادشاہ گذرے ہیں ان کے لشکر بھی تھے اور دنیا و دولت بھی، لیکن انھیں آپ جیسی فتح و نصرت نصیب نہ ہوئی۔ سکندر اعظم نے جواب دیا کہ میرے اللہ تعالٰے نے میری مدد فرمائی اور پھر میری عادت تھی کہ میں جس شاہی کو فتح کرتا اس کی رعایا کو رنج نہ پہنچاتا بلکہ انھیں عیش و آرام سے نوازتا اور اگلے بادشاہوں کے نام بھی نیکی سے لیتا یعنے ان کی بدگوئی نہیں کرتا ؎

بزرگش نخوانند اہل خرد
کہ نام بزرگان بزشتی برد

ترجمہ: عقلمند لوگ اسے بزرگ نہیں کہتے جو بزرگوں کا نام برائی سے لیتا ہے۔

کسی اور شاعر نے کہا ؎

۱۔ فلم ار مثل العدل للمرء رافعا
و لم ار مثل الجور للمرء واضعا

۲۔ کنت الصحیح وکنا منك فی سقم
فان سقمت فانا السالمون غدا

۳۔ دعت علیك اکف طالما ظلمت
و لن ترد ید مظلومة ابدا

ترجمہ: ۱۔ عدل سے بڑھ کر میں نے اونچا کرنے والا کسی شے کو نہیں دیکھا اور نہ ہی ظلم سے بڑھ کر گرانے والا۔
۲۔ ظالم کو کہتے ہیں کہ تو تندرست ہے تو ہم تیری وجہ سے بیمار ہیں اگر تو بیمار رہے تو تندرست ہیں ۔
۳۔ جب تک تو ظلم کرے گا تو تیری بددعا کے لیے ہاتھ اٹھے رہیں گے اور مظلوم کا ہاتھ کبھی رد نہیں ہوتا ۔

سلطان سکندر کی توبہ کا عجیب واقعہ تفسیر البیان میں ہے کہ ذوالقرنین ایک ظالم جابر بادشاہ تھا جب اس کا والد فوت ہوا تھا تو اسے ذوالقرنین اپنی بادشاہی کا مالک بنا کر دنیا سے رخصت ہوا۔ اس سے بادشاہ کا تجبر وتکبر اور بڑھا اللہ تعالٰے کے فضل وکرم سے اس کا ایک دوست نیک صالح اس کا رفیق حال تھا۔ ایک دن اس نے اسے بطور نصیحت فرمایا کہ اے بادشاہ! اس تجبر وتکبر کو چھوڑیئے اور مرنے سے پہلے اپنی تمام کوتاہیوں سے توبہ کیجئے۔ اسس پر سلطان سکندر ناراض ہوا اور اسے قید کرا دیا۔ اس کا ساتھی تین دن تک قید رہا۔ تین دن کے بعد اللہ تعالٰے نے ایک فرشتہ بھیجا جس نے قیدخانے کی چھت چیر کر اسے وہاں سے نکال کر اسے اپنے گھر پہنچا دیا۔ صبح کو سلطان سکندر کو معلوم ہوا کہ قیدی قیدخانہ سے نکل گیا ہے تو خود جیل کا معائنہ کرنے گیا جیل خانے کی چھت چیری ہوئی دیکھ کر سمجھا کہ یہ واقعہ عجیب سا ہے اسس سے اس کے رونگٹے کھڑے ہوگئے اور یقین کیا کہ میری شاہی کمزور ہے اور حقیقی شاہی صرف اللہ تعالٰے ہی کی ہے لیکن دل

سے غصہ نہ گیا فوراً آرڈر جاری کیا کہ اس قیدی کو میرے ہاں حاضر کرو۔ جب سپاہی گرفتار کرنے کے لیے اس نیک بخت کے گھر گیا تو وہ نیک بخت جبل طالس پر نماز پڑھ رہا تھا۔ جب اس نیک بخت نے سلطان سکندر کو دیکھا تو کہا کہ اے بادشاہ! اللہ تعالیٰ کے حضور میں جھک جا اور اپنی غلطیوں کی معافی مانگ۔ بادشاہ کا ارادہ ہوا کہ اسے دوبارہ گرفتار کر کے جیل میں بھجوا دے اور لشکر کو حکم دیا کہ اسے پکڑو۔ اللہ تعالیٰ نے اس نیک بخت کی امداد فرمائی کہ ایک غیبی آگ آئی جس نے تمام لشکر کو جلا دیا اور سکندر بھی بیہوش ہو کر گرا۔ جب ہوش میں آیا تو سچے دل سے توبہ کی اور اس نیک بخت بندے کے قدموں پر گر کر معافی مانگی اور وعدہ کیا کہ بقایا زندگی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں بسر کرے گا اور اپنی عادت کو احکام الٰہی میں ڈھالے گا۔ اس کے بعد ظالم بادشاہوں کی سرکوبی کرنی شروع کر دی۔

سب سے پہلے مسجد سکندر اعظم نے بنائی

اس کے بعد حکم فرمایا کہ ایک مسجد تیار کی جائے جس کا طول چار سو گز اور عرض بائیس گز اور اس کی بلندی ایک سو گز تھی۔

سبق: اس میں اشارہ ہے کہ دولت کے لیے ضروری ہے کہ دولت ملے تو پہلے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرے ایسا نہ ہو کہ دولت کے حصول کے بعد نفسانی خواہشات میں لگ جائے۔ ایسے ہی مفتی کے لیے لازم ہے کہ سب سے پہلے توحید کے متعلق فتوے صادر کرے، اسی طرح کپڑے پہننے والے پر لازم ہے کہ وہ نیا کپڑا پہن کر مسجد میں نوافلِ شکرانہ ادا کرے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے نیا کپڑا پہنے ایسا نہ ہو کہ نیا کپڑا پہن کر بازار کے چکر لگاتا پھرے یا بیت الخلاء یا ایسے ہی گندی جگہوں میں جائے۔

ف: فتح ظاہری یعنی کفار اور مخالفین پر غلبہ لشکر کی کثرت سے ہوتا ہے، ہاں فتح معنوی یعنی بقاء باللہ کا مقام فنائے نفس کے بعد حاصل ہوتا ہے بلکہ جملہ اسباب کے تصورات ختم کر کے صرف مسبب الاسباب سے وابستگی کرنے کے بعد بقاء نصیب ہو گئی ہے۔ جناب صائب نے فرمایا: ؎

ہر کس کشید سر بگریبان نیستی
تسخیر کرد مملکت بے زوال را

ترجمہ: جو نیستی یعنی فنا حاصل کرتا ہے تو اسے بقا کی مملکت پر قبضہ نصیب ہوتا ہے۔

اس تقریر سے معلوم ہوا کہ سکندر[1] حقیقی وہ ہے جس کا ملک دائمی اور اس کی سلطنت کے امور، احاطہ، صرف اللہ تعالیٰ ہی کر سکتا ہے اور بس۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے جس کا ظاہر تو طاعات الٰہی سے معمور اور معاملات عبودیت سے سرشار اور اس کا باطن انوار، مشاہدات و تجلیاتِ ربوبیت سے مزین ہو۔ ایسے انسان کا نفس امارہ مٹ جاتا ہے اور اس کے قلب کے قلعے اللہ تعالیٰ کے ایسے

---

[1] یعنی اولیاء اللہ لیکن آج کل کے دور میں اہلسنت عوام میں اولیاء اللہ کے ساتھ عقیدت کے باوجود سچے اور جھوٹے اولیاء اللہ کی پہچان نہیں رہی۔ عزیزو! سنئے! سچا ولی اللہ وہ ہے جو عقائد بھی سچے رکھتا ہو اور اعمال شریعت کے مطابق ڈھالتا ہے یہ دونوں نہ ہوں تو سمجھنا کہ وہ جھوٹا ہے۔ (مترجم)

لشکر کی تائید حاصل ہوتی ہے جس کی گنتی صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔
اے اللہ! ہمیں ان لوگوں سے بنا جنھیں انوارِ ملکوتیہ اور امدادِ لاہوتیہ نصیب ہے، اسے اللہ تعالیٰ جو کچھ چاہتا ہے وہی دیتا ہے۔

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ○ پھر ایک تیسرا راستہ اختیار فرمایا جو جنوب سے شمال کو جاتا۔ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ۔ یہاں تک کہ جب پہنچے بَيْنَ السَّدَّيْنِ دو پہاڑوں کے درمیان کی جگہ پر جس نے دونوں پہاڑوں کو روک رکھا ہے یہ دو بلند پہاڑ ہیں۔ ارضِ ترک کے اختتام پر مشرق کی جانب واقع ہیں اور ان کے پیچھے یاجوج وماجوج کا بسیرا ہے۔

حل لغات السد بالفتح والضم بمعنے الجبل والحاجز۔ یا بالفتح ہر اس دیوار کو کہا جاتا ہے جسے مخلوق نے تیار کیا ہو۔ اور بالضم وہ دیوار جو قدرتی طور پر ہو اس لیے کہ فعل (بالضم) بمعنے مفعول ہر اس فعل کو کہا جاتا ہے جسے دستِ قدرت نے بلاواسطہ بنایا اور بَیْنَ کا منصوب ہونا بوجہ مفعولیت کے ہے اس لیے کہ وہ (مبلغ) کا مفعول یہ ہے اور بین ان اسماء سے ہے کہ اسم ہو کر بھی مستعمل ہوتا ہے اور ظرف ہو کر بھی اس کی ظرفیت تو مشہور ہے اور اس کی اسمیت کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں مرفوع بھی مستعمل ہوا ہے چنانچہ لقد تقطع بینکم میں بعض قرأتوں میں مرفوع پڑھا گیا ہے اور ھذا فراق بینی وبینکم میں بعض قرأتوں میں مجرور پڑھا گیا ہے۔

وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا جب سکندر اعظم ان دونوں پہاڑوں سے گذرے تو ان کے پیچھے پایا۔ یہی مفہوم کاشفی نے اور صاحب تفسیر الجلالین نے فرمایا ہے۔ قَوْمًا ایک ایسی قوم تھی۔ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ ○ جو کسی کی بات نہیں سمجھتے تھے اگر کچھ سمجھتے تو بڑی تکلیف سے یا کنایوں اشاروں سے جیسے گونگے کو بات سمجھائی جاتی ہے ایسے ہی ان کو۔ یہ بھی ترکی تھے۔

اہلِ تاریخ لکھتے ہیں کہ نوح علیہ السلام کے تین صاحبزادے تھے:

۱ - سام
۲ - حام
۳ - یافث

سام ابو العرب والعجم والروم اور حام ابو الحبش والزنج والنوبہ اور یافث ابو الترک والخزر والصقالبۃ ویاجوج وماجوج تھے۔
ف: انوار المشارق میں ہے کہ ترک قنطورا کی اولاد ہے اور قنطورا ابراہیم علیہ السلام کی خادمہ تھیں اس کی بہت اولاد ہوئی جو ترک کے علاقوں میں پھیلی۔

قَالُوْا اپنے ترجمان کے ذریعے شکایت کہا۔ بعض کہتے ہیں کہ سکندر اعظم تمام لغات جانتا تھا اسی لیے انھیں براہِ راست شکایت پیش کی۔

سوال: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ پہلے فیصلہ فرمایا کہ لا یکادون یفقھون قولا پھر فرمایا (قالوا) ان دونوں کو آپس میں تضاد ہے؟

جواب: فعل کادَ میں فعل کا وقوع ضروری نہیں ہوتا چنانچہ فرمایا:

تکاد السموات یتفطرن ظاہر ہے کہ آسمان پھٹنے کے قریب تو ہوئے لیکن پھٹے نہیں تھے علاوہ ازیں کادَ کا ایک قاعدہ ہے وہ یہ کہ جب اس پر لا و ما نافیہ داخل ہوں تو اس سے اثبات مطلوب ہوتا ہے مثلاً فذبحوھا و ما کادوا یفعلون یعنے قریب تھے کہ گائے کو ذبح نہ کرتے لیکن مجبوراً انہیں ذبح کرنا پڑا اسی طرح "لا یکادون یفقھون قولا" کو سمجھئے کہ اس میں ان کے سمجھنے کی علی الاطلاق نفی نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایسی بات کا علم نہیں رکھتے تھے جو بول کر ذوالقرنین کے دل پر اثر ڈالیں تاکہ وہ ان کی دلی تمنا کے مطابق دیوار کھینچ کر انہیں یاجوج ماجوج سے نجات دلائیں یہاں تک کہ اللہ تعالٰی نے فضل و کرم فرمایا کہ ان کے دلوں میں ایک بات کا القاء ہوا کہ جونہی ذوالقرنین کو کہی تو فوراً اس کے دل پر اثر ہو گیا اور اس کے بعد سدِ سکندری کی کارروائی شروع فرمائی۔ چنانچہ عرض کی:

یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اِنَّ یَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ ۔ یاجوج و ماجوج دونوں عجمی اسم ہیں دلیل ظاہر ہے کہ یہ دونوں غیر منصرف ہیں یا عربی ہیں تو ان کا غیر منصرف ہونا علمیت و تانیث کی وجہ سے ہے اس لیے کہ یاجوج ماجوج دونوں دو قبیلوں کے علم ہیں اور ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ یہ نوح علیہ السلام کے صاحبزادے یافث کی اولاد سے ہیں۔

آدم علیہ السلام کا احتلام: مروی ہے کہ ایک دن آدم علیہ السلام کو احتلام ہوا تو ان کا نطفہ مٹی پر جا گرا۔ اسی نطفے میں سے یاجوج و ماجوج کو پیدا کیا گیا اس معنے پر وہ باپ کی جانب سے ہمارے بھائی ہیں۔ (کذا فی عین المعانی)

غلطی کا ازالہ: انوار المشارق میں لکھا ہے کہ قول مذکور بالکل غلط ہے اور روایت کی کوئی اصل نہیں۔ (کذا فی بحر العلوم)

نیز یہ حدیث شریف کے بھی مخالف ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

وما احتلم نبی قط ۔ کسی نبی کو احتلام نہیں ہوا۔

تحقیقی قول فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ میرے شیخ اور پیر و مرشد قدس سرہٗ نے فرمایا کہ احتلام میں سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام مبتلا ہوئے اگرچہ یہ بظاہر شان نبوت کے منافی ہے لیکن قاعدہ الٰہی ہے کہ بتقضائے حکمت ایسے امور انبیاء علیہم السلام سے کرا دیتا ہے جیسے سہو سے انبیاء علیہم السلام پاک ہوتے ہیں لیکن بہ بنائے حکمت حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے ہوا۔ اور حدیث شریف میں ہے حضرت آدم علیہ السلام کو مستثنیٰ کر کے دیگر انبیاء علیہم السلام کے لیے قاعدہ مقرر فرمایا گیا ہے۔ اور بوجہ ادب کے آدم علیہ السلام کے لیے احتلام کا اطلاق مناسب بھی نہیں۔

مُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ یعنے وہ یاجوج ماجوج ہمارے علاقہ میں قتل و غارت اور تخریب اور کھیتی وغیرہ کو ضائع کر کے بڑا فساد ڈالتے ہیں۔

ف: یاجوج ماجوج کا طریقہ تھا کہ موسم ربیع میں اپنی غاروں سے نکل کر سبز کھیتوں کو کھا جاتے اور خشک کو روند کر تباہ و برباد کر ڈالتے بسا اوقات انسانوں کو بھی کھا جاتے اور جانوروں کو تو بالکل نہ چھوڑتے۔ جب جانوروں کو کھا جاتے تو پھر انسانوں کو کھانے لگ جاتے

تمام ہتھیاروں سے لیس ہو کر باہر نکلتے اور ان کی لمبی لمبی عمریں ہوتیں جب تک ان کا ایک اپنی اولاد کی اولاد سے کامل ایک ہزار پورا نہ کرتا۔ اس پر موت نہ آتی۔ اسی لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آدم علیہ السلام کی اولاد سے دس گنا زائد ہیں۔

ے

چو بوزنیکاں آمدہ در وجود
مژہ زرد و رخ سرخ و دیدہ کبود
ندارند جز خواب و خور ہیچ کار
نمیرد یکے تا نزاند ھزار

ترجمہ: وہ بندروں کی طرح ہیں ان کی پلکیں زرد اور چہرے سرخ اور آنکھیں نیلی ہیں۔ خواب و خور کے سوا ان کا اور کوئی کام نہیں وہ نہیں مرتے جب تک ہزار نرینہ اولاد نہ دیکھیں۔

یاجوج وماجوج کا تعارف

وہ کئی قسم کے ہیں ان سے کسی کا قد تو ایک سو بیس گز ہوتا ہے اور بعض کے قد صرف ایک بالشت ہیں۔ ان کے اجسام عرضاً طولاً برابر ہیں بعض ان میں بڑے کانوں والے ہیں یہاں تک کہ ایک نیچے دوسرا اوپر کرکے سو جاتے ہیں۔ ان کے بال اتنے لمبے ہیں کہ ان سے اپنے جسموں کو ڈھانپ لیتے ہیں انہی بالوں کی وجہ سے نہ انہیں گرمی محسوس ہوتی اور نہ ہی سردی، ان بالوں کو بکھرے ہوئے رکھتے ہیں نہ انہیں گوندھتے ہیں اور نہ ہی باندھتے ہیں۔ بھیڑیوں کی طرح آوازیں مارتے ہیں اور جانوروں کی طرح وطی کرتے ہیں ان کے ہاتھوں میں جنگل ہیں اور درندوں کی طرح ان کی داڑھیں ہیں ان سے جو آواز نکلتی ہے وہ ایسی ہوتی ہے جیسے اونٹوں کے گلے میں گھنٹیاں۔ ان کے آگے ہاتھی، خنزیر، شیر وغیرہ اسی طرح کے زور دار جانور جو بھی آتے سب کو کھا جاتے ہیں۔ ان میں سے جو بھی مر جائے اُسے بھی کھا جاتے ہیں، حشرات، سانپ اور بچھو سب کو کھا جاتے ہیں۔

ف: حیوٰۃ الحیوان میں ہے کہ اژدہا ایک بہت بڑا سانپ ہے اس کے منہ میں بڑے بڑے تیروں کی طرح داڑھیں ہیں وہ بہت بڑی کھجور جتنا لمبا ہوتا ہے اس کی آنکھیں خون کی طرح سرخ ہوتی ہیں۔ اس کا منہ اور پیٹ بہت بڑا ہوتا ہے، اس کی بہت زیادہ چمکیلی آنکھیں ہیں بہت بڑے بڑے جانوروں کو ہڑپ کر جاتا ہے اس سے تمام دریائی جانور ڈرتے ہیں جب وہ دریا میں متحرک ہوتا ہے تو دریا کو بڑی موجیں لگتی ہیں۔ پہلے تو وہ بھی ایک زہریلا سانپ ہوتا ہے جنگل کے جانور کھانے لگتا ہے۔ جب اس کا فتنہ وفساد زمین پر بڑھنے لگتا ہے تو فرشتہ اسے اٹھا کر دریا میں ڈال دیتا ہے، وہاں دریائی جانوروں کو ہڑپ کر جاتا ہے جب اس کا فساد دریا میں بڑھنے لگتا ہے اور اتنا بڑا ہو جاتا ہے کہ اس کا سر ایک بڑے ٹیلے کے برابر ہو جاتا ہے تو پھر اسے فرشتہ اٹھا کر یاجوج وماجوج میں پھینک دیتا ہے جسے وہ کھاتے ہیں۔

ف: قصص الانبیاء میں ہے کہ جب یاجوج وماجوج میں یہ اژدہا ڈالا جاتا ہے تو انہیں خوشحالی ہوتی ہے ورنہ قحط زدہ ہوتے ہیں۔

فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا تو کیا ہم آپ کے لیے اپنے مالوں سے چندہ جمع کریں یعنے وہ مال جو ہم آپ کے لیے نکالیں گے وہ آپ مزدوروں کو دیں۔ خرج اور خراج، نول اور نوال ایک شے ہے۔

بعض نے کہا ہے خراج وہ ہے جو زمین کا ٹھیکہ وغیرہ وصول کیا جاتا ہے اور کسی کے ذمہ واجب ہو اور خرج اس کا مصدر ہے یا خرج وہ ہے جو گورنمنٹ کو سال کے بعد (محصول وغیرہ) ادا کیا جائے۔ اور خراج وہ ہے جو شہریوں سے ٹیکس وصول کیا جاتا ہے یا خرج، جو خود بخود اپنی خوشی سے چندہ دیا جائے اور خراج واجب کردہ چندہ، جس کی ادائیگی لازمی اور ضروری ہو۔

عَلٰۤی اَنْ تَجْعَلَ بَیْنَنَا وَ بَیْنَهُمْ سَدًّا ۝ اس شرط پر کہ آپ ہمارے اور ان کے مابین دیوار تیار فرمائیں جو انھیں ہم تک پہنچنے میں آڑ بن جائے۔

قَالَ ذوالقرنین نے کہا، مَا مَكَّنِّیْ۔ بالادغام اور بلا ادغام بھی پڑھا گیا ہے یعنے جو کچھ مجھے قدرت بخشی ہے۔ فِیْهِ رَبِّیْ میرے رب کریم نے مجھے قدرت بخشی ہے یعنے بہت بڑا ملک اور وافر مال اور بے شمار اسباب عنایت فرماتے۔ خَیْرٌ اس سے کئی گنا بہتر ہے جو مجھے تم دیوار کے لیے جمع چندہ کر کے دو گے۔ اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا:

فما اٰتانی اللہ خیر مما اٰتاکم جو کچھ مجھے اللہ تعالٰے نے عطا فرمایا ہے وہ تمھارے پیش کردہ تحفہ سے بہتر ہے۔

فَاَعِیْنُوْنِیْ بِقُوَّةٍ پس تم میری قوت کے ساتھ مدد کرو یعنے دیوار بنانے میں ساتھ دو اور اس کے لیے جتنے آلات اور مزدور دے سکتے ہو اس میں کمی نہ کرو، اس کے لیے بڑھ چڑھ کر میری مدد کرو۔ اَجْعَلْ بَیْنَكُمْ وَ بَیْنَهُمْ رَدْمًا ۝ تمھارے اور ان کے مابین بہت زیادہ مضبوط قلعہ تیار کروں گا۔ یہ امر کا جواب ہے یعنے ایسی مضبوط دیوار ہو گی اور اس کا ایک دوسرے کے ساتھ اتنا سخت جڑاؤ ہو گا کہ اس کا توڑنا آسان نہ ہو گا۔ ردم سد سے مضبوط تر ہوتی ہے مثلاً کہا جاتا ہے: ثوب مردم، مردہ کپڑا جس میں ٹکڑے پر ٹکڑے پیوند کئے جائیں۔ ان کے ارادہ سے بڑھ کر انھیں توقع کا اظہار کیا گیا۔

اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ ؕ تم میرے ہاں لوہے کی تختیاں جمع کرو۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہ جملہ (بقوۃ) کی تفسیر ہے یعنے قوت سے ترتیب الآلات مراد ہیں اور زبر زبرۃ کی جمع ہے جیسے غرف غرفۃ کی جمع ہے یعنے لوہے کے بڑے بڑے تختے۔

سوال: پہلے تو حضرت سکندر نے ان سے چندہ لینے کا انکار کیا پھر ان سے لوہے کے تختے وغیرہ مانگنا شروع کر دیا۔ یہ ہر دونوں آپس میں متضاد ہیں؟

جواب: ان کا چندہ دینے کا مطلب یہ تھا کہ وہ اس دیوار کی مزدوری دیں گے اور حضرت سکندر نے مزدوری لینے سے انکار فرمایا اور دیوار کی تیاری کے لیے آلات اور دوسری ضروریات مانگنا مزدوری نہیں بلکہ ایک دوسرے کی معاونت ہے۔

ف: قصص الانبیاء میں لکھا ہے کہ انھوں نے حضرت سکندر سے عرض کی کہ ہم لوہا وغیرہ کہاں سے لائیں ہمارے ہاں اس کے خریدنے کی وسعت بھی نہیں۔ حضرت سکندر نے فرمایا کہ فلاں مقام پہ لوہے کی کان ہے اور ساتھ ہی تانبے کی کان بھی بتائی۔

سوال: حضرت سکندر نے صرف ان کی تخصیص کیوں فرمائی حالانکہ اس دیوار کے لیے پتھر وغیرہ بھی ضروری تھے؟

جواب: چونکہ دیوار کو تیار کرنے کے لیے لوہے کی تختیاں ضروری ہوتی ہیں کیونکہ انہی سے کسیاں وغیرہ تیار ہوتی ہیں۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ حضرت سکندر نے انھیں فرمایا کہ لوہے کی بڑی بڑی تختیاں بناؤ اور رات دن محنت سے کام کرو۔ انھوں نے حضرت سکندر کے حکم پر جان کی بازی لڑا دی اور لوہے کی بے شمار تختیاں تیار کرلیں پھر حضرت سکندر نے فرمایا کہ پہاڑ کے درمیان میں پینسٹھ گز چوڑا گڑھا تہ تک کھودو۔

ف: قصص الانبیاء میں ہے کہ دونوں پہاڑوں کے درمیان کا فاصلہ تین میل تھا۔

ف: بعض کا قول ہے کہ ان دونوں پہاڑوں کا درمیانی فاصلہ تین سو میل تھا اسے پانی کی تہ تک کھودا گیا۔ اس کی بنیادیں بجائے مٹی کے پتھر اور سیسہ پگھلا کر بھری گئیں اس کے اوپر کی بنیاد لوہے کی تختیوں سے پر کی گئی پھر دونوں تختیوں کے درمیان لکڑیاں اور کوئلے ڈالے گئے۔

حَتّٰۤى اِذَا سَاوٰى بَیْنَ الصَّدَفَیْنِ - الصدف۔ پہاڑ کے آخری حصہ یا پہاڑ کے آخری گوشے کو کہا جاتا ہے اور بین۔ بین الصدفین کی طرح مفعول ہے یعنے حضرت سکندر کے ہاں وہ لوگ دیوار کا سامان جمع کرکے لائے تو انھوں نے دیوار کو بنانا شروع کیا۔ یہاں تک کہ دونوں پہاڑوں کا درمیانی فاصلہ اوپر تک پہاڑوں کے برابر کر دیا یعنے پہاڑوں کے درمیانی فاصلہ کے خلا کو اوپر سے پانی کی تہ تک بھر دیا۔ اس کی دیوار کی بلندی دو سو گز اور اس کی چوڑائی پچاس گز تھی۔ دیوار کی تکمیل کے بعد درمیان والی لکڑیوں اور کوئلوں کو مضبوط کرنے کے لیے انھیں ایک طرف سے آگ لگا دی۔ قَالَ انْفُخُوْا حضرت سکندر نے تمام عملہ سے فرمایا کہ ان تختیوں کے درمیان کی آگ کو پھونکو۔ حَتّٰۤى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ یہاں تک کہ جب اس آگ لگائی ہوئی تختیوں کو آگ بنا دیا یعنے وہ ان لوہے کی تختیوں کی گرمی اور ہیبت آگ کی طرح ہو گئی۔

سوال: یہ کام تو عملہ نے سرانجام دیا لیکن اللہ تعالےٰ نے فعل کا اسناد حضرت سکندر کی طرف فرمایا ہے؟

جواب: چونکہ اس کام میں وہی اصل تھا اور باقی عملہ اس کے حکم کا پابند تھا۔ اسی لیے حضرت سکندر کا نام لینا اہمیت رکھتا ہے۔

قَالَ حضرت سکندر نے انھیں فرمایا جو اس سیسہ پگھلانے اور لوہے کے اندر کی لکڑیوں اور کوئلہ وغیرہ کے جلانے پر مامور تھے کہ: اٰتُوْنِیْۤ میرے پاس پگھلا ہوا سیسہ لے آؤ۔ اُفْرِغْ عَلَیْهِ قِطْرًا ۝ الافراغ بمعنے اوپر سے نیچے پانی وغیرہ گرانا یعنے میں اس آگ لگائے ہوتے لوہے پر تیل ڈالتا ہوں۔

سوال: تم نے آگ لگائے ہوئے لوہے کو محذوف مانا ہے اس کے محذوف ہونے کی دلیل؟

جواب: چونکہ قطرا کا مفہوم اسی کے بغیر نامکمل ہوتا ہے اس کا اس طرح ہونا دلالت کرتا ہے کہ یہاں دوسرا لفظ محذوف ہے اور وہ محذوف شدہ لفظ ہم نے بیان کر دیا ہے۔

افراغ کے فعل کا اسناد حضرت سکندر نے اپنی طرف کیا ہے حالانکہ یہ کام عوام کرتے ہیں نہ کہ بادشاہ اس کا جواب ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔

بہر روئے فرشتے برانگیختند
برو روئے حل کردہ مے ریختند

ترجمہ : ہر جگہ انھوں نے فرش بچھائے اور اس پر تیل وغیرہ ملا کر ڈالے۔

فَمَا اسْطَاعُوْا ۔ دراصل استطاعوا تھا تخفیفاً اور التقائے ساکنین کے خطرہ سے ایک "تاء" کو حذف کر دیا گیا ہے۔

سوال : یہاں تو یہ دونوں عذر مسلم لیکن اسی آیت میں آگے و ما استطاعوا میں تاء کو کیوں نہیں حذف کیا گیا؟

جواب : فما اسطاعوا کا مفعول ان یظھروہ ہے جس کا پہلا حرف اَنْ اس کے بعد فعل و فاعل اور مفعول بہ ہے۔ اس طرح سے کلام طویل ہو جاتا ہے اگر اس میں تاء حذف نہ کی جاتی تو ثقالت (جو موجب ملالت ہے) کا اندیشہ ہے اور دوسرے استطاعوا کا مفعول نقبا اسم ہے جس میں طوالت کا خطرہ نہیں۔ فما اسطاعوا کی تاء فصیحہ ہے یعنے جس طرح ان لوگوں کو حضرت سکندر نے فرمایا کہ تیل لاؤ تاکہ میں لوہے کی تختیوں پر ڈالوں، تو وہ اسے لائے تو حضرت سکندر نے انھیں آپس میں ملانے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ جب اسے ملایا گیا تو لوہے کی تختیاں اور درمیان کا کوئلہ اور سیسہ وغیرہ آپس میں مل کر سخت مضبوط پہاڑ کی طرح اور نرم ایسا ہوگیا کہ اس پر یاجوج و ماجوج کا چڑھنا مشکل ہوگیا۔ چنانچہ جب وہ آتے اور اسی دیوار میں نقب لگاتی تو کامیاب نہ ہوسکے۔ چنانچہ فرمایا:

اَنْ يَّظْهَرُوْهُ یعنے انھیں کامیابی نہ ہوسکی کہ وہ اس پر چڑھ سکیں کیونکہ ایک تو وہ بہت اونچی تھی دوسرا وہ بہت نرم تھی کہ جس پر قدم وغیرہ نہیں جم سکتے تھے۔ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ۝ اور نہ اس میں سوراخ کر سکے یعنے نیچے سے اس دیوار کو توڑنے اور اس میں سوراخ کرنے کا منصوبہ بنایا لیکن کامیاب نہ ہوسکے اس لیے کہ ایک تو وہ سخت تھی دوسری ضخیم تھی۔ اتنے بڑے فاصلہ کو کس طرح نقب لگا سکتے تھے۔

حضرت سکندر کی کرامت آگ کا قاعدہ ہے کہ جب پورے جوش پہ ہوتی ہے تو دور دور تک اپنے قریب کسی کو نہیں پھڑکنے دیتی لیکن حضرت سکندر نے اس آگ کے قریب قریب پھونک لگانے والوں کو بٹھا دیا کسی کو بھی آگ کی گرمی نے تکلیف نہ پہنچائی لازماً ماننا پڑا کہ اللہ تعالے نے اس آگ سے گرمی کی تاثیر کو ان کے کام کرنے تک سلب کر لیا۔ اور وہ قادر ہے اس سے زیادہ سخت گرمی کو بھی سلب کر سکتا ہے۔ (کذا فی الارشاد ناقلاً عن تفسیر الامام)

ف : فقیر (اسماعیل) کہتا ہے کہ یہ مانا کہ ایک کرامت ہو لیکن عقلاً بھی یہ کوئی محال امر نہیں اس لیے کہ حضرت سکندر نے کوئی ایسی کارروائی کی ہو جس سے ان لوگوں پر آگ کا اثر نہ ہوسکتا ہو جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر جب نمرود نے آگ سلگائی تو وہ بھی دور دور تک کسی کو اپنے قریب پھڑکنے نہ دیتی تھی۔ پھر اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قلاخن میں رکھ کر دور سے آگ میں جھونکا تھا۔

سدِ سکندری زمانۂ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم میں مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو ایک شخص نے عرض کی کہ میں سدِ سکندری کو دیکھ آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا:

کہ اس کی کیفیت بیان کیجیے۔ اس نے عرض کی اس کی کیفیت دھاری دار چادر سی ہے کہ کوئی جگہ سرخ ہے اور کوئی سیاہ۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واقعی تم نے دیکھی ہے اس لیے اس کی سرخ کے اثرات سیسہ کے اور سیاہ لوہے کے ہیں[1]

قَالَ۔ ذوالقرنین نے فرمایا؛ هٰذَا یہ دیوار۔ رَحْمَةٌ بہت بڑی رحمت اور نعمت عظمیٰ ہے۔ مِّنْ رَّبِّیْ۔ میرے رب تعالیٰ سے تمام بندوں پر بالخصوص اس کی راہ میں جہاد کرنے والوں پر۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہر وہ کام جو اگرچہ بندوں کے عمل سے تیار ہو کر خلق خدا کو فائدہ پہنچائے تو وہ بھی احسان و کرم خداوندی ہے۔

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ۔ پس جب میرے رب تعالیٰ کا وعدہ آئے گا۔ وعد مصدر بمعنے موعود ہے اس سے قیامت کا دن مراد ہے اور اس کے آنے سے اس کے آثار مراد ہیں مثلاً یاجوج و ماجوج کا دیوار کو توڑنا اور دجال کا آنا اور حضرت عیسٰے علیہ السلام کا تشریف لانا وغیرہ وغیرہ۔ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ۔ اسے کر دے گا ٹکڑے ٹکڑے یعنے باوجودیکہ یہ دیوار اب بہت زیادہ مضبوط ہے لیکن وقت آنے پر ریزہ ریزہ ہو کر چٹیل میدان ہو جائے گا۔ یہاں دکّا مصدر بمعنے مدکوکًا ہے اور ایک قرأت میں ہے دکاء۔ ہر وہ جگہ جسے اونچا کر کے پھر سیدھا کیا جائے اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت وعظمت کا بیان ہے اور اس سے پہلے اس کی وسعت رحمت کا بیان تھا۔ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّیْ حَقًّا۝ اللہ تعالیٰ کا عہد معہود یا جو وعدہ کرے وہ ضرور پورا ہو گا۔

سلطان سکندر کی نبوت پر استدلال

صاحب تاویلات نجمیہ نے فرمایا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان سکندر نبی تھے اس لیے کہ اس طرح کے وعدہ حق اور اس کے پورے ہونے کا دعوے صرف انبیاء علیہم السلام کو ہوتا ہے۔ اور اوپر مذکور ہوا ہے کہ ان سے دیوار کے تیار کرتے وقت خرق عادت کا ظہور بھی ہوا اور یہ انبیاء علیہم السلام کی شان ہے۔ واللہ اعلم۔

ف: یہاں تک سلطان سکندر کی قرآنی کہانی ختم ہوئی۔

یاجوج وماجوج کا سدِّ سکندری کو توڑنا

منقول ہے کہ یاجوج و ماجوج روزانہ سدّ سکندری کو کھودتے ہیں بڑی ہمت کر کے شام تک تمام دیوار توڑ لیتے ہیں یہاں تک کہ دیوار کا باقی تھوڑا حصہ رہ جاتا ہے۔ یوں سمجھیے پیاز کے چھلکے برابر چھوڑ جاتے ہیں۔ ان کا چیئرمین انہیں حکم دیتا کہ واپس چلو، کل صبح بقایا حصہ توڑ کر آگے نکل جائیں گے۔ چونکہ وہ مسلمان نہیں ہیں اس لیے اپنی کل کی کارروائی پر "انشاءاللہ" نہیں کہتے۔ جب کل واپس آتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے اس دیوار کو مکمل کر دیتا ہے۔ اسی طرح تا قیامت ہوتا رہے گا جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہو گا کہ قیامت قائم ہو اور یاجوج و ماجوج سدِّ سکندری کو کاٹ لیں تو ان میں ایک مسلمان کو پیدا فرمائے گا جو سدِّ سکندری کو حسب دستور شام کے وقت بقایا رکھنے پر کہے گا کہ

---

[1] ؛۔ غور کیجیے کہ جس امر کو صحابی نے دیکھا حضور علیہ السلام نے اس کے دیکھنے کی تصدیق فرمائی اور ساتھ ہی اس کی حقیقت بھی بتا دی اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے بھی سامنے ہے کائنات ساری۔ اسی کو ہم حاضر و ناظر اور علم غیب سے تعبیر کرتے ہیں (مترجم)

"انشاءاللہ تعالیٰ" اسے کل توڑیں گے۔ چنانچہ اس لفظ "انشاء اللہ تعالیٰ" کی برکت سے دیوار کا توڑنا ان پر آسان ہو جائے گا۔ جب وہ حسبِ دستور کل کے دن آئیں گے تو وہی مسلمان انہیں کہے گا کہو:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس کی برکت سے یاجوج و ماجوج دیوار کو توڑ کر انسانوں پر ہلہ بول دیں گے۔ جہاں سے گذریں گے ہر شے کو کھاتے جائیں گے۔ انسان حیوان، پرند، چرند، درخت، کھیتیاں سب کو کھا کر، نہریں، دریا، یہاں تک کہ دجلہ، فرات اور ان کے اندر رہنے والے جانور مچھلیاں کچھوے وغیرہ سب کو کھا جائیں گے۔ پھر بحیرۂ طبریہ یعنے شام کے علاقہ میں آئیں گے وہاں کے تمام دریا نہریں پی جائیں گے۔ اگر کسی نے صبح کو ان دریاؤں کو دیکھا ہوگا کہ بہتے ہیں تو ان کے پھیرا لگانے کے بعد دیکھے گا تو ایک قطرہ پانی کا بھی نظر نہیں آئے گا۔

چار مساجد یاجوج و ماجوج سے محفوظ کرۂ ارض کے چپہ چپہ پر چکر لگا کر ہر شے کو ہڑپ کر جائیں گے صرف چار مسجدوں میں انھیں نہیں جانے دیا جائے گا:

(۱) مکہ معظمہ

(۲) مدینہ منورہ

(۳) بیت المقدس

(۴) طورِ سینا

عیسےٰ علیہ السلام کی دعا کی برکت سے یاجوج و ماجوج کو فنا کرۂ عرض پر گھومتے ہوئے آخر میں جبل الخمر کے قریب پہنچیں گے یہ پہاڑ بیت المقدس کے قریب واقع ہے۔ یہاں پر آپس میں کہیں گے کہ ہم زمین والوں کو قتل کر چکے۔ اب آسمان والوں کو تباہ و برباد کرنا چاہیئے۔ چنانچہ وہاں سے آسمان کی طرف تیر پھینکیں گے۔ اللہ تعالیٰ حکم فرمائے گا کہ ان کے تیروں کو خون سے تر کر کے واپس لوٹا دو تاکہ خوش ہو جائیں کہ واقعی انھوں نے آسمانی مخلوق کو تباہ و برباد کر ڈالا۔

اسی دوران حضرت عیسےٰ علیہ السلام اپنے ماننے والوں کے ساتھ کوہ طور میں چھپے ہوں گے۔ اور قحط سے اس قدر کمی ہوگی کہ ان کے ہاں ایک بیل کا سر آج کے سینکڑوں روپے کے برابر ہوگا۔ اتنی زیادہ تکلیف کو دیکھ کر عیسےٰ علیہ السلام یاجوج و ماجوج کو بد دعا کریں گے۔ آپ کی دعا کی برکت سے وہ سب کے سب فوراً مر جائیں گے۔

یاجوج و ماجوج کی موت کا منظر حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی بد دعا سے اللہ تعالیٰ چند پرندے بھیجے گا جسے عربی میں "النغف" کہا جاتا ہے، وہ آکر یاجوج و ماجوج کی گردن مروڑ دیں گے اور وہ اسی آن میں سب کے سب ڈھیر ہو جائیں گے۔ اس پر عیسےٰ علیہ السلام کوہ طور سے نیچے زمین پر تشریف لائیں گے۔

یاجوج وماجوج کی لاشیں کہاں حضرت عیسٰے علیہ السلام اپنے یاروں سمیت جب زمین پر تشریف لائیں گے تو یاجوج وماجوج کی لاشیں زمین پر ڈھیر لگی پڑی ہوں گی جن کی بدبو سے دماغ اٹھنے لگے گا۔ حضرت عیسٰے علیہ السلام دعا فرمائیں گے تو اللہ تعالےٰ اونٹ کے برابر کے پرندے بھیجے گا جو یاجوج وماجوج کے ایک ایک فرد کو اٹھا کر کسی نامعلوم جگہ پر لے جائیں گے۔

یاجوج وماجوج کے لشکر کا اندازہ حضرت عیسٰے علیہ السلام اپنے ساتھیوں سمیت جب زمین پر تشریف لائیں گے تو درخت اور لکڑیاں وغیرہ تو ہوں گے نہیں انھیں آگ جلانے کے لیے لکڑیوں کی ضرورت محسوس ہوگی تو یاجوج ماجوج کے تیر، کمان اور رسیاں جلانا شروع کریں گے۔ سات سال تک ان کو یاجوج ماجوج کا یہی سامان ایندھن کا کام دیتا رہے گا۔[1] (خلاصہ مصابیح اور تفسیر التبیان وغیرہما)

حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث سے سدِ سکندری کے ٹوٹنے کی خبر حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم ایک دن بی بی زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں گھبراتے ہوئے تشریف لائے۔ آپ نے فرمایا:

لا الہ الا اللہ، ویل للعرب من شر قد اقترب فتح الیوم من ردم یاجوج وماجوج مثل ھذہ وحلق باصبعیہ الابہام والتی تلیھا۔

اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، عرب کے لیے خطرہ ہے کیونکہ یاجوج وماجوج کی دیوار کا ٹوٹنا اتنا قریب ہوگیا ہے اس کے بعد آپ نے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کو ملا کر دکھایا۔

بی بی زینب رضی اللہ عنہا نے عرض کی:

یا رسول اللہ انھلک وفینا الصالحون۔

یارسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کیا ہم تباہ و برباد ہوسکتے ہیں جبکہ ہمارے اندر نیک بخت لوگ ہوں گے؟[2]

---

[1] یہ تمام حالات ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ ہیں۔ اسے ہم اہلِ سنت غیب سے تعبیر کرتے ہیں لیکن دورِ حاضرہ کے معتزلہ اسے شرک کہتے ہیں۔ ۱۲۔

[2] اس سے معلوم ہوا کہ ام المومنین اسی طرح جملہ صحابہ کا یہی عقیدہ تھا کہ جہاں اللہ والے ہوں وہاں سے عذاب الٰہی ٹل جاتا اور دکھ درد دور ہوتے ہیں۔ بفضلہٖ تعالےٰ یہی عقیدہ ہم اہلسنت کو نصیب ہے۔ ۱۲۔

(مترجم)

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں، جب خباثت یعنے زنا کی کثرت ہو جائے تو پھر اللہ تعالٰے کا عذاب آجاتا ہے ۔

ف : اس حدیث شریف میں اشارہ ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس تک سد سکندری کو کسی قسم کا سوراخ نہیں پڑا تھا۔ اس وقت سد سکندری کو سوراخ شروع ہوا تو حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے خبر دی[1] چنانچہ سد سکندری کا یہی سوراخ قرب قیامت کی علامت تھا۔ چنانچہ اس کے بعد وہ بڑھتا گیا یہاں تک کہ وہی کیفیت ہوگی جو ہم نے پہلے بیان کر دی۔

ف : یاجوج وماجوج کا سد سکندری سے خروج دجال کے بعد ہوگا۔

ف : فتح القریب میں ہے کہ حدیث شریف میں لفظ الویل سے مراد حزن وملال ہے۔

ف : حضور علیہ السلام نے جیسے خبر دی ویسے واقع ہوا۔ اس لیے کہ آپ نے بتایا کہ ملک، مال و دولت اور شاہی تمہاری ہے بشرطیکہ تم صحیح مسلمان رہو، اگر بھٹکے تو یہ شاہی، ملک، مال و دولت غیروں کے پاس چلا جائے گا اور غیروں سے ترک وعجم مراد ہیں۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا کہ یہ عزت و دولت شاہی اہل عرب کی تھی۔ اور وہ صرف اسی لیے کہ اللہ تعالٰے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی برکت سے انھیں ایسی شاہی بخشی لیکن جب اہل عرب نے اس نعمت کی ناشکری کی کہ ایک دوسرے کی قتل وغارت میں لگ گئے تو اللہ تعالٰے نے وہ شاہی ان سے چھین کر غیروں کو بخشی دی۔ چنانچہ فرمایا :

وان تتولوا یستبدل غیرکم ۔ اور اگر تم بدلو گے تو یہ ملک اللہ تعالٰے تمہارے غیروں کو دے دے گا۔

تفسیر صوفیانہ دانا پر لازم ہے کہ وہ یاجوج نفس وطبیعۃ اور شیطان کے فتنوں سے بچے ان سے محفوظ ہونے کے لیے شریعت و طریقت کا مضبوط قلعہ تیار کرے۔ اقلیم باطن وملکوت ولاہوت کا سکندر اس کی مدد کرے گا۔

تفسیر عالمانہ وَتَرَكْنَا۔ قاموس میں ہے کہ ترک بمعنے جعل ہے گویا یہ بھی اضداد سے ہے یعنے ہم بنائیں گے ۔ بَعْضَهُمْ۔ بعض مخلوق کو۔ يَوْمَئِذٍ اس دن کہ جب وعدہ پورا ہوا کہ اسی وعدے کے بعض مبادی۔ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ۔ الموج بمعنے الاضطراب ای یضطربون اضطراب امواج البحر الخ یعنے قیامت میں از روئے تحیّر واضطراب انس وجن ایک دوسرے پر گر پڑیں گے۔

ف : الارشاد میں ہے کہ یہ نفخۂ اولٰی سے پہلے واقع ہوگا۔

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ اور صور پھونکا جائے گا اس سے نفخ ثانی مراد ہے اسی کے بعد حشر برپا ہوگا جیسا کہ اس کے بعد کی فاء سے ظاہر ہے۔

---

[1] : معلوم ہوا کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی نگاہ اقدس خدائی کے ذرہ ذرہ پر ہے۔ تبھی تو آپ نے سد سکندری کے پھٹتے ہی فوراً خبر دے دی۔ اہلسنت کی تائید کا کیا کہنا لیکن دیدہ کور کا کیا علاج ؟ (اویسی)

سوال: یہاں پر نفخ اولیٰ کا ذکر کیوں نہیں؟

جواب: تاکہ نشاۃ اولیٰ کے احوال و اہوال اور نشاۃ اخرہ کے امور کے درمیان فاصلہ واقع نہ ہو۔

اب معنٰی یہ ہوا کہ اجساد کی صورتوں کے استعداد کے وقت اسرافیل علیہ السلام صور میں مخلوق کے ارواح کو پھونکیں گے۔ اجساد کو ارواح کے قبول کرنے کی مثال ایسی ہے جیسے کہ گھاس کو بڑھنے کی استعداد ہوتی ہے جب کہ اسے پانی وغیرہ پہنچتا ہے۔ اسی طرح جب اجساد پر اسرافیل صور پھونکیں گے تو اجساد اپنی ارواح سے متحرک ہو کر کھڑے ہو جائیں گے اور ادھر اُدھر دیکھیں گے جیسے ہم نیند سے اٹھتے ہیں، ایسے ہی انھیں خیال ہوگا کہ گویا وہ اب نیند سے اٹھے ہیں۔ انسان جب مرتا ہے تو عالم برزخ میں چلا جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ وہ دُنیا میں خواب میں تھا تو اب عالم برزخ میں پہنچ کر بیدار ہوا ہے حالانکہ اس کا عالم برزخ میں جانا بھی ایک قسم کی نیند ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ جب آخرت میں اٹھے گا تو سمجھے گا کہ اب حقیقی طور پر بیدار ہوا ہے۔ عالم دنیا و برزخ ہر دونوں حالتوں کو اپنے لیے نیند تصور کرے گا اور آخرت ہی انسان کی حقیقی بیداری ہے اس لیے کہ وہ نیند نہیں۔

اسرافیل علیہ السلام کا نوری صور حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ صور کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: ھو قرن من نور القمہ اسرافیل۔ (وہ نورانی قرن ہے جسے اسرافیل علیہ السلام منہ میں لقمہ بنائے ہوتے ہیں)۔

ف: اسرافیل علیہ السلام کا قرن تمام اکوان سے وسیع تر ہے جب انسانوں کی ارواح قبض کی جاتی ہیں تو ہر روح کا ایک جسم مثالی تیار کر کے روح کو اسی جسم میں ڈال کر اسرافیل علیہ السلام کے قرن میں امانت کے طور پر رکھ دیا جاتا ہے موت کے بعد عالم برزخ میں جو کچھ انسان ادراک کرتا ہے اسی قرن کے نور سے حقیقی طور پر ادراک کرتا ہے۔

عالمِ برزخ میں انسانوں کے کوائف صور اسرافیل میں بعض ارواح تو بالکل مقید ہوتی ہیں انھیں عالم دنیا کے ہر قسم کے تصرف پر پابندی ہوتی ہے اور بعض ہر طرح سے آزاد ہوتی ہیں جیسے حضرات انبیاء علیہم السلام اور شہداء کی ارواح اور بعض ارواح کو عالم برزخ میں عالمِ دنیا کو صرف دیکھنے کی اجازت ہوتی ہے۔

قاعدہ رویا: مردگان کو خواب میں جس حالت میں دیکھا جاتا ہے وہ صحیح اور سچ ہوتا ہے ایسے ہی ہر خواب سچا ہوتا ہے البتہ تعبیر کرنے والا اپنی غلطی سے غلط بتا دیتا ہے تو وہ غلطی معبّر کی ہوئی نہ کہ خواب غلط تھا۔

ف: فرعون اور اس کی قوم کفار ہر روز صبح و شام جہنم کی آگ میں پیش کیے جاتے ہیں یہ نہیں کہ وہ حقیقی عذاب ہوگا نہ خیالی۔ (کذا فی سورۃ الفاتحہ للفناری)۔

فَجَمَعْنٰهُمْ پس ہم تمام مخلوق (عوام) کو ان کے اجسام گلنے سڑنے کے بعد حساب و کتاب کے لیے ایک جگہ پر جمع کریں گے۔ **جَمْعًا ۝** ایک عجیب طریقے سے جمع ہوں گے جن میں تمام فرشتے اور انس و جن اور حیوانات شامل ہوں گے۔ کسی کو بھی نہیں

چھوڑا جائے گا۔

حدیث شریف : حدیث شریف میں ہے کہ نیک بخت وہ انسان ہوگا جو اس دن تھوڑی سی جگہ پاکر اپنے پاؤں کی انگلیاں رکھ سکے گا۔ (کذافی ربیع الابرار)

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی کمال قدرت سے تمام مخلوق کو مارتا ہے لیکن درمیان میں سبب بناتا ہے اسی طرح انہیں پھر زندہ کرے گا تو بھی سبب سے یعنے نفخۂ اولیٰ سے تمام کو فنا کرے گا۔
کما قال :

ونفخ فی الصور فصعق من فی السٰموات ومن فی الارض۔ — اور صور پھونکا جائے گا تو تمام زمین وآسمان والے فنا ہوجائیں گے۔

اسی طرح نفخۂ ثانیہ سے انہیں زندہ کرے گا۔ کما قال :

ونفخ فی الصور فجمعناھم جمعا۔

اہل سنت کے مسلک کی تائید ایزدی اس سے ثابت ہوا کہ مخلوق اپنے جملہ معاملات میں اسباب کی محتاج ہے وہ اللہ تعالیٰ ہے جسے اسباب کی کوئی ضرورت نہیں اگر کسی شے کو سبب بناتا ہے تو وہ بھی مخلوق کے لیے۔ یہی وجہ ہے کہ مخلوق کو سبب موافق کا محتاج بنایا اور نقیض کو سبب نہیں بنایا۔ اور خود قادر مطلق ہو کر ایک شے کو ضدین یعنے دو نقیضوں کا سبب بنایا ہے مثلاً ایک ہی صور کو امانت کا سبب بنایا تو اسی کو احیاء کا بھی۔

مثنوی شریف میں ہے :

سازد اسرافیل روزے نالہ را
جاں دھد پوشیدہ صد سالہ را
انبیاء را در درون ہم نغمہاست
طالبان را زان حیات بی بہاست
نشنود آن نغمہا را گوش حس
کز ستم گوش حس باشد نجس
نشنود نغمہ پری را آدمی !
کو بود ز اسرار پریاں اعجمی
گرچہ ہم نغمہ پری زین عالمست
نغمہ دل برتر از ھر دو دمست

گر پری و آدمی زندانیسند!
هر دو در زندان این نادانیسند

نغمہائے اندرون اولیاء!
اولا گوید کہ اے اجزائے لا

ہین زلائے نفی سرہا بر زنید
این خیال و وہم یک سو افگنید

ای ہمہ پوشیدہ در کون و فساد
جان باقیتان نروئید و نزاد

ہین کہ اسرافیل وقتند اولیاء
مردہ را ذی شان حیات ست و نما

جان ہر یک مردہ از گور تن!
بر جہد ز آواز شان اندر کفن

گوید این آواز ز آواہا جداست
زندہ کردن کار آواز خداست

ما بمردیم و بکلی کاستیم!
بانگ حق آمد ہمہ برخاستیم

مطلق آن آواز خود از شہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

ترجمہ: ۱ - ایک دن اسرافیل علیہ السلام ساز بجائیں گے تو سوسالہ مردہ بھی جان حاصل کرے گا۔
۲ - انبیاء علیہم السلام کے باطن میں بھی ایسے نغمات ہیں جن کے سبب سے طالبانِ راہ ہُدیٰ کو بے بہا جانیں نصیب ہوتی ہیں۔
۳ - ان نغمات کی آوازیں اس ظاہری کان کو سنائی نہیں دیتیں اس لیے کہ گناہوں کی نجاست سے یہ کان پُر ہیں۔
۴ - جب پری کے نغمات انسان اپنے ظاہری کانوں سے نہیں سن سکتا کیونکہ پریوں کے اس سے، اس لیے انسان بہرہ ہے۔
۵ - اگرچہ پری کے نغمے اسی عالمِ دنیا کے ہیں لیکن قلب کے نغمے برتر و بالا ہیں۔

۷ - اولیا کے باطنی نغمے یہی ہیں کہ سب سے پہلے ہر کام میں نفی کرتے ہیں۔

۸ - انہی کی نفی کے سامنے سر تسلیم خم کرو اس خیال و وہم کو دور کرو۔

۹ - کون و فساد میں یہ راز پوشیدہ ہے جان ان کی ہر وقت باقی اور زندہ ہے۔

۱۰ - یہ اولیاء وقت کے اسرافیل ہیں ان سے ہر مردہ کو حیات و نشو و نما ملتی ہے۔

۱۱ - ان کی آواز سے مردہ گور اور کفن سے جان لے کر باہر آجاتا ہے۔

۱۲ - ان کی آواز ہماری آواز سے جدا ہے دراصل زندہ کرنا اللہ تعالٰے کا کام ہے۔

۱۳ - ہم مرجائیں گے اور مٹ جائیں گے اللہ تعالٰے کی آواز سے اٹھ کھڑے ہوں گے۔

۱۴ - مطلق آواز شہ کی آواز ہے اگرچہ وہ عبداللہ کے حلقوم سے ہو۔

وَعَرَضْنَا۔ اہل عرب کہتے ہیں:

عرض الشئی لہ بمعنے اظہر، یعنے ہم ظاہر کریں گے۔

جَهَنَّمَ معرب ہے دراصل "جہنم" تھا۔ کذا قال البعض۔ يَوْمَئِذٍ اسی دن جب کہ حساب و کتاب کے لیے تمام مخلوق کو لِّلْكٰفِرِيْنَ، کافروں کے لیے اس وقت وہ اسے دیکھیں گے اور اس کی سخت ترین آوازیں بھی سنیں گے۔ عَرْضًا ۝ ان کے سامنے آجائے گی اور وہ ایسی سخت عذاب والی ہے کہ اس کی حقیقت خدا جانے۔

حدیث شریف: حدیث شریف میں ہے کہ قیامت میں جہنم کو لایا جائے گا جس کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی، ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے جسے وہ کھینچ لائیں گے۔

شرح الحدیث یعنے جہاں اسے اللہ تعالٰے نے پیدا فرمایا ہے۔ وہاں سے لاکر زمین تک پہنچائی جائے گی۔ بہشت تک پہنچنے کے تمام راستے روک دیئے جائیں گے صرف پل صراط درمیان میں ہوگی جسے عبور کر کے بہشت میں جانا ہوگا۔

ف: لگاموں سے اسے نہ تھاما جاتا تو وہ اہل محشر پر ٹوٹ پڑے لیکن بعض بدقسمت لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ (کذا فی مشارق الانوار لابن الملک)۔

سوال: سوال کافروں کی تخصیص کیوں حالانکہ اس وقت جہنم کو اہل بہشت بھی دیکھیں گے؟

جواب: چونکہ اس میں صرف انھوں نے داخل ہونا ہوگا اسی لیے انھیں خصوصیت سے دور سے دکھائی جائے گی تاکہ وہ اسے دیکھ کر غم اور حزن و ملال کا شکار ہوں۔

ف: قیامت سے پہلے اگر کافروں کو جہنم دکھائی جاتی تو وہ اہل ایمان کی طرح ایمان لاتے لیکن چونکہ ان کی آنکھیں ذکر الٰہی سے اندھی تھیں۔ اسی لیے وہ محروم رہے اور اہل ایمان کے قلوب، کان کھلے تھے اسی لیے وہ کلام الٰہی سن پائے۔ بنا بریں انھیں نجات نصیب ہوئی۔

الَّذِيْنَ یہ موصول اپنے صلہ سے مل کر ان کافرین کی صفت یا اس سے بدل ہے اسی لیے قرار نے عرضا پر وقف جائز نہیں سمجھا (کذافی الکواشی)

كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ۔ ان کی آنکھیں دنیا میں تھیں۔ فِيْ غِطَآءٍ پردے میں یعنے ایسے سخت اور غلیظ پردے میں تھیں جنھیں اس نے ہر طرف سے گھیر رکھا تھا جس سے وہ حق کی باتوں کے دیکھنے اور سننے سے محروم رہے۔ الغطاء ہر وہ شے جو کسی شے کو محیط ہو کر ڈھانپ لے یعنے پردہ و پوشش۔ عَنْ ذِكْرِيْ میرے ذکر سے یعنے وہ آیات جو عقل والوں کو ذکرِ الٰہی اور توحید و تمجید باری تک پہنچا دیتی ہیں ؎

ففی کل شیء لہ اٰیۃ
تدل علی انہ واحد

ترجمہ: ہر شے میں دلیل ہے جو دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالٰے ایک ہے۔

؎

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

ترجمہ: دانا کی نظروں میں درختوں کا ایک ایک ورق اللہ تعالٰے کی معرفت کا ایک مستقل دفتر ہے۔

وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ۝ ان بہت بڑے دلائل کے باوجود وہ نہیں سنتے اس لیے کہ ان کے کان حق سننے سے بہرے ہیں اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بغض و عداوت میں اتنا بھرلور ہیں کہ انھیں اس طرف خیال نہیں آتا کہ کسی وقت ذکر الٰہی اور کلام نبوی سن لیں بلکہ یہ بہرے سے بھی گئے گزرے ہیں اس لیے کہ بہرہ کسی نہ کسی وقت کوئی بات سن لیتا ہے جب کہ اسے زور لگا کر کوئی بات سنائی جاتے اور یہ بدبخت تو سرے سے کلام حق کو سننا گوارہ ہی نہیں کرتے سنتے ہیں تو اس طرف توجہ نہیں دیتے ؎

چون تو قرآن خوانی اے صدر امم
گوش شانرا پردہ سازم از صمم
چشماں را نیز سازم چشم بند
تا نہ بینند و کلامت نشنوند

ترجمہ: اے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم! جب آپ قرآن مجید پڑھتے ہیں تو ہم ان کے کان بہرے بنا دیتے ہیں ان کی آنکھیں بھی بند کر دیتے ہیں تاکہ وہ نہ تو حق کو دیکھ سکیں اور نہ تیرا کلام سن سکیں۔

(باقی صفحہ ۷۷)

أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَن يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِن دُونِي أَوْلِيَاءَ ۚ إِنَّا أَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ
نُزُلًا ۝ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُم بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۝ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ
الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَ
لِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ۝ ذَٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ
بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا ۝ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ
لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۝ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا ۝ قُل لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ
مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَن تَنفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ
مَدَدًا ۝ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ فَمَن كَانَ يَرْجُو
لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ۝

ترجمہ: تو کیا کافروں نے سمجھ رکھا ہے کہ وہ میرے بندوں کو میرے سوا اپنا دوست بنا لیں گے بے شک ہم نے کافروں کی مہمانی کے لیے جہنم تیار کر رکھی۔ فرمائیے کیا میں تمھیں بتا دوں کہ تم میں سب سے بڑھ کر ناقص اعمال والا کون ہے۔ وہی ہیں جن کی دنیا کی تمام کوشش ضائع ہوئی اور وہ اس خیال میں ہیں کہ وہ نیک کام کر رہے ہیں۔ یہی ہیں جنھوں نے اپنے رب کی آیات اور اس کے ملنے سے انکار کیا تو ان کے اعمال اکارت ہوئے تو قیامت میں ہم ان کے اعمال کا ذرہ بھی وزن قائم نہ کریں گے۔ یہ ان کی جزا جہنم ہے اس سبب سے کہ انھوں نے کفر کیا اور میری آیات اور میرے پیغمبروں کا مذاق اڑایا۔ بے شک جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے ان کی مہمانی فردوس کے باغات ہوں گے۔ وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے ان سے جگہ کی تبدیلی نہیں چاہیں گے۔ فرمائیے اگر سمندر میرے رب کے کلمات کے لیے سیاہی ہو تو سمندر میرے رب کے کلمات کے اختتام سے پہلے ختم ہو جائیں گے اگرچہ ہم اس کی مدد کے لیے اس جیسا اور لائیں۔ فرمائیے کہ بے شک بظاہر میں تم جیسا بشر ہوں مجھے وحی کی جاتی ہے کہ تمھارا معبود ایک ہی معبود ہے تو جسے اپنے رب سے ملنے کی امید ہو تو اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

ف: الاشاد میں ہے کہ یہ دلائل سمعیہ سے اعراض کرنے کی تمثیل ہے کہ وہ دلائل سمعیہ کے سننے سے بہرے اور آیات و مشاہدات کے دیکھنے سے اندھے ہیں۔

تفسیر عالمانہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ ان کے نفوس کی آنکھیں غفلت کے پردے میں ہیں۔ اسی وجہ سے وہ نظر عبرت سے نہیں دیکھ سکتے اور ان کے قلوب حب دنیا اور اس کی شہوات کے پردے میں ہیں اسی لیے وہ درجات آخرت کو نہیں دیکھ سکتے اور نہ ہی انہیں آخرت کی سزاؤں کا پتہ چل سکتا۔ اور ان کے اسرار کی آنکھیں التفات الی الکونین کی طرف متوجہ ہونے کے پردے میں ہیں۔ اسی وجہ سے شواہد مکون کا نظارہ نہیں کر سکتے اور ان کی ارواح کی آنکھیں ذکر ماسوائے اللہ میں مصروف ہیں اسی لیے وہ اللہ تعالٰے کی تجلیات سے محروم ہیں جب کسی بندۂ خدا کی مشاہدۂ حق سے باطنی آنکھیں کھل جاتی ہیں تو ظاہر آنکھوں کو بھی عبرت حاصل کرنے کا موقعہ نصیب ہوتا ہے اسی طرح باطنی کان کھلتے ہیں تو ظاہری کانوں کو عبرت نصیب ہوتی ہے۔ اسی لیے کہ ظاہری کان باطنی کانوں کے تابع ہیں۔

تائید مسلکِ اہلسنت باطنی کان کھلے ہونے کی ایک علامت یہ ہے کہ انسان کے ظاہری کان کلام حق اور سنن مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم اور سیرۃ اولیاء سننے سے خوش ہوتا ہے[1] ......

(تفسیر آیات صفحہ گذشتہ)

تفسیر عالمانہ اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ۔ ہمزہ انکار و توبیخ کا ہے واقع کا انکار اور اس کی قباحت کے اظہار کے لیے ہے جیسے "اضربت اباك" میں واقع کے انکار کے لیے ہے تو اتضرب اباك میں وقوع کے انکار کے لیے ہے اور فاء کا عطف مقدر پر ہے جیسے کہ الذین کے صلہ سے واضح ہوتا ہے، یہ اس وقت ہے جب ہم ہمزہ کو ہر دونوں معطوفوں میں انکار و توبیخ کے لیے بنائیں۔ اب عبارت یوں ہوگی :

اکفروا بی مع جلالۃ شانی فحسبوا وظنوا۔ یعنی میری بزرگی شان کے باوجود بھی میرے ساتھ کفر کرتے ہیں تو کیا انہیں وہم وگمان ہے کہ :

اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ وہ بناتے ہیں میرے بندوں کو یعنی ملائکہ کرام و عیسٰے و عزیر علیہما السلام کو، حالانکہ وہ تمام میرے قبضۂ قدرت اور زیر حکم ہیں۔ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ؕ معبود کہ مدد دے کر ان کو میرے عذاب سے بچائیں گے۔

سوال : یہاں پر اتخاذ کا مفہوم صحیح نہیں ہو سکتا اس لیے کہ اس کا قاعدہ ہے کہ وہ جانبیں سے ہوتا ہے حالانکہ یہاں انبیاء و ملائکہ علیہم السلام کے لیے لانا ناممکن ہے کیونکہ وہ تو ہمیشہ کہتے رہے "سبحانك انت ولینا"

---

[1] الحمد للہ یہ ہر سہ علامات اہلسنت کو نصیب ہیں اس لیے کہ یہ کلام اللہ سن کر خوش ہوتے اور بعض قسمت قرآن مجید کی آیات سننے سے گھبراتے ہیں ویسے وہ سارا دن رات گانے باجے سننے سے نہیں تھکتے۔ ایسے ہی احادیث رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے سننے کے بھی ہم عاشق ہیں اور سیرت اولیاء سننا بھی ہمارا شیوہ ہے لیکن بعض بدقسمت مدعی اسلام ہو کر سیرت اولیاء کو شرک و بدعت سے تعبیر کرتے ہیں ۱۲۔

جواب (۱): یہاں اپنے معنے میں نہیں بلکہ جانبِ واحد سے مستعمل ہوا ہے یعنے کافروں نے ایسے کر رکھا تھا لیکن انبیاء علیہم السلام کا کسی قسم کا دخل نہیں تھا۔

جواب (۲): اتخاذ کا مفعول ثانی محذوف ہے یعنے انھوں نے اپنے معبودوں کو نافع سمجھ کر معبود بنا رکھا تھا لیکن پہلا مطلب صحیح ہے اس لیے کہ اس معنے میں ماننا پڑتا ہے کہ اس میں جانبِ ثانی کا کچھ نہ کچھ دخل ثابت ہوتا ہے۔ (کذا فی الارشاد)

اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا۝ ہم نے کافروں کے لیے جہنم کو مہمانی کے طور پر تیار کر رکھا ہے۔ نزل ہر وہ شے جو آنے والے مہمان کے لیے تیار کی جائے۔ اس میں کفار کے ساتھ "فبشرھم بعذاب الیم" کی طرح تہکم ہے۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ جہنم کے علاوہ بھی انھیں اور عذاب ہوگا جو اس جہنم کا عذاب اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں اور وہ عذاب یہ ہے کہ انھیں اللہ تعالےٰ کے دیدار سے محروم رکھا جائے گا۔ کما قال تعالےٰ:

کلا انھم عن ربھم یومئذ لمحجوبون ثم لصالوا الجحیم۔ خبردار! بے شک وہ کفار قیامت میں اللہ تعالےٰ کے دیدار سے محروم ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

آیت ہٰذا میں جہنم کے داخلہ کا ذکر بعد کو اور اللہ تعالےٰ کے دیدار سے محرومیت کو پہلے بیان کرنے میں یہی نکتہ ہے کہ جہنم کا عذاب اللہ تعالےٰ کے دیدار سے محرومی کے عذاب کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نزل یعنے منزل اور ٹھہرنے کی جگہ ہے اب آیت کا معنٰی یہ ہوا کہ جہاں پر کافر کو لایا جائے گا وہ ایسی سخت ہوگی کہ دوزخ کا عذاب اس کے مقابلہ میں حقیر ترین ہوگا۔

تفسیرِ صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالےٰ کی محبت کا دم بھرتا ہے تو وہ غیر اللہ کو دوست نہیں بناتا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اور غیر اللہ کی محبت مجتمع نہیں ہوتی۔ جو شخص اللہ تعالےٰ کی نعمتوں کی ناشکری کر کے غیر اللہ کو اپنا دوست بناتا ہے تو وہ بعد و فراق از دیدارِ الٰہی کی جہنم میں داخل ہوگا۔ بعض محققین نے فرمایا ہے کہ محبتِ الٰہی کو انکار ہے کہ اس کے ساتھ کسی غیر کی محبت ہو اس لیے کہ اللہ تعالےٰ کی محبت قطب دائرہ ہے اسی کے گرد تمام خیر خیرات گھومتی ہے۔ اگر یوں کہا جائے کہ یہ تمام کرامات کی اصل ہے تو بجا ہے اللہ تعالیٰ کی محبت کی ایک علامت یہ ہے کہ اس کے اوامر پر عمل اور اس کے نواہی سے احتراز کیا جائے، جیسا کہ بعض مشائخ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالےٰ کی تنزیہ و تقدیس بیان کی جائے اور جن معاملات سے اس نے روکا ہے اس کی عظمت کے پیشِ نظر ان کا ارتکاب نہ کرنا چاہیئے اور جن امور کا حکم فرمایا ہے اس کے جاہ و جلال کے تحت انھیں بجالایا جائے اور کافر وہ ہیں جنھوں نے غیر اللہ کی پرستش اور گناہوں میں زندگی ضائع کی بلکہ وہ تو ایک معدوم شے کی عبادت کرتے ہیں۔ معدوم سے مراد ماسویٰ اللہ ہے اور وہ لوگ جانوروں کی طرح خواب و خور میں مشغول رہتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالےٰ نے ان کے ٹھہرنے کی جگہ جہنم بنائی اور وہ بہت برا مقام ہے۔

مومن وہ ہیں جو طاعاتِ الٰہی میں مشغول رہتے ہیں اور ریاضات و مجاہدات میں زندگی بسر کرتے ہیں اور موجودِ حقیقی کے سوا وہ اوز کسی کی عبادت نہیں کرتے ۔ ان کا ہر وقت اسی کی عبادت میں گذرتا ہے اسی لیے اللہ تعالےٰ نے بہت بڑے درجات اور خلاص و نجات توجہ الی اللہ کی برکات سے ان کے لیے اعلیٰ مقامات مقرر فرمائے ۔

حکایت ایک مشرک بادشاہ تھا اسے مسلمانوں نے گرفتار کرلیا، اسے شیشے میں بند کرکے آگ میں ڈال دیا۔ اس نے وہیں پر اللہ تعالےٰ کی طرف توجہ سے عجز و زاری کرکے اسلام کی حقانیت کا اقرار کرلیا۔ اس کی عجز و زاری بارگاہِ حق میں قبول ہوگئی ۔ چنانچہ موسلا دھار بارش ہوئی جس سے وہ آگ بجھ گئی۔ اس کے بعد سخت آندھی چلی جس نے اس بادشاہ کو اڑا کر اپنی مملکت میں پہنچادیا۔ اس کی رعایا نے دیکھ کر تعجب سے کہا کہ آپ کیسے بچ کر واپس آگئے؟ بادشاہ نے کہا میرا بچنا واقعی مشکل تھا لیکن میں نے اللہ تعالےٰ کے حضور میں گڑگڑایا اور سچے دل سے تائب ہو کر صدق دل سے مسلمان ہوگیا۔ اسی لیے اللہ تعالےٰ نے اپنے لطف و کرم سے مجھے ایسی سخت آگ سے بچایا ۔ اس کی رعایا نے اس کا حال سنا اور مسلمان ہوگئے صرف اسی بنا پر کہ جب وہ کریم اپنے بندوں سے اتنا لطف و کرم رکھتا ہے تو پھر کیوں نہ اس کی توحید کا اقرار کیا جائے ۔

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ اے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم فرمائیے کہ اے کافرو! کیا میں اور میرے تمام متبعین تمھیں خبر دیں۔ بِالْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًا ۝ اعمالاً تمیز ہے اور اس کا جمع ہونا عمل کے مختلف انواع کی وجہ سے ہے ۔اس قوم کی جو عمل کے لحاظ سے تمام مخلوق سے بہت زیادہ خسارہ والے ہیں ۔

ف : الاشاد میں ہے کہ یہ کافروں کے ان نیک اعمال کا بیان ہے جو ان سے صادر ہوتے اور وہ انھیں نیکی سمجھ کر کرتے تھے جیسے صلہ رحمی اور فقراء کو طعام کھلانا اور گردن آزاد کرنا وغیرہ وغیرہ اور وہ نہ صرف اپنی نیکیوں کے وہم و خیال میں تھے بلکہ وہ ان پر نازاں بھی تھے اور انھیں اپنے اعمال کے ثواب پر پورا الیقین اور بھروسہ تھا اور سمجھتے تھے کہ ان کی جزاء لازمی ہے۔ اگرچہ فی نفسہ وہ اعمال نیک تھے لیکن ان کے بُرے عقائد کی نحوست سے انھیں ثواب کی بجائے عذاب نصیب ہوگا ۔

اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُهُمْ ۔ یہ سوال کا جواب ہے ۔ سوال یہ ہے کہ ایسے لوگوں کا انجام کیا ہوگا، تو ان کے جواب میں فرمایا کہ وہ لوگ ایسے ہیں کہ ان کی تمام جد و جہد بیکار اور ضائع ہوگی یعنے وہ اعمال اگرچہ فی نفسہ صالح تھے لیکن سارے کے سارے اکارت اور ضائع ہوگئے ۔ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۔ یہ ضل کے نہیں بلکہ سعی کے متعلق ہے اس لیے کہ سعی کا بطلان دنیا سے مخصوص نہیں بلکہ آخرت میں بھی ان کی سعی غیر معتبر ہے ۔ وَهُمْ ۔ یہ ضل سے حال واقع ہے ۔ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۝ ان کا گمان تھا کہ یہ اعمالِ صالحہ انھیں آخرت میں نفع دیں گے ۔ الاحسان عمل وجہ لائق کے مطابق کا بجالانا یہ ایسا حسن وصفی ہے جو حسن ذاتی کو مستلزم ہے یعنے وجہ لائق کے مطابق اعمال صالحہ بجالاتے ہیں اور انھیں ان اعمال پر ناز بھی تھا اور ان کے لیے محنت بھی کرتے تھے ۔

ازالۂ وہم : بعض لوگ مثلاً مرزائیوں ، پرویزیوں ، نیچریوں ، نجدیوں ، وہابیوں ، دیوبندیوں و دیگر بد مذاہب کے اعمال صالحہ کو

دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ اتنا بہت بڑے اچھے لوگوں کو بُرا سمجھنا بہت بڑی غلطی ہے انھیں صاحب روح البیان کی تحقیق ذیل غور سے پڑھنی چاہیئے[1]
آیت میں اشارہ ہے کہ اہل اہواء اور اہل بدعت[2] اور اہل ریاء کے اعمال بھی ضائع ہیں۔ اس لیے کہ حدیث شریف سے ثابت ہے
کہ ریاء کی ملاوٹ عمل شرک خفی ہے اور شرک اعمال کو ضائع کر دیتا ہے۔
کما قال تعالیٰ:
لئن اشرکت لیحبطن عملک۔ اگر تم شرک کرو گے تو تمھارے اعمال حبط ہو جائیں گے۔
اہل بدعت سے وہ لوگ مراد ہیں جنھوں نے اسلام میں نئے نئے عقائد گھڑ لیے ہیں ان کے اعمال صالحہ اسی لیے ضائع جائیں گے کہ وہ اپنے گندے عقائد کی وجہ سے اعمال کو ریاء کے طور پر بجا لاتے ہیں۔ اسی لیے ان کے گندے عقائد اور ریاء کا وبال انہی کی طرف لوٹے گا۔ خلاصہ کلام یہ کہ ہر وہ عمل جو کفر کو مستلزم ہو۔ اس سے وہ عمل ضائع ہوتا ہے اگرچہ وہ عمل فی نفسہٖ نیک ہو اور اگرچہ وہ عمل جو شرک خفی کو مستلزم ہو تو وہ عمل بھی ضائع ہو گا۔

سبق جس کی طاعت بھی قبول نہ ہو باوجودیکہ وہ طاعت ہے صرف اس استلزام کی وجہ سے جو طاعت کے منافی ہے تو پھر اس کا کیا حال ہو گا جس کا عمل فی نفسہٖ معصیت ہو اور وہ اپنے خیال سے اسے طاعت سمجھے۔ خلاصہ یہ کہ اہل ریاء و سمعۃ و اہلِ بدعت اور لوگوں کے ساتھ احسان و مروت کر کے اس پر احسان منت و شکر کا طالب اسی طرح وہ راہب جو گرجوں میں بیٹھ کر عبادتِ الٰہی میں بیٹھے ہوئے اور ریاضات شاقہ سے طاعت الٰہی بجا لا رہے ہیں ان سب کے اعمال اکارت اور ضائع ہیں ؎

گرت بیخ اخلاص در بوم نیست
ازیں در کسے چون تو محروم نیست
کہ را جامہ پاکست و سیرت پلید
در دوزخش را نباید کلید

ترجمہ: اگر تیرے اعمال میں اخلاص نہیں تو یقین کر کہ تیرے جیسا اور کوئی محروم نہیں۔ جس کی ظاہری ٹھاٹھ باٹھ تو ہو لیکن کردار غلط ہوں تو اسے دوزخ میں جانے کے لیے چابی کی ضرورت نہیں۔

---

[1]: ازالہ وہم از مترجم۔
[2]: دور حاضرہ میں لوگوں نے اہلِ بدعت ہم اہلسنت کو سمجھ رکھا ہے حالانکہ درحقیقت وہی لوگ خود اہلِ بدعت ہیں۔ اس کی تفصیل فقیر کی کتاب "العصمۃ عن البدعۃ" میں ہے۔ (اویسی)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا:

خارجیوں کی مذمت

خارجیوں کا بھی یہی حال ہے جیسے آیت میں مذکور ہوا۔ اور خارجیوں سے وہی حروراً والے مراد ہیں جنھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی تھی۔ (کذا فی التکملہ)

خوارج وہی ہیں جو کوفہ میں رہتے تھے اور بہت بڑے عابد زاہد تھے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طاعت پر بغاوت کی جب انھوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کے لیے حَکَم مقرر فرمایا تو انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کفر کا فتویٰ صادر کیا کہ انھوں نے غیر اللہ کو حکم کیوں مانا۔ غیر اللہ کو حَکَم ماننا ان کے نزدیک کفر تھا اور دلیل میں یہی جملہ پیش کیا کہ ان الحکم الا للہ، فیصلہ صرف اللہ کا ہے۔

وہ بارہ ہزار آدمی تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مخالفت کر کے اپنی حکومت کا جھنڈا اکھڑا کیا اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کے بے شمار افراد کو قتل کیا اور ان کے مال لوٹے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پہلے تو انھیں اپنی جماعت میں واپس لوٹنے کی دعوت دی لیکن وہ نہ مانے بلکہ اعلان جنگ کر دیا۔ نہروان کے موقعہ پر حضرت علی سے جنگ کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سب کو قتل کر دیا ان میں کچھ بچ گئے۔

ان کے متعلق حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یخرج قوم فی امتی یحقر احدکم صلاتہ فی جنب صلاتھم وصومہ فی جنب صومھم ولکن لا یجاوز ایمانھم تراقیھم۔	میری امت میں ایک قوم پیدا ہو گی جن کے مقابلے میں تم اپنی نماز روزے کو بہت حقیر سمجھو گے لیکن ان کے بہت بڑے عابد و متقی ہونے کے باوجود ان کا ایمان ان کے گلے سے نیچے نہیں اترے گا۔
الخوارج کلاب النار[1]	خارجی جہنم کے کتے ہیں۔

(کذا فی شرح الطریقۃ)

---

[1]: خارجیوں نے ہر دور میں کئی روپ دھارے بالآخر ان کا آخری گروہ دجال کے ساتھ مل جائے گا۔ ان کے کئی گروہ ہیں۔ اور وہ ہمارے زمانے میں بھی موجود ہیں۔

نجدی، وہابی، دیوبندی، مودودی اور تبلیغی فرقے انہی خوارج کی شاخیں ہیں۔ تفصیل فقیر کی کتاب "وہابی دیوبندی کی نشانی، مصطفےٰ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زبانی" اور "ابلیس تا دیوبند" میں ہے۔

(اویسی غفرلہ)

اُولٰٓئِکَ وہ لوگ جن کے اوصاف مذکور ہوئے یعنے جن کے اعمالِ صالحہ اکارت گئے اگرچہ وہ اس گمان میں تھے کہ ان کے وہ اعمال انھیں آخرت میں بہت بڑا فائدہ دیں گے ۔ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّھِمْ وہ ہیں جو اپنے رب کی آیات کے منکر ہیں ۔ یہاں آیات سے وہ دلائل مراد ہیں جن سے عقلاً و نقلاً توحید الٰہی کا ثبوت ملتا ہے ۔ وَلِقَآئِہٖ اور اللہ تعالٰی کے دیدار کا بھی انکار کرتے ہیں اس سے قیامت اور آخرت کے جملہ امور مراد ہیں ۔ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ تو ان کے جملہ اعمالِ صالحہ بالکل ضائع ہوگئے ۔ ان پر انھیں قیامت میں کسی قسم کا ثواب نہ ملے گا ۔ فَلَا نُقِیْمُ لَھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَزْنًا ۝ جن کافروں کے اعمال صالحہ حبط ہوجائیں گے ان کی قیامت میں ذرہ برابر بھی کسی قسم کی قدر و قیمت نہ ہو گی یعنے ان کو ایسا حقیر ترین سمجھا جائے گا کہ بال برابر بھی ان کو عزت نصیب نہ ہوگی بلکہ اس وقت ذلیل و خوار ہوں گے اس لیے قیامت میں عزت نصیب نہ ہوگی بلکہ اس وقت ذلیل و خوار ہوں گے اس لیے قیامت میں عزت و احترام کا دار و مدار اعمال صالحہ پر ہوگا اور وہ قیامت میں ضائع ہوجائیں گے پھر عزت و مرتبہ کیسا ۔ یاد رہے کہ یہ ذلت و خواری تو اعمال صالحہ کے حبط پر ہوگی اور ان کے کفر کا 'بدانجام' بیان آگے آئے گا ۔ (انشاء اللہ تعالٰی)

حدیث شریف حدیث شریف میں ہے کہ قیامت میں طویل القامۃ کا فر اور خورد و نوش کا دھنی جس کی مکھی کے پر کے برابر بھی عزت نہ ہوگی یعنے اس کے کفر اور اپنے اعمال پر اترانے کی خساست کی وجہ سے اسے عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جائے گا ۔ اس کی دلیل میں آپ نے یہ آیت پڑھی :

فلا نقیم لھم یوم القیٰمۃ وزنا

یعنے ان کے اعمال کے وزن کے لیے ترازو رکھا بھی نہیں جائے گا اس لیے کہ ترازو تو اہل توحید کے اعمال صالحہ و سیئہ کے امتیاز کے لیے مقرر ہے تاکہ ظاہر کیا جاسکے کہ کفر و ایمان کے درمیان کیا فرق ہے اور اہل کفر کے اعمال کا وزن کیسا ان کے تو اعمال کفر کی وجہ سے ضائع ہوگئے ۔ اس لیے ان کے وزن کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ قیامت میں شخصیات اور ان کے اعمال کا ترازو صدق اخلاص کی وجہ سے رکھا جائے گا جس کا صدق و خلوص زائد ہوگا اس کے اعمال کا ثواب زیادہ ہوگا اور جس کے اعمال میں صدق و خلوص نہ ہوگا اسے کسی قسم کا ثواب نہ ہوگا بلکہ اس کے تمام اعمال بے کار جائیں گے ۔ چنانچہ فرمایا :

فجعلناہ ھباءً منثورا

یعنے ہم اسے اڑتی ہوئی غبار کی طرح بنا دیں گے جیسے اڑتی ہوئی غبار کی کوئی قدر و منزلت نہیں ایسے ہی ان کے اعمال کی کوئی قدر و قیمت نہ ہوگی ۔

تفسیر عالمانہ ذٰلِکَ وہ امر یونہی ہے کہ جَزَآؤُھُمْ جَھَنَّمُ ان کی جزا جہنم ہے ۔ بِمَا کَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰیٰتِیْ وَرُسُلِیْ ھُزُوًا ۝ بسبب اس کے کہ انھوں نے کفر کیا اور میری آیات

اور میرے رسل کرام سے ہنسی مذاق کی حالانکہ ان پر انھیں ایمان لانا ضروری تھا لیکن انھوں نے ایمان کے بجائے کفر کیا۔

سوال: یہاں پر ھزوا کے بجائے مھزوا، ہونا تھا کیونکہ ھــزوا مصدر ہے؟

جواب: بطور مبالغہ کے کہا گیا ہے گویا ان کی مسخری اس حد تک پہنچی کہ گویا ان کا یہ فعل ھــزوا کا عین ہوگیا۔ یا یہاں پر لفظ مکان محذوف ہے یہ دراصل مکان ھزوا تھا۔

علماء کرام کی عزت و احترام

علماء کرام رسل عظام صلے اللہ علیہ وسلم کے نائب ہیں۔ اس لیے کہ ان کے علوم حضرات انبیاء علیہم السلام کے علوم سے مستنبط ہیں۔ اس لیے ان کی عزت و احترام لازمی اور ضروری ہے اور ان کے ساتھ ٹھٹھہ مخول کرنے والا یوں سمجھے کہ اسے بھی ابوجہل وغیرہ کی وراثت نصیب ہوئی ہے کیونکہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ٹھٹھہ مخول کرنا ابوجہل کا کام تھا۔ چنانچہ دو حکایتیں ہم یہاں پر لکھ دیتے ہیں۔

کُنْ کَذَالِکَ کا معجزہ

ابوجہل حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چل کر آپ کی نقل اتارتے ہوئے کسی وقت ناک چڑھاتا تو کسی وقت منہ بگاڑتا۔ ایک دفعہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے پیچھے مڑکر اسے دیکھ کر فرمایا:

کن کذالك (اسی طرح ہوجا)۔

چنانچہ پھر وہ مرتے دم تک منہ بگڑا اور ناک چڑھا رہا۔

معجزہ جیسی کرنی ویسی بھرنی

ایک دفعہ ابوجہل نے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور کی طرف تھوکا تو اس کی اپنی تھوک لوٹ کر اس کے چہرہ پر پڑی تو اس کی نحوست سے تا دم زیست برص میں مبتلا رہا اور اسی کے حق میں نازل ہوا:

ویوم یعض الظالمین علے یدیہ

یعنے قیامت میں جہنم کے اندر ایک ہاتھ کو کھاتا ہوا کہنی تک پہنچے گا تو پھر دوسرے کو کھانے لگے گا تو پہلا صحیح ہوجائے گا۔ اسی طرح ذلت و خواری سے اس کا وقت بسر ہوگا۔ (کذا فی انسان العیون)

مذاق کرنے والوں کا حشر

حدیث شریف میں ہے کہ مذاق اڑانے والوں کو قیامت کے دن دوزخ سے نکال کر بہشت کے دروازے کی طرف لایا جائے گا جب وہ دروازہ بہشت کے قریب آئیں گے تو ان سے بہشت کا دروازہ بند کر دیا جائے گا۔ پھر اس سے ہنسی کے طور کہا جائے گا چلو بہشت میں۔ (کذا فی الطریقہ)

اے اللہ! ہمیں محبوب بندوں سے بنا، ان سے بچا جو مذاق کرنے والے ہیں اور ہمیں ان اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرما جن کی قرآن مجید میں تعریف کی گئی ہے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۔ بے شک وہ لوگ جو دنیا میں مومن اور نیک اعمال کرنے والے ہیں۔ ان سے وہ اعمال مراد ہیں جو خالص اللہ تعالیٰ کے لیے کئے جائیں۔ كَانَتْ لَهُمْ ۔ ہیں ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے علم میں۔ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ فردوس کے باغات۔ فردوس ہر اس باغ کو کہا جاتا ہے جس میں انگور کے درخت بہت زیادہ ہوں۔

ف: قاموس میں لکھا ہے کہ فردوس ہر وہ باغ جس میں ہر قسم کے درخت پائے جائیں۔ یہ عربی لفظ ہے یا رومی بولی سے منتقل ہو کر عربی میں مستعمل ہوا ہے یا سریانی لغت کا لفظ ہے۔

نُزُلًا ۝ یہ کانت کی خبر ہے اور لھم جار مجرور مل کر فعل محذوف کے متعلق اور نزلا سے حال ہے اور نزل بمعنے منزل ہر وہ شے جو آنے والے مہمان کے لیے تیار کی جائے یعنے جنات الفردوس ایسی منزل ہے جو صرف اہل ایمان اور نیک لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے یا جنات الفردوس کے ثمرات ان لوگوں کے لیے تیار کئے گئے ہیں یا بطور مبالغہ وہی جنات الفردوس ان لوگوں کو مہمانی کے طور پر پیش کیے جائیں گے۔

حدیث قدسی شریف اسی کے مطابق حدیث قدسی میں وارد ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی لسانِ اقدس سے فرمایا کہ میں نے نیک بختوں کے لیے وہ نعمتیں تیار فرمائی ہیں کہ جنھیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ ہی کسی کے تصور میں آسکتی ہیں۔ یہ بھی بمنزلہ مہمانی کے دی جائیں گی۔ اس سے کاشفی نے دیدار الٰہی مراد لیا ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

نعمت فردوس زاہد را ما را روئے دوست
قیمت ہر کس بقدر ہمت والائے دوست

ترجمہ: زاہد کو نعمت فردوس سلامت ہمیں تو یار کا دیدار چاہیے اور ہر ایک وہی ملتا ہے جو اس کی ہمت ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

ہست جنت ہفت دوزخ پیش من
ہست پیدا ہمچو بت پیش شمن

ترجمہ: آٹھ بہشتیں اور سات دوزخ میری نگاہ میں وہ بت ہے جسے بت پرست پوجتا ہے۔

ملفوظ بایزید بسطامی قدس سرہٗ اسی مقام پہ حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ نے فرمایا کہ قیامت میں اگر اللہ تعالیٰ مجھے بہشت اور اس کی نعمتیں عطا فرمائے گا تو میں سمجھوں گا کہ میں عذاب میں مبتلا کر دیا گیا ہوں۔ دراصل میرے لیے جنت اعلیٰ صرف دیدار الٰہی اور وصال حق ہے اور ہجر و فراق سے بڑھ کر کوئی اور عذاب نہیں ؎

روز و شب غصہ و خون می خورم وچوں نخورم
چوں ز دیدار تو دوام بچہ باشم دل شاد

ترجمہ: رات دن میں غصہ سے خون پیتا ہوں اور خون کے گھونٹ کیوں نہ پیوں جب تیرے دیدار سے دور ہوں تو پھر مجھے خوشی کاہے کی۔

خٰلِدِیْنَ فِیْهَا یہ حال مقدرہ ای مقدرین الخلود فی تلک الجنات یعنے وہ انہی باغات میں ہمیشہ رہیں گے۔ **لَا یَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا** ○ یہ ضمیر کی طرف مصدر ہے اور خالدین کے ذوالحال سے حال ہے یعنے وہ لوگ بہشت کے باغات سے کہیں دوسری جگہ منتقل ہونے کا نام تک نہ لیں گے جیسے انسان کسی جگہ سے اکتا کر دوسری جگہ منتقل ہونے کا پروگرام بناتا ہے لیکن اہل بہشت کو جنت الفردوس میں ایسا جی لگ جائے گا کہ وہاں سے منتقل ہونے کا خیال تک نہیں آئے گا اس لیے کہ وہاں انھیں مطلب کی ہر شے ملے گی اور ہر آن خوشی ہی خوشی ہوگی۔

ف: امام فخرالدین نے اپنی تفسیر میں فرمایا ہے کہ یہ جنت الفردوس کے بہترین اوصاف سے سمجھا جاتا ہے اس لیے کہ انسان دنیا میں سعادت کے جس مرتبے کو حاصل کرتا ہے وہ کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو وہ اس سے اور آگے بڑھنے کی جد و جہد کرتا ہے لیکن جنۃ الفردوس میں اس کی تمام امنگیں پوری کر دی جائیں گی جن کی وجہ سے بہشتی کو کوئی اور تمنا نہ ہوگی۔

ف: الشیخ نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ یہ جملہ خالدین فیھا کی تاکید کے لیے لایا گیا ہے کہ انھیں بہشت میں ایسا خلود نصیب ہو گا کہ وہاں سے منتقل ہونے کا تصور تک بھی ختم کر بیٹھیں گے اور فرمایا کہ فردوس سے وہ بلند اور سبز محل مراد ہے کہ بہشت میں اس سے کوئی اور جگہ حسین تر ہے نہ بلند تر۔ اسے سرۃ الجنۃ (جنت کی ناف) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

حدیث شریف (۱) بہشت میں ایک سو درجات ہیں ہر درجہ کے درمیان زمین و آسمان کے درمیانی خلا کے برابر مسافت ہے۔ الفردوس ان تمام درجات کے اوپر ہے اسی سے ہی بہشت کی چاروں نہریں چلتی ہیں اسی جنۃ الفردوس کے اوپر عرش معلّٰی ہے۔ اسے مسلمانو! تم اگر اللہ تعالٰے سے بہشت کا سوال کرو تو اس سے جنت الفردوس کی طلب کرو۔

حدیث شریف (۲) الفردوس کے چار باغات ہیں دو باغات چاندی کے ہیں یعنے ان کے برتن چاندی کے ہیں اور ان کی ساخت بھی چاندی کی ہے اور دو سونے کے یعنے ان کے برتن اور ان کی ساخت سونے کی ہے۔

ف: تبیان میں مرقوم ہے کہ جنۃ الفردوس کو اللہ تعالٰے نے بلا واسطہ اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا اور دنیوی دنوں کی مقدار کے مطابق روزانہ اسے نظرِ عنایت سے نوازتے ہوئے فرماتا ہے کہ اے فردوس! میرے محبوب بندوں کے لیے حسن و جمال میں بڑھتی رہ اور خوشبو میں اضافہ کیجئے۔

حدیث شریف (۳) حدیث شریف میں ہے کہ اسے ہر روز پانچ بار کھولا جاتا ہے۔

ف: فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ تبیان اور روایت ہذا میں بظاہر تناقض معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں کوئی تناقض

نہیں اس لیے کہ تبیان کی روایت میں تفصیل اور روایت ہٰذا میں اجمال ہے وہ اس لیے کہ ہماری نمازیں اگرچہ پانچ ہیں لیکن دراصل توشب معراج پچاس فرض ہوئیں تواب ہمیں پچاس نمازوں کا ثواب ملتا ہے جیسا کہ بحث معراج میں ہم نے بیان کیا ہے۔

حدیث شریف (۴) اللہ تعالےٰ نے جنۃ الفردوس کے باغات بلا واسطہ اپنے دست قدرت سے بوئے اور فرمایا کہ مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم کہ اس میں شرابی اور دیوث (بے غیرت) داخل نہیں ہوگا۔ عرض کی گئی یارسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دیوث کون ہے؟ آپ نے فرمایا: دیوث وہ ہے جو اپنے اہل وعیال کے زنا و فواحش پر راضی ہو۔ (کذا فی تفسیر الحدادی)

حدیث شریف (۵) تفسیر بحر العلوم میں ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالےٰ نے بلا واسطہ جنۃ الفردوس کا میدان بچھا کر اس پر محلات تیار فرماتے اس پر اینٹ خالص سونے کی لگائی گئی اور اس پر مشک خالص لگائی گئی اور اس میں پاکیزہ اور بہترین باغات لگائے گئے اور بہترین خوشبودار پھول تیار کیے گئے اور اس میں بہترین نہریں جاری کی گئیں۔ اس کے بعد اللہ تعالےٰ نے عرش معلےٰ سے بہشت کو نظرِ عنایت سے نوازتے ہوئے فرمایا کہ تجھ میں شرابی اور زانی داخل نہیں ہوں گے۔

سوال: فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ اگر کوئی کہے کہ جب جنۃ الفردوس مقربین حضرات کے لیے مخصوص کی گئی ہے تو پھر اعمال صالحہ کے مراتب خاصہ وعامہ کا امتیاز کس طرح ہوگا؟

جواب: اعمال صالحہ اور ایمان علی وجہ الکمال پر جنۃ الفردوس کے مراتب کا ترتب ہوگا مثلاً جس نے پہلے تو ایمان دلیل برہانی سے قبول کیا پھر اسے مشاہدہ نصیب ہوگیا اور باطن کو صاف کرکے ظاہری احکام کو شرائط کے مطابق بجالایا یعنے جس طرح شریعت کا حکم ہے ویسے ہی پابندی کرکے مخلصانہ طور پر عبادت کی اور قانون طریقت کو بھی مدنظر رکھا۔ ایسے لوگ جامع الایمان والاعمال الصالحہ کہلاتے ہیں انہی میں آمر بالمعروف اور ناہی عن المنکر بھی داخل ہیں۔ حضرت کعب نے اپنی تفسیر میں یونہی فرمایا ہے۔ اسی لیے کہ کسی کو نیک راہ پر لگانا اور برائی سے روکنا بھی بہت عمدہ عمل ہے اور اس کا عامل اونچے لوگوں سے شمار ہوتا ہے۔

ف: جیسے واولٰئک الذین کفروا الخ میں کافروں کے سب سے بدترین گروہ کا بیان تھا۔ اب اہل ایمان کے اعلےٰ ترین لوگوں کا ذکر ہوا۔ تعرف الاشیاء باضدادھا کے مطابق متضاد امور سے شئے کی بلندی وپستی کا علم ہوتا ہے۔

ف: لقا سے مراد رؤیت ہے اس لیے کہ انسان پہلے آیات پر لاتا ہے اس کے بعد اسے علم اور غیب وآثار الی العین اور شہادت اور انوار سے ترقی نصیب ہوتی ہے جیسا کہ اس کے بعد مضمون "فمن کان یرجوا الآیۃ" سے واضح ہوتا ہے۔ فافہم۔ (واللہ اعلم)

ہم اللہ تعالےٰ سے فردوس بلکہ اس کے تجلیات جمالیہ اور کاسات وصالیہ کی لذت کا سوال کرتے ہیں۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا:

گدائے کوئے تو از ہشت خلد مستغنیست
اسیر عشق تو از ہر دو کون آزاد ست

ترجمہ: تیرے در کا گدا آٹھوں بہشتوں سے بے پرواہ ہے تیرے عشق کا قیدی دونوں جہانوں سے آزاد ہے۔

قُلْ لَّوْكَانَ الْبَحْرُ اے محبوب! صلے اللہ علیہ وسلم فرمائیے کہ ہوجائے دریا کا پانی۔

ف: کاشفی نے کہا کہ اس سے وہ دریا مراد ہے جو روئے زمین کو محیط ہے اور دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے تمام دریا مُراد ہیں۔

مِدَادًا بمعنے نقش۔ حبر ہر وہ شے جس سے حروف لکھے جائیں یعنے سیاہی۔

شانِ نزول: حی بن اخطب نے مسلمانوں پر اعتراض کیا کہ تمہارے قرآن کا دعویٰ ہے:

ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا جسے حکمت عطا ہوتی ہے اسے خیر کثیر عطا ہوتی ہے۔

اس کے باوجود پھر کہتا ہے:

وما اوتیتم من العلم الا قلیلاً تم تو تھوڑا سا علم دیئے گئے ہو۔

اس سے اس کا مقصد یہ ہے کہ تورات خیر کثیر ہے اور وہ ہم (یہودیوں) کو نصیب ہے۔ اس کے باوجود تم اے مسلمانو! ہمیں جاہل کہتے ہو۔ اس کے جواب میں کہا گیا کہ ہم اہل اسلام بہت کچھ خیر و بھلائی رکھتے ہیں لیکن اللہ تعالےٰ کے خیر و بھلائی اور علم کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے ؎

علم ہا از بحر علمش قطرۂ
این چو خورشید است و آنہا ذرۂ
گر کسے در علم صد لقمان بود
پیش علم کاملش نادان بود

ترجمہ: جمیع علوم اللہ تعالےٰ کے علم کے مقابلہ میں ایک قطرہ ہیں اس کے علوم کو سورج کی طرح سمجھئے باقی جملہ مخلوق کا علم ایک قطرہ۔ اگر کوئی سو لقمان کی طرح علم والا ہو تب بھی اللہ تعالےٰ کے سامنے نادان ہے۔

اس لیے کہ اگر تمام دریا سمندر سیاہی ہو جائیں۔ لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ میرے رب تعالےٰ کے علوم و حکمت کے کلمات کے لیے یعنے اس کے معلومات و حکمتوں کو لکھنے کے لیے دریاؤں کے پانی کو سیاہی بنا کر لکھے جائیں۔

ف: تفسیر الجلالین میں ہے کہ لکلمات ربی سے ان کی کتابت مراد ہے یعنے اس کی حکمتیں اور ان کے عجائبات لکھے جائیں۔ کلمات سے ان کی تعبیرات مراد ہیں۔

لَنَفِدَ الْبَحْرُ تو تمام دریاؤں کے پانی ختم ہو جائیں گے یعنے باوجودیکہ دریا بکثرت ہیں اور ان کا پانی بہت ہے لیکن کلمات

الٰہی کو لکھتے لکھتے ختم ہو جائیں گے اس لیے کہ دریا کا پانی اجسام ہیں اور ہر جسم متناہی ہے۔ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ
پہلے اس کے کہ میرے رب کے کلمات یعنے اس کے معلومات و حکمتیں ختم ہوں اس لیے کہ اس کے علم کی طرح وہ بھی غیر متناہی ہیں۔
سوال: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کلماتِ رب تعالٰے متناہی ہیں حالانکہ وہ متناہی نہیں؟
جواب: اس کلام سے دریاؤں کے متناہی ہونے کا اظہار مطلوب ہے وہ ان کا متناہی ہونا کلماتِ ربی کے متناہی ہونے کو مستلزم نہیں۔
سوال: کلمات جمع قلت ہے حالانکہ یہاں جمع کثرت لانا چاہیئے تھا یعنے کلم ربی کہنا تھا؟
جواب: تاکہ تنبیہ ہو جائے کہ جب دریاؤں کا پانی اس کے چند کلمات کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو ان کا اس کے جملہ کلمات سے مقابلہ کیسے ہو سکتا ہے۔ (کذا فی بحر العلوم)
سوال: ابو القاسم الفزاری نے الاسئلۃ المقحمہ میں فرمایا کہ کلمات، جمع کیوں کہا گیا حالانکہ اللہ تعالٰے کا کلمہ تو ایک ہے یعنے اس کی صفتِ کلام جو قدیم ہے وہ احد ہے۔
جواب: اس سے اس کے معانی مراد ہیں اور ان کے کلام کے معانی لانہایۃ ہیں اور قاعدہ ہے کہ صفات قدیمہ کے متعلقات بھی قدیم ہیں اسی لیے فلاسفہ یہاں غلطی کھا گئے کہ ہر وہ کلمہ جو قرآن مجید میں واقع ہے اس سے روح مراد ہے اس معنے پر روحِ انسانی کو وہ قدیم مانتے ہیں اس لیے کہ وہ اللہ تعالٰے سے ظاہر ہوا اور اسی کی طرف لوٹے گا۔

حالتِ زار فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ میں نے اپنے بعض معاصرین کو دیکھا کہ وہ اپنے آپ کو محققین کہلاتے ہیں اور کلام الٰہی کی تحقیق میں کئی طرح کے تیر پھینکے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے تحقیق کی انتہا کر دی کبھی اپنی تحقیق کو تعریفاً بیان کرتے ہیں کبھی تصریحاً میں اپنے ساتھیوں (اہلسنت) کو عرض کرتا ہوں کہ ایسے غلط قسم کے محققین سے بچ کر رہو اس لیے کہ یار لوگوں نے پرانے فلسفیوں کا مذہب زندہ کرنے کی ٹھانی ہے۔ لیکن اسلام نے ان کی باتوں سے بچنے کی تلقین فرمائی ہے اگرچہ ان کی بعض باتیں اچھی ہیں لیکن بحث میں الجھ کر بندہ کبھی اپنا نقصان کر بیٹھتا ہے اور ایسی باتیں بھی رائج ہو جاتی ہیں جن سے ہمارا (اسلامی لحاظ) سے کسی قسم کا واسطہ نہیں ہوتا۔

وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ۝ اگرچہ ہم ان دریاؤں کی مثل اور سو دریا لائیں۔
ف: کاشفی نے کہا ہے کہ اگر ہم مدد کے طور پر دریائے محیط اور لائیں۔ مددا تمیز ہے زیادہ کر کے بطور مدد کے تو بھی دریاؤں کی سیاہی ختم ہو جائے گی لیکن اللہ تعالٰے کے کلمات ختم نہیں ہوں گے اس لیے کہ کلماتِ الٰہی غیر متناہی ہیں۔ اس معنے پر اس کی جزاء محذوف ہوگی اس لیے کہ حرف لَوْ اوّل کی جزاء اس پر دلالت کرے گی اور یوں بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی اصل عبارت یوں ہو کہ:

ولو جئنا بمثلہ مددا مانفدت کلمات اللہ۔

یہی موزوں ترین اور اوفق ہے۔ ارشاد باری تعالٰے ہے:

ولو ان ما فی الارض من شجرۃ اقلام و البحر یمدہ من بعدہ سبعۃ ابحر مانفدت

کلماتُ اللہ[1]

نیز اس میں دریاؤں کے ختم ہونے اور اللہ تعالیٰ کے کلمات کے غیر متناہی ہونے کی تصریح ہے اگرچہ اس میں کلام بڑھ جاتا ہے لیکن مقصد کے قریب تر ہی زیادہ مناسب ہے۔ (کذا فی بحر العلوم)

ف: الارشاد میں ہے کہ قولہ تعالیٰ ولو جئنا الآیۃ کا جواب منجانب اللہ ہے یہ اس کلام میں داخل نہیں جسے تلقین کے طور پر کلام کے مضمون کو پختہ کرنے کے لیے بولا جاتا ہے، واؤ عاطفہ ہے۔ جملہ کا اپنے ہم مثل جملہ پر عطف ڈالا گیا ہے یعنے کلماتِ الٰہی بالکل ختم ہونے والے نہیں اگرچہ دریاؤں کے پانی کی مثل اور دریا بھی لائے جائیں یعنے اگرچہ ہم اپنی قدرت کاملہ سے ان دریاؤں کی مثل اور بھی بطور مدد کے پیدا فرمادیں تو سب ختم ہو جائیں گے لیکن کلماتِ الٰہی غیر متناہی ہیں بلکہ جمیع عوالم میں جمیع اکوان ختم ہوں گے لیکن کلماتِ الٰہی کا انتہا محال، اس لیے کہ جمیع اکوان اجسام ہیں اور دلائل قطعیہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ جملہ کائنات کو فنا ہے اور صفاتِ الٰہی کو بقا۔

سوال: ادھر تم کہتے ہو کہ اللہ قادر علی مقدورات غیر متناھیۃ پھر کہتے ہو: حدوث ما لانہایۃ لہ محال یعنے پہلے کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ مقدورات غیر متناہیہ پر قادر ہے، پھر کہتے ہو " مالانہایہ شئے کا حدوث محال ہے۔ یہ دو متضاد عقیدے کیوں؟

جواب: قادریتِ حق کا معنے یہ ہے کہ اس کی قدرت کی کوئی حد نہیں کہ جس کے لیے کہا جائے کہ اس کے بعد ایجاد ہو گی۔ (کذا قال الامام) یعنے اس سے ممکنات کی تناہی کا عدم لازم نہیں آتا۔

ف: فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ میرے شیخ اور پیر و مرشد قدس سرہٗ نے اپنی بعض تحریرات میں لکھا کہ کلمات سے اللہ تعالیٰ کا علم و حکمت ظاہرہ مراد ہے یعنے وہ کلمات جنھیں اللہ تعالیٰ کی معلومات اور جن سے حکمت الٰہی کا تعلق ہو، سے تعبیر کیا جاتا ہے اور آیت میں جو لفظ "قبل" واقع ہے اس کا حقیقی معنے مراد نہیں۔ بلکہ اس سے مقصد یہ ہے کہ دریاؤں کے پانیوں کا خاتمہ ممکن ہے لیکن کلماتِ الٰہی کا خاتمہ ممتنع ہے۔

سوال: یہاں ایک اشکال ہے وہ یہ کہ تم کہتے ہو کہ کلمات سے معلومات محکومہ و مقدورہ جیسے ممکنات مراد ہیں اور یہ تمہارے عقیدے کے خلاف ہے اس لیے مانا کہ ممکنات کو فنا ہے لیکن ممتنعات تو نہیں اور نہ معلومات میں داخل ہیں اس سے لازم آیا کہ وہ نہ اللہ تعالیٰ کی معلومات میں ہیں اور نہ ان کو فنا ہے۔ اس سے (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ پر جہل و غفلت کا الزام بھی آتا ہے اور وہ اس سے منزہ و مقدس ہے اور اس کے لیے ایسے تصورات دل میں لانا بھی کفر ہے۔

جواب: پہلے اس آیت کا مفہوم ذہن میں رکھیے۔ بارہا عرض کیا گیا ہے کہ دریاؤں کے پانی کو سیاہی بنا کر اگر کلماتِ ربّی کو لکھنا شروع کیا جائے تو دریا کے تمام قطرات ختم ہو جائیں گے یہاں تک کہ اس کے بعد ایک قطرہ بھی باقی نہ ہو گا کہ جس سے کچھ لکھا جا سکے اس لیے

---

[1] سورہ لقمان، رکوع ۳۔

کہ دریاؤں کے قطرات متناہی ہیں اور معلومات باری تعالیٰ غیر متناہی اگرچہ اس طرح کے سات اور دریا سے کر کلمات الٰہی لکھے جائیں۔ تب بھی وہی نتیجہ نکلے گا کہ قطراتِ دریا ختم ہو جائیں گے اور معلومات باری تعالیٰ غیر متناہی ہیں اسی لیے وہ ختم نہ ہوں گے اصل مقصد سمجھنے کے بعد اب اصل جواب سمجھئے وہ یہ کہ معلومات سے مطلق معلومات مراد لئے جائیں یعنے وہ اشیاء کہ جن سے اللہ تعالیٰ کے علم کا تعلق ہے خواہ وہ ذات باری تعالیٰ ہو یا اس کے صفات و اسماء یا ان کے ماسوا موجودات ممکنہ ہوں یا معدومات ممتنعہ۔ اس طرح سے نفس سوال کا جواب حاصل ہوا۔ اگرچہ وہ اعتراض باقی رہا کہ ممتنعات اللہ تعالیٰ کے علم میں نہیں اس سے نفس سوال کا طویل ہے جو علم کلام سے تعلق رکھتی ہے اور نفس سوال کا جواب یہی ہوا کہ معلومات باری تعالیٰ غیر متناہی ہیں اور ہم نے بھی کلمات سے وہی معلومات مراد لیے ہیں کہ جنہیں اللہ تعالیٰ کے علم سے تعلق ہے خواہ ان پر معلومات کا اطلاق ہو یا نہ ہو۔ جیسے ذات و صفات باری تعالیٰ باوجودیکہ وہ معلومات ہیں لیکن ان پر معلومات کے بجائے کلمات کا اطلاق ہوتا ہے ۔ ہماری اس تقریر سے معلوم ہوا کہ کلمات کی تفسیر معلومات کے بجائے محکمات و مقدورات سے کی جائے تو بہتر ہے تاکہ فلاسفہ کا مذکورہ بالا اعتراض وارد نہ ہو۔ ویسے کلمات کو جب رب تعالیٰ کی طرف مضاف کیا گیا تو اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ کلمات سے محکومات و مقدورات مراد ہوں۔

سوال: کلمات کو ممکنات سے تعبیر کرنا صحیح نہیں کیونکہ کلماتِ الٰہی ممکنات نہیں؟

جواب: ممکنات کو کلمات سے تعبیر کرنا تسمیۃ المسبب باسم السبب کے قبیل سے (مجازاً) ہے اس لیے کہ وہ کلمہ 'کُن' سے بنے ہیں۔ کما قال تعالیٰ:

انما امره اذا اراد شیاء۔ الخ

خلاصہ یہ کہ دریاؤں کا پانی ختم ہونا امر واقعی یا فرضی ایک ذاتی امر اور مطلقاً غیر معلل ہے ان کے پانی کو سیاہی بنایا جائے یا نہ اس لیے کہ وہ اجسام ہیں اور اجسام کو یقیناً فنا ہونا ہے اور کلمات الٰہی نہ واقعۃً فانی ہوں گے اور نہ فرضاً اور ان کا ایسے ہونا امر ذاتی اور ازل سے غیر معلل ہے کیونکہ وہ ہمیشہ کے لیے غیر متناہی ہیں اور ان کے لیے فانی ہونا ممتنع بالذات ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۔ اے محبوب! صلے اللہ علیہ وسلم فرمائیے کہ صورت میں تمہاری طرح آدمی ہوں۔ اور بعض صفات بشریہ میں میں تمہارے مساوی ہوں۔ **يُوْحٰٓى اِلَيَّ** میرے رب تعالیٰ کی طرف سے میرے ہاں وحی اتاری جاتی ہے۔ **اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ** بے شک میرا اور تمہارا معبود ایک ہے اور وہ منفرد فی الالوہیۃ ہے نہ ذات میں اس کا کوئی ثانی ہے اور نہ صفات میں اس کا کوئی شریک ہے یعنے میں اپنی بشریت[1] کا معترف ہوں لیکن یہ بات بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ

---

[1] : ہمارا اور وہابیہ کا بشریت مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم میں اس لیے اختلاف نہیں کہ معاذ اللہ حضور علیہ السلام بشر ہی نہیں۔ یہ ان کا ہمارے اوپر بہتان ہے بلکہ اختلاف یہ ہے کہ بشریت حضور علیہ السلام کی حقیقت نہیں۔ اور وہابی، دیوبندی اور مودودی اور ان کے ہم نوا تمام فرقے کہتے ہیں کہ بشریت حضور علیہ السلام کی حقیقت ہے۔ ہمارے دلائل تفسیر اویسی میں ہیں۔ ۱۲۔ (اویسی غفرلہٗ)

نے مجھے نبوت و رسالت سے نوازا ہے اور اس معنے پر میں تم سے ممتاز ہوں ۔

ف ؛ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ بشریت اور استعداد انسانیت میں تمام بنو آدم برابر ہیں یعنے بشریت سب کی حق ہے نبی ہوں یا ولی یا مؤمن ہوں یا کافر، بایں معنے برابر ہیں کہ معبود سب کا ایک ہے الہ العالمین اور صمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوًا احد اس کی شان ہے، اس برابری کے بعد فضائل کے لحاظ سے درجات اور بلندی ہر ایک مراتب پر ہے مؤمن کو کافر پر ایمان کی وجہ سے ولی کو غیر ولی پر ولایت کے لحاظ سے نبی کو نبوت و رسالت اور وحی و معرفت کے لحاظ سے غیر نبی پر فضیلت ہے ۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

رہ راست باید نہ بالائے راست

کہ کافر ہم از روئے صورت چو ماست

ترجمہ ؛ رہ راست ہونا لازمی ہے نہ اور مراتب ۔ اس لیے کہ کافر بھی تو ہمارے ہم شکل ہیں ۔

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا ۔ یہ شرط ہے فلیعمل اس کی جزاء ہے یعنے جو بھی امید رکھتا ہے ۔ **لِقَآءَ رَبِّهٖ** اپنے رب تعالٰی کے دیدار کی ۔

ف ؛ الارشاد میں ہے کہ کان استمرار کے لیے ہے توقع وصول الخیر فی المستقبل ۔ مستقبل میں خیر حصول کی توقع کو عربی میں الرجاء کہتے ہیں اور لقاء ربہ سے کرامت حق مراد ہے ۔

مسئلہ ؛ امام صاحب نے تفسیر میں فرمایا کہ اہل سنت کے نزدیک لقا الرب سے دیدار الٰہی مراد ہے اور معتزلہ کہتے ہیں کہ دیدار الٰہی آخرت میں بھی نہ ہوگا اسی لیے یہاں لقاء سے مراد ثواب ہے اور لقاء بمعنے رضا مستعمل ہوتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے ، لقیہ ۔ یہ اس شخص کے لیے بولتے ہیں جو کسی پر خوش ہو جائے ۔ (کذا فی القاموس)

فَلْيَعْمَلْ تو اپنے مطلوب عزیز کے حصول کے لیے عمل کرے ۔ **عَمَلًا صَالِحًا** ۔ وہ نیک عمل جن سے رب تعالٰی راضی ہو ۔

ف ؛ للانطاکی نے فرمایا کہ جو شخص یقین رکھتا ہے کہ اس نے اللہ تعالٰی کے ہاں آخرت میں حاضر ہونا ہے تو اس پر لازم ہے کہ ایسے نیک اعمال کرے جن سے اللہ تعالٰی راضی ہو جائے اور الرجاء بمعنے خوف و امید ہے ۔ (کذا فی البغوی)

ف ؛ حضرت ذوالنون مصری قدس سرہٗ نے فرمایا کہ عمل صالح سے وہ نیک عمل مراد ہے جس میں ریاء کی ملاوٹ نہ ہو ۔

حضرت ابو عبد اللہ قرشی نے فرمایا کہ عمل صالح وہ ہے جو نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں ہو ، ظاہراً بھی انہی کی سنت پر عمل کیا جائے اور باطناً بھی ! اور باطناً سے مراد یہ ہے کہ توجہ الی اللہ اور انقطاع عن سوی اللہ ہو ، اس عمل میں ثواب کی طلب ہو نہ بہشت کی تمنا یعنی ماسوی اللہ سے آنکھیں بند کر دے اس وقت کھولے جب مشاہدۂ حق نصیب ہو ۔ جیسا کہ اللہ تعالٰی نے اپنے حبیب علیہ السلام کے لیے فرمایا ؛

ما زاغ البصر وما طغیٰ۔

ے

روئے از ہمہ برتافتم و سوئے تو کردم
چشم از ہمہ بربستم و دیدار تو دیدم

ترجمہ: سب سے منہ موڑ کر صرف تیری طرف متوجہ ہوں۔ آنکھیں سب سے بند کر دی ہیں صرف تیرے دیدار کا عاشق ہوں۔

وَلَا یُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّہٖٓ اور اپنے معبودِ حقیقی کی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک نہیں کرتا۔

ف: ابوالبقار نے بعبادۃ ربہ کا معنے فی عبادۃ ربہ کیا ہے یا باء سببیہ ہے یعنے اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کے سبب سے کسی دوسرے کی پرستش نہیں کرتا۔

ف: الارشاد میں ہے کہ نہ اشراک جلی کا مرتکب ہوتا ہے جیسے کفارِ مکہ نے کیا اور نہ ہی اشراک خفی جیسے اہلِ ریا کرتے ہیں یا جو عبادتِ الٰہی ثواب کے طمع پر کرتا ہے وہ بھی صوفیاء کے نزدیک مشرک ہے۔

نکتہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ولا یشرک بہ کے بجائے لا یشرک بربہ میں اشارہ ہے کہ جو بندہ نیکی کر کے اس خیال میں ہوتا ہے کہ اس کی اس نیکی پر تعریف ہو تو وہ بھی شرک میں مبتلا ہے بلکہ نیکی کر کے رضائے الٰہی کا طالب ہو اور سمجھے کہ یہ میرے رب تعالیٰ کی عنایت کردہ توفیق سے ہوئی ہے ورنہ میں کون اور عبادتِ الٰہی کہاں!

شانِ نزول حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے جو عبادت میں رضائے الٰہی کے ساتھ لوگوں کو خوش کرنے کا ارادہ کرتے ہیں۔ چنانچہ مروی ہے کہ حضرت جندب بن زہیر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں نیک عمل تو صرف رضائے الٰہی پر کرتا ہوں لیکن جب کوئی میری نیکی پر مطلع ہو جاتا ہے تو میں خوش ہو جاتا ہوں۔ اس کے جواب میں حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جس عبادت میں اللہ تعالیٰ کے غیر[1] کی خوشی کا خیال ہو جائے تو اس عبادت کو اللہ قبول نہیں فرماتا۔ حضور علیہ السلام کے اس ارشادِ گرامی کی تصدیق میں آیت لہٰذا نازل ہوئی۔

ف: ایک روایت میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے اسے فرمایا کہ اس پر تجھے دو ثواب ہیں ایک چھپ کر کرنے کا دوسرا اس کے ظاہر ہو جانے کا۔

سوال: ایک ہی حدیث شریف میں دو متضاد اقوال کیوں؟

جواب: نیت کے مطابق حضور علیہ السلام نے فرمایا تا کہ پتہ چل جائے کہ عبادت میں غیر کی خوشنودی مطلوب تو نہیں تھی لیکن اچانک

---

[1]: اس سے خود حضور علیہ السلام مستثنیٰ ہیں جیسا کہ روایاتِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہت سی عبادات میں حضور علیہ السلام کی خوشنودی کو بھی مدِ نظر رکھتے تھے۔ فافہم ولا تکن من الجاہلین۔ ۱۲ -

کسی کو معلوم ہو جائے اس سے خوشی حاصل ہو تو اس عبادت سے دو ثواب نصیب ہوں گے۔ اگر چھپ کر بھی عبادت کرے لیکن اس کا جی چاہے کہ اس کی عبادت پر کوئی مطلع ہو تو ایسی نیت کی وجہ سے وہ عبادت قابل قبول نہیں۔

ف : یہلی بات بفضلہ تعالٰے کاملین اولیاء مخلصین فی اللہ معرضین عن اللہ میں پائی جاتی ہے۔

مسئلہ اگر غیروں کو عدم اطلاع تہمت کا موجب بن جائے مثلاً فرائض و واجبات کی چھپ کر لوگ گمان کرتے ہیں کہ یہ شخص فرائض و واجبات ادا نہیں کرتا تو اسے فرائض و واجبات علانیہ ادا کرنے چاہئیں[1] تاکہ اس طرح کی ادائیگی سے فرائض و واجبات کا دوہرا ثواب نصیب ہو۔

مسئلہ : جو شخص عبادات اس لیے کھلم کھلا ادا کرتا ہے تاکہ اس کی نیکی کا چرچا ہو تو یہی ریار اور شرک خفی ہے۔ لازم ہے کہ عباداتِ نافلہ چھپ کر ادا کی جائیں تاکہ ریار کے غلط ارادے سے عمل ضائع نہ ہو۔

حکایت حضرت عبد اللہ بن غالب رحمہ اللہ تعالٰے کی عادت تھی کہ اپنے حلقہ احباب میں روزانہ بتاتے کہ آج میں نے اتنا عباداتِ نافلہ ادا کی ہے، قرآن مجید کی اتنی مقدار تلاوت کی ہے اور اتنے نوافل پڑھے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ بعض احباب نے عرض کی یا ابا الفراس آپ جیسوں کے لائق نہیں کہ اپنے منہ میاں مٹھو بن کر اپنی تعریف کرے۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالٰے فرماتا ہے، واما بنعمۃ ربک فحدث (میں اللہ تعالٰے کی عطا کردہ توفیق کی نعمت کا اظہار کرتا ہوں) اور تم کہتے ہو کہ اللہ تعالٰے کی نعمت کا اظہار نہ ہو۔

مسئلہ اظہار لطف الٰہی کے لیے اور اس لیے کہ اس کی عبادات نافلہ کے مطابق دوسرے اقتدار کریں گے تو اظہار جائز ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اسے اپنے اوپر اعتماد ہو کہ اس کے اظہار سے ریار کا شائبہ نہ ہوگا تو جائز تو ہے لیکن اسے چھپانا افضل ہے۔

مسئلہ : اگر کسی کو اہل ریار، اہل شہرت سے تشبہ مطلوب ہے تو اس کی سزا اتنی کافی ہے کہ اسے اہلِ ریار سے تشبہ کا قصد ہے۔ (کذا فی الکشاف فی سورۃ والضحٰی)

ف : یہ آیت علم و عمل کا خلاصہ ہے یعنی انسان پر لازم ہے کہ اپنے عمل میں توحید الٰہی کا عقیدہ کے بعد اخلاص کا دامن نہ چھوڑے۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

عبادت باخلاص نیت نکوست
وگرنہ چہ آید ز بے مغز است

---

[1] : ہمارے دور کے بعض جہلا اپنے بے عمل اور بے نماز اور تارکین فرائض و واجبات پیروں کے متعلق تصور رکھتے ہیں کہ وہ چھپ کر عبادت بجا لاتے ہیں۔ یہ تصورات جاہلانہ ہیں بلکہ بہت سے جاہل پیر ایسی باتیں اپنے مریدین کو سمجھاتے ہیں اور اسی پر انھیں پختہ کرتے ہیں۔

(اویسی غفرلہٗ)

چہ زنار مغ درمیانت چہ دلق
کہ در پوشی از بہر پندار خلق
بروئے ریا خرقہ سہلست دوخت
گرش با خدا در توانی فروخت

ترجمہ: (۱) عبادت خالص نیت سے بہتر ہے ورنہ بے مغز پوست سے کیا حاصل ہوگا۔
(۲) بت پرست کا زنار ہو یا اللہ والوں کی گودڑی برابر ہے جب کہ وہ پہنا داخلق خدا کے دکھاوے پر ہے۔
(۳) ریار کا کپڑا پہننا آسان ہے اگر اسے اللہ کے نام پر بیچنا چاہتا ہے تو (بیچ ڈال)

مسئلہ: بحرالعلوم میں ہے ریار ہر اس عمل کو کہتے ہیں جس میں غیر اللہ کی خوشنودی مطلوب ہو۔

احادیث مبارکہ در مذمت ریار

حدیث شریف (۱) حضور سرورعالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنی امت سے شرک کے ارتکاب سے بہت بڑا خوفزدہ ہوں اس سے میری مراد یہ نہیں کہ وہ سورج یا چاند یا کسی درخت یا بت کی پرستش کریں گے بلکہ عمل کریں گے تو اس میں غیر اللہ کی خوشنودی کو دخیل بنائیں گے۔

مسئلہ: الاشباہ و النظائر میں ہے کہ روزہ میں ریار کو کسی قسم کا دخل نہیں یہ اس وقت ہے کہ جب کہ اپنے آپ کو بھوکا مار کر لوگوں کو ظاہر نہ کرے کہ میں روزہ سے ہوں زبان حال سے یا زبان قال سے ورنہ اس میں بھی ریار کو دخل ہے۔

حدیث شریف (۲) حضور سرورعالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ریار کے طور پر نماز ادا کرے تو اس نے اللہ تعالےٰ سے شریک ٹھہرایا اور جس نے ریار کے طور پر روزہ رکھا تو وہ بھی مشرک ہوا۔ اس کی تصدیق میں حضور سرورعالم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت پڑھی: فمن کان یرجوا لقآء ربہ الآیۃ (کذا فی الحدادی)

مسئلہ: حدیث شریف کی وعید صدقہ، حج اور تمام عبادات کے لیے ہے۔

ے

مرائی ہر کسے معبود سازد
مرائی را ازاں گفتند مشرک

ترجمہ: چونکہ ریار کار ہر شخص کو معبود بناتا ہے اسی لیے اسے صوفیار نے مشرک کا لقب دیا۔

حدیث شریف (۳) ہر ریار کار پر بہشت حرام کی گئی ہے۔

مسئلہ: نیکی اچھے لباس اور اچھی صورت بنانے کا نام نہیں بلکہ نیکی مسکینی اور پروقار رہنے کا نام ہے ے

کرا جامہ پاکست و سیرت پلید
در دوزخش را نباید کلید
بنزدیک من شب رو راہزن
بہ از فاسق پارسا پیرہن!

ترجمہ: جس کا لباس تو نہایت بہترین لیکن عادات گندے ہیں میرے نزدیک ڈاکو اور چور اس فاسق سے بدتر ہے جو ظاہر میں پارسا بنا ہوا ہے[۱]

حدیث شریف (۴) قیامت کے دن اللہ تعالےٰ اولین وآخرین کو جمع کر کے اعلان کرائے گا کہ جس نے نیک اعمال غیروں کو خوش کرنے کے لیے کیے انھیں اپنے اعمال کی جزا انہی سے جا کر طلب کرنی چاہیے مجھے کسی شریک کی ضرورت نہیں۔

؎
ز عمرو اے پسر چشم اجرت مدار
چو در خانۂ زید باشی بکار!

ترجمہ: زعمرو سے مزدوری کی امید نہ رکھو جب تم زید کے گھر کا کام کرتے ہو۔

حدیث شریف (۵) جہنم میں ایک ایسی وادی ہے جس سے دوزخ کے دوسرے طبقات دن میں سو بار پناہ مانگتے ہیں وہ طبقہ ریاکاروں کے لیے تیار کیا گیا ہے۔

حدیث شریف (۶) شرک اصغر سے بچو۔ عرض کی گئی شرک کیا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ریاء کاری شرک اصغر ہے۔

حدیث شریف (۷) حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اپنی امت کے لیے شرک خفی کا زیادہ خطرہ ہے اسی لیے اے میرے امتیو! تم شرک خفی کے تمام امور سے بچو کیونکہ شرک خفی تمھارے اندر ایسے گھسا ہوا ہے جیسے چیونٹی اندھیری رات میں سفید پہاڑ پر چلے یہ بات لوگوں کو بہت سخت محسوس ہوئی ان کی اس پریشانی کو دیکھ کر حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمھیں ایک ایسی دعا سکھاتا ہوں جس کے پڑھنے سے نہ شرکِ خفی تمھارے اندر رہے گا نہ شرک جلی وہ دعا یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَنْ اُشْرِكَ بِكَ	الٰہی میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ کسی چیز کو
شَيْئًا وَّ اَنَا اَعْلَمُ بِهٖ وَاَسْتَغْفِرُكَ لِمَا لَآ	تیرا شریک بناؤں اور مجھے اس کا علم ہو اور میں معافی مانگتا
اَعْلَمُ بِهٖ تُبْتُ عَنْهُ وَ تَبَرَّأْتُ مِنَ الْكُفْرِ	ہوں تجھ سے اس (گناہ) سے جس کا مجھے علم نہیں۔ میں نے اس
وَالشِّرْكِ وَ الْكِذْبِ وَ الْغِيْبَةِ وَ الْبِدْعَةِ	سے توبہ کی اور بیزار ہوا کفر سے اور شرک سے اور جھوٹ سے اور

---

[۱] حقیقت یہ ہے کہ ہمارے دور میں اس قسم کے بھیڑیئے بہت ہیں جن کا ظاہر دیکھو خضر نظر آئیں گے لیکن باطن بھیڑیئے سے بھی بدتر۔ پناہ بخدا۔ ۱۲

وَالنَّمِيْمَةِ وَالْفَوَاحِشِ وَالْبُهْتَانِ وَالْمَعَاصِیْ كُلِّهَا وَاَسْلَمْتُ وَاَقُوْلُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۔ (کذا فی عین المعانی)

غیبت سے اور بدعت سے اور چغلی سے اور بے حیائی کے کاموں سے اور تہمت لگانے سے اور (باقی) ہر قسم کی نافرمانیوں سے اور اور میں نے اسلام قبول کیا اور کہتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، حضرت محمد اللہ کے رسول ہیں۔

حکایت خلفاء راشدین میں سے کسی ایک کا واقعہ ہے کہ وضو کرنے کے لیے اٹھے تو آپ کے کسی خادم نے لوٹا اٹھا کر وضو کرانے کا ارادہ کیا تو آپ نے روک کر فرمایا کہ مجھے شرک خفی کا خطرہ ہے اس کی دلیل میں یہی آیت پڑھی۔ فقیر (حقی) کہتا ہے میرا گمان ہے کہ ان سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ (کذا فی الاسئلۃ المقحمہ لابی القاسم الفزاری رحمہ اللہ الباری)۔

نکتہ: فقیر (حقی) کہتا ہے کہ اس سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے تقویٰ کا حال معلوم ہوا کہ آپ نے ریاء کی طرح وضو میں استعانت عن الغیر کو بھی شرک میں داخل فرمایا اور وہ آیت فمن کان یرجوا لقاء ربہ الخ کے عموم کے پیش نظر۔ جیسے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "او لامستم النساء" میں عموم کے پیش نظر عورت کو صرف ہاتھ لگانے سے نقض وضو کا حکم صادر فرمایا ہے۔

مسئلہ: ہم احناف کے نزدیک بھی عزیمت یہی ہے کہ عورت کو ہاتھ وغیرہ لگ جائے تو وضو کا اعادہ مستحب ہے اگر کوئی نہ کرے تو بھی جائز ہے اسے رخصت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور وضو کر لینے کو عزیمت سے۔ یہ فقہا کرام کی ایک اصطلاح ہے۔

فضائل سورۃ کہف

(۱) حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے سورہ کہف کے اوّل سے دس آیتیں یاد کیں وہ فتنۂ دجال سے محفوظ رہے گا۔ (رواہ مسلم فی صحیحہ وابوداؤد والنسائی)

ف: ابن ملک نے فرمایا کہ حدیث شریف میں الدجال کے لفظ میں الف، لام عہدی ہے اس سے وہی مخصوص دجال مراد ہے جو قرب قیامت میں آئے گا لیکن بعض محدثین نے فرمایا ہے کہ یہ الف لام جنسی ہے اور اس سے تمام دجال مراد ہیں۔ اور اصلاح محدثین میں دجال وہ ہے جو جھوٹ اور تلبیس کا بکثرت ارتکاب کرے۔

حدیث شریف میں ہے کہ آخری زمانہ میں متعدد دجال پیدا ہوں گے۔

ف: تمام اہل ہوا اور اہل بدعت (پرویزی، چکڑالوی، نیچری، شیعہ، خاکساری، مرزائی، نجدی، وہابی، مودودی)[1] اپنے زمانہ کے دجّال ہیں۔

نکتہ: ان دس آیات کو پڑھنے سے دجّال کے فتنہ سے حفاظت اس لیے نصیب ہوگی کہ اس سورت میں اصحاب کہف (اولیاء کرام) کا ذکر ہے۔ جیسے ان حضرت نے اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگی تو انہیں دقیانوس کے شر سے حفاظت نصیب ہوئی، اسی طرح اس

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

سورت کے قاری کو دجال کے فتنے سے محافظت نصیب ہو گی اور ان (اولیاء) کی برکت سے دین متین پر اسے ثابت قدمی نصیب ہو گی ۔

(۲) نسائی کی روایت میں ہے کہ جس نے سورۃ کہف کی آخری دس آیتیں حفظ کیں تو وہ دجال کے فتنے سے محفوظ رہے گا ۔

(۳) جس نے سورۃ کہف کو ویسے پڑھا جیسے نازل ہوتی ہے تو اس کی قبر سے مکہ تک نور ہی نور ہو گا جس نے اس کی آخری دس آیات یاد کرلیں تو اس پر دجال کا تسلط نہیں ہو سکے گا ۔ (عن ابی سعید الخدری عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم ، رواہ الحاکم)۔

(۴) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور سرور دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے جمعہ کے دن سورۃ کہف پڑھی تو قیامت میں اس کے قدم سے لے کر آسمان تک نور چمکے گا اور اس کے دو جمعوں کے درمیان کے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے ۔

(۵) حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص سورۃ کہف کو جمعہ کی شب پڑھتا ہے اور بیت العتیق کے درمیانی فاصلہ تک اس کے لیے نور ہی نور ہو گا ۔ (رواہ الدارمی فی مسندہ موقوفاً علےٰ ابی سعید رضی اللہ عنہ ، کذا فی الترغیب والترہیب للامام المنذری)۔

(۶) تفسیر تبیان میں ہے کہ عبداللہ بن فردہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں آگاہ نہ کروں ایسی سورت سے کہ جب وہ نازل ہوئی تو جس کی عظمت نے زمین و آسمان کے درمیانی خلا کو بھر دیا ایسے ہی اس کی پڑھنے والے کو ثواب نصیب ہو گا سب نے عرض کی ہاں ہمیں اس سے آگاہ فرمایئے ۔ آپ نے فرمایا وہ سورۃ کہف ہے جو اسے جمعہ کے روز پڑھے گا اس کے آنے والے جمعہ تک کے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے اور مزید براں اور تین روز کے گناہ بھی ۔ اور قیامت میں اسے ایسا نور عطا ہو گا جس کی کرنیں آسمان تک پہنچیں گی اور وہ دجال سے بھی محفوظ رہے گا ۔

خواص سورۃ کہف

(۱) تفسیر الحدادی میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص سورۃ کہف کو پڑھتا ہے تو وہ آٹھ دن تک ہر فتنے سے محفوظ رہے گا ۔

(۲) جو شخص سوتے وقت اس کی آخری آیت کو پڑھتا ہے تو جب تک بستر سے اٹھتا نہیں تب تک اس کے لیے وہاں سے تا مکہ نور ہی نور ہوتا ہے اور اسی نور کے برابر اللہ تعالےٰ کے فرشتے ہوتے ہیں جو اس کے لیے رحمت کے پھول برساتے رہتے ہیں اور جو مکہ معظمہ میں ہوتا ہے تو اس کے آرام کرنے کی جگہ سے بیت المعمور تک نور ہی نور ہوتا ہے اس کے برابر ملائکہ کرام اسی بندۂ خدا پر رحمت کے پھول برساتے ہوئے اس کے لیے استغفار کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ بستر سے جاگ اٹھتا ہے ۔

(۳) تفسیر البیضاوی میں ہے کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو نیند سے پہلے قل انما انا بشر مثلکم .... پڑھ کر سوتا ہے تو اس کے بستر سے مکہ معظمہ تک نور چمکتا ہے ۔ اسی نور کے برابر ملائکہ کرام اس کے بیدار ہونے تک اس بندے کے لیے رحمت کے پھول برساتے رہتے ہیں ۔

رات کے کسی وقت میں بیدار ہونے کا وظیفہ

① فتح القریب میں ہے کہ جو شخص سوتے وقت یہ آیت ان الذین امنوا وعملوا الصالحات..الخ پڑھ کر یہ دعا مانگے :

اللھم ایقظنی فی حب الاوقات واستعملنی باحب الاعمال الیك ۔ اے اللہ تعالٰے! مجھے اپنے محبوب ترین اوقات میں بیدار فرما اور اپنے محبوب ترین اعمال کے عمل کی توفیق بخش ۔

اللہ تعالٰے اس بندے کو اسی وقت بیدار فرمائے گا اور اسے قائم اللیل بزرگوں کی فہرست میں لکھے گا ۔

② حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جو شخص مخصوص وقت میں بیدار ہونا چاہے تو اسے چاہیے کہ سوتے وقت یہ آیت قل لو کان البحر مدادا . . . الخ پڑھ کر سوئے تو جس وقت چاہے اسے اللہ تعالٰے بیدار فرمائے گا ۔

مسائل : فقہاء نے بستر میں قرآن مجید کی آیات پڑھنے کے جواز اور عدم جواز میں اختلاف فرمایا ہے ۔

مسئلہ : افضل یہی ہے کہ بستر میں سوتے ہوئے قرآنی آیات نہ پڑھے کیونکہ یہی اقرب التعظیم ہے ۔ (کذا فی شرح الشرعۃ لیحیٰی الفقیہ)

مسئلہ : ظہیر الدین المرغینانی نے فرمایا کہ بستر میں سوتے ہوتے قرآنی آیات پڑھنے میں حرج نہیں بشرطیکہ چہرہ لحاف وغیرہ سے باہر ہو۔ اس لیے کہ لحاف بھی انسان کے لباس میں داخل ہے۔ لحاف میں چہرہ کو چھپا کر قرآنی آیات پڑھنا مکروہ ہے ۔ (کذا نقلہ قاضیخان)

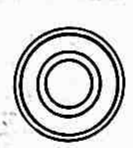
مسئلہ : محیط میں ہے کہ زمین پر سو کر قرآنی آیات پڑھنے میں حرج نہیں لیکن شرط یہ ہے کہ پاؤں سمیٹ سمیٹ کر پڑھے ۔

ہم اللہ تعالٰے سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں مرنے سے پہلے خواب غفلت سے بیدار فرمائے اور ہمیں روز و شب قرآن مجید پڑھنے کی محبت عطا فرمائے ۔

تفسیر سورہ کہف بروز سوموار ۲۳ رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ کو ختم ہوئی ۔

بفضلہ تعالٰے فقیر اویسی غفرلہ نے بروز جمعہ ۱۹ ذوالحج ۱۳۹۶ھ کو سورۂ کہف کے ترجمہ سے فراغت پائی ۔

فصلی اللہ تعالٰی علی حبیبہ الکریم وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ اجمعین۔



؎ :- فقیر کا تجربہ ہے کہ آیت ان الذین امنوا..الخ پڑھنے سے مطلوبہ وقت پر جاگ آجاتی ہے اور یہ تجربہ بھی ہے کہ سوتے وقت اپنے نام (ہمزاد) کو کہے کہ مجھے فلاں وقت بیدار کرنا۔ ان شاء اللہ تعالٰے اسی وقت آجائے گی ایک سیکنڈ کا فرق نہ ہوگا ۔

سُورۃ مریم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

كٓهٰيٰعٓصٓ ۝ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۝ۚ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ
الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝ وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ
وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۝ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ
وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۝ يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ اسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ
سَمِيًّا ۝ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ
عِتِيًّا ۝ قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ
شَيْئًا ۝ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۝ فَخَرَجَ عَلٰى
قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۝ يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ وَاٰتَيْنٰهُ
الْحُكْمَ صَبِيًّا ۝ۙ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ؕ وَكَانَ تَقِيًّا ۝ۙ وَّبَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ۝
وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ۝ ع

سورہ مریم مکیہ ہے اس کی اٹھانوے آیات اور چھ رکوع ہیں —

اللہ تعالےٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور بڑا رحم والا ہے۔

ترجمہ: یہ تیرے پروردگار کی رحمت کا ذکر ہے جو اس نے اپنے بندے زکریا علیہ السلام پر کی۔ جب

اس نے اپنے رب کو خفیہ طور پر پکارا۔ عرض کی کہ اے میرے پروردگار! بے شک میری ہڈیاں کمزور ہوگئیں اور سر نے بڑھاپے کا شعلہ مارا۔ اور اے میرے پروردگار تجھے پکار کر میں کبھی تجھ سے بے مراد نہیں رہا اور بے شک مجھے اپنے بعد اپنے رشتہ داروں کا ڈر ہے اور میری عورت بانجھ ہے تو مجھے اپنے پاس سے ایسا وارث عطا فرما دے جو میرا وارث بنے اور وہ آل یعقوب کی وراثت سنبھالے اور اے میرے پروردگار اسے پسندیدہ بنا۔ اے زکریا بے شک ہم تجھے ایک لڑکے کا مژدہ سناتے ہیں جس کا نام یحیٰی ہے اس سے پہلے ہم نے اس کا ہم نام نہیں بنایا۔ عرض کی اے میرے پروردگار میرے ہاں لڑکا کہاں سے ہوگا میری عورت بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ گیا ہوں فرمایا ایسا ہی ہے تیرے پروردگار نے فرمایا کہ وہ مجھے آسان ہے اور میں نے تجھے اس سے پہلے پیدا فرمایا جب تو کچھ بھی نہ تھا عرض کی اے میرے پروردگار میرے لیے کوئی علامت بنا۔ فرمایا تیرے لیے نشانی یہ ہے کہ تو بھلا چنگا ہو کر بھی تین شب و روز لوگوں سے گفتگو نہ کر سکے گا۔ تو عبادت گاہ سے اپنی قوم کے سامنے نکلے تو انھیں اشارہ سے فرمایا کہ صبح و شام تسبیح کرتے رہو۔ اے یحیٰی کتاب مضبوطی سے لے۔ اور ہم نے اسے بچپن سے ہی نبوت عطا فرمائی اور اسے اپنی طرف سے مہربانی اور ستھرائی (بخشی) اور وہ بڑا پرہیزگار تھا اور اپنے والدین کا خدمت گزار تھا اور وہ سرکش اور نافرمان نہ تھا۔ اور اس پر سلامتی ہے جس دن وہ پیدا ہوا اور جس دن مرے گا اور جس دن (مرنے کے بعد) زندہ کرکے اٹھایا جائے گا۔

تفسیر سورۂ مریم اٹھانوے (۹۸) آیات ہیں یہ مکیہ ہے سوائے آیت سجدہ کے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع وہ بڑا مہربان رحیم ہے

تفسیر عالمانہ کٓھٰیٰعٓصٓ ○ یہ سورت کا نام ہے اور محلاً مرفوع ہے کیونکہ وہ مبتداء محذوف کی خبر ہے دراصل ھذا کھیعص تھا، یہ وہ سورت ہے جس کا نام کھیعص ہے۔

سوال: ھذا کا اشارہ کہاں جب کہ وہ مذکور ہی نہیں؟

جواب: اگرچہ مذکور نہیں لیکن مذکور کے ہم مرتبہ ہے گویا وہ حاضر اور محسوس کے حکم میں ہے جیسے کہا جاتا ہے: ھذا ما اشتری فلان یہ وہ ہے جس نے فلاں سے خریدا۔ (کذا فی الارشاد)

تفسیر الشیخ میں ہے کہ یہ قسم ہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ نے قسم یاد فرمائی ہے یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک ہے۔ اس کی تائید میں بعض دعاؤں میں منقول ہے: یا کھیعص یا حمعسق، یہ ان حروف سے مرکب ہے جن کا ہر ایک حرف اللہ تعالیٰ

کی صفت پر دلالت کرتا ہے مثلاً کاف، کریم وکبیر پر اور ہا، الہادی سے اور یا، رحیم پر اور عین علیم وعظیم پر اور صاد صادق پر۔ یا اس کا معنٰے یہ ہے کہ وہ اپنی مخلوق کو کافی اور اپنے بندوں کا ہادی، اس کا ہاتھ تمام بندوں کے اوپر ہے۔ وہ اپنی تمام مخلوق کو جانتا ہے اور اپنے وعدہ کا سچا ہے۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ مواہب صوفیاں مواہب الٰہی سے نقل کرتے ہیں یہ وہ کتاب ہے وہ مواہب جو حضرت شیخ رکن الدین علاؤ الدولہ سمنانی قدس سرہٗ پر وارد ہوا اس میں مذکور ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی تین صورتیں ہیں:

(۱) بشری۔ کما قال تعالےٰ:

انما انا بشر مثلکم

(۲) ملکی۔ کما قال تعالےٰ:

لست کاحد ابیت عند ربی

(۳) حقی۔ کما قال تعالےٰ:

لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل

اسی لیے من رانی فقد رای الحق کا معنیٰ ظاہر ہوا۔ اللہ تعالےٰ نے آپ سے ان تین صورتوں میں علیحدہ علیحدہ طریقہ سے گفتگو فرمائی۔ صورت بشری میں کلمات مرکبہ سے جیسے قل ھو اللہ احد اور صورت ملکی کے مطابق حروف مفردہ سے، کما قال: کھیعص اسی طرح کے جملہ حروف مقطعات اور صورت حقی کے موافق کلام مبہم سے۔ کما قال: فاوحی الی عبدہ ما اوحی۔

؎

در تنگنائے حرف نگنجد بیان ذوق

زاں سوئے حرف و نقطہ حکایات دیگر ست

ترجمہ: ایسے مقام پہ بیان ذوق میں رسمی حروف کی گنجائش نہیں وہاں کی گفتگو کے لیے حروف و نقطے نرالے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں، سورۃ بقرہ میں لکھا ہے کہ الم اسی طرح تمام حروف مقطعات وہ مواضعات و معمہ جات ہیں جو محب و محبوب کے درمیان راز و نیاز کی باتیں ہیں جن پر سوائے ان کے اور کوئی مطلع نہیں ہوتا یہ حروف بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کے لیے اس لیے وضع فرمائے ہیں کہ وہاں نہ کسی ملک مقرب کو گنجائش ہے نہ کسی نبی مرسل کو۔ باوجودیکہ یہ حروف جبریل علیہ السلام لائے لیکن وہ بھی خود ان کے اسرار و رموز سے بے خبر تھے اور نہ ہی کوئی دوسرا ان پر مطلع ہو سکا۔

جبرئیل علیہ السلام بھی بے خبر تھے

تین علوم: اسئلۃ الحکم میں ہے کہ اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں تین علوم نازل فرمائے:

(۱) ایسا علم جس پر سوائے اللہ تعالٰے کے اور کوئی نہیں جانتا وہ ہے ذات حق کی کنہ اور اس کے اسماء وصفات کے حقائق کی معرفت اور اس کے خاص غیوب کے علوم کی تفاصیل انھیں سوائے اس کے اور کوئی نہیں جانتا۔

(۲) اسرار و رموز قرآن کہ ان پر سوائے اپنے نبی علیہ السلام کے اور کسی کو مطلع نہیں فرمایا اور ایسے علوم صرف نبی علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہیں اور ان میں سوائے حضور علیہ السلام کے اور کسی کو گفتگو کرنے کی اجازت نہیں[۱] سورتوں کے اوائل یعنے حروف مقطعات اسی قسم سے ہیں۔ بعض نے کہا اوّل قسم سے ہیں (اہل سنت کا ترجیحی قول اوّل ہے[۲] دوسرا قول ضعیف اور مرجوح ہے۔

(۳) ایسے علوم ہیں جنھیں اللہ تعالٰے نے اپنی کتاب میں امانت رکھے ہیں اور اپنے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم کو ان کی تعلیم دے کر حکم فرمایا ہے کہ یہ سب کی سب اپنی اُمت کو بتادیں۔ ان میں بعض امور جلی ہیں اور بعض خفی۔

تفسیر عالمانہ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكَرِيَّا ۝

ترکیب: ذکر اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے۔ عبدہ، رحمۃ کا مفعول ہے۔

زکریا علیہ السلام کا نسب نامہ زکریا بالمد والقصر ان کے والد کا نام آزر تھا۔ کاشفی نے لکھا ہے کہ رجیم بن سلیمان بن داؤد علیہم السلام کی اولاد میں سے تھے۔ بہت بڑے عالیشان پیغمبر اور بیت المقدس کے علماء کے سردار اور صاحب قربان تھے۔

ف: امام صاحب نے فرمایا کہ زکریا علیہ السلام ہارون وموسٰے علیہما السلام کے بھائی کی اولاد سے تھے اور وہ لاوی بن یعقوب بن اسحاق علیہم السلام کی اولاد سے تھے۔

یعنے یہ ذکر ہے تیرے رب کی اس رحمت کا جس نے اپنے بندے زکریا علیہ السلام پر کی۔

إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ نِدَاءً خَفِيًّا ۝ یہ رحمۃ ربك کی ظرف ہے یعنے جب کہ ندا اور پکار دی آہستہ سے اپنے کو بیت المقدس کی محراب میں یہ تقریب قربان کے بعد کا واقعہ ہے۔

نکتہ: حضرت زکریا علیہ السلام نے چند وجوہ سے آہستہ دعا مانگی:

(۱) اپنی دعا میں حسن ادب کو ملحوظ رکھا ورنہ اللہ تعالٰے کو جہر سے بھی معروضات پیش کر سکتے تھے دراصل آہستہ دعا مانگنے میں اخلاص زائد

---

[۱]: اسی لیے یہ اعتراض اٹھ گیا کہ جہاں بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے نفی فرمائی ہے وہ ذاتی علم کی ہے کہ یہ جو شخص یہ کہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کل کے واقعات جانتے ہیں۔ تو بے شک اس نے اللہ تعالٰے پر بہتان باندھا الخ ایک روایت میں ہے کہ جو سمجھے کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کل کے حوادثات نہ جانتے تھے تو بے شک وہ جھوٹا ہے (بخاری شریف جلد ۲ صہ۲، مسلم شریف جلد ۱ ص۹۸) دیوبندی وہابی کہتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ام المومنین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ما کان وما یکون یعنی علم کلی کی قائل نہ تھیں۔ (حالانکہ بی بی کا عقیدہ وہی تھا جو ہم اہلسنت کہتے ہیں یعنے علم کلی۔ (تفصیل فقیر کی تفسیر اویسی میں ہے)۔

ہوتا ہے اور ریا سے بھی بعید تر۔

(۲) اپنے رشتہ داروں کی ملامت سے بھی بچنا مطلوب تھا اس لیے کہ جب پوشیدہ طور پر دعا مانگی تو وہ ان کے راز سے مطلع نہ ہو سکے۔

(۳) عوام کی ملامت سے بھی احتراز ضروری تھا کہ وہ کہتے کہ یہ بزرگ اب بچہ مانگ رہے ہیں جب کہ بچے کی پیدائش کے اسباب بھی ان میں ختم ہیں اس لیے کہ آپ بڑھاپے کی آخری حد تک پہنچ چکے ہیں یعنے اس وقت آپ نوے سال کے تھے جیسا کہ کاشفی نے کہا ہے

سوال: فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ ضروری ہے کہ ندا جہر کے ساتھ ہو لیکن اس کے بعد خفیا کی قید کا کیا معنے؟

جواب ۱: پہلے آپ نے اللہ تعالٰے کو جہر سے پکارا پھر دعا کے الفاظ آہستگی سے کہے۔

جواب ۲: فقیر (حقی) کہتا ہے ضروری نہیں کہ ندا میں جہر ہو اس لیے کہ کبھی جہر ضعیف آوازوں سے بھی ہوگا جسے عربی میں الھمس کہا جاتا ہے اور فقہا نے بھی یہی کہا ہے کہ بعض آہستہ آوازیں ادنٰی جہر میں شمار ہوتی ہیں تفصیل تفسیر الفاتحہ الفقاری میں دیکھئے۔

نکتہ عجیبہ: صاحب روح البیان نے فرمایا کہ میرے خیال میں ایک اور وجہ گذری اور وہ بھی تفسیروں کے مطالعہ سے واضح ہوئی وہ یہ کہ خواص (اولیاء وانبیاء علیہم السلام) کے بعض خفی آوازیں ایسی ہوتی ہیں جن سے حفظہ (کراماً کاتبین) بھی بے خبر ہوتے ہیں اور پھر عوام کی تو بات ہی کیا جیسے ان حضرات کے ذکر خفی میں محققین کی تحقیق ہے ایسے ہی ان کی دعا کو سمجھئے اور ندا سے لغوی معنے مراد نہیں بلکہ اس سے ان کی توجہ اور خصوصیت سے اللہ تعالٰے کے ہاں الحاح و عجز مراد ہے جیسا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور مخصوص اولیاء عظام علی نبینا وعلیہم السلام کا طریقہ عالیہ ہے۔

قَالَ یہ جملہ مستانفہ ہے اور نداء کے بیان کے لیے ہے یعنے زکریا علیہ السلام نے عرض کی۔ رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ الوھن یعنے کمزور۔ اے میرے رب! میرے ہڈی کمزور ہوگئی۔ کمزوری کا ہڈی کی طرف اسناد مجازاً ہے اور وہ اس لیے کہ تمام بدن کا قوام ہڈی پر ہے جب اس پر کسی بیرونی حادثہ کا اثر پڑتا ہے تو بدن کے باقی اجزاء بھی کمزور پڑ جاتے ہیں۔

ف: قتادہ نے فرمایا کہ آپ نے دانت ٹوٹنے کی وجہ سے بارگاہِ حق میں عرض کیا۔ (کذا فی البغوی)

ف: العظم کو واحد کے لانے میں ہڈی کی تمام جنس مراد ہے گویا اس طرف اشارہ فرمایا کہ میرے جسم کی ہر ہڈی بڑھاپے کی وجہ سے کمزور پڑ گئی ہے اگر جمع کا صیغہ لاتے تو ممکن ہے اس سے بعض ہڈیاں مقصد میں داخل نہ ہوتیں۔

ترکیب: مِنّی کا متعلق محذوف اور وہ العظم سے حال ہے اس میں اجمال کے بعد تفصیل ہے۔ تاکہ مضمون زیادہ پختہ ہو جائے اگرچہ ہڈی کی کمزوری کی نسبت بھی زکریا علیہ السلام کی طرف تھی لیکن اس میں اجمال تھا پھر جب مِنّی فرمایا تو تفصیل سامنے آگئی۔

(وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ) اس کے بعد لفظ "مِنّی" محذوف ہے بوجہ پہلے مِنّی مذکور کے۔ "شَيْبًا" اور سر نے بڑھاپے کا شعلہ مارا یعنے سر کے تمام بال سفید ہوگئے۔ بڑھاپے کی سفیدی کو آگ کے شعلوں سے تشبیہ دی گئی ہے تاکہ مبالغہ کے ساتھ واضح ہو کہ ان کے تمام سر کے تمام بال سفید ہو گئے کوئی ایک بال بھی سیاہ نہ تھا اور شیبا کو تمیز لانے میں بھی یہی مقصود ہے۔ گویا اصل عبارت تھی:

اشتعل شیب راسی۔

اس اصل عبارت سے مجازی عبارت کا وہی مقام ہے جیسے اشتعل بیتہ نارا کہا جائے بجائے اشتعل النار فی بیتہ کے ۔

اسی طرح سے صرف مبالغہ مقصد ہوتا ہے ورنہ مطلب تو ہر دونوں کا ایک ہے ۔
حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

چو شیبت در آمد بروے شباب
شبت روز شد دیدہ بر کن ز خواب
من آن روز از خود بہ بدم امید
کہ افتادم اندر سیاہی سفید
چو دوراں عمر از چہل در گذشت
مزن دست و پا کآب از سر گذشت
دریغا کہ بگذشت عمر عزیز
بخواہد گذشت این دمے چندنیز

ترجمہ : (۱) جب بڑھاپا جوانی پر حملہ آور ہوا ۔ تیری رات ختم اور دن آگیا فلہذا نیند سے آنکھیں کھول ۔
(۲) میں نے اسی دن سے اپنے سے امید منقطع کی ہے جب سے میرے سیاہ بال سفید ہو گئے ۔
(۳) جب زندگانی کے چالیس سال گذرے اب ہاتھ پاؤں مارنا بے کار ہے اس لیے کہ پانی سر سے گذر گیا ۔
(۴) افسوس کہ عمر عزیز گذر گئی ، باقی چند لمحات بھی گذر جائیں گے ۔

وَلَمۡ اَكُنۡۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝ یعنے میں اتنا طویل العمر ہوجانے کے باوجود تجھ ہی سے دعا مانگنے سے کسی وقت بھی مایوس نہیں ہوا بلکہ جب بھی دعا مانگی تجھ ہی سے مانگی اور تیرے فضل و کرم سے میری وہ دعائیں مستجاب بھی ہوئیں ۔ اس دعا کی قبولیت کے لیے سابقہ مستجابہ دعاؤں کو وسیلہ بنا رہے ہیں جب کہ پہلے اپنے بڑھاپے کے اظہار سے رحمت و رافت کو جوش دلایا ۔ اب اظہار عجز کے بعد اپنے مقصد کے حصول کے لیے عرض کر دیا کہ جب میں پہلے تیری رحمت سے بے مراد نہیں رہا تو اب کیسے مراد کو نہ پا سکوں گا جب کہ اب بہت سخت مضطرب اور شدید حاجتمند ہوں ۔

حکایت مروی ہے کہ کسی محتاج نے کسی سے کہا کہ میں وہی ہوں جس پر آپ نے فلاں وقت احسان و کرم فرمایا تھا ۔ اس نے کہا کہ تیرے فہم کے شاباش کہ تو نے اپنے مقصد کے حصول کے لیے خود مجھے وسیلہ بنایا ۔ یہ کہہ کر اس کی استدعا پوری کر دی ۔

نکتہ : کسی کو پہلے انعام بخشا جائے پھر اسے رد کیا جائے تو انعام اول کی قدر نہیں رہتی گویا حضرت زکریا علیہ السلام عرض کر رہے ہیں کہ اے الٰہ العٰلمین جب مضبوط اور طاقت ور تھا تو تو میری ہر بات مان لیتا تھا اب کمزور اور ضعیف ہو چکا ہوں ، تو مجھے اپنے لطف و کرم سے ناامید

نہ فرمائیے۔ اگر لطف وکرم کے بعد اب نعمت بہ فی کے باوجود مجھے نا امید کرے گا تو غم والم سے میرا دل کمزور پڑ جائے گا اور یہ میری ہلاکت کا موجب ہوگا۔ یہاں پر سعقیسے مراد، بے مراد ہے مثلاً جب کوئی اپنی مراد میں کامیاب ہو تو اس کے لیے کہتے ہیں۔ ظفر بحاجتہ اس کے لیے کہتے ہیں جو اپنے مقصد میں ناکام ہو تو اس کے لیے کہتے ہیں۔ شقی بہا۔ (کذا فی تفسیر الامام)

ربط: اب بیان فرمایا کہ میں بیٹے کی طلب بھی صرف دین کے فائدے کے لیے کر رہا ہوں۔ کما قال:

وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ اور مجھے اپنی موت کے بعد اپنے رشتہ داروں کا خطرہ ہے اسی لیے میرا جانشین ضروری ہے۔

ف: اس کا متعلق محذوف ہے جیسا کہ کلام کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے اور وہ لفظ جور ہے۔ ای جور الموالی من ورای اور یہ خفت کے متعلق نہیں کیونکہ اس سے معنی بگڑتا ہے اور اس جملہ کا عطف وانی وھن العظم پر ہے اس سے ایک مضمون کو دوسرے مضمون پر مترتب کرنا مطلوب ہے یعنے ضعف و پیری کا خوف اپنے غلط جانشینوں کے خوف کی وجہ سے تھا اور موالی سے آپ کے چچیرے بھائی مراد ہیں کیونکہ وہ بنی اسرائیل میں شریر ترین لوگ تھے اسی آپ کو خطرہ محسوس ہوا تھا کہ وہ آپ کی موت کے بعد آپ کی جانشینی کا حق ادا نہیں کر سکیں گے بلکہ الٹا دین حق کو بدل دیں گے۔

لفظ مولیٰ کے معانی

قاموس میں لکھا ہے کہ لفظ مولیٰ عربی میں مندرجہ ذیل معانی میں مستعمل ہے:

۱۔ مالک	۲۔ عبد
۳۔ معتق، آزاد کرنے والا	۴۔ معتق، آزاد کردہ شدہ
۵۔ دوست۔ ساتھی	۶۔ قریبی رشتہ دار جیسے چچا زاد بھائی وغیرہ
۷۔ ہمسایہ	۸۔ حلیف
۹۔ بیٹا	۱۰۔ چچا
۱۱۔ مہمان	۱۲۔ شریک
۱۳۔ بھانجہ	۱۴۔ ولی، متولی
۱۵۔ رب	۱۶۔ ناصر
۱۷۔ منعم	۱۸۔ منعم علیہ
۱۹۔ محب	۲۰۔ تابع
۲۱۔ داماد[1]	

---

[1]: حاشیہ اگلے صفحہ نمبر ۱۰۷ پر

وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ: زکریا علیہ السلام کی زوجہ محترمہ کا نام ایشا بنت فاقوذ بن فیل یہ حنتہ بنت فاقوذ کی بہن تھیں اور طبری میں ہے کہ حنتہ بی بی مریم کی والدہ کا نام ہے اور ۔

قتیبی نے فرمایا ہے کہ زکریا علیہ السلام کی زوجہ محترمہ کا نام ایشاع بنت عمران تھا ۔ اس تحقیق سے یحییٰ علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام کے خالہ زاد ہوئے اور دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یحییٰ علیہ السلام بی بی مریم کے خالہ زاد ہیں اور حدیث اسرا میں ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

فلقیت ابنی الخالۃ یحییٰ وعیسیٰ علیہما السلام

میری ملاقات دو خالہ زاد بھائیوں یحییٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام سے ہوئی ۔

یہ حدیث پہلے قول کی تائید کرتی ہے ۔ (کذا قال الامام السہیلی فی کتاب التعریف والاعلام)

عَاقِرًا ۔ میری عورت تو جوانی سے تا حال بانجھ ہے ۔

ف : عاقر اس مرد اور عورت کو کہا جاتا ہے جو بچہ کی پیدائش کے اہل نہ ہوں ۔ کاشفی نے لکھا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کی زوجہ اٹھانوے سال کی تھیں ۔

فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ۔ یہ دونوں جار مجرور ھب کے متعلق ہیں چونکہ ان دونوں کے معانی مختلف ہیں، اسی لیے ان کا ایک متعلق جائز ہے اس لیے 'لام' صلہ کی اور 'من' ابتدار غایت کے لیے ہے اور لدن اصل میں ظرف ہے بمعنے اول غایتہ زماں یا مکاں یا ذوات میں سے کوئی اور اب مطلق جانب کے معنے میں ہے یعنے اسے اللہ تعالےٰ مجھے محض اپنے کرم وفضل سے عطا فرما دے اور صرف اپنی قدرت سے مجھے بیٹا بخش دے میرے متعلق اسباب عادیہ کو عمل میں نہ لا ۔ اس لیے کہ میں اور میری زوجہ بچے کی ولادت کے اہل نہیں رہے ۔

وَلِيًّا ۝ بچہ میری صلب سے جو میرے وصال کے بعد دین حق کے اجراء کے لیے میرا وارث ہو ۔

کما قال تعالےٰ :

يَّرِثُنِيْ یہ صفت ہے یعنے میرا [illegible] جو میرے علم ودین اور نبوت کا وارث بنے اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام مال کے وارث نہیں چھوڑتے[۱] چنانچہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

[۱] :- من کنت مولاہ فعلی مولاہ ... والی حدیث شریف شیعہ پیش کرتے ہیں ان سے پہلے یہ متعین کرایا جائے کہ ان اکیس معانی سے کون سا معنے مراد ہے ۱۲۰ ۔ مزید تحقیق فقیر کی کتاب "آئینہ شیعہ مذہب" میں ہے (اویسی)

[۱] : حاشیہ صفحہ نمبر ۱۰۸ پر ملاحظہ ہو ۔

نحن معاشر الانبیاء لا نورث ما ترکناہ صدقۃ[۱] ہم انبیاء علیہم السلام کسی کو مال کا وارث بنا کر نہیں چھوڑتے ہم جو مال و دولت چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتی ہے ۔

سوال: حضرت زکریا علیہ السلام اپنے وارث تو نہ چھوڑ سکے اس لیے کہ یحییٰ علیہ السلام زکریا علیہ السلام سے پہلے واصل باللہ ہوئے ۔

جواب: ہم اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی ہر دعا مستجاب[۲] ہے لیکن جو دعا اللہ تعالیٰ کی مشیت اور تقدیر و قضا کے منافی ہو تو اس سے انھیں حکمت ایزدی سے مطلع کر کے روک دیا جاتا ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام کی دعا اپنے (چچا) آزر کے لیے منظور نہ فرمائی اور حضور علیہ السلام نے فرمایا:

سالته ان لا یذیق بعضهم باس بعض فمنعتها[۱] میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ میری امت کے کسی (فرد) کو ایک دوسرے کے کشت و خون کی طاقت نہ دینا لیکن مجھے اس سے روکا گیا ۔

چونکہ زکریا علیہ السلام کی دوسری دعا قضاؤ قدر کے خلاف تھی اسی لیے دوسری دعا سے روک دیا گیا اور پہلی دعا پوری کر دی گئی ۔

وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۔ حضرت یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام مراد ہیں ۔ ورثہ و ورث مثلہ دونوں طرح مستعمل ہوتا ہے اور آل الرجل انسان کے وہ خاص لوگ جن کے امور اسی کی طرف راجع ہوتے ہوں بوجہ قرابت یا صحبت یا موافقت فی الدین کے[۳]

ف: کلبی اور مقاتل نے فرمایا کہ یعقوب بن ماثان مراد ہیں ۔ یہ عمران بن ماثان کے بھائی ہیں اور یہ عمران بن ماثان حضرت سلیمان علیہ السلام کی اولاد اور بی بی مریم کے والد تھے اس معنے پر آل یعقوب یحییٰ علیہ السلام کے ننھیالی رشتہ دار مراد ہوں گے ۔

(حاشیہ صفحہ گذشتہ)

[۱]: یہ آیت دلیل کے طور پر ہم شیعہ کو پیش کرتے ہیں کہ بی بی فاطمہؓ نے باغ فدک ورثہ کے طور پر مانگا تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جو جواب دیا وہ مبنی بر صواب تھا ۔ مزید تفصیل فقیر کے رسالہ "فدک" میں دیکھئے ۔ (اویسی)

(حاشیہ صفحہ ھٰذا)

[۱]: یہی روایت اصول کافی (کتاب شیعہ) میں بھی ہے ۔

[۲]: خلافاً للوہابیۃ والدیوبندیۃ تردید تشریح تفسیر اویسی میں دیکھئے ۔

[۳]: اس سے شیعہ کا مذہب کھوکھلا ہو جاتا ہے جو آل کے لفظ کو صرف ان حضرات سے مخصوص کرے جو عبداللہ بن سبا نے بتایا ۔ ورنہ لفظ آل کا دائرہ وسیع تر ہے ۔

ف : کسی نے کہا کہ بنو ماثان بنی اسرائیل کے رؤسا اور بادشاہ تھے اور زکریا علیہ السلام بنو اسرائیل کے علماء کے امام و پیشوا تھے جیسا کہ بنی اسرائیل کا قاعدہ چلا آرہا تھا۔ اسی لیے حضرت زکریا علیہ السلام نے چاہا کہ ان کی اولاد میں نبوت کا سلسلہ جاری رہے جیسے ان کے دوسرے رشتہ داروں میں سلسلہ ملوکیت جاری تھا۔

وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا — اے میرے رب! میرے بچے کو قولاً فعلاً اپنی بارگاہ میں پسندیدہ بنا۔

ف : جعل کے دو مفعولوں کے درمیان لفظ رب (بین کا لفظ کان کے اسم و خبر کے درمیان کی طرح) لانا جائز ہے تاکہ سلسلہ اجابت دعا جاری رہے نیز اس سے زکریا علیہ السلام اپنے عجز و انکسار کا اظہار بھی فرمانا چاہتے ہیں۔

دعا کے مستجاب ہونے کا ایک طریقہ جو چاہے کہ اس کی دعا مستجاب ہو تو اسے چاہیے کہ اپنی دعا سے پہلے اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات میں سے کسی اسم و صفت کو لا کر دعا کرے۔

ف : اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی دعا کا سالم یا اس کا کچھ حصہ ضرور قبول فرماتا ہے جیسے زکریا علیہ السلام کے لیے ہوا ہے۔

~

ہم ز اول تو دہی میل دعا
تو دہی آخر دعاہا را جزا
ترس و عشق تو کمند لطف ماست
زیر ھر یا رب تو لبیک ہاست

ترجمہ : دعا مانگنے کی محبت بھی تو ہی بخشتا ہے اور اس دعا کی جزا بھی تو عطا فرماتا ہے تیرا خوف و عشق ہماری گردنوں کا کمند ہے ہم یارب ایک بار کہیں تو اس کے بعد سینکڑوں لبیک جواب ملتے ہیں۔

دعا مانگنے کی فضیلت (حدیث شریف) جس کے لیے دعا کا دروازہ کھل گیا یعنی اسے دعا مانگنے کی توفیق ہوئی تو سمجھو اس کے لیے رحمت کے بے شمار دروازے کھل گئے۔[1]

نکتہ : دعا مانگنے میں ذلت و مسکینی کا اظہار مطلوب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں عجز و انکسار کے اظہار سے اور کوئی شے محبوب تر نہیں۔

حکایت بایزید سیدنا بایزید بسطامی قدس فرماتے ہیں : میں نے تیس سال عبادت و ریاضت میں بہت بڑی جد و جہد کی لیکن کوئی اثر نہ ہوا۔ ایک روز میں نے خواب میں دیکھا کہ مجھے کوئی کہنے والا فرما رہا ہے کہ اے بایزید عبادت سے اللہ تعالیٰ کے خزانے پُر ہیں اگر تم اس کا وصال چاہتے ہو تو اس کے سامنے عجز و نیاز

---

[1] : اس سے معلوم ہوا کہ جنازہ پڑھنے کے بعد دعا مانگنے کی صرف ہمیں توفیق ہوئی تو رحمت بھی فراواں نصیب ہوئی لیکن بدقسمتوں کے لیے دروازے بند ہیں کہ وہ صرف دعا نہیں مانگتے بلکہ مانگنے والے کو مجرم (بدعتی) سمجھتے ہیں۔ ۱۲ تحقیق فقیر کے رسالہ "دعا بعد نماز جنازہ" میں پڑھئے۔

زیادہ سے زیادہ کرو۔ آپ بوقت وفات مندرجہ شعر کہتے سنے گئے ؎

چار چیز آوردہ ام شاہا کہ در گنج تو نیست
نیستی و حاجت و عجز و نیاز آوردہ ام

ترجمہ: اے شاہِ کون و مکان! تیرے حضور میں چار ایسی چیزیں لایا ہوں جو تیرے خزانۂ کریمی میں نہیں۔ (۱) نیستی (۲) حاجت (۳) عجز (۴) نیاز، کا تحفہ، تیرے ہاں لے کر حاضر ہوا ہوں۔

روحانی نسخے: اہلِ معرفت فرماتے ہیں کہ بہترین ہتھیار دعا اور بہترین سواری وفا اور بہترین سفارشی آہ و بکا ہے۔ (کذا فی خالصۃ الحقائق)

ف: دعا دو قسم کی ہوتی ہے:

① دین کے لیے
② دنیا کے لیے

کاملین اور عارفین صرف دین کی دعا مانگتے ہیں جیسے زکریا علیہ السلام نے دعا مانگی کہ وہ بچہ عطا ہو جو میرے علم کا وارث ہو اور علم کا وارث دنیا کے وارث سے بہتر ہوتا ہے اس لیے کہ عالمِ دنیا کا نظام علم و عمل اور صلاح و تقویٰ اور عدل و انصاف پر چل رہا ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ انسان کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے قلبی شیشہ کو صاف و شفاف رکھے تاکہ اس میں اس کے کمالات کا ظہور ہو۔ دیکھئے اللہ تعالٰے نے جملہ عالم کو پیدا فرما کر اور جملہ عالمین کے ذرہ ذرہ کو اپنا مظہر بنایا لیکن ہر زمانہ میں انسان کو اپنے انوار کا مرکز اور اپنے اسرار کا مظہر مقرر فرمایا۔ اسی لیے ہم (اہلسنت) کہتے ہیں کہ جو وصالِ حق کا طالب ہے اسے لازم ہے کہ وہ کسی کامل درویش (ولی اللہ) کی خدمت میں حاضر ہو کر اس سے کوئی ایسا درد طلب کرے جس سے اس کا ذکر تا قیامت بلند رہے جیسے زکریا علیہ السلام نے یحییٰ علیہ السلام کی طلب میں غرض مذکور مدنظر رکھی۔ دینے والا اللہ ہے وہ ضرور اپنے محبوب ولی کامل کے کہنے پر عطا فرمائے گا وہی سب کو مدد دیتا اور توفیق بخشتا ہے۔ منزلِ مقصود تک پہنچنے تک کے اسباب بھی وہی عطا فرماتا ہے۔

تفسیر عالمانہ: یٰزَکَرِیَّآ۔ یہاں پر قال محذوف ہے یعنی ملائکہ کی زبان سے اللہ تعالٰے نے فرمایا۔

سوال: تم قال کو محذوف مان کر لسان ملائکہ کی قید کیوں لگاتے ہو؟

جواب: سورہ آلِ عمران میں ملائکہ کی تصریح موجود ہے۔ کما قال:

فنادتہ الملائکۃ و ھو قائم یصلی فی المحراب ان اللہ یبشرک بیحیی۔

اِنَّا نُبَشِّرُکَ۔ ہم آپ کو بشارت (خوشی) سناتے ہیں۔ البشارۃ بکسر الباء۔ اس خبر کو ظاہر کرنا جو مخبر (جسے خبر دی گئی ہے)

میں سرور و فرحت پیدا کردے۔ بِغُلٰمِ اِسْمُهٗ يَحْيٰى لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۝ سمیا بمعنے ہم نام یعنے ہم نے اس سے پہلے اس کا ہم نام (یعنے اس کے نام میں کسی کو شریک) نہیں بنایا یعنے یحیٰے نام والا تیرے بیٹے سے پہلے کوئی نہیں ہوا۔

ف : اس سے معلوم ہوا کہ اسمار کی عجیب و غریب ترکیب مسمّٰی کی عظمت پہ دلالت کرتی ہے۔ اسی لیے اہل عرب اس معاملہ میں جد وجہد کرتے ہیں کہ ان کے ابنا و ذریات میں جدت ہو۔

ف : زاد المیسر میں لکھا ہے کہ وجہ فضیلت یہ نہیں کہ یحیٰے نام والا پہلے کوئی نہ تھا اس لیے کہ ممکن ہے کہ اس نام والے پہلے کوئی اور گزرے ہوں جو جستجو کے بعد دستیاب ہو جائیں اگرچہ آج تک اس نام والا کوئی ہمیں معلوم نہیں بلکہ وجہ فضیلت اور ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالٰے نے یحیٰے علیہ السلام کا نام خود مقرر فرمایا یہ تجویز والدین کے سپرد نہیں فرمائی۔ اس کی دلیل حضرت ام المومنین بی بی زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح ہے کہ ان کا نکاح اللہ تعالٰے نے بلا واسطہ اپنے حبیب کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے کر دیا۔ کما قال :

فلما قضی زید منها وطرا زوجنا[1]

اسی لیے بی بی رضی اللہ تعالٰے عنہا فخراً فرمایا کرتی تھیں کہ مجھے دیگر ازواج مطہرات پر اللہ تعالٰے نے یہی شرف بخشا ہے کہ میرا نکاح اپنے حبیب علیہ السلام کے ساتھ خود بلا واسطہ کیا ہے۔

ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خصوصی فضیلت

امام ثعلبی نے فرمایا کہ پہلی کتابوں میں اللہ تعالٰے نے اعلان فرمایا کہ میرے محبوب محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم عنقریب تشریف لائیں گے۔ ان کے چند ایسے اسمار گرامی مخصوص ہوں گے کہ جنھیں اللہ تعالٰے اپنے اسمار سے مشتق فرمائے گا جیسا کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

سے

و شق له من اسمه ليجله
فذو العرش محمود وهذا محمدٌ

ترجمہ : اپنے نام انھیں مشتق فرمایا تاکہ اس کی بزرگی ظاہر ہو اسی لیے ذوالعرش محمود ہے تو یہ محمدؐ ہیں۔

کسی نے کیا خوب فرمایا ہے

اے خواجہ کہ عاقبت بکار امت است
محمود ازاں شدہ ست کہ نامت محمد است

ترجمہ : اے وہ سردار کہ جس کی امت کی عاقبت نیک اس لیے ہے کہ ان کے نبی علیہ السلام کا اسم گرامی محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہے۔

---

[1] : پارہ ۲۲، رکوع ۲۔

اسم یحییٰ کی تحقیق ظاہر تر یہ ہے کہ یحییٰ عجمی اسم ہے اگر وہ عربی ہو تو وہ فعل سے منقول ہے جیسے اسم یعمر و یعیش۔ انھیں یحییٰ اسی لیے موسوم کیا گیا کہ انھوں نے ماں کے رحم کو زندہ کیا یعنی باوجودیکہ وہ بانجھ تھیں لیکن اللہ تعالیٰ نے انھیں بچہ جننے کے قابل بنایا۔ یا اس لیے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کو زندہ کیا اپنی دعوت سے یا اس علم و حکمت سے جو انھیں بذریعہ وحی عطا ہوتے۔

ف : اس سے معلوم ہوا کہ جسے اللہ تعالیٰ اپنے نور علم سے نہ نوازے وہ مردہ ہے۔

یا انھیں یحییٰ کے اسم سے اس لیے موسوم کیا گیا کہ ان کی وجہ سے زکریا علیہ السلام کا نام روشن ہوا جیسے آدم علیہ السلام کا نام شیث علیہ السلام سے اور نوح علیہ السلام کا نام سام سے، اسی طرح دوسرے بعض انبیاء علیہم السلام۔ لیکن یہ صرف زکریا علیہ السلام کی خصوصیت ہے کہ انھیں ایسا صاحبزادہ عطا فرمایا کہ جن کا وہ نام تھا جو ان کی صفت کے مطابق تھا بخلاف بعض دوسرے انبیاء علیہم السلام کے کہ ان کے صاحبزادوں نے اگرچہ ان کا نام بلند کیا لیکن ان کے اسماء اس صفت سے موصوف نہیں۔ یہ صرف حضرت زکریا علیہ السلام کی خصوصیت تھی یہ بھی صرف اسی دعا کے اثر سے کہ جو انھوں نے عرض کی کہ :

فہب لی من لدنک ولیاً

یہ نوازش بھی انھیں اسی لیے ہوئی کہ بیٹے کی طلب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا نام لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طلب کے موافق وہ صاحبزادہ عطا فرمایا جو ان کے ذکر کی بلندی کا سبب بنا۔ کذا قال الشیخ الاکبر قدس سرہٗ۔

اعجوبہ : الامام السہیلی نے کتاب التعریف و اعلام میں لکھا ہے کہ پہلی کتابوں میں ان کا نام حی تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ مطہرہ کا نام یسارہ تھا عربی میں اس کا ترجمہ ہے لا تلد یعنی بچہ نہیں جنے گی۔ جب بی بی صاحبہ سے اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان کا نام سارہ رکھا گیا اور یہ نام حضرت جبریل علیہ السلام نے تجویز فرمایا جب بی بی صاحبہ نے اپنے نام میں ایک لفظ کی کمی پائی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے عرض کیا کہ میرے نام میں ایک حرف کیوں کم کر دیا گیا ہے آپ نے فرمایا کہ آپ کے نام میں یہ کمی جبریل علیہ السلام نے کی ہے۔ انھوں نے عرض کی کہ ایسا تو نہ ہونا چاہیئے۔ جبریل علیہ السلام نے فرمایا گھبرایئے نہیں آپ کی اولاد میں ایک بچہ ہونے والا ہے، آپ کا وہی حرف انھیں دیا گیا ہے۔ اسی بنا پر حیٰ کے بعد ان کا نام یحییٰ ہوا۔ (کذا ذکرہ النقاش)

قَالَ : یہ جملہ مستانفہ سوال مقدر کا جواب ہے گویا کسی نے پوچھا کہ پھر زکریا علیہ السلام نے کیا کہا تو جواب ملا کہ انھوں نے کہا کہ رَبِّ۔

سوال : حضرت زکریا علیہ السلام کو خوشخبری تو ملائکہ نے سنائی جیسا کہ تم پہلے کہہ چکے ہو لیکن اب وہ ملائکہ سے کہنے کے بجائے اللہ تعالیٰ سے براہ راست کیوں عرض کرتے ہیں ؟

جواب (۱) : تضرع و زاری و انکسار کا اظہار مطلوب ہے اور بتانا چاہتے ہیں کہ مجھے غرض صرف تیری ذات سے ہے۔

جواب (۲) : عوامی وہم کو بھی دور کرنا چاہتے ہیں کہ ہمارا علم ملائکہ کا محتاج نہیں نہ ہی ہم ان کے محتاج ہیں وہ تو محض سفیر ہیں ورنہ ہمارا تعلق

توبراہ راست اللہ تعالٰی سے ہے ۔

اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ ۔ اے میرے رب! میرے ہاں بچہ کہاں اور ہم سے بچہ کس طرح پیدا ہوگا ۔ وَّکَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا ۔ حالانکہ میری عورت تو بانجھ ہے وہ تو شباب میں بھی بچہ نہ جن سکی ۔ حالانکہ اس وقت میری جوانی تھی اب وہ بھی بوڑھی ہو چکی ہے ۔ وَقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْکِبَرِ عِتِیًّا ○ اور میں بھی بڑھاپے سے سوکھ جانے کی حالت کو پہنچ چکا ہوں ۔

حل لغات: عتی سوکھی ہوئی لکڑی کی طرح خشک اور سوکھا ہوا ۔ یہ "عتا العود" سے ہے بمعنے لکڑی سوکھ گئی اور کہا جاتا ہے "عتا الشیخ" یہ اس وقت بولتے ہیں جب انسان بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ چکا ہو ۔

سوال: زکریا علیہ السلام سے تعجب کا ہونا خود تعجب خیز ہے ۔

جواب: انھوں نے تعجب کر کے اپنے قادر حقیقی کی قدرت کاملہ کا اعتراف کیا ہے کہ باوجود ہمارے اندر تمام اسباب عادیہ منتفی ہیں لیکن میرے قادر قدیر کی قدرت پر قربان کہ اس نے اسباب کے بغیر ہی ہمیں بچہ عطا فرمایا ہے ۔

سوال: طلب کے باوجود پھر تعجب کیوں ؟

جواب (۱): تعجب اس معنے سے ہوا کہ بچہ عطا تو ہوگا لیکن اب معاملہ کیسے ہوگا یا تو ہمیں نوجوان بنا کر بچہ جننے کی صلاحیت دینے کے بعد ہو گا یا ہم ایسے ہی بوڑھے رہیں اور بچہ پیدا ہوگا جیسا کہ "رب لا تذرنی فردا وانت خیر الوارثین فاستجنا لہ ووھبنا لہ یحیٰی واصلحنا لہ زوجتہ" سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں بچہ جننے کی صلاحیت لوٹائی گئی پھر ان سے صاحبزادہ پیدا ہوا ۔

جواب (۲): الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ انھوں نے اس سے ارادہ فرمایا کہ نامعلوم مجھے اسی بیوی سے بچہ پیدا ہوگا یا کسی اور عورت کے ساتھ نکاح کرنے کا حکم ہوگا یا کسی لونڈی سے پیدا ہوگا ۔

قَالَ ۔ زکریا علیہ السلام سے اس فرشتے نے کہا جو ان کے ہاں صاحبزادے کی بشارت سنانے کے لیے تشریف لاتے تھے کَذٰلِکَ ۔ معاملہ ایسے ہی ہے جیسے آپ فرما رہے ہیں کہ بڑھاپے سے بچے پیدا نہیں ہوتے لیکن قَالَ رَبُّکَ ھُوَ عَلَیَّ ھَیِّنٌ ۔ آپ کے رب تعالٰی نے فرمایا کہ باوجودیکہ واقعتاً بڑھاپے میں بچے پیدا نہیں ہوتے مگر میرے لیے یہ کام آسان ہے کہ میں آپ کو قوتِ جماع بخشوں اور آپ کی عورت میں نطفہ ٹھہرنے کی قوت پیدا فرماؤں ۔ (کذا فی تفسیر الجلالین والکاشفی)

ف: الارشاد میں ہے کہ کذلک کا کاف مثلک کے کاف کی طرح زائد ہے لیکن اس سے جدا نہیں ہوتا اور محلاً منصوب ہے اور وہ قال ثانی کے لیے مصدر تشبیہی ہے اور اس کا اشارہ مصدر کی طرف ہے یعنے وعدۂ سابق کی طرف اشارہ ہے نہ کہ کسی اور قول کی طرف جو اس کے مشابہ ہے ۔ ھو علی ھین وعدۂ مذکور کی تقریر کرتا ہے اور وعدہ کے پورے ہونے پر دلالت کرتا ہے ۔ قال

(حاشیہ صفحہ گذشتہ)

لہ: جیسے آج کل بھی بعض وہمی کہہ دیتے ہیں کہ حضور علیہ السلام اور دوسرے انبیاء علیہم السلام تو جبریل علیہ السلام کے بتانے کے محتاج تھے ۔ (معاذ اللہ)

اول کی خبر میں ہے گویا یوں کہا گیا کہ اللہ تعالٰے نے اسی عجیب قول کی مثل فرمایا کہ میں نے وہ وعدہ جو خارقاً للعادۃ کہا گیا وہ میرے لیے آسان ہے اگرچہ عادۃً محال ہے۔

ف : کذالک کو محلاً مرفوع مبتدا محذوف کی خبر بھی بنانا جائز ہے اور یہ اشارہ وعدہ سابقہ کی طرف ہو گا یعنی اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ میں نے جو تمھارے لیے وعدہ کیا ہے وہ ضرور ہو گا۔ قال ربک جملہ مستانفہ ہو گا وہ جملہ سابقہ کی تقریر کے لیے ہو گا۔

وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ اور میں نے تمہیں یحییٰ کی پیدائش سے پہلے پیدا فرمایا۔ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا اس وقت تم کچھ بھی نہ تھے بلکہ عدم محض تھے۔ اس کے بعد یحییٰ کو دو بشروں سے پیدا کرنا تو کوئی مشکل نہیں۔ اس میں تخلیق آدم علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ اسے نمونہ کے طور پر بیان کرنا گویا ان کی جمیع اولاد کی تخلیق ایسے ہے۔

ف : امام صاحب نے فرمایا کہ وقد خلقتک الخ سے وجہ استدلال یہ ہے کہ عدم محض سے اس نے ذات وصفات پیدا فرمائے اور بوڑھوں سے بچے کو پیدا کرنے سے صرف صفات کی تبدیلی کرنی پڑے گی پھر جو قادر ذات وصفات کی تخلیق پہ قدرت رکھتا ہے۔ اس کا تبدیل صفات پہ قدرت رکھنا بطریق اولیٰ ہے۔

ف : بحر العلوم میں ہے کہ شیٔ کا اطلاق ہمارے نزدیک جملہ موجودات پر ہوتا ہے اسی طرح بالعکس یعنے جملہ موجودات کو شے کہا جاتے گا۔ قاعدہ یہ ہے کہ شے کی نفی سے عدم ہو گا اس سے نتیجہ نکلا کہ معدوم کوئی شے نہیں۔

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً یہ امر ابداعی ہے یعنے تخلیق کے معنے میں ہے بعض نے کہا کہ جعل بمعنے تعیر ہے یعنے ہمارے لیے بچے کے پیٹ میں پہنچ جانے کی کوئی علامت بتا دیجئے تاکہ اس سے میں تیرے دیئے ہوئے انعام کا شکر کر سکوں۔

ف : جب انھیں بچے کے لیے مژدہ سنایا گیا تو انھوں نے بھی یہی سوال کیا۔

چنانچہ مروی ہے کہ حضرت یحییٰ حضرت عیسٰے علیہما السلام سے چھ ماہ یا تین سال بڑے تھے اس کی وجہ ظاہر ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے بی بی مریم کے طفولیت کے زمانہ میں بچہ کی دعا مانگی۔ چنانچہ اللہ تعالٰے نے فرمایا :

ھنالک دعا زکریا ربہ

اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ عیسٰے علیہ السلام جب پیدا ہوئے تھے تو اس وقت بی بی مریم کی عمر دس یا تیرہ سال تھی۔ (کذا فی الارشاد والاستلہ المقحمہ)

قَالَ اللہ تعالٰے نے فرمایا۔ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ۔ تیری علامت یہ ہے کہ تم لوگوں سے بات نہ کر سکو گے لیکن اس کے باوجود ذکر و تسبیح پہ قدرت حاصل ہو گی۔

سوال : تم نے ذکر و تسبیح کی قدرت کہاں سے سمجھی ؟

جواب : الناس کی قید بتاتی ہے کہ وہ ذکر الٰہی پر قدرت رکھتے تھے لیکن لوگوں سے بات نہ کر سکتے تھے۔

ثَلٰثَ لَيَالٍ۔ تین راتیں اور تین دن۔ اگرچہ اس آیت میں دن کا ذکر نہیں لیکن سورہ آل عمران میں تصریح کی گئی ہے۔ سَوِيًّا

یہ تکلم سے حال ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ زکریا علیہ السلام کا نہ بولنا اضطراراً نہیں تھا یعنے لوگوں سے ان پہلے کلام نہ کرتے تھے کہ ان کے کسی عضو کو کوئی تکلیف تھی بلکہ تمام اعضا صحیح سالم تھے لیکن حکم ربانی کے تحت کلام نہ کرتے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی زبان پر کنٹرول کر دیا گیا کہ بات کرتے تو زبان کام نہ کرتی۔

ف: مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ حکم سُن کر جب، زکریا علیہ السلام، گھر واپس لوٹے تو رات کو بی بی صاحبہ سے جماع کیا تو اسی رات حضرت یحییٰ علیہ السلام والدہ کے شکم اطہر میں تشریف لائے۔

فَخَرَجَ۔ جب بی بی صاحبہ حاملہ ہوئیں تو اسی صبح کو باہر تشریف لائے۔ عَلٰی قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ۔ اپنی قوم کے ہاں، اپنی عبادت گاہ یا حجرے سے۔ اور آپ کے نام لیوا حجرے کے باہر آپ کے حجرے کے کھلنے کے منتظر کھڑے تھے تاکہ حجرے کا دروازہ کھلتے ہی آپ کے ساتھ نماز پڑھیں۔ جب آپ حجرے سے اچانک باہر تشریف لائے تو آپ کا چہرہ متغیر تھا اور بالکل خاموش تھے۔ لوگ آپ کی یہ حالت دیکھ کر گھبرائے فَاَوْحٰۤی اِلَیْهِمْ تو آپ نے انھیں سر کے اشارے سے فرمایا جیسے لفظ الا رمزاً سے معلوم ہوتا ہے۔ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِیًّا ۝ ان مفسرہ فاوحی تفسیرہ کے لیے ہے یا مصدریہ ہے۔ اب معنے یہ ہوا کہ نماز پڑھو صبح اور شام۔ بکرۃ سے طلوع فجر سے ضحیٰ تک اور عشیا سے زوال شمس سے تا غروب کا وقت مراد ہے۔ یہ دونوں تسبیح کے ظرف زمان ہیں۔

ف: ابو العالیہ سے نماز فجر وعصر مراد ہیں۔ یا سبحوا یعنے دن کے دونوں طرفوں میں اللہ تعالیٰ کی تنزیہ بیان کرو اور کہو، سبحان اللّٰہ حضرت زکریا علیہ السلام کو شکر کے طور پر اللہ تعالیٰ کی تسبیح کے مامور تھے یہی حکم آپ نے اپنی قوم کو اشارۃً فرمایا۔ (کذا فی الارشاد)

ف: فقیر (حقی) کہتا ہے کہ یہی صحیح ہے اس لیے کہ تسبیح کا معنے یہاں پر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تنزیہ وتقدیس بیان کی جائے کہ وہ عاجز نہیں کہ وہ بوڑھوں سے بچہ پیدا فرمائے، اگرچہ بظاہر ایسا ہونا مشکل ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید نہیں۔ اس لیے کہ وہ ہر شے پہ قادر ہے۔ اذکار میں وارد ہے کہ لکل اعجوبۃ سبحان اللّٰہ یعنے ہر اعجوبہ کے وقت سبحان اللہ کہنا چاہیے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ آیات میں مندرجہ ذیل اشارات ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے زکریا علیہ السلام کو نام لے کر بلایا یہ بھی منجملہ اس کرامت وشرافت کے ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عنایت فرماتا ہے۔

(۲) آپ کے صاحبزادے کا یحییٰ نام رکھا ایسا نام پہلے کسی کا نہیں تھا نہ صورۃً نہ معنےً، صورۃً تو ظاہر ہے اور معنےً یوں تھا کہ یحییٰ علیہ السلام کو کوئی بیماری بھی نہیں تھی لیکن کبھی کسی وقت شہوت نہ ہوتی اور نہ ہی کبھی کسی گناہ کا ارادہ کیا بلکہ آپ کے دل میں کبھی اس قسم کا خیال تک بھی نہ گذرا ایسے ہی حضور علیہ السلام سے یحییٰ علیہ السلام کے حالات مذکور ہوئے۔

(۳) لم نجعل لہ سمیا سے معلوم ہوا کہ تخلیق سے پہلے ہر ایک کا نام اللہ تعالیٰ خود نامزد فرماتا ہے اور ہر ایک کا نام

اللہ تعالٰے کے الہام سے رکھا جاتا ہے جیسے حضور علیہ السلام کا اسم گرامی حضرت عیسٰے علیہ السلام کو الہام کے ذریعے معلوم ہوا۔ کما قال :

ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد۔

④ قال رب انی یکون لی غلام میں اشارہ ہے کہ کبھی والدین میں بچہ نہ جلنے کے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں، مثلاً بانجھ ہونا اور بڑھاپا۔ اور اللہ تعالٰے کا قانون ہے کہ ایک شے کو دوسری شے پیدا فرماتا ہے۔ کما قال :

وما خلق الله من شیء

اور یہ اس کی قدرت ہے کہ شے کو لاشے سے پیدا فرمائے۔ اسی لیے زکریا علیہ السلام نے عرض کیا :

انی یکون لی غلام

یعنے مجھے بچہ عطا ہوگا، اسی طریقہ معروفہ سے یا قدرت کاملہ سے اللہ تعالٰے نے اس کا جواب عطا فرمایا :

قال کذالک۔

ہر دونوں سے خالی نہ ہوگا یعنے اس میں قدرت کاملہ کا کرشمہ بھی ہوگا اور قانون معروف کا اظہار بھی۔

⑤ قال ربک ھو علی ھین، میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالٰے کے ہاں ہر دونوں آسان ہیں اللہ تعالٰے چاہے تو تمہارے اندر حصول ولد کے اسباب پیدا کرے، مثلاً تمھیں جماع کی قدرت عطا کرے اور تمہاری زوجہ کی رحم کے اندر نطفہ ٹھہرنے کی طاقت بخشے۔ یہ قانون معروف ہے اور جاری رہے گا اور اگر چاہے تو اپنی قدرتِ کاملہ سے تمھیں عدم سے پیدا کرے جیسے تمھیں پہلے پیدا کیا حالانکہ اس وقت تم عدم محض تھے یعنے تمہاری روح تمہارے جسم سے پہلے پیدا فرمائی جب کہ اس وقت کوئی شے نہ تھی اور اللہ تعالٰے نے کُن کہہ کر تمہاری ارواح پیدا فرمائی۔ اسی لیے فرمایا :

قل الروح من امر ربی۔ اور یہ روح وہی پہلی مقدر رہے جس کے ساتھ اللہ تعالٰے کی قدرت متعلق ہوئی۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

آب از جوشش ہمی گردد ہوا

وان ہوا گردد ز سردی آب ہا

بلکہ بے اسباب بیرون زین حکم

آب رویانید تکوین از عدم

تو ز طفلی چوں سبب ہا دیدۂ

در سبب از جہل بر چفسیدۂ

ترجمہ: پانی اس کے حکم سے ہوا ہو جاتا ہے اور ہوا سردی کے غلبہ سے پانی بن جاتی ہے۔

(۲) اسباب کے بغیر اس کے حکم سے پانی پیدا ہوا جب امر تکوین نے عدم پانی کی تخلیق فرمائی۔
(۳) اگر تو نے بچپن (بیوقوفی) سے سبب کو دیکھا تو جہل کے جال میں پھنسا رہے گا۔

یٰیَحْیٰی: یہاں بھی ایک عبارت محذوف ہے۔ دراصل یوں تھا: ووھبنا لہ یحیی وقلنا یا یحیی یعنے ہم نے زکریا علیہ السلام کو بچہ عطا کر کے کہا اے یحیٰی (علیہ السلام)

ف: حضرت زکریا علیہ السلام تین روز تو خاموشی سے ذکر الٰہی کرتے رہے۔ تین یوم کے بعد حسب دستور لوگوں سے گفتگو کرنی شروع کی اور یحییٰ علیہ السلام ماں کے پیٹ میں مدت حمل کے مطابق پیدا ہوئے اور بچپن میں موٹے کپڑے پہننے کے عادی تھے اور بیت المقدس کے علماء سے نشست و برخاست شروع کر دی اور عبادت با ریاضت و مجاہدہ میں لگ گئے یہاں تک کہ وہ وقت آن پہنچا کہ منجانب اللہ وحی نصیب ہوئی اور فرمان ہوا:

خذ الکتاب، تورات لیجئے۔ بقوۃ، قوت کے ساتھ یعنے جد وجہد کیجئے اور توفیق ایزدی اور تائید خداوندی پر بھروسہ کیجئے۔ (کذا قال الکاشفی)

ف: تفسیر جلالین میں ہے کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ میں نے آپ کو تورات عطا کی اور اس کے حفظ اور اس پر عمل کرنے کی توفیق بخشی۔

عارف جامی قدس سرہ کی تصریح حضرت مولانا جامی قدس سرہ السامی نے فصوص الحکم کی شرح میں لکھا ہے کہ اگر زکریا علیہ السلام اور ان کی زوجہ محترمہ کو غیبی امداد نہ ہوتی یعنے انھیں اسباب خارجیہ کے بغیر تائید ایزدی نہ ہوتی تو ان کی زوجہ نہ بچہ جننے کے قابل ہوتی اور نہ اس میں حمل ٹھہرتا وہی غیبی امداد حضرت زکریا اور ان کی زوجہ کو نصیب ہوتی تو ان سے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی طرف منتقل ہوئی۔ اسی لیے انھیں اللہ تعالٰی نے فرمایا:

یا یحیٰی خذ الکتاب بقوۃ۔

معتزلہ کا رد الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ اس میں معتزلہ کا رد ہو گیا کہ وہ اسم و مسمّٰی کا غیر مانتے ہیں اور ہم عین اس آیت سے ہماری تائید ہے کہ پہلے اللہ تعالٰی نے فرمایا: اسمہ یحیٰی۔ اس کے بعد اسی یحییٰ کو خطاب فرمایا کہ یا یحیی خذ الکتاب بقوۃ۔

وَاٰتَیْنٰہُ الْحُکْمَ۔ اور ہم نے انھیں حکم عطا فرمایا۔ درآں حالیکہ وہ صَبِیًّا بچے تھے۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حکم سے نبوت مراد ہے۔ اس لیے کہ انھیں تین یا سات سال کی عمر میں نبوت عطا ہوئی۔

نکتہ: نبوت کو حکم سے تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ ان کی بچپن سے ہی عقل پختہ اور مضبوط تھی۔ اسی لیے اللہ تعالٰی نے انھیں بچپن میں وحی سے نوازا۔

ف: بعض کے نزدیک حکم سے حکمت اور فہم تورات اور فقہ فی الدین مراد ہے۔ دراصل حکم یعنے المنع ہے اسی معنے پر حاکم کو حاکم کہا

جاتا ہے کہ وہ ظالم کو ظلم سے روکتا ہے اور حکمت انسان کو بے وقوفی سے روکتی ہے۔

حکایت: بچوں نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو کھیل کود کے لیے بلایا تو آپ نے جواب دیا کہ ہم کھیل کود اور تماشہ کے لیے نہیں پیدا ہوتے۔

سبق: کاشفی نے لکھا ہے کہ اس میں ان لوگوں کو عبرت حاصل چاہیئے جو زندگی بھر کھیل تماشہ میں وقت ضائع کرتے ہیں اور دنیا کے دام تزویر میں پھنسے رہتے ہیں ؎

عمر ببازیچہ بسر میبری
پاے باندازہ بدر مے بری
بہ کہ زبازی جہان پا کشی!
طفل نۂ چند ببازی خوشی

ترجمہ: زندگی کھیل تماشہ میں ضائع کر رہا ہے اپنے اندازہ سے باہر پاؤں پھیلا رہا ہے۔ تاکہ کھیل تماشہ میں زندگی ضائع کرتا رہے گا۔ تم بچے تو نہیں کہ کھیل تماشہ سے خوش ہو۔

اولیائے امتِ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی شان

فقیر (حقی) کہتا ہے کہ حضور سرورعالم صلے اللہ علیہ وسلم کی امت میں بھی ایسے حضرات گذرے ہیں جنھیں بچپن میں حضرت یحییٰ کی طرح کشف والہام ربانی نصیب ہوا۔ ان میں حضرت سہل بن عبداللہ تستری قدس سرہٗ ہیں جن کی سلوک کی تمام منزلیں تین سال سے سات سال تک مکمل ہوگئیں۔ میں نے یہ ارشاد گرامی اپنے شیخ پیرومرشد قدس سرہ سے سنا۔

([اسی طرح اعلیٰحضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سرہٗ کا حال تھا جیسا کہ ان کے حالات شاہد ہیں۔[1] ان کے علاوہ اور بھی متعدد مشائخ کے حالات اس طرح ملتے ہیں۔])

ف: یہ ایسے حضرات کو نصیب ہوتا ہے جن کے قلوب پر معمولی حجابات ہوں تو پھر معمولی سی توجہ سے وہ حجابات دور ہو جاتے ہیں اور بہت سے کثیف الحجاب لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے لیے مجاہدات شاقہ اور ریاضات شدیدہ کی ضرورت ہوتی ہے ان کے حجابات عرصہ کے بعد دور ہوتے ہیں۔

ف: کامل کی روح بدن سے بہت جلد متعلق ہو جاتی ہے اسی لیے وہ مادہ روحانی والدین کی طرف جلد پہنچتا ہے جس سے احسن وصف سے اور اعدل زمان میں نطفہ ٹھہرتا ہے اور احسن وصف اور اعدل زمان میں ولادت ہوتی ہے۔ اسی بنا پر وہ بچہ احکام الٰہی کی ادائیگی میں چوکس ہوتا ہے۔

اے اللہ تعالےٰ ہم سے حجابات ظلمانیہ و نورانیہ دور فرما کر ہمیں ان لوگوں سے بنا جن کے قلوب پر انوار ربانیہ مکشوف ہوتے ہیں (آمین)

---

[1] حیات اعلحضرت جلد اول وغیرہ ۱۲۔ (اولیسی غفرلہ)

وَحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا: اس کا الحکم پر عطف ہے اور اس کی تنوین تفخیم کے لیے ہے۔ حنان بمعنے تحسّن واشتیاق مثلاً کہا جاتا ہے:

"حن ای ارتاح واشتاق"

پھر عطوفت ورأفت کے معنے میں مستعمل ہونے لگا یعنے ہم نے یحییٰ علیہ السلام کو بہت بڑی رحمت وشفقت عنایت فرمائی یا یہ معنے ہے کہ ہم نے ان کے دل میں رحمت اور والدین وغیرہا کے لیے شفقت پیدا فرمائی۔

وَزَكٰوةً ط یعنے طہارۃ من الذنوب، یعنے انہیں گناہوں سے پاکدامنی بخشی۔

ف: حضرت امام نے فرمایا کہ انھیں ایسی شفقت نصیب ہوئی کہ ان کو ادائیگی وجوب میں خلل اندازی سے بچاتی تھی۔ اس لیے کہ بعض اوقات شفقت انسان کو ادائیگی وجوب سے روک لیتی ہے۔ کما قال تعالےٰ:

ولا تاخذکم بھا رافۃ فی دین اللّٰہ

اب معنے یہ ہوا کہ ہم نے انھیں والدین وغیرہا پر شفقت ورحمت کرنے کے ساتھ ایسی طبیعت بخشی جس سے وہ ادائیگی وجوب میں کسی قسم کی کمی نہیں کرتے۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ زکوٰۃ سے صدقہ مراد ہے یعنے ہم نے ان کے والدین کو یحییٰ علیہ السلام بصورت صدقہ وعطیہ کے بخشا یا ہم نے یحییٰ علیہ السلام کو لوگوں پر خیر وخیرات دینے کی توفیق بخشی۔

وَكَانَ تَقِيًّا ○ اور تھے وہ پرہیزگار یعنے مطیع اور معاصی سے اجتناب کرنے والے، انھوں نے کبھی بھی کسی گناہ کا ارتکاب نہ کیا اور نہ ہی کسی گناہ کا ارادہ فرمایا۔

وَّبَرًّا بِوَالِدَيْهِ اور اپنے والدین کے بے حد خدمت گذار اور ان کے سامنے تواضع اور انکسار سے پیش ہونے والے اور ہر طرح کی خدمت بجالانے والے۔ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ○ اور نہ تھے اپنے والدین اور رب تعالےٰ کے بے فرمان۔

ف: بحر العلوم میں ہے کہ الجبار بمعنے المتکبر۔

بعض نے کہا کہ جبار ہر وہ انسان ہے جو لوگوں کو بے دردی سے مارے اور غیظ وغضب سے لوگوں کو قتل کر دے اور اپنے انجام پر نگاہ نہ رکھے۔ بعض نے کہا جبار وہ انسان ہے جو متکبرانہ انداز میں اللہ تعالےٰ کے احکام سے روگردانی کرے۔

وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ۔ اللہ تعالےٰ کی طرف سے سلامتی اور امان ہو۔ یحییٰ علیہ السلام پر۔ یہ عبارت دراصل وسلمنا علیہ فی ھذہ الاحوال یعنے ہم نے یحییٰ علیہ السلام پر ان احوال میں سلام بھیجے اس لیے کہ انسان کے یہی حالات زیادہ وحشت ناک ہوتے ہیں۔ پھر جملہ فعلیہ کو جملہ اسمیہ کی طرف منتقل کیا گیا ہے تاکہ سلام کے استقرار وثبات پر دلالت ہو۔ اسی لیے وحشت کی دوری

لے: سورہ نور، رکوع ۱ - ۱۲

صرف سلام کے ثبات ودوام سے ہوسکتی ہے اور بس۔ يَوْمَ وُلِدَ۔ اس وقت کہ وہ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے مطلب یہ ہے کہ بچے کو پیدائش کے وقت شیطان ڈراتا ہے لیکن ہم نے سلامتی اور امان نازل فرماکر یحییٰ علیہ السلام کو محفوظ فرما لیا۔ وَيَوْمَ يَمُوْتُ۔ اور اس وقت جب کہ وہ طبعی موت سے واصل باللہ ہوں گے یہ وقت بھی اور اس کے بعد قبر کے اوقات وحشتناک ہوتے ہیں لیکن ہم نے یحییٰ علیہ السلام کو امن وسلامتی سے نوازا۔ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ۝ اور اس وقت جب کہ قیامت میں زندہ ہوکر اٹھیں گے تو انہیں قیامت اور عذاب نار سے سلامتی اور امن بخشیں گے۔

فائدہ صوفیانہ: آیت میں ام الطبیعۃ اور موت سے فنا اور بعث سے بقا، بعد الفناء کی طرف اشارہ ہے یعنے جب انسان مقتضیات طبعیہ سے ذات حق میں فنا پاتا ہے تو اسے مقام بقا نصیب ہوتا ہے۔

نکتہ: ولادت، موت، قبر سے محشر کے لیے اٹھنے کے مواقع اس لیے وحشت ناک ہیں کہ انسان جب پیدا ہوتا ہے تو اسے دنیا کا عالم ایک اجنبی ملک محسوس ہوتا ہے، اسی لیے پیدا ہوتے ہی دھاڑیں مارتا ہے، اور جب مرے گا تو قبر میں ایسے لوگوں سے ملاقات ہوتی ہے جو دنیوی زندگی سے غیر مانوس ہوں گے اور محشر میں اٹھے گا تو اپنے آپ کو ایسے علاقہ میں پائے گا جسے اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ لیکن یحییٰ علیہ السلام کو ان وحشت ناک مقامات سے امان اور سلامتی بخشی گئی۔

تفسیر صوفیانہ زکریا سے روح انسانی اور اس کی زوجہ سے انسانی جسم مراد ہے اس لیے کہ جسم روح کی زوجہ ہے اور یحییٰ سے قلب کی طرف اشارہ ہے۔ اب اس کا معنٰے یہ ہے کہ جب روح نے جسم میں عرصہ دراز تک وقت گذارا تو ناممکن سمجھا کہ اسے کوئی ایسا قلب نصیب ہو جو فیض الوہیت بلاواسطہ حاصل کرنے کی استعداد رکھے۔ اسی لیے اس کریم نے اعلان فرمایا:

لا یسعنی ارضی ولا سمائی ولکن یسعنی قلب عبدی المومن۔ — میں نہ زمین میں سماتا ہوں نہ آسمان میں لیکن میں مومن بندے کے قلب میں سماتا ہوں۔

اور اس سے وہ فیض ازلی مراد ہے جو حیوانات کو بھی نصیب نہ ہوا اور نہ ہی ملائکہ کرام کو۔

حضرت عارف جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

ملائک را چہ سود از حسن طاعت
چو فیض عشق بر آدم فرو ریخت

ترجمہ: ملائکہ کو حسن طاعت کی لذت کی کیا خبر جب کہ عشق کے فیض کی دولت حضرت آدم علیہ السلام کو نصیب ہوئی۔

ف: جب روح کو موصوف بوصف مذکور قلب کی بشارت نصیب ہوئی تو اس نے مزید انکشاف چاہا کہ میری زوجہ یعنے جسم تو بانجھ (مردہ) ہوچکا ہے اب وہ اس قلب زندہ کو کیسے اپنے میں محفوظ رکھ سکے گا جو نور الٰہی سے منور ہو تو اللہ تعالٰے نے فرمایا:

وایتك الا تكلم الناس — اور اس کی علامت یہ ہے کہ تم نہ غیروں سے کلام کرو اور ماسوٰے اللہ کی طرف توجہ نہ رکھو۔

ثلث لیال، میں تین مراتب کی طرف اشارہ ہے ،

① جمادات

② حیوانات

③ روحانیات

جب بندہ اللہ تعالٰے کے قرب کے حصول کے لیے ماسوی اللہ سے توجہ ہٹاتا ہے تو اسے وہ قلب نصیب ہوتا ہے جو نور الٰہی سے منور ہوتا ہے جسے آیت میں لفظ غلام سے تعبیر کیا گیا ہے ۔

فخرج علی قومہ یعنے روح جب اپنے خواہشات کے مرکز سے نکلا تو اپنی قوم یعنے صفات نفس و قلب اور انانیت سے فرمایا کہ سبحوا بکرۃ و عشیا، یعنے رات و دن صرف اللہ تعالٰے کی طرف توجہ رکھو اور غیروں سے دھیان بالکل ہٹالو۔ بکرۃ سے ازل اور عشی سے ابد مراد ہے یعنے ہمیشہ کے لیے جب ایسے خوش قسمت انسان کو یحیٰے یعنے نورانی قلب نصیب ہوا تو اللہ تعالٰے نے اسے فرمایا ، خذ الکتاب ، یعنے قوت انسانی بلکہ قوت ربانیہ سے فیض الٰہی کی کتاب کو لے لے ۔ قوت انسانی کی نفی اس لیے کی گئی کہ انسان تخلیقاً ضعیف ہے ۔ بلکہ اسے تو کوئی قوت ذاتی ہے ہی نہیں کہ بہت بڑی قوت و طاقت کا مالک صرف اللہ تعالٰے ہے اور وہی ہر ایک قوت اور رزق وغیرہ عطا کرنے والا ہے اسی وجہ سے وہ قلب نورانی صاحب علم و حکمت و رحمت اور طاہر عن المیلان عن ماسوی اللہ اور متقی ہوتا ہے ۔

وبرا بوالدیہ ولم یکن جبارا عصیا اور وہ قلب نورانی نفس امارہ کی طرح نہیں بلکہ وہ باپ روح اور اپنی ماں جسم کے ساتھ احسان کنندہ ہے اور ان کے ساتھ رعونت اور سرکشی کے ساتھ پیش نہیں ہوتا ۔ باپ یعنے روح سے احسان مندی کا معنے یہ ہے کہ اسے فیض الٰہی کے نور سے نورانی بناتا ہے اور فیض الٰہی کے نور کا مرکز بھی روح ہے اس لیے کہ فیض الٰہی کے نور کو صرف روح قبول کرتا ہے ۔

سوال : روح نے فیض الٰہی کے نور کو قلب کے واسطہ کے بغیر کیوں نہ قبول کیا ؟

جواب : جواب چونکہ روح لطیف ہے اسی لیے وہ نور فیض الٰہی کو اپنے میں روکنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا قلب نے آکر نور فیض الٰہی کو اپنے میں جگہ دی اس میں چونکہ صفائی بھی ہے اور کثافت بھی ۔ اسی لیے نور فیض الٰہی اس میں روکا گیا اس لیے کہ قلب نے صفائی سے نور کو قبول کیا تو کثافت سے اسے روکا ۔ اس کے واسطے سے پھر وہی نور روح کو حاصل ہوا ۔ اسے یوں سمجھئے کہ سورج کا نور ہوا پر بھی پڑتا ہے لیکن ہوا اپنی لطافت کی وجہ سے اپنے میں اس نور کو روک نہ سکی لیکن وہی نور آئینہ میں روکا گیا اس لیے کہ شیشہ میں لطافت تھی تو نور کو قبول کیا اس کے بعد اپنی کثافت سے اس نور کو محفوظ کر لیتا ہے ایسے ہی قلب کا معاملہ ہے ۔

بارِ امانت کا راز : امانت ایزدی جسے اللہ تعالٰے نے کل کائنات کو پیش کیا تو سب نے انکار کیا لیکن انسان نے اسے اٹھا لیا تو اس

(بقیہ صفحہ نمبر ۲۳ پر)

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۙ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۪
فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ○ قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ○
قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ○ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ
بَغِيًّا ○ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا
فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ○ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ
قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ○ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ○ وَ
هُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ○ فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ
الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ○ فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا
تَحْمِلُهٗ ۭ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا ○ يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا
كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ○ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ۭ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ○ قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ۣ
اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ○ وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ۠ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ
حَيًّا ○ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَتِيْ ۡ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ○ وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ
اُبْعَثُ حَيًّا ○ ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ○ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ
مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ
هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ○ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ
عَظِيْمٍ ○ اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ وَ
اَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ ۘ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ
الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ○

ترجمہ: اور کتاب میں مریم کو یاد کیجئے جب اپنے گھر والوں سے مشرقی مکان میں الگ چلی گئی اور ان کی طرف ایک پردہ بنا لیا تو اس کی طرف ہم نے اپنا روحانی (جبریل) بھیجا تو وہ اس کے ہاں تندرست آدمی کی شکل میں ظاہر ہوا۔ کہا میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ چاہتی ہوں اگر تو پرہیزگار ہے۔ کہا بے شک میں تیرے رب کا قاصد ہوں تاکہ میں تجھے ایک پاکیزہ لڑکا عطا کروں۔ کہا مجھے لڑکا کیونکر ہوگا مجھے تو کسی آدمی نے ہاتھ نہیں لگایا اور نہ میں بدکارہ ہوں۔ کہا ایسا ہو گا تیرے پروردگار نے فرمایا ہے کہ یہ مجھ پر آسان ہے اور اس لیے کہ ہم اسے لوگوں کے لیے نشانی بنائیں اور اپنی طرف سے رحمت اور یہ امر فیصلہ شدہ ہے۔ پس مریم حاملہ ہوئیں اور اسے لے کر ایک دور جگہ میں چلی گئی پھر اسے دردِ زہ کھجور کے تنے کی طرف لے آیا۔ کہنے لگی کاش! میں اس سے پہلے مر جاتی اور بھولی بھلائی

ہوئی تو اسے اس کے نیچے سے پکارا کہ غم مت کھا بے شک تیرے پروردگار نے تیرے نیچے ایک چشمہ بہادیا ہے۔ اور کھجور کی جڑ پکڑ کر اپنی طرف ہلائیے، تجھ پر تازی پکی کھجور گرائے گی تو کھا اور پی اور آنکھ ٹھنڈی رکھ۔ پھر اگر تو کسی آدمی کو دیکھے تو اسے کہنا کہ میں نے آج رحمٰن کے لیے روزے کی منت مانی ہے تو آج میں ہرگز کسی انسان سے نہیں بولوں گی۔ تو اسے گود میں لے کر اپنی قوم کے پاس آئی۔ کہنے لگے اے مریم! تو نے غضب کر دیا، اے ہارون کی بہن! نہ تیرا باپ بُرا تھا اور نہ تیری ماں بدکار تھی۔ سو مریم نے اپنے بچے کی طرف اشارہ کیا۔ کہنے لگے ہم اس سے کیسے بات کریں جو گہوارہ میں بچہ ہے۔ بچے نے کہا میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی اور مجھے نبی (غیبی خبریں دینے والا) کیا اور مجھے برکت والا کیا میں کہیں بھی ہوں اور مجھے نماز و زکوٰۃ کی تاکید فرمائی جب تک زندہ رہوں۔ اور اپنی ماں سے اچھا برتاؤ کرنے والا اور مجھے سرکش اور بدبخت نہ کیا۔ اور مجھ پر سلام جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں اور جس دن زندہ اٹھایا جاؤں۔ یہ ہے عیسٰی مریم کا بیٹا۔ سچی بات جس میں یہ شک کرتے ہیں۔ اللہ کے لائق نہیں کہ وہ کسی کو اپنی اولاد مقرر کرے۔ اسی لیے پاکی ہے۔ وہ جب کسی کام کا حکم فرماتا ہے تو یوں اس سے کہتا ہے، ہو جا۔ وہ فوراً ہو جاتا ہے (عیسٰی علیہ السلام نے کہا کہ) بے شک اللہ میرا اور تمہارا رب ہے تو اس کی عبادت کرو، یہ راستہ سیدھا ہے۔ پھر جماعتیں آپس میں مختلف ہوگئیں تو کافروں کے لیے ایک بڑے دن کی حاضری سے خرابی ہے۔ کتنا سنیں گے اور کتنا دیکھیں گے جس دن ہمارے ہاں حاضر ہوں گے مگر آج ظالمین کھلی گمراہی میں ہیں اور انھیں حسرت کے دن سے ڈراؤ جب فیصلہ ہو جائے گا۔ اور وہ غفلت میں ہیں اور ایمان نہیں لاتے۔ بیشک زمین اور جو کچھ اس میں ہے سب کے مالک ہم ہوں گے اور وہ تمام ہماری طرف لوٹائے جائیں گے۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۱۲۱)

کار راز اسی میں مضمر تھا اور قلب کی ماں یعنے جسم سے احسان مندی کا معنے یہ ہے کہ اسے اوامر شرع پر لگایا اور اسے نواہی سے بچایا تاکہ احکام الٰہی کی تعمیل سے قبر کے عذاب سے بچ کر بہشت کا استحقاق ہو۔

حکایت ایک ولی کامل کا ذکر ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں بنی اسرائیل کے جنگل میں تھا کہ ایک بزرگ میرے ساتھ اسی جنگل میں چل رہے تھے میں ان سے متعجب ہوا تو میرے دل میں الہام ہوا کہ یہ حضرت خضر علیہ السلام ہیں میں نے انھیں قسم دے کر عرض کی کہ بتایئے، آپ کون ہیں؟ انھوں نے فرمایا کہ میں تیرا بھائی خضر ہوں۔ پھر ان سے میں نے عرض کی کہ اگر اجازت ہو تو میں آپ سے ایک سوال پوچھوں، انھوں نے فرمایا پوچھو۔ میں نے عرض کی کہ بتایئے مجھے آپ سے زیادہ شرف کیوں نصیب ہوا۔ انھوں نے فرمایا کہ صرف اس لیے کہ تم اپنی والدہ کے فرمانبردار اور ان کی خدمت کرتے رہو۔ (کذا فی المقاصد الحسنہ)

سبق: عاقل وہ ہے جو مطلقاً اپنے والدین کا احسان ہو وہ جسمانی والدین ہوں یا روحانی اس لیے کہ احسان مند انسان کو بہشت

میں پہنچاتی ہے اور دارکرامت نصیب ہوتی ہے اور شدائد سے امن وسلامتی حاصل ہوتی ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ ۔اور اے حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کتاب میں یاد کیجئے کتاب سے قرآن مجید یا سورۃ کریمہ مراد ہے اس لیے کہ سورۃ بھی قرآن مجید کا ایک حصہ ہے۔ اسی لیے اس پر بھی لفظ کتاب کا اطلاق جائز ہے۔

مَرْيَمَ ۔ یہاں لفظ خبر مضاف محذوف ہے یعنے مریم بنت عمران کا قصہ اور اس کی خبر۔

سوال : مضاف محذوف ماننے کا کیا فائدہ؟

جواب : چونکہ ذکر کا تعلق اعیان سے نہیں ہوتا بنا بریں مضاف محذوف مان کر ذکر کو اعیان کے تعلق سے بچایا گیا ہے اور مریم بمعنے عابدہ۔

نکتہ اور ردِ نصاریٰ قرآن مجید میں سوائے بی بی مریم کے اور کسی عورت کا نام نہیں اس میں ایک عجیب نکتہ ہے وہ یہ کہ نصاریٰ نے گندا عقیدہ پھیلا رکھا تھا کہ عیسےٰ علیہ السلام خدا کا بیٹا اور بی بی مریم اس کی جورو (معاذ اللہ) اور ساتھ یہ بھی انھیں یقین تھا کہ اللہ تعالےٰ احکم الحاکمین ہے اور اہل عرب میں قاعدہ تھا کہ بڑے بادشاہ و امراء اپنی تصانیف و دیگر کتب و رسائل و خطوط میں اپنی عورتوں کا نام لینا گوارہ نہیں کرتے اور نہ ہی خود ان کا کہیں ذکر کرتے۔ البتہ کنیزوں کے نام لیتے رہتے تھے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ نے جابجا بی بی مریم کا نام لیا تاکہ نصاریٰ کے گندے عقیدے کا رد ہو جائے اور انھیں معلوم ہو کہ اگر بی بی مریم خدا تعالےٰ کی جورو (معاذ اللہ) ہوتی تو اس کا نام قرآن مجید میں نہ لیتے اور اس کے بار بار نام لینے سے انھیں یقین ہو جانا چاہیئے کہ نہ بی بی صاحبہ خدا تعالےٰ کی جورو ہے نہ عیسےٰ علیہ السلام خدا تعالےٰ کے بیٹے اور وہ دونوں اس کے پاکباز بندے ہیں۔ اسی طرح بی بی صاحبہ کی پاکدامنی اور ان کی طہارت کے ذکر سے یہودیوں کی تردید کی گئی ہے جب کہ وہ بی بی صاحبہ پر بہت بُرے اور بڑے گندے الزام و بہتان تراشتے تھے۔ (کذا فی التعریف والاعلام للامام السہیلی قدس سرہٗ)

نکتہ (۲) اسئلۃ الحکم میں ہے کہ صرف بی بی مریم کا نام، قرآن مجید میں مذکور ہونے میں اشارہ ہے کہ اگرچہ وہ بی بی عورت تھی لیکن اس کے نیک اعمال کئی مردوں سے بڑھ کر ہیں اسی لیے وہ اس لائق ہے کہ اس کا نام قرآن مجید میں مردوں کی طرح مذکور ہو جیسے موسےٰ، عیسےٰ، ابراہیم اور اسماعیل علیہم السلام کے اسماء مذکور ہیں ایسے وہ بھی اور جیسے انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالےٰ نے خطاب سے نوازا اس کو بھی۔ کما قال تعالےٰ :

یا مریم اقنتی واسجدی وارکعی مع الراکعین[1]

---

[1] : سورہ آل عمران

انہی کو الف کو دیکھ کر بعض لوگوں نے بی بی مریم کی نبوت کا قول کیا۔

اِذِ انْتَبَذَتْ۔ اذ افعل انتباذ کا ظرف ہے اور انتباذ، ینذ سے ہے بمعنے طرح۔ از باب افتعال۔ مِنْ اَهْلِهَا۔ اس سے ان کی اپنی قوم مراد ہے۔ یہ انتبذت کے متعلق ہے۔ مَكَانًا شَرْقِيًّا ○ چونکہ انتباذ میں اتیان کے معنے کو متضمن ہے اس لیے کہ مکانا شرقیا اس کا مفعول لہ ہے اب معنے یہ ہوا کہ بی بی مریم اپنی قوم سے مشرق کی جانب ایک جگہ الگ گئی۔ اس وجہ سے نصاریٰ مشرق کی سمت کو اپنا قبلہ بناتے ہیں اس کے برعکس یہود مغرب کی جانب کو۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ تورات کا حصول اور میقات پہاڑ کی غربی جانب سے ہوا۔

کما قال تعالیٰ :

وما كنت بجانب الغربي اذ قضينا الى موسى الامر ؕ

مطلب یہ ہے کہ بی بی مریم اپنی برادری سے بہت دور چلی گئیں اور بیت المقدس کے شرقی جانب بی بی ایشاع یعنے اپنی خالہ زوجہ زکریا علیہ السلام کے گھر میں چلی گئیں۔

ف : بی بی مریم صاحبہ کی عبادت گاہ بیت المقدس کے اندر تھیں لیکن جب ایام ماہواری شروع ہوتے تو اپنی خالہ کے گھر جو مسجد کے قریب تھا، چلی جاتیں، فراغت کے بعد مسجد میں واپس تشریف لاتیں لیکن ایک دن سردی میں انھیں غسل کرنا پڑا تو سردی کی وجہ سے دھوپ میں نہانے کے لیے گھر کی جانب ایک اوٹ (حجاب) میں نہانے لگیں۔

فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا۔ تو اپنے گھر والوں کے مکان کی جانب سے ایک پردہ لے لیا۔ (کذا قال الکاشفی)

ف : حجاب سے وہ آڑ مراد ہے جو کسی کو چھپالے اور اسے کوئی نہ دیکھ سکے۔

غسل سے جب فارغ ہوئیں اور کپڑے پہن کر غسل خانہ سے باہر آنے کا ارادہ کیا تو آپ کے سامنے ایک فرشتہ انسانی شکل میں تشریف لایا جو بالکل نوجوان بے ریش حسین چہرہ اور گھنگرالے بالوں والا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا پس ہم نے اس کی طرف اپنا روحانی بھیجا۔ اس سے حضرت جبریل علیہ السلام مراد ہیں۔ اس لیے کہ وہ روحانی ہیں اور انھیں ان کی لطافت کی وجہ سے روح کہا جاتا ہے یا اس لیے کہ ان کی وجہ سے دین زندہ ہوتا ہے۔

ف : بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام اپنی حقیقت مجردہ کی وجہ سے حقیقتہً اور باعتبار صورت مثالی کے مجازاً روح ہیں۔

قاعدہ برائے اہل سنت ارواح مجردہ کی خصوصیت ہے اور وہ ان کی ذاتی صفات سے ہے کہ وہ عین حیات ہیں اور ان کی شان ہے کہ مثالی صورتوں میں متمثل ہوں اسی لیے کہ وہ بحالت تمثل جس شے کو بھی مس کرتے

ہیں تو وہ شے زندگی پالیتی ہے اور انہی کی وجہ سے ان میں حیات سرایت کر جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس وقت سامری نے جبرائیل علیہ السلام کی گھوڑی کے پاؤں کے نیچے کی مٹی سے مٹھی بھر کر بچھڑے میں ڈالی باوجودیکہ وہ سونے چاندی کے زیورات سے تیار شدہ تھا لیکن مٹی پھونکنے سے وہ آواز دینے لگا اس لیے کہ اس میں جبریل علیہ السلام کے تاثرات سرایت کر گئے تھے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ انھیں روح محبت سے کہا گیا ہے جیسے تم اپنے محبوب سے کہتے ہو:

انت روحی (تو میری روح ہے)

فَتَمَثَّلَ لَهَا، تو جبرئیل علیہ السلام بی بی مریم کے لیے متمثل ہوتے یعنے ہم شکل ہو گئے۔ یہاں پر تمثل بمعنے تشبیہ یعنے ہم شکل ہونا ہے اسی لیے **بَشَرًا**، اس کا مفعول بہ ہے۔ **سَوِيًّا** ۞ مکمل انسان کہ اس میں آدمیت کے تمام اوصاف پائے گئے۔ کسی وصف کی بھی ان میں کمی نہیں تھی۔

ف: جبرئیل علیہ السلام بشری لباس میں اس لیے تشریف لاتے تاکہ بی بی مریم ان سے مانوس ہو کر ہمکلام ہو سکیں اور وہ حکم جو اللہ تعالےٰ سے لاتے اسے پورے طور پر حاصل کر سکیں۔ ورنہ اگر وہ ملکی صورت میں آتے تو بی بی مریم ان سے نفرت کر کے ان سے کلام الٰہی نہ سن سکتیں۔ علاوہ ازیں وہ بی بی مریم کے اندر حضرت عیسٰے علیہ السلام کی روح پھونکنے آئے تھے۔ اسی لیے بشری لباس میں آئے تاکہ عیسٰے علیہ السلام بشری صورت میں دنیا میں تشریف لا سکیں۔ اگر وہ ملکی صورت میں تشریف لاتے تو حضرت عیسٰے علیہ السلام روحانیین سے ہوتے (اور حکمت ایزدی پوری نہ ہو سکتی)۔

فائدہ طیبہ: اس سے معلوم ہوا کہ عورت کے ساتھ جماع کرنا اس وقت نہایت مفید ہوتا ہے جب حیض سے پاک ہو کر غسل کر لے۔ اس طرح سے بچہ جسمانی طور پر کامل، اکمل پیدا ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ روح سے کلمۃ اللہ کا نور مراد ہے وہ کلمۃ اللہ جسے کن سے تعبیر کیا جاتا ہے اور کلمۃ اللہ کو نور سے اس لیے تعبیر کیا جاتا ہے کہ اس کے سبب سے مردہ دل زندہ ہوتے ہیں۔ کما قال:

او من کان میتا فاحیناہ ، کیا وہ مردہ نہیں تھا جسے ہم نے زندہ کیا۔

اور کبھی روح کو نور سے تعبیر کیا جاتا ہے اور کبھی نور کو روح سے۔ کما قال:

وکذلک اوحینا الیک روحا من امرنا۔ اور اسی طرح ہم نے اپنا نور اپنی جانب سے آپ کے ہاں بھیجا۔

اب معنٰے یہ ہوا کہ ہم نے بی بی مریم کے پاس کلمہ کُن کا نور بھیجا تو وہ ایک تندرست آدمی کی شکل میں آیا جیسے ہمارے ہاں نورِ توحید کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی صورت میں آیا ہے اور عیسٰے علیہ السلام کلمہ 'کُن' کے نور ہیں۔ اس کی دلیل اللہ تعالےٰ کا یہ ارشاد ہے:

لہ:- یہی حکمت ہم نبی علیہ السلام کی تشریف آوری کے لیے بیان کرتے ہیں۔ ۱۲

وکلمتہ القاھا الی مریم و روح منہ — وہ کلمہ جو اللہ تعالیٰ نے بی بی مریم کو عنایت فرمایا اور روح یعنے اپنے دیدار کا نور ۔

جب وہ نور بی بی مریم کے ہاں بشری لباس میں آیا تو اسے اجنبی سمجھ کر پہچان نہ سکیں، اسی لیے اس سے پناہ مانگی ۔

تفسیر عالمانہ قَالَتْ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ ۔ بی بی مریم بولی کہ اسے نوجوان! میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں ۔

ف : صفت رحمانیہ لانے میں مبالغہ مطلوب ہے تاکہ مکمل طور پر پناہ حاصل ہو ۔ یعنے خصوصی رحمت کے طلب گار ہوئیں تاکہ جس سے خوفزدہ ہوئی ہیں اس سے مکمل طور پر عصمت نصیب ہو ۔

ف : کشاف میں لکھا ہے کہ یہ بی بی صاحبہ کے کمال پرہیزگاری کی دلیل ہے کہ باوجود حسین وجمیل صورت کو دیکھنے کے اس سے مانگ پناہ رہی ہیں ۔

اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ۝ اگر تم خدا تعالیٰ کا خوف دل میں رکھتے ہو اور تمھیں رب تعالیٰ کی پناہ کی کچھ قدر ہے ۔ شرط کا جواب محذوف ہے اس لیے کہ سیاق کلام سے جواب خود بخود بن جاتا ہے اور وہ جواب " فانی عائذۃ بہ "، میں اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتی ہوں ۔

ف : کاشفی نے لکھا ہے کہ بی بی صاحبہ نے کہا کہ اگر تم متقی اور پرہیزگار ہو تو میں تجھ سے پرہیز کرتی ہوں اور تجھے اللہ تعالیٰ کی پناہ کا واسطہ دیتی ہوں تاکہ تم میرے قریب نہ پھٹکو ۔

ف : شیخ نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ بی بی صاحبہ نے یہ اس لیے فرمایا کہ پرہیزگار کو خدا کا اور فاسق کو حکومت کا اور منافق کو لوگوں کا ڈر ہوتا ہے ۔

ف : تاویلات نجمیہ میں لکھا ہے کہ بی بی صاحبہ نے فرمایا کہ اگر تم متقی ہو تو میں تمھیں خدا کی پناہ کا واسطہ دیتی ہوں، اگر تم فاسق ہو تو تمھیں رحمٰن کا کیا پتہ ؟ پھر میں لوگوں سے ڈراتی ہوں ۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے بی بی صاحبہ کی بات سن کر کہا :

قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۔ فرمایا کہ میں وہ نہیں جس سے تمھیں خطرہ ہے اور تم اللہ تعالیٰ کی پناہ کا واسطہ دے رہی ہو میں تو تیرے رب تعالیٰ کا بھیجا ہوا ہوں ۔ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا ۔ تاکہ میں تمھیں ایک بیٹا دوں ۔ بایں طور کے تیرے دامن میں پھونک کر ۔ زَكِيًّا ۝ ستھرا بیٹا پیدا ہونے کا سبب بنوں ۔ زکیاً بمعنے گناہوں اور ظلمت نفسانیہ انسانیہ کی خرابیوں سے پاک ۔

قَالَتْ ۔ ظاہری اسباب نہ ہونے سے متعجب ہو کر فرمایا کہ بی بی صاحبہ کو قدرت ایزدی سے بعید ہونے سے نہیں بلکہ اسباب عادیہ کے فقدان کی وجہ سے تعجب ہوا ۔ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ ۔ مجھے ستھرا بیٹا کیسے ؟ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ اور مجھے تو کسی آدمی نے آج تک ہاتھ نہیں لگایا یعنے میرے ساتھ کسی نے نکاح ہی نہیں کیا ۔ اس سے حلال وطی کی طرف

اشارہ فرمایا یہاں پر بی بی نے زنا مراد نہیں لیا۔ اس لیے کہ آپ کی پاک دامنی کا اظہار تو پہلے ہو گیا اور وہ ایسے خبیث فعل سے نفرت کا اظہار پہلے فرما چکی تھیں اور بتا دیا تھا کہ یہ کام فاجروں کا ہے یا ممکن ہے کہ زنا بھی مراد ہو۔

ف: بشرؑ کی قید اس لیے لگائی کہ وہ اسباب ولادت سے بالکل منزہ ہیں۔

وَّلَمۡ اَكُ بَغِيًّا ○ بغیا بروزن فعولا بمعنے فاعل دراصل بغویا تھا یعنے حالانکہ میں زنا کار بھی نہیں ہوں۔

سوال: بغیۃ مؤنث کا صیغہ لانا تھا، مذکر کا کیوں؟

جواب: شیخ نے اپنی تفسیر میں فرمایا ہے کہ یہ لفظ حائض کی طرح مؤنث کے لیے مستعمل ہوتا ہے یعنے وہ عورت جو زنا کے لیے مردوں کی تلاش میں رہے، بمعنے زنا کار اور فسق و فجور کی طالبہ۔ اس سے بی بی صاحبہ نے مطلقاً وطی کی نفی کی ہے۔ اس لیے کہ بچے کی پیدائش یا نکاح حلال سے ہوتی ہے یا حرام فعل سے۔ اور نکاح حلال کی نفی پہلے فرمائی کہ مجھے کسی آدمی نے چھوا تک نہیں، اور حرام کی نفی میں فرمایا کہ میں زنا کار نہیں۔ جب یہ دونوں فعل مجھ میں نہیں تو بچہ کیسا؟

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ بی بی صاحبہ نے کہا کہ ولم یمسنی بشر یعنے اس سے قبل مجھے کسی نے ہاتھ نہیں لگایا اور ولم اک بغیا۔ اور اب اس کے بعد بھی میرے ساتھ زنا یا نکاح بھی کوئی نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ میں محررہ ہوں اور مردوں سے نکاح کرنے سے روکی ہوئی ہوں۔

قَالَ كَذٰلِكِ۔ فرمایا کہ معاملہ تو ایسے ہی ہے جیسے تم فرماتی ہو کہ تمھیں نکاح و زنا سے کسی نے ہاتھ نہیں لگایا لیکن قَالَ رَبُّكِ۔ تیرے رب تعالے نے مجھے تیرے ہاں بھیج کر فرمایا ہے کہ هُوَ۔ جو کچھ میں نے کہا ہے کہ میں تمھیں بیٹا دینے آیا ہوں اگرچہ تمھیں کسی نے چھوا تک نہیں۔ لیکن عَلَيَّ هَيِّنٌ۔ میرے لیے آسان ہے اس لیے کہ میں اسباب عادیہ و وسائط کا محتاج نہیں ہوں۔

ف: تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ قال کذالک۔ جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ معاملہ ایسے ہی ہے جیسے تم کہتی ہو، لیکن قال ربک ھو علی ھین۔ تیرے رب تعالے نے فرمایا کہ یہ میرے لیے آسان ہے کہ میں تیرا بیٹا کسی انسان کے نطفہ سے پیدا نہیں کروں گا بلکہ میں تو اسے کلمۂ 'کن' کے نور سے پیدا کروں گا۔[1]

کما قال تعالے:

مثل عیسیٰ کمثل آدم خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون۔ — عیسےٰ علیہ السلام کی مثل آدم علیہ السلام کی سی ہے کہ انھیں مٹی سے بنا کر فرمایا: کن! تو پھر وہ ہو گئے۔

---

[1] بعض بدفہم کہہ دیتے ہیں کہ ہم منی سے پیدا ہوتے ہیں تو نبی علیہ السلام بھی انسان ہیں۔ فلہٰذا وہ بھی (معاذ اللہ)... انھیں یاد رکھنا چاہیے کہ جس مفہوم کو حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے لیے ماننا ضروری ہے اس سے بڑھ کر اپنے نبی کریمؐ کے لیے ماننا ضروری ہے۔

وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ اور اس لیے کہ ہم اسے یعنے عیسےٰ علیہ السلام کو پیدا کر کے بنائیں لوگوں کے لیے برہان اور نشانی، اپنی قدرت پر تاکہ لوگ انھیں دیکھ کر ہماری کمال قدرت پر استدلال کریں۔ واؤ اعتراضیہ ہے یا معنےٰ یہ ہے کہ ہم اپنی قدرت کی عظمت کا بیان کریں۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اٰیۃ کا مطلب یہ ہے کہ ہم اسے اپنی قدرت کی علامت بنائیں تاکہ لوگ یقین کریں کہ ہم باپ کے بغیر بھی بچہ پیدا کر سکتے ہیں جیسے آدم علیہ السلام ماں باپ کے بغیر اور حوّا کو ماں کے بغیر پیدا فرمایا۔

وَرَحْمَةً اور بہت بڑی رحمت۔ مِّنَّا ہماری طرف سے ان پر تاکہ وہ لوگ اس سے ہماری ہدایت و ارشاد کو پائیں۔

رحمۃ للعٰلمین رحمۃ منا اور یدخل من یشاء فی رحمۃ میں بہت بڑا فرق ہے۔ جسے اپنی رحمت سے بہشت میں داخل کرے گا وہ کم درجہ ہے اس سے جسے عین رحمت بنا دے پھر اس کا کیا کہنا پھر رحمۃ منا اور رحمۃ للعٰلمین میں فرق ہے کہ ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کل کائنات کے لیے رحمت ہیں۔ دنیا میں تو یہی ہے کہ آپ کا دین تا قیامت جاری ہے کسی دوسرے دین سے منسوخ نہ ہوگا اور آخرت میں کل مخلوق آپ کی شفاعت کی محتاج ہے، یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی[1] (فافہم جدا) (کذا فی التاویلات النجمیہ)

وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا۝ اور عیسےٰ علیہ السلام کی باپ کے بغیر تخلیق ہوتی اور یہ امر فیصلہ شدہ ہے یعنے میں نے اپنے علم میں سابقاً فیصلہ کر لیا تھا اور اس کے وقوع کا حکم دے رکھا تھا کہ ضرور ایسے ہی ہوگا اب اس کے خلاف ہونا ممتنع ہے فلہٰذا اب حزن و ملال کا کوئی فائدہ نہیں۔

من عرف سر الله فی القدر ھانت علیہ المصائب جو شخص اللہ تعالےٰ کے اسرار سے واقف ہوتا ہے اس پر مصائب آسان ہو جاتے ہیں۔

ف: فقیر (حقی) کہتا ہے کہ علم معلوم کے تابع ہے جیسے ہی حالات کا تقاضا ہوتا ہے ایسے ہی اللہ تعالےٰ انھیں اپنی حکمت سے ظاہر فرماتا ہے۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی تخلیق صفت مذکورہ کے ساتھ ازل میں بتقضائے حکمتِ باری تعالےٰ ایسے ہی مقدر تھی اسی طرح جمیع اعیان اور اس کے تمام متعلقات و حالات مختلفہ حکمت ایزدی کے تحت داخل ہیں جسے یہ راز مکشوف ہوا اس پر مصائب و آلام آسان ہو جاتے ہیں اس لیے کہ جو کچھ وجود خارجی میں ظاہر ہو رہا ہے وہ حکم ازلی سے ہے ہر ایک کی استعدادات ایسے مختلف ہیں جیسے کھیتی میں اختلاف ہے وہ بیج کی وجہ سے اور اعیان و احوال مختلف ہیں تو استعدادات مختلف ہیں جو اپنے لیے

---

[1] اعلیٰحضرت قدس سرہ نے فرمایا ؎

وہ جہنم میں گیا جو ان سے مستغنی ہوا
ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی

خیر اور بھلائی پائے تو اس پر حمد الٰہی بجا لائے اور جو اس کے خلاف پائے تو اپنے آپ کو ملامت کرے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

نمی کنم گلۂ لیکن ابر رحمت دوست
بکشت زار جگر تشنگان نداد نمی

ترجمہ: مجھے کوئی گلہ نہیں اس لیے کہ میرے مالک کی رحمت کی بارش نے میرے پیاسے جگر کو پانی ہی نہیں دیا۔ اس کی شکایت کیسے ہوسکتی ہے جب کہ میرے احوال میرے ذاتی ہیں۔

اور فرمایا ؎

درین چمن مکنم سرزنش بخود روئے
چنانچہ پرورشم می دہند و می رویم

ترجمہ: اس چمن میں میں نے کبھی ملامت نہیں کی اس لیے کہ جیسے مجھے پرورش کرتے ہیں میں ویسے ہی ظاہر ہوتا ہوں یعنے مجھ پر ملامت کیوں؟ اس لیے کہ جو کچھ ہوا وہ قضا و قدر سے ہوا۔

حکایت حضرت امام ابوالقاسم قشیری قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں اپنے استاذ ابوعلی دقاق رحمہ اللہ تعالےٰ علیہ سے سنا وہ آخری عمر میں فرماتے ہیں کہ اب میرے اوپر توحید کی حفاظت کے لیے تائید الٰہی کے واردات ہوتے ہیں۔ میری حالت مفسر کی سمجھو کہ جو کچھ مفسر میں ہوتا ہے وہی مفسر میں ہوتا ہے۔ اب ہمارا حال تو یہ ہے کہ اگر کوئی مقراض سے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے تب بھی اس پر بجائے آہ و زاری کے حمد و شکر بجا لاؤں گا۔

ف: بی بی مریم کا قصہ بھی اللہ تعالےٰ کے احکام تقدیر ہی سے ہے اس لیے وہ اپنے حال کو پہچان گئیں۔ اسی لیے انھیں اللہ تعالےٰ نے صدیقہ کے لقب سے نوازا۔ یہی وجہ ہے کہ بی بی کو اپنی قوم نے جتنی تکلیفیں اور اذیتیں دیں تو بجائے آہ و بکا کے صبر و شکر کیا۔

حدیث شریف جس بندے سے اللہ تعالےٰ محبت کرتا ہے تو اسے کسی مصیبت میں مبتلا کرتا ہے اگر بندہ صبر کرے تو اسے برگزیدہ بنا لیتا ہے اگر شکر کرے تو بہت بڑے مراتب و کمالات سے نوازتا ہے۔

سبق سالک پر حمد و شکر لازم ہے۔ جب اللہ تعالےٰ اسے اپنی نعمتوں میں مبتلا فرمائے تو اگر وہ نعمت چھن جائے تو صبر کرے یہ دونوں بندے عبودیت پر دلالت کرتے ہیں۔ اگر کسی مصیبت کے وقت نفس کو خوش کرنے کے لیے جزع فزع کرتا ہے تو وہ غلبہ ہوائے نفس میں شامل ہوگا۔

سبق حضرت احمد بن حضرویہ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ راستہ واضح اور دلیل روشن اور داعی بہت بڑا سننے والا ہے۔ اسی لیے تحیر نہ ہونا چاہیے اگر کرے گا تو اندھا ہوگا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اگر تم کوئی نیک کام کرو تو اسے یقین کرکے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر کرو ورنہ دکھ تکلیف پر صبر کرو تو اس میں بھی تمھارے لیے بہت بڑی بھلائی ہے۔

تفسیر صوفیانہ شرح الحکم العطائیہ میں ہے کہ بہت بڑے تامل کے بعد واضح ہوتا ہے کہ معرفت کے حصول کا راز مصائب و بلایا میں ہے۔ بندے کو معرفت نصیب نہیں ہوتی جب تک اللہ تعالیٰ کے اوصاف اپنے میں پیدا نہ کرے اور وہ فنا کے بعد نصیب ہوتا ہے اور فناء بلا و مصیبت کو سر پر رکھنے کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی عزت کے مقابلہ میں اپنی عزت اور اس کے غنا کے مقابلہ میں اپنے غنا اس کی قوت و قدرت کے مقابلہ میں اپنی قوت و قدرت کا دم بھرے اور ان باتوں کو مٹانے پر بہت زیادہ تکلیف برداشت کرنی پڑتی ہے اور اس پر صبر ضروری ہے۔ اس سے قہر ربوبیت کو اپنے اوپر غالب کرنا ہوگا اور اپنی عبودیت کا اظہار۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حقیقت حال کا تحقق اور جمیع احوال میں مقام صبر اور حمد کا تمکن نصیب فرمائے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

صد ہزاراں کیمیا حق آفرید
کیمیائی ہمچو صبر آدم ندید

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے بے شمار کیمیا پیدا فرمائے لیکن جو صبر کا کیمیا حضرت آدم علیہ السلام کو نصیب ہوا۔ ایسا کیمیا کسی کو نصیب نہ ہو سکا۔

نکتہ: بلا و مصیبت سے انسان کے وہ اوصاف ردی (جو اسے پیدائشی طور پر ملے تھے) جل جاتے ہیں اور اس پر صبر کرنے سے اخلاق الٰہیہ و صفات حقیہ نصیب ہوتے ہیں۔

فَحَمَلَتْهُ جبریل علیہ السلام کی باتوں سے جب بی بی مریم مطمئن ہوئیں تو جبریل علیہ السلام نے بی بی مریم کے قریب ہو کر ان کے گریبان میں پھونک ماری تو ان کی پھونک بی بی صاحبہ کے پیٹ تک چلی گئی۔ اس پر عیسےٰ علیہ السلام ماں کے پیٹ میں حمل کی صورت میں تشریف لائے۔ (کذا قال ابن عباس رضی اللہ عنہما)

سوال: جبریل علیہ السلام کی پھونک بی بی مریم کے پیٹ کے اندر کیسے پہنچی ہوگی۔ درمیان میں حلقوم تک پیٹ کے منفذ کھلے تو نہیں ہیں؟

جواب: یہ روحانی معاملات ہیں انھیں منافذ کی ضرورت نہیں مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کے جسم میں روح داخل ہوئی تو کھوپری کے درمیان میں پھر آنکھوں میں پھر منہ میں پھر تمام اعضا میں پھیل گئی۔

نکتہ: عیسےٰ علیہ السلام میں تین جہان ہیں:

① جسمانیہ

② روحانیہ

③ حدیہ

جب انھیں جسمانیہ کی جہت سے دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ بی بی مریم سے ہیں اور جب انھیں روحانیت سے دیکھا جاتا ہے تو ان میں روحانیت اور اس کے آثار پائے جاتے ہیں مثلاً احیاالموتی اور مٹی سے پرندہ تیار کرکے ذی روح بنا دینا تو یقین ہوتا ہے کہ وہ جبریل علیہ السلام کی پھونک سے ہیں اور جب دیکھا جاتا ہے کہ وہ دونوں جہتوں کے جامع ہیں تو سمجھا جاتا ہے کہ وہ ہر دونوں ہیں۔

نکتہ: تحقیقی قول یہ ہے کہ جب جبریل علیہ السلام بشری صورت میں متمثل ہوکر بی بی مریم کے سامنے ہوئے تو لذت کی شدت کا اتنا غلبہ ہوا کہ جونہی جبریل علیہ السلام نے بی بی مریم کو دیکھا تو بی بی سے محض نگاہ کی لذت سے پانی ظاہر ہوا جو جبریل علیہ السلام کی پھونک سے مل کر عیسےٰ علیہ السلام کی صورت میں بشکم مریم علیہ السلام میں ٹھہرا۔ اس پر عیسےٰ علیہ السلام اپنی ماں کے پانی سے ہوئے۔ اسے ہم اہل اسلام تو مانتے ہیں لیکن طبیعین عقلاً (فلاسفہ) منکر ہیں۔ وہ کہتے ہیں صرف احد الزوجین کے پانی سے بچے کا وجود محال ہے جب تک زوجین میں سے دونوں کا پانی جمع نہ ہو۔

سوال: اطبار کا اتفاق ہے کہ بچہ کی جسمانیت میں ماں باپ ہر دونوں کے پانیوں کو بہت زیادہ دخل ہے۔ چنانچہ باپ کے پانی سے ہڈیاں اور جوڑ وغیرہ تیار ہوتے ہیں اور ماں کے پانی سے گوشت، خون وغیرہ۔ اس معنے پر عیسےٰ علیہ السلام کی تخلیق اگر صرف ماں کے پانی سے مانی جائے تو حقیقت کے خلاف ہے اس لیے کہ عیسےٰ علیہ السلام کا جسم کامل مکمل تھا، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان میں باپ کے پانی کا بھی دخل ضرور ہے۔

جواب نمبر۱: حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی جسمانیت کا کامل مکمل ہونا بھی صرف ماں کے پانی کی وجہ سے تھا وہ اس لیے کہ بی بی مریم کا پانی عام عورتوں جیسا نہ تھا۔

جواب نمبر۲: بی بی مریم کے پانی کے ساتھ جبریل علیہ السلام کا بشری لباس میں متمثل ہوکر ان کے روح پھونکنے کو بھی دخل تھا اس میں یہی راز تو تھا کہ عیسےٰ علیہ السلام کی تخلیق دو شخصوں کے واسطہ سے ہوئی جیسے دوسرے انسانوں کی تخلیق ہوتی ہے۔

جواب نمبر۳: اس نفخ میں پانی وہمی تھا اور اس وہم سے ہی دوسری قوت کام کر گئی اور بعض اشیاء کا وجود توہمات کے ذریعے سے بھی ہوتا ہے مثلاً جیسے شہتیر پر چلنے والا گرنے کے توہم سے کبھی گر جاتا ہے۔

جواب نمبر۴: جبریل علیہ السلام کے نفخ نے ہی پانی کا کام دے دیا جب کہ وہ بشری لباس میں تھے اور روح تو تھے ہی اور ارواح میں بقا ہوتی ہے۔

عقیدۂ اہل سنّت ردِ مرزائیت: حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی ولادت حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے

۵۵۵
پانچ سو پچپن سال پہلے ہوئی لیکن وہ اس وقت سے تا حال زندہ ہیں اور قرب قیامت میں زمین پہ تشریف لائیں گے اور حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے دین کی دعوت دیں گے۔

نکتے ہی نکتے : ① حضرت جبریل علیہ السلام اگر نفخ روح کے وقت بشری لباس میں بی بی کے پاس نہ آتے تو عیسٰے علیہ السلام روحانیین کی صورت میں ظاہر ہوتے۔

② اگر حضرت جبریل علیہ السلام بی بی مریم کو استعاذہ کے وقت نفخ روح کرتے تو عیسٰے علیہ السلام ایسی صورت میں ہوتے کہ ان سے کسی کو ملاقات یا دیکھنے کی طاقت نہ ہوتی۔ اس لیے کہ اس وقت کی بنی ہوئی صورت نہایت ڈراؤنی ہوتی بلکہ جسمانی صورت نہایت ردی ہوتی۔

قاعدہ طبیہ طب کا قانون ہے کہ بوقت جماع دونوں پانیوں کے اجتماع کے وقت ماں باپ جیسے خیالات میں ہوں تو بچہ اسی شکل وصورت میں پیدا ہوتا ہے۔

چونکہ بی بی مریم استعاذہ کے وقت نہایت پریشان اور ان کے دل میں گھبراہٹ تھی کہ یہ اجنبی میرے ہاں ایسی حالت میں آیا ہے۔ خدانخواستہ کوئی ایسا معاملہ ہو جس کی شریعت نے اجازت نہیں بخشی تو پھر کیا ہوگا۔

حکایت بعض کتابوں میں مرقوم ہے کہ ایک عورت کو بچہ پیدا ہوا جس کی شکل وصورت تو انسانی تھی لیکن باقی جسم سانپ کی طرح تھا اس عورت سے سبب پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ جب میرے شوہر نے میرے ساتھ جماع کیا تو اس وقت میرے پیش نظر سانپ کی صورت تھی۔

حکایت ایک عورت کو ایک بچہ پیدا ہوا جس کی چار آنکھیں تھیں اور اس کے پاؤں ریچھ جیسے تھے اور قطبی قبیلہ سے تعلق رکھتی تھی اس سے سبب پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ جب میرے شوہر نے میرے ساتھ جماع کیا تو اس وقت میرے سامنے دو ریچھ کھڑے تھے جنہیں میرے شوہر نے پال رکھا تھا۔

③ جب جبریل علیہ السلام نے بی بی مریم کو خوشخبری سنائی کہ انما انا رسول ربك لاهب لك غلٰما ذكيا یعنے اے بی بی مریم گھبرا ئیے مت، میں تو تیرے رب تعالے کی طرف سے پیغام لایا ہوں تاکہ بچے کی پیدائش کا سبب بنوں۔ اس سے بی بی صاحبہ کی گھبراہٹ چلی گئی اور انہیں بے حد سرور و فرحت حاصل ہوتی۔ اس لیے کہ نہ صرف جبریل علیہ السلام نے عیسٰے علیہ السلام کی خوشخبری سنائی بلکہ ملائکہ نے بھی۔

کما قال تعالٰے :

واذ قالت الملٰئكة يا مريم ان الله
يبشرك بكلمة منه اسمه المسيح عيسٰى
بن مريم وجيهاً فى الدنيا والأخرة

د من المقربین ۔

بی بی مریم کی اس فرحت و سرور کے اثناء میں عیسٰے علیہ السلام کی روح ان کے پیٹ میں تشریف لائی۔ اسی وجہ سے حضرت عیسٰی علیہ السلام ہنشاس بشاس ہو کر دنیا میں تشریف لائے اس لیے کہ ماں کی جماعی حالت سے بچہ پر اثر خاص ہوتا ہے ۔

فائدہ طبیہ : اطباء کہتے ہیں کہ بوقت جماع قوی تر اور حسین وجمیل صورتوں کو تصور میں رکھا جائے تاکہ اسی متصور صورت کے مطابق بچہ پیدا ہو۔

ف : بی بی کے شکم اطہر میں حضرت عیسٰی علیہ السلام جب تشریف لائے تو اس وقت بی بی صاحبہ تیرہ سال کی تھیں ۔ حاملہ ہونے سے پہلے دو حیض آپ پر گزرے ۔

ف : عیسٰے علیہ السلام کے بارے میں ماں کے پیٹ میں رہنے کا وہی اختلاف ہے جو حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہے ۔

اعجوبہ : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ جس وقت بی بی صاحبہ کو جبرئیل علیہ السلام نے پھونک ماری اسی وقت فوراً عیسٰے علیہ السلام پیدا ہو گئے۔ بعض علماء نے اسی قول کو صحیح تر کہا ہے ۔ اور دلائل دیتے ہوئے فرمایا کہ عیسٰے علیہ السلام کی ولادت چونکہ اعجوبۂ روزگار تھی۔ اسی لیے ان کا ماں کے پیٹ سے تشریف لانا اسی قبیل سے ہو تاکہ آپ کا ہر معاملہ اعجوبۂ روزگار ہو نیز فانتبذت کی فاء سے بھی اس قول کی تائید ہوتی ہے اس لیے کہ فاء تعقیب بلا تاخیر کے لیے مستعمل ہوتی ہے ۔

جوابات از صاحب روح البیان قدس سرہٗ ① فاء کی دلیل غلط ہے اس لیے کہ کبھی یہ ترتیب حکم کی وجہ سے بھی تعقیبیہ ہوتی ہے اور اس میں من کل الوجوہ تعقیب بلا تاخیر کا قاعدہ جاری نہیں ہوتا۔ یہاں بھی ترتیب حکم کے لیے ہے ۔

② ان کا کسی نطفہ سے نہ ہونا یہ بھی ظاہر البطلان ہے اس سے تخلیق انسانی کا قاعدہ غلط ہو جاتا ہے اور ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ عیسٰے علیہ السلام کی ماں کے محقق اور متوہم پانی سے تخلیق ہوئی ہے ۔

③ ان کا باپ کے بغیر پیدا ہونا ضروری نہیں کہ ان کے جمیع حالات بلاسبب مانے جائیں جب کہ اس کے لیے کوئی دلیل ہی نہیں ہے ۔

④ ایک روایت سے ثابت ہے کہ عیسٰی علیہ السلام ماں کے پیٹ میں نو ماہ ٹھہرے تھے ۔ یہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہا کے خلاف ہے ۔ (اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال) اگر ان کا ماں کے پیٹ میں نہ ٹھہرنے والی اعجوبۂ روزگار بات ہوتی تو اسے قرآن مجید میں ضرور بیان کیا جاتا اس لیے کہ یہ بھی ان کے مدائح میں شامل ہے اور ان کے مدائح کو قرآن مجید نے واضح طور پر بیان فرمایا ہے ۔ اس سے ثابت ہوا کہ وہ دوسرے انسانوں کی طرح ماں کے پیٹ میں نو ماہ ٹھہرے تھے ۔

معجزۂ عیسٰے علیہ السلام : بعض روایات میں ہے کہ عیسٰے علیہ السلام ماں کے پیٹ میں آٹھ ماہ ٹھہرے ۔ یہ آپ کا ایک

معجزہ ہے ورنہ آٹھ ماہ کا بچہ پیدا ہوتے ہی مرجاتا ہے۔

قاعدہ کلیہ: اطبار کا قاعدہ کلیہ ہے کہ بچہ ماں کے پیٹ میں ساتویں مہینے میں باہر نکلنے کے لیے بہت زیادہ زور لگاتا ہے اور اس کی یہ حرکت چھٹے ماہ کی حرکت سے قوی تر ہوتی ہے اگر اسی چھٹے مہینے میں پیدا ہو جائے تو اس کی زندگی کی امید ہے اگر چھٹے مہینے میں پیدا نہ ہوا اور ساتویں مہینہ کی حرکت سے بھی خاموش رہا تو اب آٹھویں مہینے میں آرام کرتا ہے معمولی سی حرکت بھی نہیں کرتا۔ اگر خدانخواستہ پیدا بھی ہوگا تو مر جائے گا اس لیے کہ وہ پہلے دو ماہ کی حرکتوں کو برداشت نہیں کر سکتا۔

شیخ اکبر قدس سرہٗ کا ارشاد حضرت الشیخ محی الدین بن العربی قدس سرہ نے فرمایا کہ ہم نے عالم دنیا میں آٹھ ماہ کے بعد پیدا شدہ کسی بچے کو نہیں دیکھا۔ اس لیے کہ اگر آٹھویں مہینے میں پیدا ہو تو مرجاتا ہے اگر زندہ بھی رہے تو اکثر بیمار رہے گا، زندگی میں کبھی اسے تندرستی نصیب نہ ہوگی۔ اس لیے کہ آٹھواں مہینہ بچے پر سرد و خشک ہوتا ہے اور یہ دونوں موت کی طبع میں شامل ہیں۔

فانتبذت بہ کی باء ملابست کی ہے اور جار مجرور محلاً منصوب حال ہے اب عبارت یوں ہوگی:

فاعتزلت ملتبسۃ بہ۔

یعنے بی بی صاحبہ گھر والوں سے علیحدہ ہوئیں تو عیسٰے علیہ السلام ان کے پیٹ میں تھے اس کی نظیر تنبت بالدھن بمعنے تنبت ودھنھا فیھا ہے۔

مَكَانًا قَصِيًّا ۝ یہ انتبذت کا مفعول ہے اس لیے کہ انتبذت اتیان کے معنے کو متضمن ہے جیسے ہم نے پہلے بیان کیا یعنے ایسے مکان میں تشریف لائیں جو گھر والوں سے دور تھا۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ وہ مکان شہر کے باہر بجانب مشرق ایک کوس کے فاصلے پر تھا یا بیت لحم میں تشریف لے گئی تھیں جو شہر ایلیار سے چھ میل دور تھا۔

حدیث شریف حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میں شب معراج ایک مقام پہ پہنچا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ آپ یہاں اتر کر دوگانہ پڑھیے جب میں فارغ ہوا تو جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ یہ وہی مقام ہے جہاں عیسٰے علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ اسے بیت لحم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

یہ حدیث صحیح یا حسن ہے اسے امام نسائی نے اور امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں روایت کیا ہے۔

ف: بی بی مریم صاحبہ اپنے گھر کے تنہائی حصہ میں تشریف لے گئیں۔ یہی قول انسب ہے اس لیے کہ وضع حمل کے وقت اتنا دور نہیں جایا جاسکتا۔ (کذا فی الارشاد)

ف: مروی ہے کہ جب وضع حمل کے آثار نمودار ہوئے تو بی بی صاحبہ آدھی رات کو اُٹھ کر چلی گئیں تاکہ اس مخفی راز سے زکریا علیہ السلام

کو آگاہی نہ ہو اور نہ اوروں کو۔

فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ۔ ہمزہ تعدیہ کے لیے اور المخاض ولادت کے وقت کے درد کو کہا جاتا ہے۔ مخضت المرا ۃ، یہ اس وقت بولتے ہیں جب بچہ ماں کے پیٹ سے باہر نکلنے کے وقت متحرک ہو یعنے بی بی مریم کو درد زہ لے آیا۔ اِلٰی جِذْعِ النَّخْلَةِ کھجور کے سوکھے تنے کی طرف تاکہ بی بی اس میں چھپ کر بچہ جنے اور بچہ کی پیدائش کے وقت اس کا سہارا لے۔ اس لیے کہ اس وقت آپ کے ساتھ کوئی دایہ نہ تھی جو آپ کو ولادت کے لیے اعانت کرتی۔

ف: قصص الانبیاء میں ہے کہ بی بی صاحبہ نے آدھی رات کو چلتے چلتے یہیں پر اسی کھجور کا سوکھا تنا دیکھا تو اس کے ساتھ سہارا لگا کر بیٹھ گئیں۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ بی بی صاحبہ کھجور کے سوکھے تنے کے ساتھ اس لیے بیٹھ گئیں تاکہ معجزے کا اظہار ہو سکے۔

حل لغات الجذع کھجور کا وہ خشک تنا جو سر کے نیچے سے لے کر جڑ تک صحیح سالم ہو یعنے اس کے ثمرات والے مقام کے اوپر کا حصہ کاٹ لیا جائے۔ اسی وجہ سے اس میں ثمر کی پیدائش کا کوئی امکان نہیں ہوتا اور وہ بالکل جڑوں سمیت سوکھ جاتا ہے۔ بی بی صاحبہ کی ولادت کا وقت سرد موسم میں تھا اسی لیے اللہ تعالٰے نے بی بی صاحبہ کے دل پر القاء فرمایا کہ یہیں پر بیٹھیں تاکہ معجزے کے ظہور سے گھبراہٹ دور اور سکون قلبی نصیب ہو۔ اس لیے کہ اس خشک تنے سے موسم سرما میں پھل نکلا۔ اس سے دو معجزے ظاہر ہوئے ایک خشک تنے کا پھل دار ہونا دوسرا موسم سرما میں پھل کا پیدا ہونا۔ اس سے کہ موسم سرما میں اس کے پھل ہوں تو وہ ختم ہو جاتا ہے اس لیے کہ کھجور بالخصوص سردی کی برداشت نہیں کر سکتی اور کھجور کا ثمر جمار کے پھوٹنے سے پیدا ہوتا ہے اور جمار کھجور کے سر میں سفید رنگ کا ایک نرم و نازک مغز ہوتا ہے۔

ف: خشک تنا بی بی صاحبہ کے قریب بیٹھنے سے تر ہو گیا۔ اسی لیے وہ نرم و نازک بھی سرسبز ہو گیا اسے کھایا بھی جاتا ہے اور عورتوں کو بچہ جننے کے بعد نرم و نازک اور مرغن اور مرغوب غذا کی ضرورت پڑتی ہے، یہی نرم و نازک حصہ بی بی صاحبہ کو بچہ جننے کے بعد کھانے کے کام آیا۔

ف: الخرسۃ ہر وہ طعام جو بچہ جننے کے بعد عورتیں کھاتی ہیں، اگر یہ تاء کے بغیر ہو تو ولادت کے خصوصی طعام کا نام ہے۔

قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا، بی بی بولی کاش میں اس سے پہلے مرجاتی۔

حل لغات: مت بکسر المیم از مات یمات خفت کی طرح ہے۔ اسے بضم المیم بھی پڑھا جاتا ہے۔ (از مات یموت) قبل ھذا سے قبل الیوم یا قبل ھذا الامر مراد ہے۔ (کذا فی الجلالین)

سوال: یہ قول بی بی صاحبہ نے کیوں کہا، حالانکہ انھیں جبریل علیہ السلام نے یقین دلایا کہ یہ معاملہ منجانب اللہ ہے اور ہو کر رہے گا پھر جزع فزع کا کیا معنے؟

جواب: لوگوں سے حیاء کی وجہ سے کہ لوگ کیا کہیں گے اور یہ فطرت انسانی کے تحت تھا اور یہ جرم کی بات نہیں اور نہ ہی حکم ربانی پر

جزع وفزع کا اظہار ہے۔ بلکہ لوگوں کی ملالت کا خطرہ محسوس کیا اس لیے کہہ دیا۔

سوال: بی بی صاحبہ ولیہ کاملہ تھیں انھیں ملامت کا خطرہ کیوں؟ (ولا یخافون خوف لومۃ لائم) کے خلاف ہے؟

جواب: لوگوں سے اپنے لیے نہیں بلکہ ان کے گناہ میں مبتلا ہونے سے خوفزدہ ہوئیں باوجودیکہ میں پاکدامن اور عنداللہ مجرم نہیں ہوں لیکن وہ میرے اوپر غلط اتہام اور گندے بہتان تراش کر جہنم کے مستحق بنیں گے[1] یہ تو الٹا بی بی کی شان کی عظمت پر دلالت کرتا ہے۔ اور یہ بھی دراصل خوف خداوندی ہوتا ہے اور اللہ والوں کو عموماً اس طرح کے خوف ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے وہ زمین سے ایک تنکا اٹھا کر ہاتھ میں لے کر کہتے کہ کاش! میں یہی تنکا ہوتا اور دنیا میں نہ ہوتا وغیرہ۔ اسی طرح حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے متعلق مشہور ہے، وہ فرماتے ہیں:

یالیت بلالا لم تلدہ امہ (کاش! بلال کو ماں نہ جنتی۔

ے

فقولی تارۃ یا رب زدنی

واخرٰی لیت امی لم تلدنی

ترجمہ: تم ہر وقت کہو اے اللہ! مجھے برکت دے اور کبھی کہو کاش! مجھے ماں نہ جنتی۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ قبل ھذا کا اشارہ حمل کی طرف ہے یعنے میں حاملہ ہونے اور بچہ جننے سے پہلے مر جاتی اس لیے کہ ہمارے اس معاملہ کی وجہ سے بہت سے لوگ جہنم کا ایندھن بنیں گے اس لیے کہ بعض ہمیں زنا سے متہم کریں گے جیسے یہودیوں نے کیا اور بعض میرے بیٹے کو ابن اللہ کہیں گے جیسے نصارٰے نے کیا۔

وَكُنتُ نَسْيًا مَّنسِيًّا ۝ نسیا ہر وہ حقیر الشان شے جس کے غیر معتبر ہونے کی وجہ سے ذہن سے اتارا جائے۔
اور منسیا ہر وہ جو کسی کے خیال میں بھی نہ ہو۔ یہ مبالغہ کے طور پر نسیا کی صفت ہے۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ میں معدوم رہتی مجھے اللہ تعالٰی وجود کے لیے ظاہر نہ فرماتا۔

ف: کاشفی میں ہے کہ بی بی صاحبہ کے اس قول کا مقصد یہ ہے کہ میں ایسے گوشۂ گمنامی میں ہوتی لیکن اب تو معاملہ برعکس ہے کہ نہ صرف عوام بلکہ بیت المقدس کے تمام علما و احبار جانتے ہیں اور سب کو معلوم ہے کہ میں ان کے امام (عمران) کی لڑکی اور حضرت زکریا علیہ السلام جیسے برگزیدہ پیغمبر کی کفالت میں ہوں اور طرفہ یہ کہ باکرہ غیر شادی شدہ ہوں بچہ لے کر کس منہ سے ان کے پاس جاؤں گی۔

---

[1] یہ قاعدہ ہر ولی و نبی کے لیے یاد رکھیں۔ بہت سے سوالات میں کام دے گا مثلاً ابراہیم علیہ السلام کا مہمانوں سے اور موسٰے علیہ السلام سانپ سے خوفزدہ ہونا وغیرہ وغیرہ۔ (مترجم)

ہر چند بروئی کار درمے نگرم
محنت زدۂ چو خود نمے بینم من

ترجمہ: میں نے اپنے معاملہ میں بہت بڑا غور کر کے دیکھا تو میرے جیسا اور کوئی دکھیا نہ ہوگا۔

فَنَادٰىهَا، جب جبریل علیہ السلام نے بی بی مریم کی جزع فزع سنی تو پکارا۔ یہاں عیسےٰ علیہ السلام مُراد نہیں اس لیے کہ ان کا بولنا تو قوم کے ساتھ ہوا جب بی بی ان کے پاس عیسےٰ علیہ السلام کو لائیں۔ **مِنْ تَحْتِهَا** ان کے بیٹھنے کی جگہ سے یا کھجور کے نیچے سے۔

ف: الاسئلۃ المقحمۃ میں ہے کہ من کے میم کو فتح کے ساتھ پڑھا گیا ہے اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں کہ وہ پیدا ہوتے ہی اپنی ماں سے بولے:

"ان لا تحزنی"

ف: یہ ان مفسرہ ہے یعنے میری پیدائش یا قحط سے غم نہ کھایئے اور نہ ہی موت کی تمنا کیجئے یا ان مصدریہ ہے اور اس میں باء مقدر ہے۔ عبارت دراصل بان لا تحزنی تھی۔

حل لغات: الحزن، ہر وہ غم جو شے نافع کے فوت ہونے یا کسی ضرر کے پہنچنے سے واقع ہو۔

قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۝ بے شک تیرے رب تعالےٰ نے تیرے بیٹھنے کی جگہ کے نیچے نہر جاری فرمائی ہے۔ سریا، چھوٹی نہر کو کہتے ہیں۔ (کذا فسرہ النبی صلے اللہ علیہ وسلم)

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے یہاں پر اپنا پاؤں مارا تو وہاں سے میٹھے پانی کی ایک چھوٹی نہر جاری ہوگئی۔

ف: ارباب الحقیقۃ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے اپنی نبوت کی دو جگہ پر خبر دی:

(۱) اتانی الکتاب وجعلنی نبیا

ماں کے پیٹ میں فرمایا:

(۲) لا تحزنی قد جعل ربک تحتک سریا

اس معنے پر سریا بمعنے سیداً ہے یعنے نبوت کے لحاظ سے اپنی قوم کا سردار، اس پر سریا سرو سے سود د مشتق ہوگا۔

وَهُزِّيْٓ

حل لغات: ھز الشی بمعنے مسلسل اور سختی سے جہات متقابلہ کی طرف شے کو متحرک کرنا لیکن یہاں پر مطلقاً بطریق جذب و دفع کے متحرک کرنا مراد ہے جیسا کہ لفظ **اِلَيْكِ** بتایا ہے۔ **بِجِذْعِ النَّخْلَةِ**۔ باء صلہ کی ولا تلقوا بایدیکم میں باء صلہ کی طرح تاء تاکید کے لیے ہے۔

ف: فراء نے فرمایا کہ اہل عرب ھزہ وھزبہ ہر دونوں طرح استعمال کرتے ہیں۔

تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ۔ یعنی جتنی بار مسلسل کھجور کو حرکت دو گی اتنے ہی میوے دے گی۔ رطبا کھجور کے تازہ میوے کو کہا جاتا ہے۔ جنیا فعیل بمعنے مفعول ہے یعنے رطبا مجنیا خشک ہونے سے پہلے جس میوہ کو کاٹا جائے، اسے جنی کہتے ہیں یعنے ہر وہ میوہ جو چننے کے قابل ہو یعنے پک جانے کے بعد چننے کے لائق میوہ کو جنی کہلاتا ہے۔

سوال: الاسئلۃ المتوین میں ہے کہ یہاں پر کھجور کو جھونکا دینے کا کیوں حکم فرمایا حالانکہ اس سے قبل زکریا علیہ السلام نے آکر دیکھا تو بی بی کی عبادت گاہ میں تازے اور نایاب میوے موجود تھے۔

جواب(۱): بی بی کا وہ زمانہ طفولیت کا تھا جنھیں مشقت اور تکلیف کے بغیر ملنے چاہئیں۔

جواب(۲): اسئلۃ الحکم میں ہے کہ جب بی بی نے دیکھا کہ بچہ باپ کے بغیر پیدا ہوا ہے، تو متعجب ہوئیں۔ اللہ تعالٰے نے ان کے تعجب کے ازالہ کے لیے خشک تنے سے تازہ کھجوریں عنایت فرمائیں گویا اللہ تعالٰے نے انھیں اپنی قدرت کاملہ کا کرشمہ دکھایا تاکہ بی بی صاحبہ کو مزید تسکین نصیب ہو۔

نکتہ: کھجور کے میوے عنایت فرمانے میں حکمت یہ تھی کہ کھجور آدم علیہ السلام کی بقایا مٹی سے پیدا ہوئی۔ اس معنے پر کھجور کو انسان سے معنوی نسبت ہے بخلاف دوسرے میوہ جات کہ انھیں انسان کے ساتھ ایسی نسبت نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کھجور، نر کے بیج ڈالے بغیر پھل نہیں دیتی، جسے عربی میں تابیر کہتے ہیں۔

سوال: اس کی کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالٰے نے بی بی کو پانی کی نہر تو مشقت کے بغیر عطا فرمائی، کھجور کا میوہ عطا ہوا تو جھونکے دینے کی مشقت سے؟

جواب(۱): چونکہ کھجور کے میوہ میں لذت وشہوت ہے اور پانی دوسرے کاموں میں بھی کام آتا ہے مثلاً طہارت خدمت وغیرہ۔ اسی لیے شہوت ولذت والی شے مشقت کے بعد عطا فرمائی۔

جواب(۲): کھجور کے میوے میں صورت عمل وکسب کو دخل ہے اور پانی میں فیض الٰہی کا راز مضمر ہے اسی لیے ہر ایک کو اپنے مرتبہ میں رکھا گیا۔ یہ اشارہ ہے کہ انسان کو جس عمل میں مشقت کرنی پڑے تو وہ محقق ہو جاتا ہے اور اس کے حصول کے لیے انسان کو کام کی عادت پڑتی ہے۔

جواب(۳): اللہ تعالٰے کا قانون ہے کہ میوہ جات میں عملی کام کو دخیل بنایا ہے مثلاً پودا بونا اسے پانی دینا پھر اس کے اندر نر کا بیج ڈالنا بخلاف پانی کے کہ اسے اسباب ارضی کی حاجت نہیں بلکہ وہ عطائی آسمانی ہے یہی وجہ تھی کہ نہر بغیر کسی سبب ارضی کے جاری ہو گئی۔

فَكُلِي۔ پس اس کھجور کے میوہ کو کھائیے۔ وَاشْرَبِي اور نہر کا پانی پیجئے۔

ف: یہ حضرت عیسٰے علیہ السلام کا ارہاص اور بی بی مریم کی کرامت ہے۔ اور اسے معجزہ نہیں کہا جا سکتا اس لیے کہ معجزہ میں تحدی شرط اور وہ یہاں نہیں۔ (کذا فی بحر العلوم)

یہاں سے معتزلہ کا رد مقصود ہے کہ وہ اولیاء کرام کی کرامات کے منکر ہیں اور اس واقعہ کو حضرت عیسٰے علیہ السلام کا معجزہ قرار

دیتے ہیں لے

نکتہ: اکل کو شرب سے مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ انسان کو طعام کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔

سوال: کسی شے سے ضرر کا خوف خورد و نوش سے زیادہ ہوتا ہے اس لیے کہ خوف روح کا درد ہے اور بھوک پیاس جسم کا اور روحانی خوف جسمانی خوف سے فوقیت رکھتا ہے۔ چنانچہ ایک بکری کو چند روز بھوکا رکھ کر اس کے آگے گھاس رکھا گیا اور ساتھ ہی ان کے قریب بھیڑیا بھی باندھا گیا لیکن بکری نے بھیڑیے کے خوف سے، باوجود بھوک کے گھاس نہ کھائی۔ اس کے بعد بھیڑیے اور گھاس کو ہٹا کر بکری کی اپنی ٹانگ اس کے آگے رکھی گئی تو بھوک کے مارے اپنی ٹانگ کھا گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ خوفِ روحانی شدید تر ہوتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے دفع ضرر کو بعد میں بیان کیا ہے؟

جواب: بی بی مریم علیہا السلام کو اگرچہ خوف تھا لیکن معمولی وہ اس لیے کہ آپ کو جبریل علیہ السلام پہلے خوشخبری سنا چکے تھے اسی لیے اب دوبارہ اس کی ضرورت نہ ہوگی۔

گھٹی کی ابتداء بچہ جننے کے بعد کھجوریں کھانے اور میٹھی شے بالخصوص کھجور کو چبا کر نومولود کے منہ میں ڈالنا جسے عربی میں تحنیک کہا جاتا ہے، کی ابتدا یہاں سے شروع ہوئی۔

التحنیک۔ حنک الشی سے ہے یعنے مضغ تمراً وغیرہ یعنے کھجور کو چبا کر نومولود کے منہ میں ڈالا۔

ف: بعض کہتے ہیں وہ عجوہ کھجور تھی جسے حجاز میں ام التمر کا لقب حاصل ہے۔ (کذا فی القاموس)

مسئلہ حدیث شریف میں ہے کہ جب بچہ پیدا ہو تو اسے تازہ کھجور کھلاؤ تاکہ بچے کے پیٹ میں سب سے پہلے رطب (تر کھجور) پہنچے اگر تازہ کھجور نہ ملے تو خشک کھجور چبا کر منہ میں ڈالی جائے اس لیے کہ گھٹی کے لیے اگر کوئی اور شے افضل ہوتی تو عیسٰے علیہ السلام کی ولادت کے وقت وہی شے اللہ تعالیٰ بی بی مریم کو عطا فرماتا۔

طبی نسخہ: ربیع بن خثیم نے فرمایا کہ بچہ جننے والی کو تازہ کھجور اور بیمار کو شہد سے، اور کوئی شے مفید تر نہیں۔

وَقَرِّيْ عَيْنًا اور آنکھیں ٹھنڈی کیجئے اور اپنا دل خوش کیجئے اور دل سے غم اور حزن کو ہٹا دیجئے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی خاطر مندرجہ ذیل چند خرق عادات امور ظاہر فرمائے:

(۱) نہر کا اجراء

(۲) سوکھی کھجور کا سبز اور پھلدار ہونا۔

(۳) اس کا بے وقت پھل دینا تاکہ مخالفین بی بی کے ماں باپ کے بغیر بچہ دیکھیں تو انھیں یہ ہو کہ یہ بی بی کی کرامت ہے جیسے مذکورہ بالا امور ان کی کرامت ہیں۔

لے: از اویسی غفرلہ

حل لغات: اقری مشتق از قرار اس لیے ہے کہ جب آنکھ ایسی چیز کو دیکھے جس سے جی خوش ہو تو وہ غیر سے روگردان ہو کر اسی سے سکون پکڑتی ہے۔ اہل عرب کہتے ہیں:

"اقر الله عينيك"

یعنے تیرا دل ایسی شئے سے ملے جس سے تیری آنکھ روگردان ہو کر اس کے ساتھ قرار پکڑے۔

ف: قاموس میں ہے کہ قرت عینہ وتقر۔ بالکسر والفتح۔ قرۃ۔ بالضم بمعنے البرد از باب ضرب وعلم والضم از باب نصر اس کا مصدر قرود آتا ہے بمعنے بردت یعنے آنکھ ٹھنڈی ہوئی اور اس کے آنسو منقطع ہو گئے یا آنسو اس لیے منقطع ہوئے کہ جس شئے کے دیکھنے کی وہ مشتاق تھی وہ اسے مل گئی۔ یا القر سے ہے بمعنے البرد وہ اس لیے کہ سرور کے آنسو ٹھنڈے اور غم کے گرم ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ محبوب کو قرۃ العین اور مکروہ کو سخنۃ العین کہا جاتا ہے۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ اپنی آنکھ ٹھنڈی کر، بچے کی پیدائش پہ ہنسے یا کھجور کے خشک تنے کی سرسبزی سے اس کے پھل دینے سے کہ یہ تیرے حال کے موافق ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کھجور کے خشک تنے کو سرسبز کر کے پھلدار کر سکتا ہے تو وہ باپ کے بغیر بھی بچہ دے سکتا ہے۔

ف: عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے وقت اللہ تعالےٰ نے ملائکہ کرام کو بھیجا کہ وہ بی بی مریم کے گرد جمع ہوں۔ جب عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوں تو انھیں اٹھا کر ریشم کے کپڑے میں لپیٹ کر بی بی مریم کی گود میں ڈال دیں۔

ف: ہر بچہ پیدائش کے وقت چیختا ہے سوائے علیہ السلام کے۔

اس کے بعد بی بی مریم کو منجانب اللہ ندا آئی: فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ جب تم آدمیوں میں سے کسی کو دیکھو حرف ما ان شرط کی تاکید کے لیے ہے اور بمنزلہ قسم کے ہے۔ اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ جب وہ کسی فعل پر داخل ہو اور اس کے ساتھ نون مؤکدہ ہو تو وہ قسم کے قائم مقام ہوتا ہے۔ فَقُولِي اگر تجھ سے پوچھے کہ یہ بچہ کہاں سے لائی ہے تو اسے کہہ دینا یا کوئی ملامت کرے تو کہنا، إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَٰنِ صَوْمًا، میں نے اپنے اوپر منت مان کر واجب کر لیا ہے۔ اللہ تعالےٰ کے لیے خاموشی یا خاموشی اور روزہ۔

ف: بنی اسرائیل کے بہت بڑے عبادت گذار لوگوں کی عادت تھی کہ وہ صبح سے شام تک روزہ کے ساتھ لوگوں سے کلام بھی نہیں کرتے تھے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی امت سے اس قسم کا روزہ منسوخ ہو گیا۔ اس لیے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے خاموشی کے روزے سے منع فرمایا ہے۔

ف: ابکار الاذکار میں ہے کہ خاموشی کے وقت خاموش رہنا جوانمردی ہے اور بوقت ضرورت بولنا بہترین خصلت ہے ؎

اگرچہ پیش خردمند خامشی ادبست
بوقت مصلحت آں بہ کہ در سخن کوشی

دو چیز طیرہ عقلست دم فروبستن
بوقت گفتن و گفتن بوقت خاموشی

ترجمہ: اگرچہ دانا کے لیے خاموشی ادب ہے بوقت مصلحت اسی میں بہتری ہے کہ بولنے میں کوشش کریں۔ دو چیزیں عقل کی تاریکی ہیں کہ بولنے کے وقت نہ بولنا اور نہ بولنے کے وقت بولنا۔

سوال: بہت سے اہل مجاہدہ دائمی خاموشی کو ترجیح دیتے ہیں؟[1]

جواب: یہ ہر اہل مجاہدہ کا طریقہ اور قاعدہ نہیں بلکہ خاص لوگوں کے لیے ہے مثلاً جن لوگوں کو بولنے میں حظ نفس اور صفات مدح کے اظہار اور اچھے بولنے کے میلان کا خطرہ ہے۔ (ممکن ہے جن بزرگوں نے ایسے کیا انھیں مذکورہ بالا خطرات کا خطرہ ہو)

مسئلہ: حدیث شریف میں زمانۂ جاہلیت کی خاموشی سے منع فرمایا گیا۔ اس لیے کہ اہل جاہلیت تھی۔ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ بلوغت کے بعد یتیمی نہیں اور نہ ہی دن بھر خاموش رہنا چاہیئے۔

ف: اہل جاہلیت کا طریقہ تھا کہ اعتکاف بیٹھتے تو رات دن کسی سے نہ بولتے۔ (آج بھی بعض بے خبر اعتکاف میں اس قسم کا معاملہ کرتے ہیں) حالانکہ اسلام میں بحالت اعتکاف اس قسم کی خاموشی سے روکا گیا ہے۔

مسئلہ: اسلام نے اعتکاف میں حکم فرمایا کہ ذکر و فکر کے ساتھ نیک باتیں بھی کرو۔

مسئلہ: حدیث شریف میں مطلقاً سکوت سے روکا گیا ہے اگر کوئی شخص ہر وقت ذکر و فکر میں مشغول ہو تو وہ عام لوگوں سے کلام نہ کرے۔ یہی افضل ہے بلکہ سالک کو اسی کا حکم ہے جیسا کہ سلوک کی منازل طے کرنے کی شرائط میں سے ایک شرط دائمی خاموشی بھی ہے اس لیے کہ سالک کو انقطاع عما سوائے اللہ اور سلوک کا فائدہ دائمی خاموشی اور اس کے ساتھ باقی سات شرطوں کے بغیر حاصل نہ ہوگا۔

فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ۝ میں آج کسی فرد بشر سے کلام نہ کروں گی بلکہ فرشتوں سے بولوں گی یا اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہوں گی۔

ف: بی بی مریم کو حکم تھا کہ وہ اپنی نذر کی خبر اشاروں سے دے، زبان سے کسی سے ہمکلام نہ ہو۔ اب معنے یہ ہوا کہ اپنی نذر کی خبر لفظوں سے نہیں اشاروں سے دیجئے۔

قاعدہ: فراء نے لکھا کہ ہر وہ کلام جو کسی کے ہاں پہنچے اگر وہ مؤکد بالمصدر ہو تو اس کلام سے حقیقی معنے مراد ہوتا ہے۔

نکتہ: بی بی صاحبہ کو کلام نہ کرنے سے اس لیے روکا گیا کہ جہلاء کو سوائے لاف گزاف کے اور کوئی کام نہیں ہوتا۔ بی بی صاحبہ اگرچہ انھیں دلائل سے بھی سمجھاتیں تب بھی وہ نہ سمجھتے۔ ہاں! جب عیسےٰ علیہ السلام کا کلام سنیں گے تو چونکہ وہ خرق عادت ہوگا۔ اسی لیے اس سے مطمئن نہیں ہوں گے تو لایعنی کلام نہ کریں گے اور نہ ہی بی بی صاحبہ کو پریشان کریں گے۔ اسی لیے عیسےٰ علیہ السلام کو گہوارے میں بولنے کی قوت بخشی۔

---

[1] ملتان میں ایک درویش گذرے ہیں جنھوں نے زندگی بھر کلام نہ کی اسی لیے وہ چُپ شاہ (رحمہ اللہ) کے نام سے مشہور تھے۔ (اویسی)

ف : اس سے معلوم ہوا کہ

"جواب جاہلاں بود خاموشی"

کا مقولہ صحیح ہے یعنے جاہلوں سے کلام نہ کرنا واجب ہے اس لیے کہ بیوقوت سے ذلیل ترین اور کوئی انسان نہیں۔
حضرت صائب نے فرمایا ہے

در جنگ میکند لب خاموش کار تیغ
داد جواب مردم ناداں چہ لا است

ترجمہ : جنگ میں لب خاموش تلوار کا کام دیتا ہے۔ بیوقوف آدمیوں کو جواب دینا لازم نہیں۔
اور فرمایا ہے

جاگراں جاناں مگو حرف گراں تا نشنوی
کوہ دارد صد بے اختیار افتادہ است

ترجمہ : سخت گیر انسان کو سخت بات نہ کہو اس لیے کہ پہاڑ میں بے اختیار صدا اٹھتی ہے۔

ف : بلاغات زمخشری سے ہے کہ بیوقوف کو روگردانی سے مارو، اگر وہ اپنا تیز تیر چھوڑے تو حوصلہ سے توڑو۔ اس لیے کہ آگ کو پانی ہی بجھاتا ہے یعنے بیوقوف کا حملہ آگ کی طرح سمجھو اور اسے بجھانا ہے تو حوصلہ کرو۔ جیسے آگ کو پانی کے بغیر مٹانا مشکل ہے ایسے ہی جیسے بیوقوف کے حملے کو حوصلے کے بغیر مٹانا مشکل ہے آگ کو اور کوئی شے نہ ملے تو وہ خود کو کھا جاتی ہے ایسے ہی بیوقوف کے سامنے حوصلہ کرو تو اس کا اثر اسی پر پڑتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں روزے سے اشارہ ہے کہ ماسویٰ اللہ سے بالکل توجہ ہٹا لو۔ بزرگوں کا ارشاد ہے کہ دنیا صرف ایک دن کی بہار ہے اس میں ہمیں روزہ رکھنا ہے اور اس کا افطار اللہ تعالےٰ کے جمال کا مشاہدہ ہے سالک پر لازم ہے کہ وہ عالم ناسوت سے بالکل انقطاع کرے اور لاھوت کے ذکر کے سوا اور کوئی ذکر زبان پر نہ لائے۔ یہاں تک کہ اسے طریق اہل حق کا طے کرنا نصیب ہو اور اس سے منزل مقصود تک پہنچے پھر جیسے بی بی مریم نے کھجور کے خشک تنے کو جھونکا دیا تو اسے کھجور کے تازہ میوہ جات نصیب ہوئے۔ اسی طرح قلب کو جب سالک ذکر الہٰی کی ضربیں لگاتا ہے یعنے لا الٰہ الا اللہ کے ذکر سے دل کو بیدار کرتا ہے تو اس پر مشاہدات ربّانی و مکاشفات الہٰی کی راہیں کھلتی ہیں۔ اس سے اسے وہی تمتعات نصیب ہوں گے جو مردان راہ حق کو نصیب ہوتے ہیں جیسے حضور علیہ السلام نے خبر دی ہے :

ابیت عند ربی یطعمنی ویسقینی ۔

اے اللہ تعالےٰ ! ہمیں ان لوگوں سے بنا جن پر حقیقت حال منکشف ہو جاتی ہے اور وہ تجلیات جلال و جمال سے واصل ہوتے ہیں۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا ۔ یہ 'بار' بمعنے مع ہے یعنے بی بی مریم اپنی قوم کے ہاں اپنے بچے سمیت تشریف لائیں، جب کہ نفاس سے فارغ ہوئیں ۔ اور کاشفی اسے 'بار' تعدیہ کی بتاتے ہیں ۔ ان کے نزدیک اب معنے یہ ہوا کہ بی بی مریم عیسٰے علیہ السلام کو لائیں ۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالے عنہما نے فرمایا کہ قوم سے طلوع سورج کے وقت گئیں جب واپس آئیں تو ظہر کا وقت تھا اور صاحبزادہ، عیسٰے علیہ السلام بھی ساتھ تھے ۔

تَحْمِلُهٗ ط محلاً حال ہے یعنے حاملة ہے ۔

حکایت حضرت زکریا علیہ السلام نے بی بی مریم کو عبادت گاہ میں موجود نہ پایا تو تلاش کے لیے اپنے بھتیجے یوسف کو بھیجا ۔ اس نے انھیں تلاش کرتے ہوئے کھجور کے نیچے پایا ۔ جب وہ انھیں لے کر آئے تو ان کے ساتھ عیسٰے علیہ السلام تھے ۔ زکریا علیہ السلام اور دوسرے گھرانے والے بہت مغموم ہوئے اس لیے کہ تمام گھر والے نیک آدمی تھے ، اپنی شرمساری کی وجہ سے سخت پریشان تھے ۔ چنانچہ اسی پریشانی سے روئے اور غمگین ہوکر (قَالُوْا) زجر و توبیخ کرتے ہوئے بی بی صاحبہ سے کہا کہ يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا ۔ سے پہلے باء محذوف ہے یعنے مریم تو نے ایسا فعل کیا ہے جو بہت بُرا ہے اور ایسا مذموم ہے کہ جس کی مثال نہیں ۔ فَرِيًّا فری الجلد سے مشتق بمعنے قطع اور فری بمعنے قطیع اور الفریة ۔ بالکسر بمعنے الکذب دراصل الفری الامر المختلق المصنوع یعنے جعلی و مصنوعی معاملہ یا الفری بمعنے العظیم ۔

اہل عرب کہتے ہیں :

یفری الفری بمعنے یاتی بالعجب فی عمله یعنے وہ اپنے عمل کو عجیب طریق سے لاتا ہے ۔ یہ ذوا ضداد سے ہے کہ اس کا استعمال صالح اور برُے ہر دونوں امروں کے لیے مستعمل ہے ۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ اے مریم ! تو نے ایسا بُرا عمل کیا ہے کہ ہمارے خاندان میں آج تک کسی نے ایسا نہیں کیا ۔

يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ ۔ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ اس ہارون سے حضرت موسٰے علیہ السلام کے بھائی ہارون علیہ السلام مراد ہیں ۔ اس لیے کہ ان کا قاعدہ تھا کہ ان کی اولاد سے جتنے لوگ پیدا ہوتے اور وہ عملی لحاظ سے ان کے مرتبہ کو پہنچتے تو اسے ان کے بھائی، بہن سے تعبیر کرتے تھے حالانکہ بی بی مریم اور ہارون علیہ السلام کے درمیان ایک ہزار آٹھ سو سال کا فاصلہ تھا ۔

ف: بعض روایتوں میں ہے کہ ہارون بی بی مریم کا علاتی بھائی تھا (یعنے باپ کی جانب سے) اور وہ بھی بہت زیادہ نیک اور صالح انسان تھا ۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے وہی ہارون علیہ السلام یعنے موسٰے علیہ السلام کے بھائی مراد ہیں اور ان کی طرف اخوت کی نسبت اولاد ہونے کی وجہ سے ہے اس لیے کہ کبھی اولاد کو بھی اخوت سے تعبیر کرتے ہیں مثلاً کہا جاتا ہے :

"یا اخا العرب یا واحدا منهم ما کان ابوك امرا سوء"

مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ اور نہ تیرا باپ عمران بُرا تھا۔

ف: المرء الف لام وصلی کے ساتھ بمعنے الانسان والرجل۔ اس کی جمع اس کے اپنے لفظ سے نہیں آتی۔ (کذا فی القاموس)۔ سوء بفتح السین اور یہ اسواء کی طرف مضاف ہے اور یہ اکثر صفت ہوکر مستعمل ہوتا ہے یعنے حضرت عمران زانی نہیں تھے۔ (قالہ ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما)۔

ف: کاشفی نے کہا ہے کہ اسے مریم! تیرا باپ بُرا نہیں تھا بلکہ وہ مسجد اقصیٰ کے علماء و احبار کے سرتاج اور برگزیدہ تھے۔

وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ○ اور نہ تیری ماں (حنہ بن فاقوذ) زانیہ تھی۔ پھر یہ بیٹا تجھے باپ کے بغیر کیوں؟ یہ ماجاءت الخ کی تقریر ہے تاکہ بی بی صاحبہ کے ساتھ اظہار مذمت کی تاکید ہو اور مزید تنبیہ کے لیے کہ ایسا بُرا عمل اگرچہ ہر ایک سے قبیح ہے لیکن صالحین کی اولاد سے قبیح تر ہے۔

ولی و نبی کی ایک عجیب علامت جب کسی ولی یا نبی علیہ السلام سے معجزے اور کرامت کے اظہار کا ارادہ فرماتا ہے تو ان کے معاصرین کی عادت ہے کہ ان کے معجزے اور کرامت کا انکار کرکے ان حضرت کو جنوں کی طرف منسوب کرتے ہیں بلکہ بہت سے بدقسمت انھیں گمراہ، مفتری، کذاب اور ساحر وغیرہ جیسے القاب سے یاد کرتے ہیں، بہت سے تھوڑے خوش قسمت ایسے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ اگرچہ ان کے طور طریق جمہور کے خلاف ہو گئے ہیں لیکن ایک وقت اسی سفر سے واپس آجائیں گے اس لیے کہ ان کے ہاں علوم غریبہ و احوال عجیبہ ہوتے ہیں۔ ان کے معاملات کو عقول سے نہیں پرکھا جاتا اور نہ ہی افکار و انظار معلوم کیے جا سکتے ہیں بلکہ ان کے ساتھ صحیح اعتقاد رکھنے سے انھیں سمجھا جا سکتا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

مغز را خالی کن از انکار یار
تاکہ ریحان یابد از گلزار یار
تا بیابی بوئے خلد از یار من
چوں محمد بوئے رحمٰن از یمن

ترجمہ: انکار یار سے مغز خالی کیجئے تاکہ گلزار یار سے خوشبو نصیب ہو تاکہ یار سے بہشت کی خوشبو ہو جیسے محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم یمن سے رحمٰن کی خوشبو پاتے تھے۔

فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ؕ بی بی مریم نے عیسےٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا کہ اس سے گفتگو کیجئے، وہی آپ کو جواب دے گا اس کا کلام میرے لیے حجت ہوگا۔ ظاہر یہ ہے کہ اس وقت بی بی صاحبہ نے اپنی نذر کا بتایا اور اشارہ کیا کہ میں لوگوں سے گفتگو کرنے سے روکی گئی ہوں فلہٰذا عیسےٰ علیہ السلام سے پوچھو۔ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِى الْمَهْدِ صَبِيًّا ○ انکار کرتے ہوئے کہا کہ ہم اس کیسے گفتگو کریں جو گہوارے میں ابھی بچہ ہے اور ہم نے کبھی نہ سنا نہ دیکھا کہ شیر خوار

بچہ گود میں عاقلوں جیسی گفتگو کرے اس لیے ایسے بچوں کو بولنے کا کیا پتہ اور کسی کے جواب دینے کی کیا خبر؟

قاعدہ کَانَ کَانَ فعل زر افعال ناقصہ کا قاعدہ ہے کہ وہ زمانۂ ماضی مبہم میں مضمون جملہ کے ایقاع کے لیے مستعمل ہوتا ہے۔ زمانہ ماضی قریب ہو یا بعید۔ یہاں پر ماضی قریب کے لیے ہے۔ اس پر قرینہ یہ ہے کہ یہ کان تعجب کے بعد واقع ہوا ہے یا زائدہ ہے اور فی المھد۔ من موصولہ کا ہے اور صبیا اسی ظرف کے اندر ضمیر مستتر سے حال ہے یا کان تامہ ہے یا استمرار پر دلالت کرتا ہے جیسے وکان اللہ علیما حکیما میں کا استمراریہ ہے۔

ف: فقیر (حقی) کہتا ہے کہ یہ کان عیسٰی علیہ السلام کے صبی ہونے کی تحقیق کے لیے ہے۔ ماضی خود تحقیق پر دلالت کرتی ہے تو اسے کان کے ساتھ متحقق کرنے کا کیا معنے۔

قَالَ ۔ یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے گویا سوال ہوا کہ پھر انھوں نے کیا کیا اور ان کے سوال پر عیسٰی علیہ السلام نے کیا فرمایا۔ اس کے جواب میں فرمایا، قال یعنے عیسٰی علیہ السلام نے فصیح کلام سے کہا، اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ میں اپنی عبودیت کا اقرار کرتا ہوں۔

ردِّ نصرانیت عیسٰی علیہ السلام نے سب سے پہلے کلام نصرانیوں کے ردّ میں فرمایا جب کہ ان کا عقیدہ ہے کہ (معاذ اللہ) عیسٰی علیہ السلام خدا ہیں اور اللہ تعالےٰ پر جو نصارٰی بہتان تراشتے ہیں کہ وہ عیسٰی علیہ السلام کا باپ ہے اس کا بھی ازالہ فرما دیا اور ساتھ ہی اپنی ماں کو بھی زنا کی تہمت سے بری فرمایا کہ زانیہ عورت کو ایسے بیٹے نصیب نہیں ہوتے۔

ف: حضرت جنید رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نہ عبد زانی ہوں نہ لالچی اور نہ شہوت پرست۔

مسئلہ: اس میں اشارہ ہے کہ افضل الاسماء وہ ہیں جن میں عبودیت کا اظہار ہو۔

مسئلہ: فقیر (حقی) کہتا ہے کہ میں نے اپنے پیر و مرشد قدس سرہٗ سے سنا ہے کہ عبداللہ نام عبدالرحمٰن سے افضل ہے، عبدالرحمٰن، عبدالرحیم سے اور عبدالرحیم عبدالکریم سے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ و عبدالحی و عبدالحق جیسے اسماء کو اعلیٰ الاسماء بتایا ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالےٰ کے بعض اسماء ذات پر اور بعض صفات پر اور بعض افعال پر دلالت کرتے ہیں۔ اوّل سے ثانی اور ثانی ثالث سے اعلیٰ ہے

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ عیسٰی علیہ السلام کو بولنے کے لیے کہنے والے حضرت زکریا علیہ السلام تھے۔

ف: چار پیغمبروں کو بچپن میں چار صفات نصیب ہوتے:

(۱) یوسف علیہ السلام کو بچپن میں کنوئیں میں وحی سے نوازا گیا۔

(۲) عیسٰی علیہ السلام کو گہوارے میں بولنے کی طاقت بخشی گئی۔

(۳) سلیمان علیہ السلام کو معاملہ فہمی۔

(۴) یحیٰی علیہ السلام کو حکمت۔

افضل الانبیاء حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم: ہمارے نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کو بوقت ولادت

سجدہ کی دولت بخشی گئی۔ اس سے آپ نے اپنی رسالت کا اظہار فرمایا اور آپ کو اسی وقت سے شرح صدر عطا ہوا اور ختم نبوت سے نوازے گئے اور ولادت کے وقت ملائکہ اور حوریں خدمت کے لیے مقرر ہوئیں بلکہ آپ کو ولادت سے پہلے عالم ارواح میں نبوت سے نوازا گیا اور ایسے اوصاف دوسرے انبیاء علیہم السلام کو کہاں نصیب۔

ے

شمسۂ نہ مسند و ہفت اختران

ختم رسل خواجہ پیغمبران

ترجمہ: نو مسندوں اور سات ستاروں کے شہ رسل کرام کے خاتم تمام پیغمبروں کے سردار۔

اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ ، مجھے اللہ تعالٰے نے کتاب انجیل عطا فرمائی۔ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا ○ وَجَعَلَنِیْ مُبٰرَکًا اور مجھے نبی اور بابرکت یعنے نفع رساں اور معلم الخیر بنایا۔ صیغۂ ماضی سے مایکون کی خبر دی۔ جمہور کا مذہب ہے کہ عیسٰے علیہ السلام کو انجیل اور نبوت طفولیت میں ملی اور طفولیت میں بڑے عقل مندوں جیسی باتیں کرتے۔ (کذا فی بحر العلوم)

ف: فقیر (حقی) کہتا ہے کہ مشہور ہے کہ عیسٰے علیہ السلام پر تیس ۳۰ سال کی عمر میں وحی نازل ہوئی۔ اس معنے پر آپ کی نبوت، رسالت سے پہلے ہوگی۔ اَیْنَمَا کُنْتُ ، جہاں بھی ہوں گا میرے لیے کوئی قید نہ ہوگی۔

وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ۔ اور مجھے میرے رب تعالٰے نے صلوٰۃ وزکوٰۃ سے متعلق تاکید فرمائی ہے۔ زکوٰۃ سے مال ملکیتی کی زکوٰۃ ادا کرنا مراد ہے۔

ف: فقیر کہتا ہے (یعنے اسماعیل حقی) کہ زکوٰۃ کے حکم سے ضروری نہیں کہ وہ دولت مند ہی ہوں اس لیے کہ یہ حکم بنی عیسٰے علیہ السلام کو ان کے دولت مند امتیوں کے لیے ہوا۔ اس لیے کہ عام قاعدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی طرف جو عمومی خطابات منسوب ہوتے ہیں وہ دراصل ان کی امت کے لیے ہوتے ہیں تاکہ وہ حضرات اپنی امت کو اللہ تعالٰے کے اوامر کی پابندی اور نواہی سے احتراز کرنے پر متنبہ کر سکیں۔

مَادُمْتُ حَیًّا ○ جب تک میں دنیا میں زندہ رہوں۔

جہال صوفیوں کا ردّ

بہت سے جاہل صوفی کہا کرتے ہیں کہ اب ہم یا ہمارا (جاہل پیر) ایسے مراتب کو پہنچ چکا ہے کہ احکام تکالیف معاف ہو چکے ہیں۔ ان کی تردید میں صاحب روح البیان نے فرمایا[۱]۔

"اس آیت سے ثابت ہوا کہ انسان جب تک زندہ ہے اس سے ظاہری احکام تکلیفہ کبھی ساقط نہیں ہوتے۔ اس کے بعد جہال صوفیہ کے متعلق فرمایا "احکام تکلیفہ کے سقوط کا قول کفر و گمراہی ہے۔" (بحر العلوم)

---

[۱]: اضافہ از مترجم۔

فالقول بسقوطها کما نقل عن بعض الاباحیین کفر وضلال [1] — احکام تکالیف کے سقوط کا قول جو بعض جہال صوفیا کرتے ہیں وہ گمراہی اور کفر ہے۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس آیت میں واضح دلیل ہے کہ سالک پر لازم ہے کہ وہ اسرار الٰہیہ پر مضبوطی سے قائم اور عبودیت و تزکیۂ نفس کے لیے کوشاں رہے۔

ف: فقیر (حقی) کہتا ہے کہ اقامت تکالیف عبودیت کی علامت ہے۔ مبتدئین کو یہ اقامت تزکیۂ نفس کا فائدہ دیتی ہے اور منتہیوں کو ادائیگی شکر کا۔ اور یہ دونوں یعنی تزکیۂ نفس و ادائیگی شکر انسان کو زندگی بھر لازم ہیں، کسی وقت بھی ساقط نہیں ہوتے جب تک کہ کوئی شرعی عذر حائل نہ ہو، مثلاً جنون و بیہوشی وغیرہ۔

وَّبَرًّاۢ بِوَالِدَتِیْ ز اس کا عطف مبارکاً پر ہے یعنے اللہ تعالٰے نے مجھے اپنی ماں کا خدمت گزار، احسان کنندہ اور لطف کرنے والا بنایا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ ان کی والدہ کا کوئی شوہر نہیں۔ وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا، اور میرے رب تعالٰے نے مجھے متکبر نہیں بنایا یعنے میں وہ نہیں ہوں کہ سرکشی کروں اور اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا سمجھ کر تکبر کروں اور ان کا دل دکھاؤں۔ شَقِیًّا اور مجھے میرے رب نے اپنا نافرماں بندہ بھی نہیں بنایا۔

وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ، اور مجھ پر اللہ تعالٰے کے سلام ہوں۔ یَوْمَ وُلِدْتُّ، جس وقت میں بغیر باپ کے پیدا ہوا اور مجھے شیطان کے ٹھونسنے سے محفوظ کر لیا گیا۔ وَیَوْمَ اَمُوْتُ، اور اس وقت مجھے موت آئے گی تو میں موت کی تکالیف اور اس کے بعد کے شدائد سے امن میں ہوں گا۔ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا یہ ابعث کی ضمیر متکلم سے حال ہے یعنے قیامت کے ہولناک عذابوں سے اور جہنم سے قبر سے اٹھتے ہی مجھے بچا لیا جائے گا جیسے یحیٰے علیہ السلام کو ان مقامات پر سلامتی سے نوازا گیا ایسے ہی عیسٰی علیہ السلام کو بھی۔

ف: السلٰم کا حرف تعریف عہدی ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ جنسی ہے۔ اس سے اُن بدبختوں کا رد مطلوب ہے جو عیسٰے علیہ السلام پر لعن طعن کرتے ہیں۔ اس لیے کہ جب عیسٰے علیہ السلام نے اپنے لیے سلامتی کا اظہار فرمایا تو سلامتی کے تمام اضداد کا رد ہو گیا جیسے ہم کہتے ہیں:

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

یعنے جو بھی اللہ تعالٰے کے دین سے اعراض کرتا ہے اس پر عذاب اور جو اس کا اقرار کرتا ہے اس کے لیے امن و سلامتی ہے۔

ف: عیسٰے علیہ السلام سے یہ کلام سن کر تمام قوم مطمئن ہو گئی اور بی بی مریم کو محفوظ مان لیا اور ان سے تمام شکوک و شبہات ختم کر دیتے گئے اس کے بعد عیسٰے علیہ السلام سن تکلم طبعی تک خاموش رہے۔

---

[1] روح البیان صہ۳۲۱ جلد ۴۔ مطبوعہ جدید

سوال از دہری : الاسئلۃ القویہ میں ہے کہ یوم ابعث احیا سے معلوم ہوا کہ قبر میں حیات نہیں ورنہ اس کا ذکر بھی فرماتے، بہاں پر ایک حیات کے ذکر سے ثابت ہوا کہ برزخ میں کسی قسم کی کسی کو حیات حاصل نہیں؟

جواب : چونکہ سلامتی کا تعلق عوام کی نظروں میں صرف دنیا سے متعلق ہوتا ہے۔ اسی لیے اسی کا نام لیا اور حیات برزخیہ میں جدید سلامتی کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ اس کا تعلق بھی حیات دنیوی کے لحاظ سے ہوتا ہے۔

ف : فقیر (حقی) کہتا ہے کہ عموماً برزخ بھی حیات روحانی اور دنیوی حیات الروح مع الجسد ہوتی اور پہلی دوسری کا نصف ہے اور روح کو دائمی حیات حاصل ہے نہ وہ فنا ہوا نہ ہوگا۔ جسم سے نکلنے کا نام اس کے لیے موت ہے۔ (کتاب الروح لابن القیم، اویسی غفرلہٗ)۔

نکتہ : یحییٰ علیہ السلام کے مضمون میں سلام کو نکرہ اور عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر میں معرفہ لانے میں حکمت یہ ہے کہ یحییٰ علیہ السلام کے ذکر میں سلام کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ وہ اگرچہ قلیل ہے لیکن بے شمار اور کثیر در کثیر ہے اور عیسیٰ علیہ السلام میں سلام کی نسبت ان کی اپنی طرف ہے اور اس سے کثرت مطلوب ہے۔

ف : اللہ تعالیٰ کی طرف قلت کی نسبت ہو تو عند الصوفیہ وہی اولیٰ ہے۔ اسی لیے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے "اھدنا صراطا مستقیما" پڑھا ہے۔ ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم تیرے تھوڑے عطیہ پر راضی ہیں۔ (کذا فی برہان القرآن)

صوفیانہ نکتہ فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ میرے شیخ و پیر و مرشد قدس سرہٗ نے فرمایا کہ یحییٰ علیہ السلام کے مضمون میں صیغۂ غیب اور عیسیٰ علیہ السلام کے کلام میں صیغۂ تکلم میں اشارہ ہے کہ دونوں حضرات اہلِ حقیقت اور اہل فنا و کمال اور جامع ہیں الجلال والجمال واہلِ شریعۃ والبقار تھے اور قاعدہ ہے کہ جلال و جمال کمال کلی میں مندرج ہیں صرف فرق یہ ہے کہ استعدادی ازلی کا میلان حقیقت و کمال کی طرف ہے اور یحییٰ علیہ السلام پر بحسب فطرت الٰہیہ ازلیہ کی وجہ سے کمال الجلال کا غلبہ تھا اور یہ غلبہ اضطراری معاملہ ہے کسی کے اختیار میں نہیں۔ اس لیے کہ یہ غلبہ ازل ہی سے سلطنۃ حقیقۃ و فنا سے نصیب ہوتا ہے۔ اسی لیے ان کے قلب پر کمال جلال کا غلبہ تھا، اس کا میلان جانب شریعت ہوتا ہے اور بقا جمال ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کی جمعیت پر بحسب فطرت الٰہیہ ازلیہ جمال غالب تھا اور یہ بھی اختیاری نہیں بلکہ اضطراری تھا جو انھیں دولت شریعت و بقار کے استیلا، اور قلب پر جمال و کمال کی وجہ سے تھا۔ یحیاویہ غلبہ کا تقاضا سکوت و عدم نطق ہے۔ اسی لیے یحییٰ علیہ السلام کے احوال اللہ تعالیٰ نے خود بیان کیے اور ان کے "سلام" میں صیغۂ غیب کو لایا۔ اس وجہ سے کہا گیا ہے:

"من عرف کل لسانہ"

جسے عرفان نصیب ہوا اس کی زبان گنگ ہوئی، اس لیے کہ ایسے شخص پر فنار البقار کا غلبہ ہوتا ہے اور جس کی معرفت میں زبان گنگ ہو وہ یحییٰ علیہ السلام کے مشرب پر ہوتا ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کے غلبہ کا تقاضا نطق و ترک سکوت ہے۔ اسی لیے انھوں نے اپنا حال خود بیان کیا درمیان میں اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی نہیں لایا گیا۔ یہ "من عرف اللہ طال لسانہ" کے قبیل سے ہے یعنے جو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرتا ہے اس کی زبان متکلم ہو جاتی ہے اس لیے کہ ایسے شخص کی بقار کو فنا پر غلبہ ہوتا ہے اور جو مرتبہ کو حاصل کرلے

یعنے جیسے معرفت حاصل ہو اور اس کی زبان تکلم کی عادت ہوتی ہے ایسے لوگ حضرت عیسے علیہ السلام کے مشرب پر ہوتے ہیں ہر دونوں کا حال رضائے الہی اور اس کی قضا کے موافق تھا اور دونوں جمعیت کبریٰ میں مشترک تھے۔ میل الاہلیۃ العظمی میں مجتمع لیکن میل میں اہلیت علیا منفرد۔ اس لیے کہ یحیےٰ علیہ السلام کا میلان فنا کی طرف اور عیسےٰ علیہ السلام کا بقار کی طرف تھا اگر وہ دونوں ایک ہی غلبہ پر مجتمع ہو جاتے تو آخرت میں ان دونوں کے درمیان امتیاز مشکل ہو جاتا بلکہ یہ ایک قسم کا عبث فعل متصور ہوتا ہے اور اللہ تعالےٰ کا کوئی فعل عبث نہیں بلکہ وہ ہر قسم کے فضول امر سے پاک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہر ایک کو علیٰحدہ علیٰحدہ تجلی سے نوازتا ہے یعنے ایک تجلی دوسرے کی تجلی کے لیے غیر ہوتی ہے اگرچہ ان میں ہر ایک کی حقیقت ایک ہے۔ اسی لیے حضرت یحیےٰ علیہ السلام کے قلب پر جلال اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے قلب پر جمال کا غلبہ تھا۔ ان دونوں پر بھی علیٰحدہ علیٰحدہ دو قسم کی تجلیاں ہوئیں، اگرچہ مرتبہ احدیت میں ان تجلیات کا اصل ایک ہے ان کے مابین اگر فرق تھا تو مرتبۂ جمع کے بعد تھا۔ اسی طرح جو حضرات ان دونوں مراتب کے وارث بنیں گے ان کا بھی یہی حال رہے گا اور قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا یعنے اولیاء کرام کو وراثت میں یہ مراتب ملیں گے تو انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطریق فیض و الہام فرمان ہوتا ہے :

"السلام علیك یوم ولدت و یوم تموت و یوم تبعث حیا "

اسی لیے فرمایا گیا ہے :

"الا ان اولیاء الله لا خوف علیهم ولا هم یحزنون "

یہ ان کے لیے دنیا کے مبشرات میں سے ایک ہے جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے ان کے لیے فرمایا :

"لهم البشریٰ فی الحیوۃ الدنیا "

لیکن یہ حضرات اپنے ایسے الہامات کو پوشیدہ رکھتے ہیں اس لیے کہ اللہ تعالےٰ سے انھیں ایسے امور کو مخفی رکھنے کا حکم ہوتا ہے اور وہ یہی اپنی بہت بڑی کرامت سمجھتے ہیں کہ انھیں اللہ تعالےٰ کی طرف سے امن و سلامتی سے خوشخبری سے نوازا گیا ہے اسی لیے انھیں کسی دوسرے کے علم اور کشف و الہام کی ضرورت نہیں ہوتی۔

ف : انبیاء علیہم السلام اپنے امن و سلامتی کا اظہار کرتے ہیں اس لیے کہ وہ اس کے اظہار کے لیے مامور من اللہ ہوتے ہیں کیونکہ وہ شارع ہوتے ہیں اور جب تک وہ دوسروں کو اپنی امن و سلامتی کی خبر نہ دیں تو ان کی دعوت کا اثر کیسے ہو۔ اسی لیے وہ اپنے امن بہ سلامتی کا اظہار کرتے ہیں تاکہ لوگ ان پر اعتماد کر کے ایمان لائیں۔ فرمایا :

والله یقول الحق و یهدی الیه من ینیب

حکایت اسئلۃ الحکم میں ہے کہ حضور سرور دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں یعنے عیسےٰ و یحیےٰ علیہما السلام کے مقام کی خبر دی ہے وہ اس طرح کہ یہ دونوں حضرات کہیں آپس میں ملاقی ہوئے تو عیسےٰ علیہ السلام کو یحیےٰ علیہ السلام نے خوش و خرم دیکھ کر فرمایا کہ گویا آپ کو اللہ تعالےٰ سے کسی طرح کا خوف ہی نہیں۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے حضرت یحیےٰ علیہ السلام کو مغموم

دیکھ کر فرمایا گویا آپ اللہ تعالٰی کی رحمت سے بالکل ناامید ہیں ان کی اس گفتگو پر اللہ تعالٰی نے وحی بھیجی کہ اے میرے محبوبو! تم دونوں میرے محبوب ترین بندے ہو اس لیے کہ تمہیں میرے ساتھ نیک گمان ہے۔

نکتہ : حضرت یحیٰی علیہ السلام مقام جلال میں تھے اسی لیے جب شہید ہوئے تو آپ کے خون مبارک کا اثر اس وقت زائل ہوا جب آپ کے قصاص میں آپ کے قاتلین کے متعلقین سے ستر ہزار افراد مارے گئے اور چونکہ عیسٰی علیہ السلام مقام بسط و جمال میں تھے اسی لیے آسمان پر زندہ اٹھائے گئے بلکہ مظاہر جمال سے ملاء اعلیٰ میں پہنچے اور ان دونوں کے بلند مقام ہیں۔ دونوں کو فائز المرام کہنا لازمی ہے۔

ف : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ د بوہرا موت میں اشارہ ہے کہ وہ عیسٰی جو سالک کے قلب میں نفخ حق کے ساتھ پیدا کیا گیا وہ صفات نفس کے غلبات کی زہر سے موت کے قابل ہے تاکہ واصل باللہ اس گھمنڈ میں نہ رہے کہ جب اس کا قلب زندہ ہو جائے گا تو پھر وہ معنے جو اس کے قلب میں ہے وہ فنا پذیر نہ ہوگا۔

فقیر (حقی) کہتا ہے : ؎

اے بسا زندہ بمردہ مغرور
شدہ از دائرۂ زندگی دور
گشت بروے متغیر حالش
زھر شد جملہ فیض بالش
ماند دو عین قضا صورت او
گرچہ در صورت ظاہر شدہ او
درپے نفس بدش ہر کہ دوید
تا نپندار کہ سر منزل دید

ترجمہ : بہت سے زندہ مغرور مردہ ہیں دائرۂ زندگانی سے دور ہیں۔
اس کا حال متغیر ہو کر رہا، اس کے فیض کا حال زہر ہوگیا۔
اس کی دونوں آنکھیں گدی میں ہوگئیں اگرچہ بظاہر صحیح و سالم نظر آتا ہے۔
جو بھی نفس بد کے پیچھے دوڑتا ہے، اسے یہ مت سمجھو کہ وہ منزل مقصود پہ پہنچا۔

ف : حضرت عیسٰی علیہ السلام ملوک الطوائفی دور میں پیدا ہوئے جب کہ بابل کی زمین پر سکندر کے غلبہ کو صرف پینسٹھ سال گذرے تھے بعض اس سے کچھ زائد کے قائل ہیں۔

ف : بی بی مریم جب حاملہ ہوئیں تو اس وقت تیرہ سال کی تھیں اور عیسٰی علیہ السلام کو نبوت اس وقت ملی جب آپ تیس (۳۰) سال کے تھے اور تینتیس سال کے تھے جب کہ آپ کو آسمان پر اٹھایا گیا۔ اس کے بعد بی بی مریم چھ سال زندہ رہیں۔

شام سے مصر کی ہجرت

بی بی مریم حضرت عیسٰے علیہ السلام کو شام سے مصر کے علاقہ میں لے گئیں جب کہ آپ کو ہیرودس بادشاہ سے خطرہ لاحق ہوا۔ وہ اس لیے کہ فارس کے بادشاہ کو نجوم کے ذریعہ عیسٰے علیہ السلام کی ولادت کا علم ہوا تو اس نے ہیرودس کے بادشاہ کے ہاں تین تحفے بھیجے :

① سونا

② مُر

③ لوبان

ہیرودس کے ہاں قاصد تحائف لے کر حاضر ہوئے تو اس نے پوچھا کہ سونے کا ہدیہ کس لیے انھوں نے کہا کہ سونا دنیوی اسباب کا سردار ہے۔ اور جس (عیسٰی علیہ السلام) کے لیے ہم نے ہدیہ بھیجا ہے وہ تمام سامان کا سردار ہے اور 'مُر' اس لیے کہ یہ زخموں کو درست کرتا اور شفا دیتا ہے اور جس کے لیے ہم ہدیہ لے کر آئے ہیں، وہ بھی بیماروں کو شفا دیں گے اور 'لوبان' اس لیے کہ اس کا دھواں آسمان کی طرف جاتا ہے اور ہمارا ممدوح بھی آسمان پہ اٹھایا جائے گا۔ ان تحائف کی خبر سے ہیرودس کو اپنی شاہی کے چھن جانا کا خطرہ لاحق ہوا اس لیے انھیں کہا کہ جب تم اپنے ممدوح کو معلوم کر لو تو مجھے بھی اس کا تعارف اور اس کے گھر کی خبر دیتے جانا۔ ان صاحبان نے عیسٰی علیہ السلام کو پا لیا اور اس کی خبر ہیرودس کو بھی دے دی لیکن اللہ تعالٰے نے بی بی مریم کے ہاں فرشتہ بھیجا کہ ہیرودس عیسٰے علیہ السلام کو قتل کرانا چاہتا ہے۔ فلہٰذا تم یہاں سے مصر چلے جاؤ۔ چنانچہ بی بی مریم یوسف بن یعقوب نجار کے ساتھ مصر کی طرف چلی گئیں اور یہیں کافی عرصہ مقیم رہیں یہاں تک کہ عیسٰے علیہ السلام بارہ سال کے ہو گئے اور ادھر ہیرودس بادشاہ بھی فوت ہو گیا۔ تب بی بی صاحبہ اپنے علاقہ شام میں واپس تشریف لائیں۔

عیسٰے علیہ السلام اور حروف ابجد

منقول ہے کہ بی بی مریم نے عیسٰی علیہ السلام کو ایک استاذ کے ہاں پڑھنے کے لیے بیٹھایا جب استاذ نے عیسٰے علیہ السلام کو لفظ ابجد پڑھایا تو عیسٰی علیہ السلام نے استاذ صاحب سے پوچھا کہ ابجد کیا ہے؟ اس نے کہا، واللہ اعلم۔ آپ نے فرمایا کہ الف سے آلاء اللہ (اللہ تعالٰے کی نعمتیں) اور باء سے بہاء اللہ (اللہ تعالٰے کا دبدبہ) اور جیم سے جلال اللہ (اللہ تعالٰے کا جلال اور بزرگی اور دال سے دین اللہ مراد ہے۔ استاذ صاحب نے کہا: احسنت پھر اس نے پڑھایا؛ ھوز آپ نے پھر اسی طرح فرمایا کہ ھا سے ھواللہ الذی لا الٰہ الا ھو۔ اور واؤ سے ویل للمکذبین۔ اور زاء سے زبانیۃ جھنم اعدت للکفرین مراد ہیں۔ استاذ نے کہا: احسنت۔ اس کے بعد فرمایا کہ حطی کی حاء سے حطۃ الخطایا عن المذنبین۔ اور طاء سے شجرۂ طوبی۔ اور یاء سے ید اللہ علےٰ خلقہ مراد ہے۔ استاذ صاحب نے کہا: احسنت۔ اس کے بعد فرمایا کہ کلمن میں کاف سے کلام اللہ۔ اور لام سے لقاء اھل الجنۃ بعضھم بعضا۔ اور میم سے ملک۔ اور نون سے نور اللہ مراد ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ سعفص میں سین سے سناء اللہ اور عین سے علم اللہ اور فاء سے فعلہ فی خلقہ اور ص سے صدقہ

فی اقوالہ مراد ہے۔ استاذ صاحب نے فرمایا: احسنت۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ قرشت میں قاف سے قدرۃ اللہ اور راء سے ربوبیۃ اللہ اور شین سے مشیۃ اللہ اور تاء سے تعالیٰ اللہ عما یشرکون مراد ہے۔ استاذ صاحب نے عیسیٰ علیہ السلام کے علم و دانش کی داد دی۔ استاذ صاحب نے بی بی سے کہا کہ صاحبزادہ کو لے جائیے اس نے الٹا مجھے وہ اسباق سمجھائے جو میں پہلے نہیں جانتا تھا۔ (کذا فی قصص الانبیاء)

اعجوبہ: مروی ہے کہ یہ آٹھ کلمات "ابجد - ھوز - حطی - کلمن - سعفص - قرشت - تخذ - ضظغ" آٹھ بادشاہوں کے نام ہیں۔

ف: بعض کے نزدیک یہ آٹھ کلمات یونانیوں کی ایجاد ہے انھوں نے اعداد کی ضبط اور ان کے مراتب کی تمیز کے لیے وضع کیے تھے۔ (کذا فی شرح التقویم)

ف: محمد بن طلحہ العقد الفرید میں لکھتے ہیں سب سے پہلے جن لوگوں نے عربی خط کی وضع کی اور اس کے حرف جوڑ کر اس کے اقسام بتائے، وہ چھ اشخاص تھے جو عدنان بن داؤد کے ہاں مہمان ہو کر ٹھہرے ان کے اسماء یہ ہیں:

①	ابجد	②	ہوز
③	حطی	④	کلمن
⑤	سعفص	⑥	قرشت

انھوں نے ہی کتابت کو وضع کیا اور خط کو اسماء پر مقرر کیا۔ بعض وہ حروف جو ان کے اسماء میں نہیں تھے۔ انھیں اپنے اسمائی حروف کو الحاقی بتایا اور انھیں روادف سے تعبیر کیا اور وہ یہ ہیں: تاء - حاء - ذال - ضاد - ظاء - غین - یعنے وہی الحاق ہے جو ایک جملہ کو دوسرے جملہ سے ملحق کیا جاتا ہے۔ ہم نے خلاصہ کے طور پر چند باتیں عرض کر دی ہیں ان کے علاوہ اور وجوہ بھی بتائے گئے ہیں۔

ذٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ ؕ جس کی صفات ابھی مذکور ہوئیں وہ عیسٰے بن مریم ہیں وہ صفتیں نصاریٰ بیان کرتے ہیں وہ عیسٰے نہیں اس سے نصاریٰ کی تکذیب ہے کہ ان کے عقیدے کے خلاف امر کو بیان کر کے ان کی نہ صرف تکذیب فرمائی بلکہ ابلغ طریق یعنے طریق برہانی سے ان کی تردید فرمائی اس لیے کہ جس کو وہ عقیدہ بتاتے تھے اس کی نقیض کو اللہ تعالےٰ نے حق بتایا۔ قَوْلَ الْحَقِّ یعنے وہ قول جو ثابت اور سراسر صدق ہے۔ یہ منصوب ہے بوجہ مفعول مطلق ہونے کے۔ قال انی عبد اللہ کی تاکید ہے اور ذالک عیسی بن مریم جملہ معترضہ ہے۔ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ وہ کہ جس کے متعلق تم شک کرتے ہو اس لیے کہ المزیۃ بمعنے شک ہے کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ عیسٰے علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے۔

مَا كَانَ لِلّٰهِ، اللہ تعالےٰ کے لائق نہیں۔ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ من ولد۔ یتخذ کا مفعول بہ ہے اور من نفی عام کی تاکید کے لیے ہے۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ولد سے جزُ مراد ہے اس لیے کہ ولد، والد کا جزُ ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: فاطمہ بضعۃ منی (فاطمہ رضی اللہ عنہا میرے جسم کا ٹکڑا ہے۔

سُبْحٰنَهٗ اللہ تعالےٰ نصاریٰ کے بہتان سے پاک اور منزہ ہے اس لیے کہ قدیم کی کوئی جنس نہیں۔ اِذَا قَضٰی اَمْرًا جب اللہ تعالےٰ کسی امر کے ہونے کا ارادہ کرتا ہے۔ فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ○ تو اس کے لیے فرماتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح عیسٰی علیہ السلام سے فرمایا: کن، ہو جا۔ فیکون، تو باپ کے بغیر پیدا ہوگئے۔ یہاں پر قول کا مجازی معنے سرعۃ الایجاد ہے۔ اب معنے یہ ہوا کہ جب اللہ تعالےٰ کسی شے کے پیدا کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے لیے کوئی شے حائل نہیں ہوتی بلکہ جونہی وہ ارادہ فرماتا ہے تو وہ شے فی الفور پیدا ہو جاتی ہے یہ ایسے ہے جیسے امر اپنے مطیع مامور کو جس وقت امر فرماتا ہے تو وہ مطیع مامور فوراً بلا تاخیر حکم کی تعمیل کرتا ہے ایسے ہی اللہ تعالےٰ کے حکم کی تعمیل میں کسی قسم کی تاخیر نہیں ہوتی ایسے مجاز کو تمثیل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ط اور بے شک میرا اور تمہارا رب، اللہ تعالےٰ ہے فلہٰذا اسی کی عبادت کرو۔ یہ عیسٰی علیہ السلام کے کلام کا تتمہ ہے اور اس کا انی عبد اللہ پر عطف ہے اور یہ بھی قال کے حکم میں داخل ہے۔ هٰذَا یہ جو میں نے توحید کے اسباق بیان کئے۔ صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ○ ایسا سیدھا راستہ ہے کہ اس پر چلنے والا گمراہ نہیں ہو سکتا۔

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ۔ الاحزاب۔ حزب کی جمع ہے بمعنے جماعت۔ مِنْۢ بَیْنِهِمْ آپس میں جماعتوں نے اختلاف کیا کہ ربکم وہ تمہارا رب ہے۔ فاعبدوہ، اس کی عبادت کرو۔ احزاب سے عیسےٰ علیہ السلام کی وہ قوم مراد ہے جن کی طرف مبعوث ہوتے۔ چنانچہ جماعت سطوریہ نے کہا کہ عیسےٰ علیہ السلام "ابن اللہ" ہیں اور یعقوبیہ فرقے نے کہا کہ وہ خود خدا ہے جو آسمان سے زمین پر تشریف لا کر پھر آسمان کی طرف واپس تشریف لے گئے ہیں۔ ملکانیہ نے کہا کہ عیسےٰ علیہ السلام بندۂ خدا اور اس کے سچے نبی ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ دنیا میں عبادت گذار انسان تین قسم کے ہیں:

① شریعت و طریقت کے قدموں پر اللہ تعالےٰ کی عبادت کرتے ہوئے مقامات کو عبور کر کے قربات الٰہی تک پہنچتے ہیں یہ اولیا کرام اور صدیقین عظام ہیں انہیں اہل اللہ اور خاصان خدا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

② خواہش نفسانی کی پرستش کرتے ہیں یعنے جیسے ان کی طبیعت کا تقاضا ہوتا ہے ویسے ہی اللہ تعالےٰ کی عبادت کرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالےٰ کی عبادت کر رہے ہیں حالانکہ وہ اللہ تعالےٰ کی عبادت سے کوسوں دور ہوتے ہیں جیسے کفار بت پرست یہ لوگ کہتے ہیں:

ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفی۔

یہ اولیاء اللہ اہل حق کے منکر ہوتے ہیں۔ یہی اہل بدعت واہل ہوا، ریا کار اور شہرت باز اور منافقین ہیں یہی جہنم

کے ایندھن ہیں۔

(۳) اللہ تعالٰی کی اسی طرح عبادت کرتے ہیں جیسے شریعت کا حکم ہوتا ہے۔ یہ عام اہل اسلام ہیں یہ لوگ یقیناً بہشتی ہیں۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بس کافروں کے لیے خرابی ہے ان کافروں سے وہی جماعتیں مراد ہیں جنھوں نے علیٰے علیہ السلام کے متعلق اختلاف کیا۔ ویل بمعنے ہلاکت۔ یہ مبتدا ہے اس کا مابعد اس کی خبر ہے اگرچہ نکرہ ہے لیکن بعض مخصوص صورتوں میں نکرہ مبتدا واقع ہوتا ہے جیسے سلام علیک میں سلام نکرہ مبتدا ہے دراصل یہ اپنے فعل محذوف کے قائم مقام ہے لیکن اس سے عدول کر کے اسے مرفوع اور مبتدا بنایا گیا ہے تاکہ استمرار و دوام و ثبات پر دلالت کر سکے جو کہ مدعو علیہ کے لیے مقصود ہے۔ مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ اس دن کی حاضری کی وجہ سے جس کا منظر ہولناک ہے اور اس دن کا حساب و کتاب اور جزا و سزا سخت ہے۔ اس سے قیامت کا دن مراد ہے۔

اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ۙ یہ فعل استعجب ہے چونکہ قیامت کے دن اس کی بینائی و شنوائی تیز ہو جاتے گی اسی لیے اسے تعجب کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔ اب معنٰے یہ ہوا کہ ہدایت کے لیے ان کا سننا اور دیکھنا بہت خوب ہوگا۔ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا ۔ اس دن کہ وہ ہمارے ہاں حاضر ہوں گے یعنے قیامت کے دن جس وقت حساب اور جزا کے لیے وہ لوگ ہمارے ہاں حاضر ہوں گے تو ان پر تعجب کرنا چاہئے کہ ہدایت کی باتوں کو کیسے تیز دیکھتے اور کیسے جلد تر سنتے ہیں حالانکہ دنیا میں نہایت درجہ کے اندھے اور بہرے تھے اور کسی شے کو عظیم الشان سمجھنا لیکن اس کے سبب سے بے خبر ہونے کا نام تعجب ہے۔ اب مطلقاً شے کو عظیم الشان سمجھنے پر استعمال کیا گیا ہے۔ لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ لیکن ظالم لوگ آج دنیا میں۔ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ گمراہی ظاہر یعنے ایسی خطا ظاہر میں ہیں کہ اس کی انتہا کو کوئی نہیں پہنچ سکتا یعنے نظر اور استماع عبرت سے بالکل غافل رہے حالانکہ دنیا میں ان کے ذریعے اسے بہت بڑے منافع حاصل کرتے تھے ؎

عمر مکن ضائع بافسوس و حیف
کہ فرصت عزیز ست و الوقت سیف
کہ فردا پشیمان برآری خروش
کہ اوخ چرا حق نکردم بگوش

ترجمہ: افسوس و حیف سے عمر ضائع نہ کیجئے۔ اس لیے کہ فرصت قیمتی شے ہے اور وقت تلوار۔
قیامت میں پشیمان ہو کر فریاد کرے گا کہ میں نے نصیحت کو کانوں سے نہ سنا۔

وَاَنْذِرْهُمْ ۔ اور انھیں یعنے ظالمین کو ڈرائیے۔ يَوْمَ الْحَسْرَةِ ، حسرت کے دن سے یعنے وہ دن جس میں لوگوں کو حسرت اور مکمل طور پر ندامت ہوگی۔ بُرے کو تو برائی کی وجہ سے اور نیک کو نیکیوں کی کمی سے کہ اگرچہ اس کے ہاں کتنا ہی بہت بڑی نیکی ہوگی، تب بھی افسوس کرے گا کہ کچھ اور نیکی کرتا۔ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ ۘ یہ یوم الحسرۃ سے بدل ہے جب کہ ان کا

کام پورا ہو جائے گا یعنے جب اللہ تعالےٰ حساب وکتاب سے فارغ ہو کر حکم فرمائے گا کہ بہشتی بہشت میں اور دوزخی دوزخ میں جائیں۔

موت مینڈھے کی شکل میں (حدیث شریف) حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے یوم حسرت کی تفسیر پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا:

قیامت کے روز موت کو مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا پھر اسے ذبح کیا جائے گا۔ بہشتی دوزخی اسے آنکھوں سے دیکھیں گے اس کے بعد اعلان ہوگا کہ اسے بہشتیو! تم پر اس کے بعد کوئی موت نہیں، اب تم ہمیشہ بہشت میں رہو گے اور اے دوزخیو! اس کے بعد تم پر کوئی موت نہیں آئے گی اب تم ہمیشہ دوزخ میں رہو گے اس اعلان سے بہشتی لوگوں کی خوشی میں، اور دوزخیوں کے غم میں اضافہ ہوگا۔

وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ اور آج وہ غفلت میں ہیں یعنے انھیں بے خبری ہے کہ کل قیامت میں ان کے ساتھ کیا ہوگا۔ **وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ** ○ یہ دونوں جملے فی ضلال مبین کی ضمیر مستتر سے حال ہیں یعنے وہ اسی گمراہی میں رہنے والے ہیں ان کا حال یہ ہے کہ وہ غفلت میں ہیں اور وہ ایمان نہیں لاتے ان کے مابین جملہ معترضہ واقع ہے۔

اِنَّا نَحْنُ ضمیر متکلم کی تاکید کے لیے ہے۔ **نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا** بے شک ہم زمین اور اس کے مکینوں کے مالک ہیں اگرچہ زمین کے مکین انسان اور غیر انسان ہیں لیکن ذو العقول کی تغلیب سے مَنْ لایا گیا ہے یعنے زمین پر سوائے ہمارے اور کوئی نہیں رہے گا اور نہ ہی ہمارے سوا اس کا کوئی مالک ہے اس کے متعلق سورۂ حجر میں تفصیل سے لکھ آئے ہیں۔ **وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ** ○ اور صرف ہمارے ہاں حساب وکتاب اور جزاء و سزا کے لیے لوٹائے جائیں گے۔ میرے سوا نہ کوئی مستقلاً مالک ہے اور نہ اشتراکاً۔

ف: رجوع دو قسم کے ہیں:

(۱) بالقہر۔ یہ عوام کے لیے ہے اس لیے ان کے نفوس دنیا سے مطمئن اور اسی میں رہنا چاہتے ہیں اسی لیے انھیں بالاجبار والاکراہ دنیا سے اٹھا کر آخرت میں لایا جائے گا۔

(۲) الرجوع۔ الرجوع باللطف یہ خواص کا رجوع ہے اس لیے کہ ان کے نفوس فانی فی اللہ ہوتے ہیں نہ انھیں دنیا کی زندگی اچھی اور نہ آخرت سے واسطہ، ان کا تعلق براہ راست اپنے مولیٰ سے ہوتا ہے وہ دنیا سے رخصت ہونے اور موت کو اسی لیے ترجیح دیتے ہیں کہ وہ اپنے مالک ومولیٰ کے دیدار کے مشتاق ہوتے ہیں۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ وہ فناء وبقاء اور تکمیل الشوق الی لقا المولیٰ اور رجوع الی اللہ کے لیے اس سے پہلے جد وجہد کرے جب کہ اسے موت کا پیغام پہنچے۔ لمن الملک الیوم کا راز اسی میں مضمر ہے۔

صرصر قہر وسے از ممکن وحدت بوزید
خس و خاشاک تعین ہمہ برباد ببرد
ہرچہ در عرصۂ امکان بوجود آمدہ بود
سیل عزت ہمہ را تا عدم آباد ببرد

ترجمہ: اس کے قہر کی آندھی ممکن کی وحدت سے چلی تو اس نے تعین کے تمام خس و خاشاک اڑا دیئے۔
جو امکان کے میدان میں وجود تھے سب کو عزت کے سیلاب نے عدم آباد میں پہنچایا۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ایسے ہوتے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ کے خطابات سے نوازا جاتا ہے تو وہ ہمہ تن کان بن جاتے ہیں اور انھیں ذات حق کا مشاہدہ ہوتا ہے تو ہمہ تن آنکھ ہو جاتے ہیں اور دنیا سے اس وقت کوچ کرتے ہیں جب ان کا رہائش کا مقام اللہ کے ہاں متعین ہوتا ہے۔

ے

نظرت فی الراحة الکبری فلم ارها
تنال الاعلی جنس من التعب
والجد منها بعید فی تطلبها
فکیف تدرك بالتقصیر واللعب

ترجمہ: میں نے راحت کبریٰ تلاش کی تو سوائے تھکان کے کچھ نہ پایا۔
اس کی طلب میں جد و جہد فضول ہے اسے تقصیر و لعب سے کیسے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

حکایت حضرت الشیخ ابوالحسن مزین رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نہایت مفلس کنگال اور سر پاؤں سے ننگا ہو کر جنگل میں گیا اور دل میں خیال کیا کہ میرے جیسا اور کوئی بدحال نہ ہوگا۔ اندریں اثناء مجھے کسی نے پیچھے سے دھکا دے کر کہا اسے حجام ایک تک تم جھوٹے خیال دل میں لاتے رہوگے۔

سبق: اس سے معلوم ہوا کہ ترک، تجرد، رجوع الی الحق کے مراتب ہوتے ہیں اور ہر ایک سالک کو وہی نصیب ہوتا ہے جو اس کے لائق ہوتا ہے اسی لیے کسی کو اپنے مراتب سے دھوکہ نہ کھانا چاہیے اور نہ ہی اپنے حال سے عجب و کبر میں مبتلا ہو۔

حکایت حضرت ابراہیم الخواص قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں ایک جنگل میں داخل ہوا اس سے مجھے سخت تکالیف کا سامنا کرنا پڑا لیکن صبر کے دامن کو میں نے نہ چھوڑا۔ جب میں مکہ معظمہ میں پہنچا تو مجھے اپنی نیکی سے عجب محسوس ہوا تو طواف کرتے ہوئے مجھے ایک بڑھیا نے ندا دی کہ اے ابراہیم! میں جنگل میں تیرے ساتھ تھی لیکن میں نے تیرے سے گفتگو نہ کی اس خیال

(بقیہ صفحہ نمبر ۱۵۸)

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ إِبْرٰهِيْمَ ۬ إِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ○ إِذْ قَالَ لِأَبِيْهِ يٰٓأَبَتِ لِمَ
تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْئًا ○ يٰٓأَبَتِ إِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ
يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْٓ أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ○ يٰٓأَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ۭ إِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ
عَصِيًّا ○ يٰٓأَبَتِ إِنِّيْٓ أَخَافُ أَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ○ قَالَ
أَرَاغِبٌ أَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰٓإِبْرٰهِيْمُ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَأَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ○ قَالَ سَلٰمٌ
عَلَيْكَ ۚ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ۭ إِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ○ وَأَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
وَأَدْعُوْا رَبِّيْ ۡ عَسٰٓى أَلَّآ أَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ○ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ
اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗٓ إِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ○ وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا
لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ○ ع

ترجمہ: اور کتاب میں ابراہیم (علیہ السلام) کو یاد کرو۔ بے شک وہ سچا نبی تھا۔ جب اپنے باپ (چچا) سے کہا، اے میرے ابّا! ایسے کی عبادت کیوں کرتا ہے جو نہ سنتا ہے اور نہ دیکھتا ہے اور نہ تیرے کسی کام آسکتا ہے۔ اے میرے ابا! بے شک میرے پاس وہ علم ہے جو تیرے ہاں نہیں آیا تو تو میری اتباع کر میں تجھے سیدھا راستہ دکھاؤں گا۔ اے میرے ابّا! شیطان کی عبادت نہ کر بے شک شیطان رحمٰن کا نافرمان ہے، اے میرے ابا! میں ڈرتا ہوں کہ تجھے رحمٰن سے کوئی عذاب نہ پہنچے تو تُو شیطان کا یار دوست ہو جائے۔ کہا، کیا تو میرے معبودوں سے روگردان ہے اے ابراہیم (علیہ السلام) بے شک اگر تُو باز نہ آیا تو میں تجھے بالضرور سنگسار کروں گا۔ اور عرصہ دراز تک تو مجھ سے لاتعلق ہو جا۔ کہا، تجھ کو سلام۔ عنقریب میں اپنے رب سے تیرے لیے معافی چاہوں گا۔ بے شک وہ میرے ساتھ مہربان ہے۔ میں چھوڑ دوں گا تجھے اور ان سب کو جنھیں اللہ کے سوا تم پوجتے ہو اور اپنے رب کی عبادت کروں گا اور قریب ہے کہ میں رب کی عبادت سے بے نصیب نہ ہوں۔ جب ان کو اور اللہ کے سوا ان کے معبودوں کو چھوڑ گیا ہم نے اسے اسحاق و یعقوب (علیہما السلام) عطا کیے اور ہر ایک کو ہم نے نبی بنایا۔ اور ہم نے انھیں اپنی رحمت عطا فرمائی۔ اور ان کے لیے سچی اور بلند ناموری مقرر کی۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۱۵۷)

ہر کہ تیرے شغل (ذکر الٰہی و عبادت) میں حرج نہ ہو۔ اب بولنا پڑا۔ تجھ پر لازم ہے کہ تم اپنے دل سے یہ وسواس نکال دو۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ رجوع الی اللہ کی توفیق بھی اللہ تعالٰے سے نصیب ہوتی ہے ہر کمال اللہ تعالٰے کی نصرت و قوت سے نصیب ہوتی ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۵ . اے میرے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کے سامنے سورت یا قرآن سے ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان کیجئے یا انھیں ابراہیم علیہ السلام کا قصہ پہنچا دیجئے جیسے دوسرے مقام پر فرمایا :

"واتل علیھم نباء ابراھیم ۔"

ابراہیم علیہ السلام کی تخصیص اس لیے ہے کہ تمام اہل ادیان حضرت ابراہیم علیہ السلام سے عقیدت رکھتے تھے یہاں تک کہ کفار مکہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ناز تھا اور فخریہ کہتے کہ ہم حضرت ابراہیم کی اولاد ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے حبیب علیہ السلام سے فرمایا کہ ان سب کو ابراہیم علیہ السلام کا عقیدۂ توحید سنا دیں تاکہ ان کے ذہن سے شرک کا گندا تصور ہٹ جائے۔

اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ○ بے شک تھے وہ ابراہیم علیہ السلام بہت بڑے بہت سچے یعنی اللہ تعالےٰ کے ہر حکم کے سامنے سر جھکانے اور ہر برائی سے بچنے میں ہر وقت پابندی کرنے والے تھے ۔ نبیا ۔ یہ کان کی دوسری خبر ہے۔ پہلی خبر کے لیے قید اور اس کے اندر تخصیص پیدا کرنے والی ہے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام صفت صدیقیت و نبوت کے جامع تھے اور صدیقیت نبوت کے تابع ہے اس لیے کہ ہر نبی کا صدیق ہونا ضروری ہے لیکن ہر صدیق کو نبی ہونا ضروری نہیں۔

فائدہ صوفیانہ : ارباب حقیقت فرماتے ہیں کہ صدق کے چند مراتب ہیں :

(۱) صدوق

(۲) صدق

(۳) صدیق

صادق وہ ہے جو قائم علے الصدق مع اللہ باللہ ہو یہ فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہوتا ہے ۔

رسول و نبی میں فرق رسول، ہر وہ جو احکام الٰہی کی تبلیغ کے لیے مقرر ہو وہ فرشتہ ہو یا آدمی۔ اور نبی تبلیغ احکام کے لیے مقرر ہو لیکن یہ صرف آدمی سے خاص ہے لفظ فرشتے کے لیے نہیں آتا لفظ رسول آتا ہے ۔

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ . یہ ابراہیم سے بدل الاشتمال ہے اس لیے کہ اوقات مافیہا پر مشتمل ہوتے ہیں یعنی یاد کیجئے ابراہیم علیہ السلام کی اس بات کو جو انھوں نے اپنے باپ یعنے آزر سے کہی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آزر سے نہایت نرمی اور آسان لہجے میں فرمایا : يٰۤاَبَتِ ، اباجی ۔ یاد رہے کہ یہ دراصل یا ابی تھا۔ یاء کے بالعوض تاء کو لایا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ دونوں یکجا جمع نہیں ہوتیں یعنی یا ابتی اور یا ابتا نہیں کہا جاتا یعنے الف کے ساتھ بھی اسی لیے نہیں کہا جا سکتا کہ الف 'یا' متکلم کا بدل ہے ۔ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ ۔ ان کی عبادت کیوں کرتے ہو جو تمھاری عبادت کے وقت نہ تمھاری ثنا سن سکتے ہیں اور نہ ہی تمھارے عجز و انکسار کو۔ ما سے وہ تصویریں اور مورتیاں مراد ہیں جن کی وہ پرستش کرتے تھے اور لم پر لام جارہ ہے ۔ یہ دوسرے حروف جارہ کی طرح ما استفہامیہ پر داخل ہوتی ہے مثلاً کہا جاتا ہے :

بمـ و علامـ و فـيمـ و الامـ و ممـ و عمـ ۔
استفہام کے الف کو بھر کلمہ میں حروف کو قلیل کرنے کی غرض سے ایک کو حذف کر دیا گیا ۔
وَلَا يُبْصِرُ ۔ اور وہ بت تمہارے خشوع و خضوع کو نہیں دیکھ سکتے اگرچہ تم ان کے سامنے کھڑے ہو کر ان کی عبادت کرتے ہو۔
وَلَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْـًٔا ۝ اور تم سے کسی شے کو دُور کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور نہ ہی تمہیں کسی قسم کا نفع پہنچا سکتے ہیں دنیا میں نہ آخرت میں ۔ شیـاء مصدر ہے یعنے معمولی سے معمولی نفع ۔ اس معنے پر یہ لایغنی کا مفعول مطلق ہے یہ دراصل شیاء من الاغناء ، ہوگا یا مفعول بہ ہے ۔ اب معنے ہوگا :
لا یرفع عنك شیـاء من عذاب الله تعـالٰی ۔
يَا أَبَتِ إِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝
ابا جی ! تمہیں یقین ہونا چاہیئے کہ میرے ہاں بذریعہ وحی علم آیا ہے جو تمہیں نصیب نہیں ۔ فلہٰذا تم انکار نہ کرو بلکہ میری تابعداری کرو ۔ میں تمہیں ایسا سیدھا راستہ دکھاؤں گا جو تمہیں مراتب علیا تک پہنچائے گا اور تمہیں گمراہی سے بچائے گا ۔
نکتہ آزر کو جہل کے بجائے مالـم یـاتك سے اور اپنے علم کے اظہار کے بجائے علم الٰہی سے گفتگو کرنے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حکیمانہ تدبیر کا پتہ چلتا ہے کہ وہ آزر سے اسی طرح گفتگو کر رہے ہیں جیسے کوئی ہمسفر دوست سے خیرخواہانہ بات کرتا ہے تاکہ وہ اس سے متاثر ہو کر اس کی بات مان لے ۔ اسے کہتے ہیں لطف و کرم ۔
يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ ابا جی ! شیطان کی عبادت نہ کیجئے وجہ یہ ہے کہ بت پرستی حقیقت میں شیطان کی پرستش ہے اس لیے کہ شیطان بتوں کی پرستش کو بہتر کر کے دکھاتا اور ابھارتا ہے ۔ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَٰنِ عَصِيًّا ۝ بے شک شیطان رب رحمٰن کا نافرمان ہے ۔ اس لیے کہ اس نے اللہ تعالٰے کے حکم کے خلاف آدم علیہ السلام کو سجدہ سے انکار کیا تھا اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالٰے کی نافرمانی انسان کو بلند مراتب سے گرانے اور زوال نعمت کا سبب بنتی ہے بلکہ رحمانیت کے انوار سے محرومی ۔ اسی لیے ابراہیم علیہ السلام نے آزر کو اس کی رب تعالٰے کی نافرمانی کا سنا کر اس کے مراتب سے گرانے کا سبب بھی بتا دیا ۔
يَا أَبَتِ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يَمَسَّكَ ۔ ابا جی ! مجھے ڈر ہے کہ اگر تم اسی شیطان کی تابعداری اور رحمٰن کی نافرمانی میں مر گئے تو تمہیں پہنچے گا ، عَذَابٌ مِنَ الرَّحْمَٰنِ ، رحمٰن کے عذاب سے یہ خوف ابراہیم علیہ السلام کو آزر کی محبت بازی سے ہوا ۔ فَتَكُونَ لِلشَّيْطَانِ وَلِيًّا ۝ تو تم شیطان کے ساتھ دائمی لعنت کے ساتھی ہوگے یا تم شیطان کے دوست ہوگے اور وہ تمہارا ولی ہے ۔ الولی ہے بمعنے القرب ۔
قَالَ ۔ یہ جملہ مستانفہ بیان اور سوال مقدر کا جواب ہے ۔ سوال یہ ہے کہ گویا پوچھا گیا کہ ابراہیم علیہ السلام کو آزر نے کیا جواب دیا تو اس کے جواب میں فرمایا کہ آزر نے ابراہیم سے نصیحت سننے کے بعد بجائے ان کی نصیحتوں کو قبول کرنے کے اپنے عناد پر ڈٹ کر کہا :
أَرَاغِبٌ أَنْتَ عَنْ آلِهَتِي يَا إِبْرَاهِيمُ اے ابراہیم ! کیا تم ہمارے معبودوں سے روگردانی کرنے والے ہو ۔

نکتہ : اعراض و انکار کو تعجب میں بیان کرنے میں آزر نے تصریح کی کہ ہمارے معبودوں سے سمجھدار کو انکار کی گنجائش نہیں اور تم، اسے ابراہیم! نہ صرف خود انکار کر رہے ہو بلکہ دوسروں کو بھی ان سے انکار کی ترغیب دے رہے ہو۔

ف : خبر کو مبتدا پر مقدم کرنے سے اس کے مہتم بالشان ہونے کی طرف اشارہ ہے لیکن حق یہ ہے کہ اراغب مبتدا اور انت خبر کے قائم مقام ہو کر راغب کا فاعل ہے یہ اس لیے کہ صفت اور اس کے متعلق کے درمیان فاصلہ نہیں ہوتا اور وہ غیر لفظ من ہے۔ (کذا فی تفسیر الشیخ)

لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ ۔ بخدا اگر تم اپنی نصیحت یعنے بتوں کی پرستش سے روکنے سے باز نہ آئے تو میں تمہیں سنگسار کروں گا یہاں تک کہ تم مر جاؤ یا مجھ سے علیحدگی اختیار کرلو۔

ف : بعض مفسرین نے کہا کہ اس سے آزر نے سب وشتم مراد لی ہے۔

اسی سے رجیم مشتق ہے بمعنے لعن وطعن کیا ہوا اور اصل الرجم بمعنے الرجم۔ بالرجام بالکسر بمعنے الحجار ہے، یعنے پتھروں سے مارنا۔

وَاهْجُرْنِىْ مَلِيًّا ○ اس کا لارجمنك کے مدلول پر عطف ہے یعنے میں تمہیں سنگسار کروں گا تو تم مجھے عرصہ دراز تک چھوڑ جاؤ گے اور ایسا ماروں گا کہ پھر تم مجھے بت پرستی سے بڑے عرصہ تک نہیں روکو گے۔ ملیا - الملادۃ سے ہے بمعنے "الدھر"

قَالَ ۔ یہ جملہ مستانفہ بیان ہے یعنے ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۔ میرا تجھے سلام۔ یہ لطف و احسان کا سلام نہیں بلکہ الوداعی اور مفارقت کا ہے۔ اس لیے کہ اس سلام سے ابراہیم علیہ السلام آزر کے لیے سلامتی کی دعا نہیں کر رہے جیسا کہ سلام علیکم لا نبتغی الجاھلین میں دعائیہ سلام نہیں بلکہ یہ برائی کے مقابلہ میں نیکی کے قبیل سے ہے۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی کو نصیحت قبول نہ کرتا دیکھے تو اس سے علیحدگی اختیار کرے تو جائز ہے۔

اب معنے یہ ہوا کہ میں تمہیں اپنی طرف سے یقین دلاتا ہوں کہ آج سے میں تمہیں کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچاؤں گا اور نہ ہی تیرے ساتھ ایسی گفتگو کروں گا جس سے تجھے ایذا پہنچے بلکہ اب دوسرا طریقہ اختیار کرتا ہوں۔ وہ یہ ہے: سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّىْ ط یہ سین استقبالیہ یا تاکیدیہ ہے یعنے اب میں تیرے لیے اپنے رب سے استغفار کروں گا کہ وہ تیرے گناہ بخش کر تجھے توبہ کی توفیق بخشے اور تجھے ایمان کی ہدایت عطا فرمائے۔ جیسا کہ دوسری آیت "واغفر لابی انہ کان من الضالین" سے معلوم ہوتا ہے۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہوا کہ جس کافر کے کفر پر مرنے کا یقین نہ ہو تو اس استغفار جائز ہے، ہاں! جس کے کفر کا یقین ہو کہ یہ یقیناً کفر پر مرے گا تو اس کے لیے استغفار ناجائز ہے عقلاً بھی نقلاً بھی۔

مسئلہ : کافر کے مرنے کے بعد عقلاً تو استغفار جائز ہے لیکن جب اس کی استغفار سے صراحتہً ممانعت ہو تو پھر ناجائز ہے

چنانچہ ابوطالب کے لیے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

ازال استغفر لک ما لم انہ عنہ[1] — میں تیرے لیے استغفار کرتا رہوں گا، جب تک صراحۃً نہ روکا جاؤں۔

اس پر آیت نازل ہوئی :

ما کان للنبی والذین اٰمنوا ان یستغفروا للمشرکین[2] — نبی علیہ السلام اور اہل ایمان کو لائق نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے استغفار کریں۔

ابراہیم علیہ السلام نے آزر کو سأستغفر لک اور لا ستغفرن لک اور واغفر لابی "یہ آیات اس وقت کی ہیں جب آپ آزر سے ایمان قبول کرنے کی امید رکھتے تھے جب اس کی ڈھٹائی اور ضد دیکھی تو پھر استغفار سے باز آگئے۔ (یہی جواب حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے ہوگا جب کہ آپ نے ابوطالب اور ابوجہل و دیگر کفار و مشرکین و منافقین کے لیے دعائیں اور استغفار ین کیں لیکن یار لوگوں نے حقیقت سے چشم پوشی کرکے نبی علیہ السلام کو لاعلم اور غیر مختار ثابت کرنے کی کوشش ہے)[3]

ف : ابراہیم علیہ السلام آزر کی استغفار سے اس وقت باز آئے جب انھیں یقین ہوا کہ یہ ایمان قبول نہیں کرے گا۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا :

فلما تبین لہ انہ عدو للہ تبراء منہ

(ایسے ہی اپنے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا معاملہ سمجھئے۔ تفسیر اویسی میں تفصیل دیکھئے)

اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ۝ بے شک میرا رب ایسے لطف و کرم کے لائق ہے۔

حل لغات : یہ حفیت بہ بمعنے بالغت سے ہے اور کہا جاتا ہے ؛ تحفیت فی اکرامہ ای بالغت (میں نے اس کے اکرام میں مبالغہ کیا)۔

وَاَعْتَزِلُكُمْ ۔ اور میں تجھ سے اور تمھاری قوم سے علیحدگی اختیار کرتا ہوں اس لیے کہ اب مجھے یقین ہوگیا ہے کہ تم پر میری نصیحتوں کا اثر نہیں ہوگا۔ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اور میں ان سے دُوری اختیار کرتا ہوں جن کی تم عبادت

---

[1] ؛ روح البیان، جلد ۵، صفحہ ۳۲۷ - طبع جدید۔

[2] ؛ افسوس ہے کہ ابوطالب کے کفر کی تصریحات کے باوجود بعض لوگ اس کے ایمان کے ثبوت کے لیے کوشاں ہیں اور روح البیان کی بعض وہ عبارات پیش کرتے ہیں جو انھوں نے محض نقل کے طور پر درج فرمائی ہیں اور ان کی اس تصریح کو یا دیکھتے نہیں یا عمداً اس کو نہیں لکھتے۔ ۱۲ -

[3] ؛ اضافہ از اویسی غفرلہٗ -

کرتے ہو۔

ف: یہاں پر تدعون بمعنے تعبدون ہے[1]

وَأَدْعُوا رَبِّيْ. اور اپنے رب تعالٰے واحدہ لاشریک لہٗ کی عبادت کرتا ہوں۔ یہاں پر بھی ادعوا بمعنے اعبد ہے۔

عَسَىٰٓ أَلَّآ أَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ○ میں اپنے رب تعالٰے کی دعا سے ناامید نہیں ہوں یعنے میری دعا اور اس میں میری جدوجہد ضائع نہیں ہوگی اور نہ ہی مجھے اس سے ناامید رکھا جائے گا۔ اس سے ابراہیم علیہ السلام نے بت پرستوں کو بتایا کہ یہ تم ہو کہ تم اپنے معبودوں سے غائب و خاسر ہوئے

حاجت ز کسے خواہ کہ محتاجاں را
بے بہرہ نگرداند از انعام عمیم

ترجمہ: اس سے اپنی حاجت طلب کیجئے جو کسی وقت بھی اپنے حاجت مندوں کو محروم نہیں کرتا۔

سوال: ابراہیم علیہ السلام نے لفظ عسٰی فرمایا ہے اس میں تو صرف امید ہی کی جا سکتی ہے نہ کہ یقین؟

جواب: اگرچہ ابراہیم علیہ السلام کو یقین تھا لیکن تواضع کے طور پر عسٰی فرمایا اور ادب کو ملحوظ رکھا اور سمجھایا کہ اس بڑی بارگاہ میں ادب اور تواضع ضروری ہے۔

فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ جس وقت ابراہیم علیہ السلام ان سے اور ان کے معبودوں سے علیحدہ ہوئے یعنے شام کی طرف ہجرت کر گئے۔

ف: تفسیر الشیخ میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے وہاں سے ارض المقدس کی طرف ہجرت فرمائی۔

وَهَبْنَا لَهٗٓ إِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ط اور ہم نے اسحاق اور یعقوب بن اسحاق علیہما السلام عطا فرمائے یعنے جونہی انھوں نے اپنے کافر رشتہ داروں سے علیحدگی اختیار فرمائی تو ہم نے انھیں اس کے عوض بچے عطا فرمائے۔

ف: ہجرت اور مفارقت عن الوطن کے بعد صاحبزادے مذکور پیدا نہیں ہوئے بلکہ اس ہجرت و مفارقت پر انھیں اسماعیل علیہ السلام عطا ہوئے جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے:

فبشرنا بغلم علیم۔

جب کہ ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگی:

رب ھب لی من الصالحین

---

[1]: روح البیان، جلد ۵، صفحہ ۳۳۷۔

[2]: از اویسی غفرلہٗ۔

سوال : یہاں پر اسماعیل علیہ السلام کا اسم گرامی کیوں نہیں لیا گیا ؟

جواب(۱) : چونکہ یہ دونوں اسحاق و یعقوب علیہما السلام ابوالانبیاء بنی اسرائیل ہیں۔ ان کے لیے صرف انہی حضرات کا ذکر فرمایا۔

جواب(۲) : چونکہ اسماعیل علیہ السلام صاحب فضیلت تھے اسی لیے انہیں مستقل طور پر علیٰحدہ بیان فرمایا۔

وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ○ ان دونوں میں سے ہر ایک کو ہم نے نبی بنایا۔ یہ نہیں کہ ان کے بعض کو نبی بنایا اور بعض کو نہیں۔

- کلا جعلنا کا مفعول اول صرف تخصیص کے لیے فعل سے مقدم لایا گیا ہے۔ بہ نسبت ان کے بعض کے نہیں بلکہ ان کے بہ نسبت ان کے ماسوا کے۔

وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا۔ اور ہم نے انہیں دینی و دنیوی بھلائی اور ہر طرح کی رحمت سے نوازا جیسا کہ کسی کو رحمتوں اور الفتوں سے نوازا جاتا ہے - وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ○ اور ہم نے ان کے لیے سچی زبان اور بلند بنایا۔ لسان صدق سے الثناء الحسن مراد ہے۔ اس لیے کہ لسان سے ہر وہ شے مراد ہے کہ جس سے کلام کا صدور ہوتا ہے۔ اس کی اضافت اضافۃ الموصوف الی الصفۃ کے قبیل سے ہے یعنی لوگ ان پر فخر اور ان کی اچھی تعریف کریں گے۔

ف : یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا قبول ہونے کا نتیجہ ہے جیسا کہ انھوں نے اپنی دعا میں کہا تھا :

واجعل لی لسان صدق فی الاخرین — اور میرے لیے پچھلے لوگوں میں سچی زبان بنا۔

مسائل شرعیہ : آیات سے چند اشارات کا اثبات ہوا :

(۱) زمی و حسن خلق، ہادی الی الحق کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے ملنے والوں سے نرمی اور خوش خلقی سے پیش آئے اس لیے کہ سخت کلامی لوگوں کو استفادہ و استفاضہ سے محروم رکھتی ہے۔

حدیث شریف حدیث شریف میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالےٰ نے بذریعہ وحی فرمایا کہ خوش خلقی سے پیش آیا کریں اگرچہ آپ کے ساتھ کفار بھی گفتگو کریں۔ اس طریق سے آپ کو ابرار کے مراتب حاصل ہوں گے اس لیے کہ میں نے تقدیر میں لکھ دیا ہے کہ خلیق کو میں اپنے عرش کے سایہ تلے بٹھاؤں گا اور حظیر القدس میں ٹھہراؤں گا اور اسے اپنی جوارِ خاص کا قرب عطا کروں گا۔

حضرت صائب نے فرمایا ؎

گذشت عمر نکردی کلام خود را نرم
ترا چہ حاصل ازیں آسیائے دندانست

ترجمہ : تیری زندگی گذر گئی لیکن تو نے اپنی گفتگو نرم نہ کی۔ تجھے اس دندانے والی چکی سے کیا حاصل ہوا۔

(۲) متابعت حق : حضرت ابوالقاسم نے فرمایا کہ راہ حق تابعداری سے نصیب ہوتا ہے۔ جس کا بہت بڑا بلند مرتبہ ہے یعنی نبی علیہ السلام کو، قرآن مجید کی۔ اور جو ان سے کم درجہ ہے اسے رسول کی، اور جو ان سے کم ہے تو اسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی، اور جو ان سے کم ہے تو اسے اولیاء و علماء و عارفین رحمہم اللہ تعالےٰ کی اتباع لازمی ہے۔

طرق الی اللہ کا اسلم طریقہ اتباع میں ہے اسی لیے حضرت سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ نفس پر سخت ترین مشقت دوسرے کی اقتدا میں ہے اس لیے کہ نفس کو اس سے نہ راحت نصیب ہوتی ہے نہ سرور۔

(۳) عزلت (گوشہ نشینی) ، حضرت ابوالقاسم رحمہ اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ جو دنیا و آخرت میں ظاہری باطنی سلامتی چاہتا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ بُرے دوستوں سے علیٰحدگی اختیار کرے اور بُرے دوستوں سے علیٰحدگی آسان نہیں وہ ہر وقت اللہ تعالٰے سے الحاح و زاری سے دعا مانگے کہ اسے برے دوستوں سے مفارقت اور جدائی کی توفیق بخشے بُرے دوستوں سے علیحدگی اس لیے ضروری ہے کہ قیامت میں ہر شخص کو اپنے دوست کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔

نکتہ: عزلت (گوشہ نشینی) خاموشی کا بہترین سبب ہے اس لیے کہ جو لوگوں سے دور ہوگا تو کس سے بات کرے گا جب بات ہی نہ کرے گا تو لازماً خاموشی اختیار کرنی پڑی۔

ف: گوشہ نشینی دو قسم کی ہے:

(۱) عزلۃ المریدین بالاجسام عن الاغیار یعنے عوام کا جسمانی طور پر غیروں سے علیٰحدہ رہنا۔

(۲) عزلۃ المحققین، یہ وہ ہے کہ دل کو اکوان سے علیٰحدہ رکھے اس لیے کہ دل صرف علم الٰہی کا مرکز ہے اور بس اس لیے کہ اسی علم سے عارف کو مشاہدہ حق نصیب ہوتا ہے۔

ف: گوشہ نشینی سے لوگوں کے شر سے اپنی حفاظت یا اپنے شر سے دوسروں کو بچانا مطلوب ہو۔ دوسرا پہلے سے افضل ہے اس لیے کہ اپنے اوپر بدگمانی کرنا بہ نسبت دوسرے پر بدگمانی کے بہتر ہے اور اس نیت سے عزلت ہو کہ کسی بہتر کی صحبت نصیب ہو کہ مجھے اپنے رب تعالٰے کی صحبت نصیب ہو تو پھر دوسروں کے ساتھ صحبت کا کیا فائدہ۔ قاعدہ ہے کہ گوشہ نشین کا جلیس اللہ تعالٰے ہے۔ پھر کسی کو کیا خبر کہ اسے عزلت یعنے صحبت ربانی سے کیا اسرار و رموز نصیب ہوتے ہیں عزلت سے صرف زبان کی خاموشی حاصل ہوتی ہے لیکن قلب کی خاموشی تو حاصل نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ انسان اگرچہ گوشہ نشین ہو تب بھی اس کے دل پر غیر اللہ کے خیالات ضرور گذرتے ہیں اسی لیے اس پر لازم ہے کہ گوشہ نشینی میں سوائے اللہ تعالٰے کے باقی تمام خیالات کو مٹانے کی کوشش کرے اسی لیے سلوک میں گوشہ نشینی ایک اعلٰے رکن کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ گوشہ نشینی سے سالک سے بہت سے گندے اوصاف دور ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے بہت سے گوشہ نشین صاحب یقین مع اللہ ہو گئے لیکن یہ اس وقت ہوتا ہے جب دل سے غیر اللہ کے تصورات و خیالات مٹ جائیں۔

ف: ہجرت بھی گوشہ نشینی کی ایک قسم ہے کہ اس سے انسان کو اشرار کی شرارت سے حفاظت نصیب ہوتی ہے لیکن خوش بخت وہ انسان ہے جو صرف رضائے الٰہی کے پیش نظر ہجرت کرتا ہے ایسے انسان کو دنیا و آخرت میں مکرم بنایا جاتا ہے۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ ہجرت و خلوت و عزلت اور ہر قسم کی عبادت میں رضائے الٰہی کو مدِ نظر رکھے۔

حضرت صائب نے فرمایا ؎

(بقیہ صفحہ نمبر)

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ
الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ۝ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ۝ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ز
اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۠ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ
مَرْضِيًّا ۝ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ز اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝ اُولٰٓئِكَ
الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ز وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَ
اِسْرَآءِيْلَ ز وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ط اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ۝ السجدة
فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝ اِلَّا مَنْ تَابَ
وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْئًا ۝ جَنّٰتِ عَدْنِ نِ الَّتِيْ وَعَدَ
الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ط اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ۝ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ط وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ
فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۝ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ۝ وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا
بِاَمْرِ رَبِّكَ ج لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ج وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ۝ رَبُّ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ط هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ۝

ترجمہ : اور کتاب میں موسیٰ (علیہ السلام) کو یاد کیجیے بے شک وہ برگزیدہ تھا اور غیبی خبریں بتانے والا پیغمبر تھا اور ہم نے اسے طُور کی داہنی جانب سے ندا دی اور اسے اپنا راز بتانے کے لیے قریب کیا اور اپنی رحمت سے اس کا بھائی ہارون نبی عطا کیا۔ اور کتاب میں اسماعیل کو یاد کیجیے بے شک وعدے کا سچا اور غیب کی خبریں بتلانے والا رسول تھا۔ اور وہ اپنے گھر والوں کو نماز و زکوٰۃ کا حکم کرتا تھا اور وہ اپنے رب کا پسندیدہ تھا۔ اور کتاب میں ادریس (علیہ السلام) کو یاد کیجیے، بے شک وہ بہت زیادہ سچا نبی تھا اور ہم نے اسے بلند مکان پر اٹھالیا۔ یہ وہ ہیں جن پر اللہ تعالےٰ نے انعام کیا غیب والوں میں سے آدم (علیہ السلام) کی اولاد سے اور ان میں جن کو ہم نے نوح (علیہ السلام) کے ساتھ کشتی میں سوار کیا۔ اور ابراہیم و یعقوب (علیہما السلام) کی اولاد سے اور ان میں سے جنھیں ہم نے راستہ دکھایا اور چن لیا۔ جب ان پر رحمٰن کی آیات پڑھی جائیں تو گر پڑتے سجدہ میں اور روتے تو ان کے جانشین نااہل جنھوں نے نمازیں ضائع کیں اور اپنی خواہشات کی اتباع کی تو وہ عنقریب دوزخ میں غی کا جنگل پائیں گے۔ مگر جنھوں نے توبہ کی اور ایمان لائے اور نیک کام کیے تو یہ لوگ بہشت میں داخل ہوں گے اور وہ ہمیشگی کی رہائش کے باغات ہیں جن کا رحمٰن نے غیب میں اپنے بندوں سے وعدہ فرمایا بے شک اس کا وعدہ ضرور آئے گا اور اس میں کوئی لغوبات نہ سنیں گے مگر سلام۔ اور اس میں ان کے لیے صبح و شام رزق ہے یہ وہ بہشت ہے جس کا وارث اپنے بندوں میں سے اسے کریں گے جو پرہیزگار رہے۔ اور ہم نہیں اترتے مگر آپ کے ربّ کے

حکم سے۔ جو ہمارے آگے ہے اور جو ہمارے پیچھے اور جو اس کے درمیان ہے سب اسی کا ہے اور آپ کا ربّ بھولنے والا نہیں۔ آسمانوں اور زمینوں اور جو اُن کے درمیان میں ہے سب کا مالک ہے تو اسی کی عبادت کرو اور اس کی عبادت پر قائم رہو کیا کسی کو اس کا ہمنام جانتے ہو۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۱۶۵)

در مشرب من خلوت اگر خلوت کو راست

بسیار بہ از صحبت ابنائے زمانست

ترجمہ: میرے مشرب میں اگر خلوت ہے تو اس معنٰی پر کہ ابنائے زماں کی محبت کی صحبت سے اماں نصیب ہو۔

(۴) جو کسی محبوب سے صرف اللہ تعالٰے کی رضا کے لیے ہجرت و مفارقت کرتا ہے تو اللہ تعالٰے اسے بہتر اور محبوب بدلہ عطا فرماتا ہے جس سے اس کی سابقہ وحشت دور ہو کر اعلٰے موانست نصیحت ہوتی ہے اور پھر اس کی تمام مشکلات حل ہو جاتی ہیں اور اللہ تعالٰے کی رضا کے مطابق اس کی جمیع مُرادیں عطا ہوتی ہیں۔

اے اللہ! ہمیں ان لوگوں سے بنا جو تیرے ہیں اور تیرے ماسوا سے انھیں کسی سے کسی قسم کا واسطہ نہیں یعنے وہ جو صرف تیرے راہ میں فانی اور تیری رضا کے طالب ہیں، (آمین)

(تفسیر آیاتِ صفحہ گذشتہ)

تفسیر عالمانہ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰى آ زموسٰے علیہ السلام کا ذکر اسماعیل علیہ السلام کے ذکر سے پہلے بوجہ یعقوب علیہ السلام کی مناسبت کے ہے۔ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا۔ یاد کیجئے کہ موسٰے علیہ السلام کو کہ وہ مخلص تھے یعنے انھیں اللہ تعالٰے نے ادناس ونقائص اور ماسوٰی سے خالص فرمایا تھا۔

ف: مخلص۔ بفتح اللام۔ صدیق کے موافق ہے اس لیے کہ اربابِ حقیقت کہتے ہیں مخلص، بکسر اللام، صادق کے موافق ہے یعنے ہر وہ شخص جو مطلقاً صفات نفسانیہ کے شائبہ سے بھی پاک ہو اور مخلص و صدیق کا ایک معنے ہے یعنے وہ شخص جو غیرت سے پاک ہو۔

ف: تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ اخلاص فی العبودیت اولیاء کا مقام ہے ہر ولی مخلص ہوتا ہے کوئی نبی اور رسول اخلاص سے خالی نہیں اور ہر نبی رسول نہیں۔ لیکن وہ مخلص ضرور ہے۔ المخلص۔ بالکسر۔ یعنے نفس کو تزکیہ سے اوصاف نفسانیہ حیوانیہ سے پاک وصاف کرنے والا۔ المخلص۔ بالفتح۔ جسے اللہ تعالٰے صفات روحانیہ ربانیہ سے تزکیہ کر کے سنگارے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جسے چالیس روز خلوص کی دولت بخشے تو اس کی دل سے حکمت کے چشمے زبان پر ابلیں گے۔

حدیث قدسی شریف : اخلاص میرے اور میرے بندے کے درمیان ایسا راز ہے جس میں ملک مقرب کو گنجائش ہے نہ نبی مرسل کو۔ اور میں خود مخلصین کے قلوب کا، صفاتِ جمالی و جلالی سے متولی ہوتا ہوں۔

مسئلہ : حقیقت یہ ہے کہ عبادت صرف مخلصین کی مقبول ہوتی ہے اور بس۔ کما قال تعالٰے :

وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین۔

ف : مخلصین کے اخلاص کے چند مراتب ہیں۔ اس کا ادنٰی درجہ یہ ہے کہ اللہ تعالٰے کی عبودیت میں کسی کو شریک نہ کرے۔ اس کا درمیانہ درجہ یہ ہے کہ اللہ تعالٰے کے وصال کے لیے اس کے نام پر وجود کو خرچ کرے۔ اور اعلٰی درجہ یہ ہے کہ خود اللہ تعالٰے اپنے لیے ان کے وجود کو فانی کر کے اپنے وجود کے لیے باقی رکھے۔

وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝ یعنے انھیں اللہ تعالٰے نے مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا پھر انھیں نبوت بخشی۔ اگرچہ لفظ رسول اخص و اعلٰی ہے لیکن یہاں موسٰے علیہ السلام کے لیے ترتیب یونہی تھی جیسے ہم نے بتائی۔ اس لیے پہلے رسول اور پھر نبی کہا۔

ف : فقیر (حقی) کہتا ہے کہ اگرچہ توجیہ مذکور صحیح ہے لیکن یہاں پر آیات کے فواصل کی وجہ سے لفظ نبیاً کو مؤخر کیا گیا ہے۔

وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ۔ طور، مصر و مدین کے درمیان ایک پہاڑ ہے۔ الایمن۔ ضد الایسر یعنے دائیں جانب۔ یہاں پر الجانب محذوف کی صفت ہے یعنے ہم نے موسٰے علیہ السلام کو ان کی دائیں جانب سے پکارا۔

سوال : تم نے موسٰے علیہ السلام کی دائیں جانب کہاں سے نکالی ؟

جواب : چونکہ پہاڑ کا نہ دایاں ہے نہ بایاں۔ اسی لیے موسٰے علیہ السلام کا نام کہنا پڑا۔ یا اس کا معنے یہ ہیں کہ ہم نے اسے اس مبارک جانب سے پکارا جو یمن کے علاقہ کی طرف ہے اور اللہ تعالٰے کے پکارنے کا مطلب بھی یہی ہے کہ موسٰے علیہ السلام کے سامنے اللہ تعالٰے کی جانب سے کلام متمثل ہو کر سنی گئی۔

ف : جلالین شریف میں ہے کہ حضرت موسٰے علیہ السلام مدین سے مصر کو واپس جا رہے تھے تو درخت سے موسٰے علیہ السلام کی دائیں جانب سے آواز آئی :

وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ۝ تقریب و تشریف، ہم وزن اور ہم معنے ہیں۔

اہل عرب کہتے ہیں :

قربہ الملک لمناجاتہ۔ یعنے فلاں کو بادشاہ نے اپنی راز داری کے لیے قریب کیا اور اپنی صحبت کا اسے شرف بخشا۔ اب معنے یہ ہوا کہ اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ ہم نے موسٰی علیہ السلام کو فرشتہ کی وساطت کے بغیر ہمکلام ہونے کا شرف بخشا۔ درآنحالیکہ وہ میرے ساتھ گفتگو کرنے والے تھے۔ نجیاً بمعنے مناجیاً۔ یہ نادینٰہ کی کسی ایک ضمیر سے حال ہے۔ المناجاۃ بمعنے راز کہنا۔ (کذا فی التہذیب)۔

کہا جاتا ہے : ناجاہ مناجاۃً۔ ای سارہٗ یعنے اس کے ساتھ راز کی بات کی۔ (کذا فی القاموس)

وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ، ہم نے اپنی رحمت ورافت کی وجہ سے بنایا۔ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ○ اس کے بھائی ہارون کو نبی بنایا۔ اخاہ ، وھبنا کا مفعول ہے اور ھارون ، اخاہ سے عطف بیان کیا ہے۔ نبیا ، ھارون سے حال ہے۔ ہارون کو اس لیے نبی بنایا تاکہ وہ موسےٰ علیہ السلام کے وزیر اور معین و مددگار رہیں جیسا کہ موسےٰ علیہ السلام نے اللہ تعالےٰ سے سوال کیا ؛

"واجعل لی وزیراً من اھلی" (اور میرے گھر والوں ہی سے میرا وزیر بنا)۔

اس لحاظ سے ھبۃ اپنے ظاہری معنے پر ہوگا جیسے ووھبنا لہ اسحاق و یعقوب، میں اپنے ظاہری معنے پر ہے اس لیے ہارون علیہ السلام موسےٰ علیہ السلام سے سن میں بڑے تھے اسی لیے اس سے معاونت وزرات کا معنے موزوں ہے۔

ف : صاحب کشف الاسرار نے لکھا ہے کہ موسےٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کی روش وکشش ایک طرح تھی۔ ولما جاء موسٰی، میں کشش کا وقربنٰہ نجیا میں ان کی روش کا بیان ہے۔ سالک جب تک کشش میں ہوتا ہے وہ خطرات میں ہوتا ہے جب اسے روش نصیب ہوتی ہے تو خطرات سے محفوظ ہو جاتا ہے یعنے سلوک میں تفرقہ ہوتا ہے اور جذب میں جمعیت ۔

ے

باخود روی بے حاصلی چوں اوکشیدت واصلی
رفتن کجا بردن کجا این سر ربانیست ایں

ترجمہ : جب اپنے خیال پر چلو گے بے حاصل رہو گے جب اس کی کشش کے مطابق زندگی بسر کرو گے واصل باللہ ہو گے اپنا جانا اور ہے ان کا لے جانا اور۔ یہ ایک اسرار ربانی ہے ۔

حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ے

سالکان بے کشش دوست بجائے نرسند
سالہا گرچہ دریں راہ تگ وپوی کنند

ترجمہ : سالک دوست کی کشش کے بغیر منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکتے اگرچہ وہ اس راستہ کو ہزاروں سال طے کریں ۔

ردِّ مرزائیت تاویلات نجمیہ میں ہے کہ "ووھبنا لہ من رحمتنا اخاہ ھارون نبیا" سے ثابت ہوا کہ نبوت کسبی نہیں بلکہ یہ عطیات الٰہی سے ہے وہ جسے چاہے نبوت عطا فرمائے اور جسے چاہے رسالت سے نوازے یہ اس کا فضل وکرم ہے اس میں بندوں کے کسب و اجتہاد کو کسی قسم کا دخل نہیں۔ اگرچہ کسب و اجتہاد بھی عطیات الٰہی سے ہیں یہ بھی اس کی توفیق کے بغیر کسی کو نصیب نہیں ہوتے ۔ (مرزائی نبوت کو بھی کسبی کہتے ہیں)

ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ اس میں اشارہ ہے کہ موسےٰ علیہ السلام کو اللہ تعالےٰ کے ہاں بہت بڑا قرب اور قبولیت حاصل تھی کہ آپ کی شفاعت سے حضرت ہارون

علیہ السلام کو رسالت و نبوت نصیب ہوئی اور حضرات انبیاء و رسل علیہم السلام کو ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا محتاج بنایا گیا۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

الناس یحتاجون الی شفاعتی حتی ابراهیم (علیہ السلام) سب کے سب میری شفاعت کے محتاج ہیں یہاں تک کہ ابراہیم علیہ السلام بھی ۔

اے اللہ تعالٰے ہمیں ان لوگوں سے بنا جو تیرے حبیب پاک صلے اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی استعداد رکھنے والے ہیں اور قیامت میں ہمیں ان کے جھنڈے تلے جگہ عنایت فرما۔ (آمین)

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر اپنے والد گرامی اور بھائی اسحاق علیہ السلام کے ذکر سے علیحدہ بیان کرنے میں اشارہ ہے کہ وہ بہت بڑے باکمال نبی تھے یعنے اے محبوب محمد صلے اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کو قرآن سے اپنے دادا اسماعیل علیہ السلام کا قصہ سنائیے ۔ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ ۔ اور اللہ تعالٰے اور لوگوں کے ساتھ صادق الوعد تھے ۔ الوعد کسی کو نفع پہنچانے سے پہلے خبر دینا۔ چونکہ اسماعیل علیہ السلام کو اسی وصف میں شہرت تھی اسی لیے اسی وصف سے انہیں یاد کیا گیا۔ اگرچہ دوسرے حضرات بھی اس وصف سے خالی نہیں تھے لیکن چونکہ اسماعیل علیہ السلام اس وصف کا بہت زیادہ اہتمام فرماتے تھے اسی لیے انہیں اس وصف کی خصوصیت بخشی گئی ۔

حکایت : حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰے عنہما نے فرمایا کہ اسماعیل علیہ السلام نے کسی کے ساتھ کسی جگہ پہ ملنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ آپ اس کے لیے وہیں پر ایک سال تک انتظار کرتے رہے۔

ع

نیست بر مردم صاحب نظر
صورتے از صدق و وفا خوب تر

ترجمہ : صاحب نظر کے نزدیک صدق و وفا سے اور کوئی بہتر عمل نہیں ۔

ان کے صادق الوعد ہونے کی قرآنی دلیل کافی ہے کہ ذبح کے وقت والد گرامی سے صبر کا وعدہ کیا تو اسے پورا کر دکھلایا۔ کما قال تعالٰے :

ستجدنی انشاالله من الصابرین ۔

مسئلہ آیت میں وعدے کے ایفاء کی ترغیب دی گئی ہے لیکن یاد رہے کہ وعدے کا ایفاء نیت پر موقوف ہے یعنی جس نے وعدہ کے وقت عزم بالجزم کیا ہو کہ اس کا ایفاء ضرور کرے گا اگر بعد میں کسی مجبوری سے پورا نہ ہو سکا تو اس پر کوئی گناہ نہیں [1]

---

[1] :- (حاشیہ صفحہ نمبر ۱۷۱ پر ملاحظہ ہو)

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :
"جب کوئی اپنے بھائی سے وعدہ کرے اور اس کی نیت میں ہے کہ ایفا کرے گا لیکن مجبوری سے پورا نہ ہوا تو گنہگار نہ ہوگا۔

مسئلہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تعریف اس معنے پر فرمائی کہ وہ وعدہ پر پورے اترتے تھے۔ اس سے ہر اس شخص کی بھی تعریف ہے جو وعدہ کا ایفا کرتا ہے اور وعید اس میں شامل نہیں اور نہ ہی کسی دوسرے کو ڈراتے دھمکاتے اور پھر اسے پورا کرنے کا مامور یا ممدوح ہو بلکہ عقلاً و شرعاً اسے رک جانا لازمی ہے۔ اس لیے کہ آفات و مضرات کی کوئی تعریف نہیں بلکہ خیرات وحسنات پر مدح ہے۔ اسی قانون کے تحت علماء نے اختلاف فرمایا کہ خلف الوعید علی اللہ جائز ہے[1] یا نہیں۔ (صرحہ الامام الواحدی فی الوسیط تحت قولہ تعالٰی : ومن یقتل مؤمنا متعمدا۔ الخ (سورۃ نساء))

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

[1] : بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے کہ وعدہ کرتے وقت "انشاءاللہ" کہہ دیتے ہیں حالانکہ اس وقت ان کی نیت وعدہ پورا کرنے کی نہیں ہوتی تو یہ سخت گناہ ہے اور اللہ تعالٰے کے نام سے دھوکہ کرنا ہے۔ ۱۲۔

(حاشیہ صفحہ ہذا)

[1] : یہاں پر خلف الوعید جواز و عدم جواز کی تفصیل ضروری ہے کیونکہ ہمارے دَور کے معتزلہ اللہ تعالٰے کے لیے امکان کذب پر زور لگاتے اور اس کے جواز میں بڑے دلائل قائم کرتے ہیں۔ ان کے دلائل میں ایک دلیل خلف الوعید بھی ہے اور اپنے دعوئے میں علمائے اہلسنت کی جواز کی عبارات پیش کرتے ہیں ہم اس کی توضیح کرتے ہیں تاکہ یہ لوگ کسی کو غلط فہمی میں مبتلا نہ کر دیں۔

یاد رہے کہ اگر خلف وعید مجازی مراد ہو جو عفو اور درگذر سے عبارت ہے تو ہم اس کے قائل ہیں، بلکہ تمام اہلسنت اس کے جواز بلکہ وقوع پر متفق ہیں صرف معتزلہ کو اس سے انکار ہے۔ چنانچہ علامہ شہاب الدین خفاجی مصری نسیم الریاض اور علامہ علی قاری شرح شفا میں مسئلہ خلف وعید کو اہلسنت کا اتفاقی قرار دیتے ہیں اور اس میں اختلاف کو صرف معتزلہ کی طرف منسوب کرتے ہیں :

"الوعید لایجوز تخلفہ عند المعتزلۃ لقولھم بانہ یجب علی اللہ تعالٰی تعذیب العاصی"
(نسیم الریاض، جلد ۲، ص ۵۷۰ و شرح شفا، جلد ۲ ص ۵۳۴) کہ خلفِ وعید معتزلہ کے نزدیک جائز نہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ نافرمان کو سزا دینا خدا کے لیے واجب ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ بعض متکلمین جس خلف وعید کے قائل ہوتے ہیں، حقیقتاً وہ خلف نہیں بلکہ اس پر خلف کا اطلاق محض مجازاً کیا گیا ہے، مثلاً مجوزین خلف اس آیت سے استدلال کرتے ہیں :

ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ یغفر ما   بے شک اللہ تعالٰے مشرکین کی مغفرت نہ کرے گا اور ان کے

حدیث شریف اور مسئلہ شرعیہ : حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کسی سے کسی کار خیر کا وعدہ کرے تو اُسے پورا کرے اگر کسی کو ڈرانے دھمکانے کا وعدہ کرے تو اسے اختیار ہے۔ اگر اس میں شرعاً بھلائی ہے تو پورا کرے ورنہ نہ ۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

دون ذالك لمن یشآءُ ‏ علاوہ اور جس کو چاہے گا بخش دے گا ۔

یہ حقیقتہً خلف نہیں اس وجہ سے کہ خلف وعید کی تعریف اس پر صادق نہیں آتی چونکہ خلف وعید کے معنے ہیں کسی سزا کے وعدہ کا خلاف کرنا، یہاں نہ تو وعدہ ہے کہ فلاں شخص کو اس کے گناہوں کی وجہ سے عذاب دیا جائے گا۔ اور نہ یہ فرمایا کہ ہم نے فلاں شخص کو عذاب دینے کا وعدہ کیا تھا لیکن اب اس کو عذاب نہ دیں گے۔ بس معلوم ہوا کہ اس پر متکلمین کا اطلاق خلف کرنا محض مجازاً ہے جس کی مثال قرآن پاک میں موجود ہے۔ قال اللہ تعالیٰ : جزاء سیئة سیئة مثلها یعنی برائی کا بدلہ برائی ہے اسی کی مثل، یہ تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالےٰ کسی برائی کا حکم نہیں کرتا۔ اب اگر سیئہ کو اپنے ہی معنے میں رکھا جائے تو لازم آئے گا کہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ بھی برائی کا حکم کرتا ہے تعالی اللہ عن ذالك علوا کبیرا۔ پس جس طرح یہاں جزاء سیئہ پر سیئہ کا اطلاق کیا گیا ہے اسی طرح متکلمین نے اس پر خلف کا اطلاق مجازاً کیا ہے، بس معلوم ہوا کہ بعض متکلمین اس معنی متنازعہ میں ہرگز خلف وعید کے قائل نہ تھے۔ اور اگر خلف وعید اسی کو کہا جائے تو ہم کو اس سے انکار نہیں بلکہ ہم تو اس کے وقوع کو مانتے ہیں ۔

ف خلف وعید بمعنے عفو و کرم ہم نے اس لیے لیا ہے کہ موجودہ دور کے معتزلہ ایسی عبارات دکھا کر خلف وعد کا اثبات کر کے امکان کذب کی دلیل ٹھہرا لیتے ہیں حالانکہ خلف وعید اور خلف وعد میں زمین و آسمان کا فرق ہے وہ یہ ہے کہ "خلف وعد بمعنے کسی کے انعام کا وعدہ کر کے خلاف کرنا اور خلف وعید بمعنے کسی سزا کا وعدہ کر کے خلاف کرنا۔

خلاف وعید کے متعلق ہم نے عرض کر دیا کہ محققین اگر قائل ہیں تو عفو و کرم کے مجازی معنی میں لے کر لیکن خلف وعد کا قائل تو کوئی بھی نہیں نہ حقیقتہً نہ مجازاً، اور خلف وعد کا خلف وعید پر قیاس بھی مخدوش ہے اس لیے کہ

(۱) قائلین خلف وعید کے مجوزین نے کہا کہ یہ تو اس کا کرم ہے اور بعض محققین نے فرمایا کہ خلف وعید انشاء ہے یعنے وعید سے مقصود انشائے تخویف و تہدید ہے اخبار مطلوب نہیں اس صورت میں سرے سے احتمال کذب کا محل ہی نہ رہا چنانچہ صاحب مسلم الثبوت نے جب یہ کہا کہ ایعاد اللہ تعالیٰ خبر صادق قطعا، خدا تعالےٰ کی وعید خبر صادق اور یقینی الوقوع ہے اس میں خلف محال ہے، کیونکہ خبر کے خلف سے کذب لازم آتا ہے، جو اللہ تعالےٰ کے لیے محال ہے تو علامہ مرزا جان رحمۃ اللہ علیہ نے اس لزوم سے بچنے کے لیے وعید کو خبر تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہوئے اسے انشاء ٹھہرایا ہے کیونکہ انشاء میں کذب کا احتمال نہیں ہوتا لہٰذا کذب باری لازم آئے گا چنانچہ فرماتے ہیں :

الایعاد لیس خبراً بل انشاءٌ والمقصود منه الانذار والتخویف (کشف المبہم شرح ص ۹۸) یعنی وعیدات

ف : جو شخص کو ڈرانے دھمکانے کا وعدہ کرے اگر اسے نہ کرے تو بجائے عیب اور خلاف وعدہ کے اس کی مدح کرتے ہوئے

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

الیہ خبر نہیں بلکہ انشاء ہیں جس کا مقصد انداز اور تخویف ہے۔

(۲) خلف وعید کو امکان کذب کا مقیس علیہ کہنا اس وجہ سے صحیح نہیں ہو سکتا کہ خلف وعید کرم اور امکان کذب نقص کو کرم کی فرع کہنا اور اس پر قیاس کرنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ اہل سنت کا مذہب ان انحرافات سے مبرا اور منزہ ہے۔

(۳) خلف وعید انشاء ہے اور امکان کذب ہمیشہ خبر ہی میں ہوتا ہے تو اخبار کا قیاس انشاء پر کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ اگر زمین کا آسمان پر اور پانی کا آگ پر اور ہوا کا مٹی پر قیاس کرنا جائز ہو تو یہ بھی جائز ہو گا۔

ف : مجوزین کے نزدیک خلف وعید بمعنے عفو و درگزر بھی مسلمانوں سے ہی مخصوص ہے کفار کے حق میں وہ بھی خلف کے قائل نہیں ہیں۔ چنانچہ شامی میں ہے:

الاشبہ ترجح جواز الخلف فی الوعید فی حق المسلمین خاصۃ دون الکفار۔ (ج ۱۔ ص ۲۹۸)

اشبہ راجح ہونا ہے خلف وعید کے جواز کا خاص کر مسلمانوں کے حق میں کافروں کے حق میں نہیں ہے۔

کل روز قیامت جو لاکھوں بلکہ کروڑوں گنہگاروں کی بخشش ہو گی اسے خلفِ وعید کے تحت عفو و کرم سے تعبیر کیا جائے گا۔ (فافہم)

سوال : کفر و شرک کے لیے اس خلف وعید کا سلسلہ کیوں مسدود کر دیا گیا حالانکہ اسے بھی عفو و کرم کے زمرہ میں شامل ہونا چاہیے؟

جواب : آیاتِ وعید عفو و مغفرت کی آیات سے مخصوص و مقید ہیں یعنے جس طرح وعید میں آیتیں وارد ہیں اسی طرح عفو و مغفرت میں بھی ہیں تو ان کے ملانے سے یہ معنے قرار پاتے ہیں کہ جنھیں ہم معاف نہ فرمائیں گے وہ سزا پائیں گے۔ چنانچہ شرح عقاید میں فرماتے ہیں:

وقد کثرت النصوص فی العفو فیخصص المذنب المغفور عن عمومات الوعید (ص ۱۲۱ مصری)

عفو میں نصوص بکثرت ہیں لہٰذا بخشے ہوتے گنہ گار کو عمومات وعید سے مخصوص و مستثنیٰ رکھا جائے گا۔

یعنی وعیدات کا عموم، مخصوص عنہ البعض ہے۔ یہی خلف وعید ہے اکابر دیو بند امکانِ کذب کو جس کی فرع فرما رہے ہیں ان سرپھروں سے کوئی پوچھے کہ کیا آج تک کسی عاقل نے بھی مخصوص عنہ البعض کو کذب یا کذب کا مقیس علیہ کہا ہے؟ مسلم الثبوت ہی اٹھا کر دیکھ لی ہوتی۔ فرماتے ہیں:

ان الایعاد فی کلامہ تعالیٰ مقید بعدم العفو۔

کلام الٰہی تعالیٰ میں وعید عدم عفو سے مقید و مشروط ہے۔

(ص ۲۸ مجتبائی)

نبراس ص ۳۴۱ و بیضاوی ج ۲ ص ۶ میں بھی یہی فرماتے ہیں کہ وعیدیں مشروط بہ عدم عفو ہیں علامہ فہامہ شمس الدین خیالی رحمہ مولی الموالی

(بقیہ صفحہ نمبر ۱۷۴ پر)

اس کے فضل وکرم کی داد دینی چاہیئے ۔

ے

وانی اذا اوعدتہ او وعدتہ

لمخلف ایعادی ومنجز موعدی

ترجمہ : بے شک جب میں کسی کو ڈراتا یا وعدہ کرتا ہوں تو ڈرانے کے وعید کے تو خلاف کرتا ہوں لیکن وعدہ پر پورا اترتا ہوں ۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

مادام الایام واللیالی تو یہاں تک بھی فرما رہے ہیں کہ کریم کے کلام میں وعید کے ساتھ عدم عفو کی تخصیص یا تقلید کی اگرچہ تصریح نہ بھی ہو تب بھی اس کے قرینہ کرم سے اس کی وعید عدم عفو سے مشروط و مقید ہے ۔ ملاحظہ ہو :

ان الکریم اذا اخبر بالوعید فاللائق بشانہ ان یبنی اخبارہ علی المشیۃ وان لم یصرح بذالک بخلاف الوعد فلا کذب ولا تبدیل ۔ (شرح العلامہ الخیالی المصری ص[۱۲])

(یعنے خلف وعید کا مطلب یہ ہے کہ) کریم جب وعید کی خبر دے تو اس کی شان کے یہی لائق ہے کہ اپنی خبر وعید کو مشیت پر مبنی فرمائے ۔ اگرچہ اپنے کلام میں اس کی تصریح نہ کرے وعدہ کے برعکس تو اس خلف میں نہ کذب ہے اور نہ بات بدلنا ۔

یہ ہے خلف وعید کا تصور جس سے نہ تو مجوزین پر امکان کذب کے قول کا الزام عائد ہوتا ہے اور نہ ہی محققین کو وعید کے باوجود درگزر کا حذر ۔

نتیجہ : ثابت ہوا کہ خلف وعید عفو و کرم کے معنے میں ہے اور عرب میں خلف وعید بمعنے عفو و کرم نہ صرف عام مستعمل ہے بلکہ مدح و ستائش میں بولا جاتا ہے ۔ چنانچہ حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی مدح میں کہتے ہیں ؎

نبئت ان رسول اللہ اوعدنی

والعفو عند رسول اللہ مأمول

ترجمہ : مجھے خبر ملی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے وعید فرمائی (قتل کی دھمکی دی) ہے اور معاف فرمانے کی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے امید کی جاتی ہے ۔

نیز جب حضرت کعب تائب ہو کر آئے اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی سے رطب اللسان ہوئے نہ صرف یہ کہ حضور نے اسے

(بقیہ صفحہ نمبر ۱۷۵)

اور کسی نے فرمایا ؎

اذا وعد السراء نجز وعده

وان اوعد الضراء فالعقل مانعه

ترجمہ: جب خوش کن وعدہ کرے تو اسے چاہیئے کہ پورا کرے اور جب دکھ پہنچانے کا وعدہ کرے تو عقل اس کے پورا کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

ف: یحییٰ بن معاذ نے خوب فرمایا کہ وعدہ وعید ہر دونوں حق ہیں وعدہ حقوق العباد سے ہے کہ جیسے کیا اسے پورا فرمائے گا اور وہی اس لائق ہے کہ پورا فرمائے اور وعید اس معنے پر حق ہے کہ اس نے بندوں سے فرمایا کہ یہ کرو اور وہ نہ کرو، ورنہ میں تمہیں سزا دوں گا اگر بندوں سے خلاف ورزی ہوگئی تو وہ چاہے تو معاف فرما دے چاہے تو گرفت کرے اس لیے کہ یہ اس کا اپنا حق ہے اور اس کے لائق ہے عفو و کرم کیونکہ وہ غفور رحیم ہے۔ (کذافی شرح العضد للجلال الدوانی)

وَكَانَ رَسُولًا اور وہ (اسماعیل علیہ السلام) رسول تھے اس لیے کہ انھیں ان کے والد ماجد کی زندگی میں ہی جرہم عمالقہ اور یمن کے علاقہ کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا۔

ف: قاموس میں ہے کہ جُرْهُمٌ قُنْفُذٌ یمن کے ایک قبیلہ کا نام ہے جس میں اسماعیل علیہ السلام نے نکاح کیا۔ نَّبِيًّا نبی یعنے اللہ تعالٰے سے خبر دیتے ہیں۔ اسماعیل علیہ السلام اپنے والد گرامی کے دین پر تھے۔ ان کے ہاں باجماع العلماء نئی کتاب نازل نہیں ہوئی، ایسے ہی لوط و اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کا حال ہے۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

معاف کیا اور اپنی وعید سے درگزر فرمایا بلکہ اسے انعام و اکرام سے نوازا۔ (الاصابہ، ج ۳، ص ۳۷۹ واسد الغابہ، ج ۴ ص ۲۴۱)

اس طویل بحث کے بعد اہل علم کو یقین ہوگیا ہے کہ خلف وعید بر خلف وعد کا قیاس کر کے امکان کذب ثابت کرنا سفاہت و حماقت ہے۔ ورنہ ہمارے اہل متقدمین و متاخرین میں سے کوئی خلف وعید کے حقیقی معنے کا قائل نہیں۔

چنانچہ 'حلیہ' میں ہے:

حاشا للّٰہ ان یراد بجواز الخلف فی الوعید ان لایقع عذاب من اراد الله الاخبار بعذابه فانه محال علی الله تعالٰی قطعاً۔ (سبحان السبوح)

یعنی حاشا للہ خلف وعید جائز ہونے کے یہ معنی نہیں کہ اللہ تعالٰے نے جس کے عذاب کی خبر دینی چاہی اس کا عذاب واقع نہ ہو، یہ اللہ تعالٰے پر قطعاً محال ہے۔

مزید تفصیل و تحقیق اعلیٰحضرت امام اہلسنت سیدی شاہ احمد رضا خاں قدس سرہٗ کی کتاب "سبحان السبوح" میں پڑھیئے۔

وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ اور وہ اپنے اہل خاص سے حکم فرماتے۔ اس سے وہ اقارب مُراد ہیں جو رشتہ ولادت و زوجیت سے اتصال رکھتے ہوں اور عام رشتہ بھی مُراد ہو سکتا ہے یعنے ہر وہ انسان جسے دینی دعوت دیجائے اور وہ بھی ان کی قوم کے لوگ تھے لیکن پہلا معنیٰ زیادہ موزوں ہے کیونکہ پہلے انسان کو اپنی اصلاح ضروری ہے۔ اس کے بعد ان لوگوں کی جو اس کے رشتہ نسبی میں قریب تر ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

وانذر عشيرتك الاقربين

اور فرمایا:

وامر اهلك بالصلوٰة۔

اور فرمایا:

قوا انفسكم واهليكم نارًا

کیونکہ ان کی اصلاح سے کل زمانہ کی اصلاح ہوگی اس لیے کہ خیر و صلاح میں لوگ ان کے طریقہ پر چلیں گے۔ بِالصَّلٰوةِ۔ نماز جملہ عبادات بدنیہ سے اشرف ہے۔ وَالزَّكٰوةِ۔ اور عبادات مالیہ میں سے زکوٰۃ افضل ہے۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ نیک بخت وہ ہے جو اپنے پرائے کی اصلاح کرے اور انھیں فوائد دینیہ پر لگائے۔

~

اے صاحب کرامت شکرانۂ سلامت
روزے تفقدی کن درویش بے نوا را

ترجمہ: اے صاحب کرامت شکرانہ سلامتی یہ ہے کہ دولتمندی کے دوراں بے نوا فقیر کے ساتھ احسان و مروت کر۔

وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ۝ اور وہ اقوال و افعال و احوال میں اللہ تعالےٰ کے پسندیدہ انسان تھے۔ جلالین میں ہے کہ وہ طاعت الٰہی پر قایم تھے ~

اے مرد اگرت رضاء دلبر باید
آن باید کرد ہرچہ او فرماید
گر گوید خون گرے مگو از پے سبب
ور گوید جاں بدہ مگو کہ نباید!

ترجمہ: اے برادر اگر تجھے دلبر کی رضا مطلوب ہے تو وہ عمل کر جو وہ فرماتے۔
اگر وہ خون چاہے تو آمین کا سبب مت پوچھ۔ اگر وہ جان مانگے تو نہ کہہ کہ وہ میرے بس میں نہیں۔

انمول موتی : ایک بزرگ نے فرمایا کہ میرے ہاں چند مہمان تشریف لائے جنھیں میں نے سمجھا کہ وہ ابدال ہیں میں نے عرض کی مجھے بہترین وصیت فرمایئے۔ انھوں نے فرمایا کہ ہم چھ باتیں بتاتے ہیں :

(۱) جو نیند کا خوگر ہو وہ رقت قلبی کی امید نہ رکھے ۔

(۲) بسیار خوری سے شب بیداری سے ہاتھ دھونا ہے ۔

(۳) ظالم کی صحبت سے دین کی استقامت نصیب نہ ہوگی ۔

(۴) کذب و غیبت کی عادت سے خاتمہ خراب ہوتا ہے ۔

(۵) لوگوں کے ساتھ خلط ملط سے عبادت کی لذت نصیب نہ ہوگی ۔

(۶) جو لوگوں کی رضا کے درپے ہوا سے رضائے الٰہی سے محروم ہونا پڑے گا ۔

صوفیانہ فائدہ مطلق پسندیدہ وہ کامل انسان ہے جو جمیع کمالات کا جامع اور جمیع اشیاء وصفات کے حقائق کا محیط ہے جو ان مراتب میں کم درجہ ہے وہ پسندیدگی میں بھی کم مرتبہ ہے ایسے ہی حال کی کمی کا حال ہے۔ ہم اللہ تعالٰی سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہم کو اہل رضا و یقین اور سکون و تسکین والوں سے بنائے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ، ادریس علیہ السلام، نوح علیہ السلام کی جد کے باپ تھے کیونکہ نوح علیہ السلام "لمک" کے بیٹے وہ متوشلخ کے اور وہ اخنوخ کے اور اخنوخ ادریس نبیؑ کا نام ہے، اور وہ یرد کے بیٹے اور وہ مہلاییل کے اور وہ انوشں اور وہ شیث علیہ السلام کے بیٹے تھے اور شیث علیہ السلام آدم علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ ان کی اولاد کے بعد آدم علیہ السلام ایک سو سال زندہ رہے۔ (کذا فی روضۃ الخطیب)

ف : کاشفی نے لکھا کہ جامع الاصول میں ہے کہ ادریس علیہ السلام آدم علیہ السلام کی وفات کے سو سال بعد پیدا ہوئے ۔

ادریس علیہ السلام کی ایجادات

(۱) کیال

(۲) میزان ۔ (تول اور ناپ) کے واضع ادریس علیہ السلام ہیں ۔

(۳) ہتھیار کے موجد بھی آپ ہیں ۔

(۴) سب سے پہلے جہاد فی سبیل کا طریقہ ادریس علیہ السلام نے شروع فرمایا۔

(۵) آپ نے بنی قابیل کو قیدی نیز

(۶) غلام بنایا گویا یہ طریقہ بھی ان کا ایجاد کردہ ہے ۔

(۷) قلم سے لکھنا آپ نے شروع فرمایا ۔

(۸) علم حساب آپ سے شروع ہوا۔
(۹) نجوم کے فن کی ایجاد بھی آپ نے کی۔
(۱۰) کپڑا سی کر پہننا آپ نے ایجاد کیا ورنہ آپ سے پہلے لوگ چمڑا پہنتے تھے۔
(۱۱) روئی سے کپڑا تیار کرنے کا آغاز آپ نے فرمایا۔

ادریس - درس سے مشتق ہے اور 'ادریس' غیر منصرف ہے اور ممکن ہے کہ اس لغت کو یہی معنٰی قریب ہے اور آپ کا لقب ادریس اسی لیے ہے کہ آپ درس بکثرت دیتے۔

مروی ہے کہ آپ پر تیس صحیفے نازل ہوئے۔

اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا بے شک وہ ہر حال میں اپنے اوپر صدق و صفائی کو لازم کرنے والے تھے۔ نَّبِيًّا یہ کان کی دوسری خبر اور پہلی خبر کی مخصص ہے کیونکہ ہر صدیق نبی نہیں ہوتا۔

ہر نبی کی اعلیٰ منزل رسول کی ادنیٰ منزل کے برابر ہوتی ہے۔ ہر صدیق کی اعلیٰ منزل نبی کی ادنیٰ منزل اور ہر مؤمن کی اعلیٰ منزل صدیق کی ادنیٰ منزل کے برابر ہوتی ہے۔

وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا اور ہم نے اسے بلند مکان پر اٹھا لیا مفسرین نے فرمایا اس سے چوتھا آسمان مراد ہے۔

شب معراج انبیاء علیہم السلام سے ملاقاتیں

حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے شب معراج آدم علیہ السلام کو آسمان دنیا پر اور یحییٰ و عیسےٰ علیہما السلام کو دوسرے آسمان پر اور یوسف علیہ السلام کو تیسرے آسمان پر اور ادریس علیہ السلام کو چوتھے آسمان پر اور ہارون علیہ السلام کو پانچویں آسمان پر اور موسےٰ علیہ السلام کو چھٹے آسمان پر اور ابراہیم علیہ السلام کو ساتویں آسمان پر دیکھا۔

چار نبی علیہم السلام دنیوی زندگی کے ساتھ زندہ ہیں

علماء کرام نے فرمایا کہ اس وقت چار نبی علیہم السلام دنیوی زندگی کے ساتھ زندہ ہیں:

(۱) عیسےٰ علیہ السلام
(۲) ادریس علیہ السلام
(۳) خضر علیہ السلام
(۴) الیاس علیہ السلام زمین پر (کذا فی بحر العلوم)

ادریس علیہ السلام کا آسمان پر اٹھائے جانے کا قصہ

کاشفی رحمہ اللہ تعالےٰ نے لکھا کہ ادریس علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کی مختلف روایات ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ایک دن ادریس علیہ السلام کو سورج کی گرمی نے ستایا تو عرض

کی الٰہ العلمین باوجودیکہ سورج مجھ سے کوسوں دور ہے لیکن اس کی گرمی سے میں جان بلب ہو رہا ہوں تو پھر اس فرشتہ کا کیا حال ہوگا جو اس کے بالکل قریب ہے پھر اس فرشتے کے لیے دعا فرمائی کہ اے پروردگار! اس فرشتے سے سورج کی گرمی کم فرما اور اسے اپنی عنایت کے سایہ میں محفوظ رکھ ۔

از تاب آفتاب حوادث چہ غم خورد
آنرا کہ سائبان عنایت پناہ اوست

ترجمہ: آفتاب حوادث کی گرمی سے اسے کیا غم جو اللہ تعالٰے کے سائبان عنایت کی پناہ میں ہے۔

اللہ تعالٰے نے ادریس علیہ السلام کی دعا قبول کی اور دوسرے روز فرشتے مذکور پر شدتِ گرمیٔ آفتاب کا حملہ نہ ہوا لیکن اس کے سبب سے بے خبر رہا۔ بارگاہ ایزدی میں دعا کی اور آگاہی کا عرض کیا۔ اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ میرے بندے ادریس علیہ السلام نے تیرے لیے دعا کی ہے میں نے اس کی دعا قبول کی اسی وجہ سے تجھ سے آفتاب کی گرمی اٹھالی گئی ہے۔ فرشتے نے استدعا کی کہ مجھے ادریس علیہ السلام کی زیارت کی اجازت بخش دی۔ چنانچہ وہ فرشتہ زمین پر ادریس علیہ السلام کے ہاں حاضر ہوا اور ادریس علیہ السلام نے کہا کہ مجھے آسمان پر لے چل چنانچہ فرشتے نے آپ کو اپنے پروں پر بٹھا کر سورج کے قریب پہنچایا۔ آپ نے فرمایا کہ عزرائیل علیہ السلام سے پتہ کیجئے کہ میری زندگی کے باقی کتنے لمحات رہ گئے ہیں۔ عزرائیل علیہ السلام نے دفتر اعمار میں دیکھا تو لکھا تھا کہ ان کی روح سورج کے نزدیک ابھی قبض کر لی جائے چنانچہ ادریس علیہ السلام کی روح اسی وقت آفتاب کے نزدیک قبض کر لی گئی۔

دوسری روایت ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام کو ادریس علیہ السلام کی کثرت عبادت کا سُن کر ان کی زیارت کا اشتیاق تھا۔ اللہ تعالٰے سے ان کی زیارت کے لیے اجازت لے کر زمین پر پہنچے تو حکم ہوا کہ ادریس علیہ السلام کی روح قبض کر لی جائے۔ چنانچہ روح قبض کر لی گئی پھر عزرائیل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ ان کی روح ان کے جسم میں لوٹا کر انھیں آسمان پر لے جاؤ جب آسمان پر لے جائے گئے تو دوزخ کی سیر کرتے ہوئے بہشت میں گئے تو پھر واپس نہ لوٹے وہیں ہمیشہ کے لیے مقیم ہو گئے۔

ف: آیت سے ثابت ہوا کہ ادریس علیہ السلام بلند مرتبہ اور بہت بڑے اونچے مکان پر رہنے سے نوازے گئے لیکن ان کی رفیع المرتبتی اصل اور بلند مکان پہ ہونا بالتبع ہے اور اس بلند مکانی سے فلک شمس مراد ہے۔

افلاک کا تعارف: رفعت مکان کے متعلق دو تقریریں ہیں:

① بلندی بایں معنیٰ کہ فلک شمس کے نیچے اور بھی بہت سے کرات وغیرہ ہیں مثلاً کراتِ فلکیہ و عنصریہ۔

② بلندی باعتبار مرتبہ کے یعنے بہ نسبت جمیع افلاک کے کہ وہ اس لیے کہ فلک شمس کے نیچے سات افلاک ہیں۔ اور وہ یہ ہیں:

① فلک الزہرہ

② فلک عطارد

(۳) فلک القمر

(۴) کرۃ الاثیر یعنی نار

(۵) کرۃ الھوار

(٦) کرۃ المار

(۷) کرۃ التراب

اور ایسے ہی فلک شمس کے اوپر بھی سات افلاک ہیں، جو یہ ہیں :

(۱) فلک المریخ

(۲) فلک المشتری

(۳) فلک زحل

(۴) فلک الثوابت

(۵) فلک الاطلس

(٦) فلک الکرسی

(۷) فلک العرش

ان افلاک میں سے مرتبہ و مکانۃ کے اعتبار سے ان تمام افلاک سے اعلیٰ فلک الشمس ہے اسے قطب الافلاک کہا جاتا ہے کیونکہ تمام افلاک کو اسی کی روحانیت سے فیض پہنچتا ہے جیسے اس کے ایک ستارے سے تمام فلک منور ہوتا ہے جیسے انسان کے قلب سے تمام بدن کو فیض پہنچتا ہے ایسے ہی فلک شمس میں مقام روحانیۃ ہے جیسے حدیث معراج سے معلوم ہوا -

تادیلات نجمیہ میں ہے کہ ' المکان العلی ' جملہ مکونات سے اوپر اللہ تعالےٰ کے قرب میں ہے -

تفسیر صوفیانہ (ف): اللہ تعالےٰ نے ہم محمدیوں کو بہت بڑا مرتبہ عطا فرمایا لیکن بندہ علو مطلق کا تصور نہیں کر سکتا کیونکہ ہر مرتبہ کے حصول کے بعد پھر اور مرتبہ ہے یہاں تک کہ انبیار و ملائکہ علیہم السلام کے مراتب شروع ہوتے ہیں بندہ صرف علو مرتبہ انسانی کو حاصل کر سکتا ہے اور بس - جب مراتب نبوت شروع ہوتے ہیں تو اس کی پرواز آگے نہیں بڑھ سکتی. ہم نے اسے علو مطلق نسبت اضافی کے طور پر کہا ہے اور مراتب بھی وجود یہ ہے وجوبی نہیں کیونکہ وجود امکانی کے مراتب کا حصول ممکن ہے وجوبی صرف واجب الوجود کے شایان شان ہے -

مثنوی شریف میں ہے ؎

دست بر بالاے دست این تا کجا

تا بیزدان کہ الیہ المنتہے

کان یکے دریاست بے غور و کران
جملہ دریاہا چو سیلے پیش آن

حیلہا و چارہا گر اژدہاست
پیش الا اللہ انہا جملہ لاست

ترجمہ: ہاتھ کے بعد ہاتھ پہنچانا لیکن تا بکے کیونکہ سب کا منتہٰے اللہ تعالےٰ ہے۔
اس لیے کہ وہ بحر بے کنار ہے تمام دریا اس کے سامنے ایک قطرہ ہیں۔
تمام حیلے اور چارے اگر اژدہا سے ہوں تب بھی الا اللہ کے سامنے تمام فنا ہو جاتے ہیں۔

سبق عامی انسان پر لازم ہے کہ وہ جب بعض ریاست ہائے امکانی جیسے قضا، تدریس، امامت، امارت وغیرہ امکانی اضافی مراتب حاصل کریں تو انہیں لاشے سمجھیں اور خواص کو ضروری ہے کہ بعض علو اعتباری مراتب جو بعض مقامات پر حاصل ہوتے ہیں جیسے افعال وصفات کے مراتب تو انہیں خیال میں نہ لائیں کیونکہ جملہ مراتب خواہ کتنا ہی بلند ہوں سب فانی ہیں اور یہ تعلقات سب کے سب مٹنے والے ہیں بلکہ لازم ہے کہ ہر مرتبہ حادث ظاہری سے بالکل آزادی اختیار کی جائے جیسے اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم نے کیا۔

ہم اللہ تعالےٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں ان لوگوں سے نہ بنائے جو غیر پر فخر و ناز کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ اُولٰٓئِکَ ۔ یہ آیات مذکورہ یعنے سورہ ہٰذا میں انبیاء جیسے زکریا و عیسےٰ و یحییٰ و ابراہیم و اسماعیل و موسےٰ و ادریس علیہم السلام کی طرف اشارہ ہے۔ یہ مبتدا اور اس کی خبر، الذین انعم اللہ... الخ ہے وہ حضرات ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالےٰ نے اپنی دینی و دنیوی کی نعمتوں اور عطیات صوری و معنوی سے نوازا۔ ان کے بعض حضرات کی بعض عطا کردہ نعمتوں کی تصریح بھی فرمائی۔ مِّنَ النَّبِيِّيْنَ۔ یہ موصول کا بیان ہے اس کی نظیر سورہ فتح میں آیۃ "وعد اللہ الذین اٰمنوا و عملوا الصالحات منھم مغفرۃ" میں ہے۔ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ حارہ کے اعادہ کے ساتھ ماقبل سے بدل ہے۔ یہ ذرأ الشیٔ بمعنے کثر سے ہے۔ الذریۃ اسی سے ہے نسل ثقلین کو ذریۃ کہا جاتا ہے۔ (کذا فی القاموس)

وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ یعنے بعض ذریۃ میں سے وہ بھی تھے جنہیں ہم نے نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی پر سوار کیا اس سے ادریس علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ۔ اس میں باقی تمام داخل ہوگئے وَاِسْرَآءِيْلَ اس کا عطف ابراہیم پر ہے یعنے اسرائیل کی اولاد جیسے موسےٰ و ہارون و زکریا و یحییٰ علیہم السلام۔

ف: اس سے ثابت ہوا کہ بنات الاولاد بھی ذریۃ میں داخل ہوتی ہے کیونکہ مریم یعقوب علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔

وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا یعنے مذکورین منجملہ ان میں سے ہیں جنہیں ہم نے ہدایت دی اور برگزیدہ بنایا نبوت و کرامت بخشی۔ بعض نے کہا کہ یہ من تبنیہ ہے اگر اس کا عطف من النبیین پر اور تبعیضیہ ہے اگر اس کا عطف من ذریۃ اٰدم

پر ہو۔

اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ، جب ان انبیاء علیہم السلام پر پڑھی جاتی ہیں۔ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ رحمٰن کی آیات جو ان پر آیات ترغیب و ترہیب ان کی کتابوں میں نازل ہوئیں۔ خَرُّوْا، زمین پر گر جاتے سُجَّدًا۔ دراں حالیکہ وہ سجدہ کرنے والے ہوتے یہ ساجد کی جمع ہے۔ وَّبُكِيًّا دراں حالیکہ وہ رونے والے ہوتے۔ یہ باک کی جمع ہے۔ یہ دراصل بکویا تھا۔ اب معنٰے یہ ہوا کہ تمہارے سے بہت سے انبیاء علیہم السلام گذرے ہیں باوجودیکہ ان کے ہاں مال کی کمی نہ تھی اور شرف نسب میں بھی اعلٰے ہے اور نفس میں باکمال تھے اور اللہ تعالٰے کے ہاں بھی بڑا قرب رکھتے تھے لیکن سجدہ گذار اور آیات الٰہی سن کر خوب روتے تھے تم بھی ان کی طرح ہو جاؤ۔

گریہ اور آنسو بہانے کا حکم: حدیث شریف میں ہے کہ قرآن پڑھو اور آنسو بہاؤ اگر رونا نہ آئے تو رونی شکل بناؤ۔ تباکو۔ تباکی سے ہے بمعنے بتکلف رونا یعنے اگر تمہاری آنکھیں نہیں روتی تو اپنی دلوں کو رلاؤ یعنے قرآن مجید سنتے ہوئے حزن و ملال کا اظہار کرو اس لیے کہ قرآن حزن لے کر محزونین پر اترا ہے۔

ف: کاشفی رحمہ اللہ تعالٰے نے لکھا کہ کلام دوست شوق کو ابھارتا ہے جب آتش شوق دل کی گہرائیوں میں روشن ہوتی ہے تو آنکھیں خون کے آنسو بہاتی ہیں ؎

اے دریغا اشک من دریا بدی
تا نثار دلبر زیبا بدی
اشک کان از بہر آن بارند خلق
گوہرست و اشک پندارند خلق

ترجمہ: کاش میرے آنسو دریا ہوتے تو پیارے محبوب پر نثار ہوتے۔
وہ آنسو جو محبوب کی خاطر بہتے ہیں وہ گوہر ہیں جنہیں لوگ آنسو سمجھتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ خروا عتبۂ عبودیت پر اپنے دل گراتے ہیں۔ سجداً احکام ازلیہ کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔ وبکیا، نار شوق و محبت پر اپنا وجود پگھلاتے ہیں جب یار کی بات سنتے ہیں۔

جب سجدہ کرے تو چاہیئے کہ مناسب آیات پڑھے اس مقام پر یہ دعا پڑھے:

اللّٰهم اجعلنى من عبادك المنعم عليهم المهديين الساجدين لك الباكين عند تلاوة اٰياتك

اے اللہ! مجھے اپنے ان بندوں سے بنا جن پر تیرا انعام ہے اور وہ ہدایت یافتہ اور تیرے لیے سجدہ گذار اور تیری آیات کو پڑھ کر روتے ہیں۔

اور آیت سجدہ سورۂ اسراء میں یہ پڑھے۔

اللھم اجعلنی من الباکین الیک الخاشعین لک۔ اے اللہ! مجھے اپنے رونے والوں اور تجھ سے ڈرنے والوں سے بنا۔

اور آیت تنزیل السجدہ میں پڑھے:

اللھم اجعلنی من الساجدین لوجھک المسبحین بحمدک واعوذبک ان اکون من المستکبرین عن امرک۔ اے اللہ! مجھے تیری ذات کے لیے سجدہ گذاروں اور تیری حمد کے ساتھ تسبیح کرنے والوں سے بنا اور تیرے سے پناہ مانگتا ہوں۔ ان لوگوں سے جو تیرے امر سے تکبر کرتے ہیں۔

ف: حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ یہ آیات سجدہ میں سے یہ پانچواں سجدہ ہے اور حضرت شیخ قدس سرہ نے فرمایا کہ یہ بجہت تلاوت آیات رحمانی سجدۂ انعام ہے اور فرمایا کہ اس پر رونا وگریہ فرح وسرور کا ہے۔ اس لیے کہ رحمت رحمانی لطف و رافت تقاضا کرتی ہے اور بہجت ومسرت کا موجب ہے اس سے نتیجہ نکلا کہ اس میں طرب ہی طرب ہے نہ کہ اندوہ وغم۔

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ۔

حل لغات: پیچھے چھوڑے جانے والا اگر نیک ہو تو خلف بفتح اللام اور اگر بُرا ہو تو بسکون اللام پڑھا جائے گا۔ اب معنے یہ ہوا کہ مذکورہ انبیاء علیہم السلام نے اپنے پیچھے نااہل اولاد چھوڑی۔ جلالین میں ہے ان حضرات نے اپنے بعد برے لوگ چھوڑے یعنی یہود ونصاریٰ ومجوس۔

حدیث شریف ہر نبی علیہ السلام جسے اللہ تعالٰے نے مبعوث فرمایا ان کے حواری اور صحابی ہوتے ہیں جو اپنے انبیاء علیہم السلام کی سنت کی پیروی کرتے اور ان کے فرامین کے مطابق اعتقاد رکھتے ہیں ان کے بعد غلط لوگ آئے جو وہ کہتے کچھ ہیں تو کرتے کچھ ہیں دوسروں کو نیکی کا حکم کرتے ہیں لیکن خود اس کے خلاف کرتے ہیں تم میں جو ان کے ساتھ ہاتھ سے لو اور جو زبان سے اور قلب سے جہاد کرے تو وہ مومن ہے اس کے ماسوا کیا تو رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نصیب نہیں ہوگا۔ (رواہ مسلم)

اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ۔ انھوں نے نماز ضائع کی یعنے چھوڑ دی یا بے وقت ادا کی یا ادئیگی کے بعد گلہ، غیبت، کذب وغیرہ سے اس کا ثواب ضائع کیا یا نماز پڑھی لیکن بلانیت یا خشوع وخضوع کے بغیر۔ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ۔ اور شہوات کی اتباع کی جیسے شراب خوری، بہن کے ساتھ نکاح حلال سمجھنا ایسے ہی دیگر مختلف گناہوں کا انہاک۔

ف: سیدنا علی المرتضٰے رضی اللہ تعالٰے عنہ نے فرمایا کہ ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو بہترین بلڈنگیں بناتے اور اعلیٰ سواریوں پر سوار ہوتے اور شہرت کا لباس پہنتے ہیں۔

وحی داؤدی: سیدنا داؤد علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف وحی آئی کہ دنیا جیفہ کی طرح ہے جس پر چند کتے جمع ہو کر

ہر ایک اپنی طرف کھینچتا ہے کیا تم کتا ہونا گوارا کرد گے ۔ اے داود علیہ السلام بہترین طعام اور نرم لباس اور عوام میں شہرت اور جنۃ فی الآخرۃ کا اجتماع نہیں ہوسکتا ۔

ف ، شہوات کے اسباب کی آسانی خیر و بھلائی کی علامت نہیں اور نہ ہی آخرت میں نجات کی نشانی ہے اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب شہد ٹھنڈے پانی میں ملا کر پیش کیا گیا تو آپ نے اسے قبول نہ کرتے ہوئے فرمایا ، لے جاؤ ، تاکہ میں حساب دینے میں پریشانی نہ اٹھاؤں ۔

دو فرشتوں کا مکالمہ حضرت وہب بن منبہ نے فرمایا کہ چوتھے آسمان میں دو فرشتوں کی ملاقات ہوئی ۔ ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو؟ اس نے کہا کہ میں دریا کی فلاں مچھلی کو چلانے جا رہا ہوں اس لیے کہ اسے فلاں یہودی نے کھانے کی خواہش کی ہے ۔ دوسرے نے کہا کہ میں فلاں جگہ سے زیتون کی بوتل بہانے جا رہا ہوں اس لیے کہ اس کے استعمال کی فلاں عابد نے خواہش کی ہے ۔

ف ، الشہوات بمعنے تمنا یعنے آرزو ۔ آیت میں تمام وہ اشیاء مذمومہ مراد ہیں جن کے لیے طبیعت نفسانی خواہش رکھتی ہے ۔

ہوٰی و شہوۃ کا فرق ہوٰی مذموم ہے یعنے جتنا ہی نفسانی خواہشات ہیں سب مذموم ہیں اور شہوۃ کبھی محمود ہوتی ہے وہ جو منجانب اللہ ہو یعنے جس سے اصلاح مطلوب ہو وہ شہوۃ محمود ہے اور مذموم شہوۃ وہ ہے جو نفس امارہ ہو یعنی اس کی خواہش کے مطابق بدنی لذات پوری کرنا شہوۃ مذمومہ ہے ۔

ف ، ترک شہوۃ سے بڑھ کر اعظم و اشرف کوئی عبادت نہیں ۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

مبر طاعت نفس شہوت پرست
کہ ہر ساعتش قبلۂ دیگر است
مرو درپے ہرچہ دل خواہ ست
کہ تمکین تن نورِ جان کاہد ت
کند مرد را نفس امارہ خوار
اگر ہوشمندی عزیزش مدار

ترجمہ ، (۱) نفس شہوت پرست کی طاعت نہ کیجئے کیونکہ ہر گھڑی اس کا نیا قبلہ ہے ۔
(۲) جو جی آئے وہ نہ کیجئے کیونکہ یہ شرارت تیری روح کا نور کم کر دے گی ۔
(۳) نفس امارہ انسان کو خوار کرتا ہے اگر تو ہوشمند ہے تو اس سے پیار نہ رکھ ۔

فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ○ وہ عنقریب "غی" یعنے شر میں ڈالے جائیں گے ۔ غی بمعنے شر کیونکہ اہل عرب کے نزدیک

ہر شر گمراہی ہے جیسے ہر خیر ارشاد ہے۔ اور ضحاک نے فرمایا کہ غی سے جزائے غی مراد ہے جیسے 'یلق اثاما' میں جزائے اثام مراد ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ 'غی' جہنم کی ایک وادی ہے جس کی گرمی سے جہنم کی دوسری وادیاں پناہ مانگتی ہیں جسے زانی اور شرابی اور سود خور اور جھوٹے گواہ اور والدین (استاذ و پیر و مرشد) کے نافرمان اور تارک الصلوٰۃ کے لیے تیار کی گئی ہے۔

اِلَّا مَنْ تَابَ، مگر وہ جس نے شرک و معاصی سے توبہ کی۔ وَاٰمَنَ اور کفر کی بجائے ایمان کو اختیار کیا۔ وَعَمِلَ صَالِحًا اور توبہ و ندامت کے بعد نیک عمل کیا۔ فَاُولٰٓئِكَ تو وہی لوگ جنھیں توبہ و ایمان و عمل صالح نصیب ہوا۔ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ، بہشت میں داخل ہوں گے جیسا کہ اللہ تعالےٰ کا پختہ وعدہ ہے۔ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۝ ان کے اعمال کی جزا میں کسی قسم کی کمی نہ کی جائے گی۔ یہاں پر ظلم بمعنے نقص و منع ہے۔ اور شیئًا اس کا مفعول ہے اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ مفعول مطلق کے قائم مقام ہے۔

جَنّٰتِ عَدْنِ۔ یہ جنۃ سے بدل البعض ہے کیونکہ جنت، جنات عدن کو بھی شامل ہے۔ ان کے مابین کا جملہ معترضہ، اور جنات عدن ایک جنتِ خاص کا نام ہے جیسے رمضان ایک خاص مہینہ کا نام ہے کبھی مضاف محذوف ہے۔ شہر رمضان کی بجائے صرف رمضان کہا جاتا ہے۔

ف: بعض نے کہا ہے کہ جنات عدن تمام دار الثواب کا نام ہے اور العدن بمعنے الاقامۃ آتا ہے۔ یہاں پر یہی معنٰی زیادہ مناسب ہے کیونکہ جنات عدن اور جنت الفردوس میں عوام بالاصالۃ داخل نہ ہوں گے اس لیے کہ وہ مقربین کی قیام گاہیں ہیں۔ اِلَّتِىْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ جس کا رحمٰن نے اپنے بندوں سے وعدہ فرمایا ہے۔ بِالْغَيْبِ ط جو کہ غیب سے متلبس ہے یعنے ان سے غائب یعنے غیر حاضر ہے یا وہ اس سے غائب ہیں جسے وہ دیکھ نہیں سکتے۔ اور اس پر ان کا ایمان لانا محض خبر (نبوی) سے ہے اور اسے رحمت سے مشتق کرنے میں اشارہ ہے کہ اس کا وعدہ اور ایفائے عہد محض اس کی رحمت اور فضل و کرم ہے۔

ف: اور عباد کو اپنی طرف مضاف کرنے میں اشارہ ہے کہ اس کا استحقاق اسے ہے جو مخلصانہ طور پر عبادت کرتا ہے یعنے عبودیت میں مخلص ہے اور دنیا و خواہشات نفسانی کے بندے ایسے فضل و کرم کے مستحق نہیں کیونکہ ایسی کمال شرافت کا وہی مستحق ہو سکتا ہے جو واقعی اس کا بندہ ہے۔ اور جو واقعی اس کا بندہ ہے اس کے لیے جنت عدن ہے۔

اِنَّهٗ، بے شک وہ اللہ تعالےٰ كَانَ وَعْدُهٗ ہے اس کا وعدہ یعنے جنت۔ مَاْتِيًّا ۝ اس کے ہاں آئے گا وہ جس کے ساتھ اس کا وعدہ کیا گیا ہے اس کے خلاف ہرگز نہ ہوگا اس معنے پر مأتی اسم مفعول از اتیان ہے یا بمعنے اسم الفاعل ہے یعنے اس میں ضرور آئے گا۔

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا۔ اس میں فضول کلام نہ سنیں گے۔ اس میں اشارہ ہے کہ بہشتیوں سے لغو کلام کا صدور نہ ہوگا اور اس میں تنبیہ ہے کہ حتی الامکان فضول کلام سے اس دار دنیا میں بھی احتراز لازم ہے۔ اِلَّا سَلٰمًا ط یہ استثناء منقطع ہے لیکن وہ بہشت میں صرف فرشتوں کے سلام سنیں گے یا آپس میں ایک دوسرے کو السلام علیکم کہیں گے۔ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا

اوران کے لیے اس میں رزق ہوگا۔ بُكْرَةً بوقت صبح۔ وَّعَشِيًّا اور بوقت شام۔ اس سے ان کا دائمی طور پر رزق دیا جانا مُراد ہے جیسے کہا جاتا ہے:

"انا عند فلان صباحا و مساء" میں صبح و شام فلاں کے پاس ہوتا ہوں، اس سے اس کی مراد یہ ہے کہ وہ اس کے ہاں ہمیشہ رہتا ہے۔

بعض نے اس کا یہ معنیٰ کیا کہ ان کے ہاں صبح و شام کی مقدار پر طعام لایا جائے گا۔ کیونکہ وہاں نہ صبح نہ شام بلکہ وہاں تو نور ہی نور ہے لیکن بہشت کے طعام کو بکرۃ و عشیا سے موصوف کرنے میں اہل عرب کے طریقہ پر ہے کہ وہ صبح و شام کے طعام سے بڑھ کر اور کوئی طعام نہیں سمجھتے تھے۔

سوال: آیات سے مقصود یہ ہے کہ بہشت کے جملہ امور کی عظمت کا اظہار ہو لیکن صبح و شام کے طعام میں کوئی عظمت نہیں اس کی وجہ کیا ہے؟

جواب: مقصود یہ ہے کہ اس میں ان امور کا ذکر ہو جو لوگوں کو دنیا میں مرغوب ہوں اسی لیے سونے چاندی کے کنگنوں کا ذکر ہوا ہے ایسے ہی ریشم پہننا۔ یہ اگرچہ عرب کو مرغوب نہ تھا لیکن عجم میں ان کا نہ صرف رواج تھا بلکہ انہیں فخر یہ استعمال کرتے تھے ایسے ہی ارائک (تکئے) بھی یمن میں اشراف (امراء) کی عادت میں شامل تھا ایسے ہی صبح و شام کا طعام عرب کی مرغوب شے تھی اسی لیے اس کا ذکر ہوا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے: ولهم رزقهم فيها اس میں انہیں رویت الٰہی نصیب ہوگی۔ بكرة و عشيا۔ صبح و شام کے وقت جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

اكرمهم على الله من ينظر الى وجهه غدوة وعشيا۔ اللہ تعالےٰ کے ہاں مکرم ترین وہ شخص ہوگا جو اللہ تعالےٰ کو صبح و شام دیکھے گا۔

تفسیر عالمانہ تِلْكَ۔ یہ اشارہ اسی جنت کی طرف ہے جس کا ابھی ذکر گذرا ہے یعنی وہ بہشت جس کا ابھی بیان ہوا اور تم نے اس کا ذکر ابھی سنا۔ الْجَنَّةُ۔ الارشاد میں ہے کہ یہ مبتدا و خبر ہے اور وہ اس لیے کہ بہشت کی عظمت شان اظہار ہو اور متعین ہو جاتے کہ اس میں کیسے لوگ داخل ہوں گے اور یہ بھی ممکن ہے کہ الجنۃ۔ تلك کی صفت ہو کر مبتدا اور اس کی خبر الَّتِيْ نُوْرِثُ ہے۔ وہ بہشت جسے ہم وارث کے اختیار کے بغیر اس کو عطا فرمائیں گے۔ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ۞ اپنے ان بندوں کو متقی یعنے شرک و معاصی سے بچتے اور ہمارے مطیع ہوں گے یعنے ہم انہیں ان کے تقویٰ کی وجہ سے بہشت دیں گے اور اس سے انہیں ممتع فرمائیں گے جیسے وارث مورث کے مال کا مالک بن کر اپنی مرضی سے تصرف کرتا ہے ایسے ہی اسے بہشت میں تصرف کا حق حاصل ہوگا۔

سوال: اسے وراثت سے تعبیر کرنے کا کیا معنے جب کہ وراثت کا معنٰے یہ ہوتا ہے کہ ایک شخص سے شے کو منتقل کر کے دوسرے

کے ملک میں دنیا کہ پہلے کا کسی قسم کا تعلق نہ رہے اور یہاں ایسا معنیٰ نہیں بنتا ؟

جواب : یہ بطور تشبیہ کے کہا گیا ہے اصل مقصد یہ ہے کہ اعمال بہشت کے حصول کا سبب ہیں جیسے نسب مال کی تملیک کا سبب ہے جیسے یہاں بلاکسب و بلاتکلف مال حاصل ہوتا ہے ایسے ہی بہشت کی نعمتیں کہ وہ بھی محض عطائے الٰہی اور رحمت ایزدی ہے جس میں ہمارا کسی قسم کا دخل نہیں۔ اس مسئلہ میں قدریہ (بد مذہب فرقہ) کا ردّ ہے ۔

ف : لفظ وراثت کا استعمال زیادہ تر ایسے تملک و استحقاق پر ہوتا ہے کہ جس کا نہ فسخ ہوسکے اور نہ اس میں رجوع کیا جاسکے اور نہ ہی ابطال ہوسکے اور نہ اسقاط ۔

مسئلہ : الاشباہ میں ہے کہ اگر کوئی وارث کہے کہ میں نے اپنا حق چھوڑا تو اس کا حق باطل ہوجائے گا۔[1]

بعض مفسرین نے فرمایا کہ بہشت کے وہ مکانات و منازل جو اللہ تعالےٰ نے کافروں کے نامزد فرمائے تھے لیکن وہ تو دوزخ میں چلے گئے اب وہی منازل و مکانات متقیوں کو عطا فرمائے گا۔ اسی لیے اسے وراثت سے تعبیر فرمایا۔

تین جنتیں : مولانا فناری نے تفسیر الفاتحہ میں لکھا ہے کہ جنتیں تین ہیں :

① اختصاص الٰہی کی جنت ۔

(۱) اس میں ان بچوں کو داخل فرمائے گا جو قبل از بلوغ مرگئے۔ اس کی حد بعض نے بیان فرمائی ہے کہ پیدائش کے وقت چیخ مار کر مرجانے کے وقت سے چھ سال تک ۔

(۲) ان کے علاوہ جسے چاہے عطا فرمائے ۔

(۳) مجنون اور پاگل لوگ جن کی عقل نہ تھی یا تھی مگر بعد میں ختم ہوگئی ۔

(۴) اہل توحید

(۵) اہل فترت یعنے جنھیں کسی رسول علیہ السلام کی دعوت دین نہ پہنچی ۔

② جنت میراث :

اس میں ہر وہ اہل ایمان داخل ہوں گے جن کا ابھی ہم نے ذکر کیا یعنے وہ امکنہ جن میں کفار نے داخل ہونا تھا اگر ایمان لاتے اور اطاعت کرتے لیکن چونکہ وہ کافر ہو کر جہنم میں داخل ہوئے ان کے منازل گویا بطور وراثت اہل ایمان کو دیئے جائیں گے ۔

---

[1] : انگریزی دور میں لڑکیوں کو وراثت نہیں ملتی تھی لیکن پاکستان بننے کے بعد اگرچہ جملہ قوانین انگریزی باقی ہیں لیکن بعض قوانین اسلامی پر عمل ہوجاتا ہے مثلاً لڑکیوں کی وراثت بحال کی گئی لیکن ہمارے دیہات کی بعض عورتیں اسی ذہنیت میں ہیں یہاں تک کہ وہ اپنے ورثہ (ابناء - ازواج) کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کہہ دیتی ہیں کہ ہم اپنے باپ کا ترکہ نہیں لیتی ہم اپنے بھائیوں کے حق میں دیتی ہیں ان کی یہ روش اسی " الاشباہ " کی عبارت میں داخل ہے ۔ (اویسی غفرلہ)

③ جنتِ اعمال ۔

یہ بہشت اعمال کا بدلہ ہوگی جس کے اعمال صالحہ زیادہ ہوں گے اس کے منازل ومراتب زیادہ ہوں گے کیونکہ ہر عمل صالح کے بدلے میں جنت میں منازل مقرر ہیں جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے :

یا بلال بم سبقتنی الی الجنۃ فما وطئت موضعا الا سمعت خشخشتك امامی ۔	اے بلال! بہشت میں مجھ سے کیسے سبقت لی؟ میں نے جہاں قدم رکھا تیری جوتی کی آواز سنائی دی ۔

عرض کی یارسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم)

ما احدثت قط الا توضات وما توضات الاصلیت رکعتین فقال رسول اللہ علیہ السلام بھما ۔	میں جب بھی بے وضو ہوا تو وضو کیا اور پھر وضو کر کے دوگانہ پڑھا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہی کی برکت ہے ۔

اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ اسی عمل پر ایک مخصوص جنت ہے کوئی نفل ہو یا فرض ان کے علاوہ کوئی بھی کارِ خیر ہو یا حرام و مکروہ کے ترک پر ہر ایک کے لیے علیحدہ مخصوص جنت اور خاص نعمت ہے جو عمل کرنے یا حرام ومکروہ سے بچنے پر عطا ہوگی ۔

اعجوبہ: یک وقت متعدد اعمال صالحہ کئے مثلاً ایک وقت میں کان سے نیکی کی تو آنکھ سے بھی وغیرہ وغیرہ تو اسے ان مجموعہ اعمال پر یک وقت کئی جنتیں نصیب ہوں گی جسے دیکھ کر دوسرے لوگ رشک کریں گے ۔

ہم اللہ تعالے سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اہل طاعت سے بنائے ۔

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ؕ

شانِ نزول حضرت مجاہد نے فرمایا کہ فرشتہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر نہ ہوا ۔ چند روز کے بعد حاضر ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تجھے کس وجہ نے میرے ہاں نہ آنے دیا ۔ عرض کیا کہ میں کیسے حاضر ہوتا جب کہ آپ کے بعض صحابہ (رضی اللہ عنہم) نے نہ تو ناخن کٹواتے ہیں اور نہ مونچھیں اور نہ ہی براجم صاف کرتے ہیں اور نہ مسواک کرتے ہیں ۔ اس کے بعد یہی آیت "وما نتنزل الا بامر ربك" (اور ہم آپ کے رب کے حکم سے اترتے ہیں) نازل ہوئی ۔ (کذا فی اسباب النزول وسفینۃ الابرار) ۔

حدیث شریف میں ہے کہ نقوا براجمکم (اپنے براجم صاف کرو) ۔

ف: براجم انگلیوں کے جوڑ اور وہ عقود جو انگلیوں کے پیچھے کی طرف ہیں ان میں میل کچیل جمع ہو جاتی ہے ۔ برجمہ کی جمع ہے اور وہ جو دو عقدوں کے درمیان ہے اسے عربی میں راجبہ کہا جاتا ہے اس کی جمع رواجب آتی ہے اور یہ وہ ہے جو انگلیوں کی پشت سے متصل ہے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر انگلی میں دو براجم اور تین رواجب اور انگوٹھے میں ایک برجمہ اور دو رواجب ہیں ۔

ف: ان کی صفائی کا حکم اس لیے ہے کہ غسل جنابت میں کمی نہ واقع ہو اور ان کے اندر جمع شدہ میل کچیل کو اچھی طرح صاف کیا جائے ۔ (ذکرہ القرطبی) ۔

جبریل علیہ السلام کی کہانی اپنی زبانی بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ جبریل علیہ السلام کے قول کی حکایت ہے۔ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کفار ومشرکین وغیرہم نے اصحاب کہف، ذوالقرنین اور روح کے متعلق سوالات کیے تو آپ کو معلوم نہ تھا کہ وہ اس کا کیا جواب دیں اور خیال فرمایا کہ اس کا جواب بذریعہ وحی معلوم ہوگا لیکن جبریل علیہ السلام تو چالیس یا پندرہ دن حاضر نہ ہوئے۔ آپ کو یہ سخت ناگوار گذرا بلکہ زیادہ سے زیادہ مشقت اٹھانی پڑی یہاں تک کہ مشرکین نے کہہ دیا کہ اس کا رب اسے چھوڑ گیا بلکہ اس سے عداوت ہوگئی (معاذ اللہ) جب ان کے متعلق جبریل علیہ السلام جواب لے کر آئے تو حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے جبریل! علیہ السلام آپ نے بڑی دیر لگائی یہاں تک کہ میں تو کچھ اور سمجھ رہا تھا حالانکہ مجھے آپ کا بڑا اشتیاق تھا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ مجھے تو آپ کی زیارت کا ہر وقت بہت بڑا شوق رہتا ہے لیکن کیا کروں مجبور ہوں عبد مامور ہوں جب حکم ہوتا ہے حاضر ہو جاتا ہوں اور جب روکا جاتا ہوں تو رک جاتا ہوں۔ اس پر اللہ تعالےٰ نے یہی آیت اور سورۃ والضحیٰ نازل فرمائی[1]

ف: التنزل یعنے وقفہ وقفہ پر اترنا اس لیے کہ یہ تنزیل کا مطاوع ہے۔

اب معنےٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ اے جبریل! (علیہ السلام) محمد (عربی صلے اللہ علیہ وسلم) کو کہو کہ ہم صرف تیرے رب کے حکم سے اترتے ہیں جبھی آتے ہیں تو اسی کا حکم ہوتا ہے نہیں آتے تو بھی یہی اس کی حکمت کا تقاضا ہے جیسے چاہے کرے۔

لَہٗ۔ صرف اسی سے خاص ہے۔ مَا بَیْنَ اَیْدِیْنَا۔ وہ جو ہمارے آگے ہیں آنے والے امور اخرویہ۔ وَمَا خَلْفَنَا اور وہ جو ہمارے پیچھے ہیں گذشتہ امور دنیویہ۔ وَمَا بَیْنَ ذٰلِکَ اور وہ جو۔ وَمَا کَانَ یعنے جو کچھ ہو گذرا۔ ومایکون (وہ جو ہوگا) کے مابین الی یوم القیمۃ کے امور ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے:

لہ ما بین ایدینا سے تقدیر ازلی، وما خلفنا سے تدبیر ابدی، وما بین ذالک سے ازل تا ابد مراد ہے۔ اس کی نظیر باری تعالےٰ کا ارشاد گرامی ہے:

یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم

---

[1] آیت کا شان نزول لے کر وہابی دیوبندی حضور علیہ السلام کی لاعلمی ثابت کرتے ہیں حالانکہ آپ ایسے مواقع پر اپنی نبوت کی توثیق کے لیے عمداً فرماتے کیونکہ کتب سابقہ میں آپ کی نبوت کی علامات میں سے تھا کہ آپ ہر بات میں وحی الٰہی کا انتظار فرمائیں گے اگرچہ ان کو کتنا سخت سے سخت پریشان ہونا پڑے۔ چنانچہ آپ کی انہی علامات کو یہود نے بار بار آزمایا منجملہ ان کے ایک یہی موقعہ ہے دوسرا واقعہ افک وغیرہ وغیرہ۔ اگر آپ اپنے علم کا اظہار کرتے تو آپ کی نبوت کی تصدیق از اغیار نہ ہوتی اور مقصد اولین توثیق نبوت تھی نہ کہ اظہار علم۔ مزید تفسیر اویسی میں ہے۔ (اویسی)

تفسیر عالمانہ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ○ اور آپ کا پروردگار فراموش کار نہیں یعنے وہ ہر وقت آپ کے حال سے آگاہ ہے جب چاہتا ہے مجھے آپ کے ہاتھ بھیج دیتا ہے۔

ف: اہل تفاسیر نے فرمایا کہ یہاں فعیل بمعنے فاعل ہے۔ نسیان سے مشتق ہے بمعنے ترک[1] یعنے آپ کا پروردگار آپ کو ہرگز نہیں چھوڑتا جیسے کفار کا گمان ہے اگر وحی میں تاخیر ہو تو اس میں مصلحت ہوتی ہے یا نسیان ذکر کی نقیض ہے بمعنے غفلت یعنے آپ کا رب آپ سے غافل نہیں۔

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، مبتدا و خبر ہیں۔ رب بمعنے مالک یعنے اللہ تعالےٰ آسمانوں اور زمینوں کا مالک ہے۔ وَمَا بَيْنَهُمَا اور وہ مخلوق جو ان کے درمیان واقع ہے تو پھر وہ آپ کو کیسے چھوڑے گا۔ فَاعْبُدْهُ۔ یعنے جب آپ کو یقین ہے کہ رب وہی ہے تو پھر اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم اس کی عبادت میں ثابت قدم رہیے۔ العبادۃ بمعنے بندے کو جس پرستش اور اوامر و نواہی کا حکم ہے ان پر پابندی کرنا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ فاعبدہ، اپنے جسم و نفس و قلب و سر اور روح کے ساتھ عبادت کیجئے جسم کی عبادت ارکان شریعت سے ہے یعنے جن امور کا حکم ربانی ہے انھیں بجا لانا اور نواہی سے روکنا اور آداب طریقت سے نفس کی عبادت خواہشات نفسانی کا ترک اور مخالفت خواہشات نفسانی پر التزام کرنا اور عبادت قلب دنیا و مافیہا سے اعراض اور آخرت اور اس کے مکارم کی طرف متوجہ ہونا اور عبادت السر اللہ تعالےٰ سے واصل ہو کر تعلقات کونین سے فارغ ہونا اور عبادۃ الروح شہود کے حصول کے لیے وجود کو راہ حق میں خرچ کرنا۔

تفسیر عالمانہ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ط اور اللہ تعالےٰ کی عبادت پر صبر کیجئے یعنے عبادت میں جو مشقتیں اور تکلیفیں آئیں انھیں برداشت فرمائیے۔ وحی کی تاخیر اور کفار کے استہزاء اور ان کی سب و شتم پر ملال نہ کیجئے کیونکہ وہی رات کا نگران و نگہبان اور وہی آپ پر دنیا و آخرت میں لطف و کرم فرماتا ہے۔

سوال: اصطبار علی سے متعدی ہوتا ہے لیکن لام سے ہوا ایسا کیوں؟

جواب: یہاں پر اصطبار ثبات کے معنے کو متضمن ہے کیونکہ عبادت کو شدائد اور مشقتیں لازم ہیں اسی لیے ان پر ثابت قدم رہنے کا حکم ہوا یہ ایسے ہے جیسے جنگ میں مجاہد کو کہا جائے: اصطبر لقرنك اپنے بالمقابل کے حملوں اور تکالیف وغیرہ پر ثابت رہنا۔

هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ○ السمی بمعنے شریك فی الاسم (ہمنام) اور مثل و شبیہ کو بھی سمی کہا جاتا ہے۔ یعنے وہ اس لائق نہیں کہ اس کی مثل کسی دوسرے کا نام الٰہ رکھا جائے۔

ف: مثل کو سمی اس لیے کہتے ہیں کیونکہ وہ دونوں آپس میں ہم شکل اور ایک دوسرے کا مشابہ ہے یا یہ مطلب ہے کہ کسی کے

---

[1] یہی معنی حضور علیہ السلام کے نسیان کے لیے مراد ہے۔ (اویسی غفرلہٗ)

لائق نہیں کہ وہ کسی کا نام اللہ رکھے۔ یہی وجہ ہے کہ مشرکین نے شرک میں غلو کے باوجود اپنے کسی بت کا نام اللہ نہ رکھا۔

ف: علم کی نفی سے معلوم کی نفی ہے یعنے نہ وہ ہے اور نہ تمہیں معلوم ہے۔

نکتہ: کاشفی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ یہ اللہ تعالے کی شان قدرت ہے کہ کسی بت پرست کو توفیق نہ ہوئی کہ وہ اپنے کسی بت کا نام اللہ رکھے۔ اللہ تعالے کی غیرت نے کسی کو اجازت نہ دی کہ کوئی بھی اس اسم سے کسی کو موسوم کر سکے۔ گویا اس اسم کی تسمیہ اللہ تعالے کی خاص حفاظت میں ہے۔ البتہ اہل ایمان ہر دکھ سکھ اور پریشانی اور راحت و سرور کے وقت اسی اسم کا ورد زبان پر رکھتے ہیں۔

اللہ اللہ چہ طرفہ نامست این

حرز دل ورد جان تمامست این

بس بود نزد صاحب معنی

حسبی اللہ گواہ این دعوے

ترجمہ: اللہ اللہ یہ کیسا عجیب نام ہے۔ ہماری جان و دل کا تعویذ ہے۔

صاحب معنی کے نزدیک یہ نام کافی ہے "حسبی اللہ" کا ارشاد دریں دعوے کا گواہ ہے۔

اللہ کے گستاخ کی سزا: مروی ہے کہ کسی سرکش بادشاہ نے سرکشی سے اپنا نام 'اللہ' رکھا تو اس کی آنتیاں، جگر اور تلی وغیرہ دبر کے راستہ سے نکلی تو وہ اسی وقت مر گیا۔

لطیفہ: فرعون نے انا ربکم الاعلی کا دعوے کیا لیکن انا اللہ کہنے کی جرأت نہ کر سکا۔

مسئلہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالے عنہما نے فرمایا کہ 'رحمٰن' بھی کسی کا نام نہ رکھا جائے۔

ف: مولانا فناری رحمہ اللہ تعالے نے بسم اللہ... کی ترتیب میں لکھا ہے کہ 'اللہ' اختصاص وضعی اور 'رحمٰن' اختصاص استعمالی ہے۔

ف: رحمن الیمامہ مسیلمۃ الکذاب کا نام نہ تھا لیکن اس کے حواریین یا وہ خود محض تکبر اور سرکشی سے کہتا یا کہلواتا تھا۔ مخالف جیسے چاہے کرے۔ اگر وہ اپنا نام 'اللہ' رکھتا تو اسے کون روکتا۔ مخالف کی بات ہمارے مخالف نہیں۔

شانِ نزول: قریش نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ آپ کو یمامہ کا رحمٰن ہی تعلیم دیتا ہے اور ہمیں رحمن الیمامہ سے ضد ہے۔ اگر آپ اس کی تعلیم سے دست سے دستبردار ہو جائیں تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ بعض نے کہا کہ ان کے رحمن سے یہودیوں

(بقیہ صفحہ نمبر ۱۹۳ پر)

سلہ: ایسے ہی نوح علیہ السلام کا واقعہ فلا تسئلن ما لیس لك به علم، میں 'علم' بمعنے معلوم ہے تفصیل فقیر کی تفسیر اویسی میں ہے۔ (اویسی)

وَيَقُولُ الْإِنسَانُ أَإِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا ۝ أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن
قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ۝ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيَاطِينَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ۝
ثُمَّ لَنَنزِعَنَّ مِن كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَٰنِ عِتِيًّا ۝ ثُمَّ لَنَحْنُ أَعْلَمُ بِالَّذِينَ
هُمْ أَوْلَىٰ بِهَا صِلِيًّا ۝ وَإِن مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۝ ثُمَّ نُنَجِّي
الَّذِينَ اتَّقَوا وَّنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا ۝ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا
لِلَّذِينَ آمَنُوا أَيُّ الْفَرِيقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَأَحْسَنُ نَدِيًّا ۝ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ
هُمْ أَحْسَنُ أَثَاثًا وَرِئْيًا ۝ قُلْ مَن كَانَ فِي الضَّلَالَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمَٰنُ مَدًّا ۚ حَتَّىٰ إِذَا
رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ إِمَّا الْعَذَابَ وَإِمَّا السَّاعَةَ فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضْعَفُ
جُندًا ۝ وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى ۗ وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِندَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَ
خَيْرٌ مَّرَدًّا ۝ أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا ۝ أَطَّلَعَ الْغَيْبَ
أَمِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ۝ كَلَّا ۚ سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۝ وَ
نَرِثُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا ۝ وَاتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لِّيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا ۝ كَلَّا ۚ
سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ۝

ترجمہ: اور انسان کہتا ہے کیا جب میں مر جاؤں گا تو پھر عنقریب زندہ کرکے (قبر سے) نکالا جاؤں گا۔ کیا انسان یاد نہیں کرتا کہ ہم نے اسے پہلے پیدا فرمایا اور وہ کچھ بھی نہ تھا تو تمہارے رب کی قسم ہم بالضرور انھیں اور شیطانوں کو سب کو (قیامت میں) اکٹھا کریں گے اور بالضرور جہنم کے ارد گرد انھیں گھٹنوں کے بل گرتے ہوئے حاضر کریں گے پھر ہم ہر گروہ سے کھینچ لائیں گے جو رحمٰن پر سب سے زیادہ سرکش ہوگا۔ پھر ہم خوب جانتے ہیں جو اس آگ میں داخل ہونے کے لائق ہیں اور تم میں سے کوئی ایسا نہیں جس کا دوزخ پر سے گذر نہ ہو، تمہارے پروردگار کے ذمہ کرم پر یہ فیصلہ شدہ اور یقیناً ہونے والی بات ہے۔ پھر ہم انھیں نجات دیں گے جنھوں نے پرہیزگاری کی اور گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ظالموں کو (دوزخ میں) چھوڑ دیں گے اور جب ان پر ہماری روشن آیات پڑھی جاتی ہیں تو کافر اہل ایمان سے کہتے ہیں کہ کون سے گروہ کا مکان اچھا ہے اور محفل کس کی بہتر ہے اور ہم نے ان سے پہلے کتنی سنگتیں تباہ و برباد کیں کہ وہ ان سے سامان اور نمود میں اچھے تھے۔ فرمایئے جو گمراہی میں ہو تو اسے رحمٰن خوب ڈھیل دیتا ہے یہاں تک کہ جب وہ دیکھیں گے جس کا انھیں (دنیا میں) وعدہ دیا جاتا ہے یا عذاب یا قیامت تو انھیں یقین ہوگا کہ کس کا برا مرتبہ اور کس کا لشکر کمزور ہے۔ اور جنھوں نے ہدایت پائی اللہ ان کی اور ہدایت بڑھاتا ہے اور جو نیک عمل ہمیشہ کے لیے باقی رہنے والے ہیں وہ تمہارے رب کے یہاں سب سے بہتر ثواب اور

سب سے بہتر انجام ہے۔ تو کیا تم نے اسے دیکھا جو ہماری آیات کا منکر ہوا اور کہتا ہے کہ مجھے ضرور مال و اولاد ملے گی، کیا وہ غیب کو جھانک آیا ہے یا رحمٰن سے کوئی عہد کر رکھا ہے۔ ہرگز نہیں، البتہ ہم ضرور لکھیں گے جو وہ کہتا ہے اور اسے خوب لمبا عذاب دیں گے اور وہ جو کہہ رہا ہے ہم اس کے وارث ہیں اور وہ ہمارے پاس اکیلا آئے گا، اور انھوں نے اللہ کے سوا اور معبود بنا لیے کہ وہ ان کے لیے عزت (کا سبب) ہوں، ہرگز نہیں۔ وہ ان کی عبادت کا انکار کریں گے اور وہ ان کے مخالف ہو جائیں گے۔

(بقیہ صفحہ ۱۹۱)

کا کاہن مراد تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں فرمایا کہ میں خود 'اللہ' اپنے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو تعلیم دیتا ہوں۔ کما قال:

قل ھو ربی لا الہ الا ھو علیہ توکلت و الیہ متاب (فرمایئے وہی رب ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں اسی پر میرا توکل اور اسی کی طرف رجوع ہے)۔ متاب بمعنے توبتی و رجوعی ہے۔ (کذا فی انسان العیون)

مسئلہ: اللہ تعالیٰ کے اسماء مخصوصہ سے کسی کا نام رکھنا مکروہ ہے جیسے رحمٰن، رحیم، خالق، اور قدوس وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وجعلوا للہ شرکاء قل سموھم۔ (اور انھوں نے اللہ تعالیٰ کے شریک مقرر کیے۔ فرمایئے ان کے نام کھولو)۔

ف: بعض مفسرین نے اس کا مطلب بتایا کہ انہیں فرمایئے کہ وہ میرے اسماء پر نام رکھیں لیکن دیکھ لیا کریں کہ کیا وہ ان اسماء کے لائق بھی ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے العزیز کا نام تبدیل کیا اور فرمایا کہ عزت صرف اللہ تعالیٰ کے لائق ہے اور بندے کو ذلت مسکینی لازم ہے۔ (کذا فی انکار الافکار)

ف: تکملہ میں ہے کہ لسوف کی لام تاکید کی نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ قول تو قیامت کے منکر کا کلام نہیں بلکہ حضور علیہ السلام کا یہ کلام بطور حکایت ہے۔ گویا حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ انسان جب مرے گا تو پھر عنقریب اسے زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ کافر نے انکار کیا تو حضور علیہ السلام نے اس کے انکار کو بطور حکایت بیان فرمایا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (کذا قال الجرجانی فی کتاب نظم القرآن)۔

ف: بحر العلوم میں لکھا ہے کہ جب یہ لام ابتدائیہ اور مضمون جملہ کی تاکید کرتی ہے اور لام تاکید اس جملہ میں داخل ہوتی ہے جو مبتدا و خبر پر مشتمل ہو تو لازم ہے کہ یہاں پر مبتدا و خبر محذوف ہو در اصل عبارت یوں ہے:

"الان سوف اخرج حیا"

اور ائذا میں ما تاکیدیہ ہے اور تکرار تاکید انکار علی الانکار پر دلالت کرتی ہے۔

(تفسیر آیات صفحہ ۱۹۲)

تفسیر عالمانہ وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ۔ انسان قیامت کا انکار کرتے ہوئے کہتا ہے ۔ اس سے ابی بن خلف مراد ہے جب اس نے پرانی اٹھا کر کہا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کا گمان ہے کہ ہم مرنے کے بعد اٹھیں گے اور ہمارا حال اس ہڈی جیسا ہوگا۔ (تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی)۔ ءَ اِذَا مَا مِتُّ کیا ہم جب مر کر چکنا چور ہو جائیں گے لَسَوْفَ اُخْرَجُ ۔ عنقریب میں قبر سے نکالا جاؤں گا ۔ حَيًّا زندہ ہوکر ۔ ظرف کی تقدیم اور پھر حرف انکار سے کلام لانے میں اشارہ ہے کہ منکر زندگی میں مرنے کے بعد اٹھنے کا انکار کر رہا ہے اور اس کا منصوب ہونا فعل مقدر سے ہے جس پہ اخرج دلالت کرتا ہے۔ اور وہ فعل محذوف بعث ہے ۔ اس کا منصوب ہونا اخرج سے نہیں اس لیے کہ لام مابعد اس کے ماقبل پر عمل نہیں کرتا اور اسے صدارت کلام ضروری ہے اس کا اصل یہ ہے کہ حال کے معنے پر دلالت کرے لیکن یہاں پر تاکید محض کے لیے واقع ہوئی ہے یعنے ءاذا میں جو ہمزہ انکاری واقع ہے اس کی یہ لام تاکید کرتی ہے اسی لیے اسے سوف کے ساتھ جمع ہونا جائز ہے ورنہ اگر یہ حال کے لیے ہوتی تو سوف استقبالیہ کے ساتھ اس کا اجتماع جائز نہ ہوتا ۔

اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ ۔ یہ ہمزہ انکار توبیخی ہے اور واؤ عاطفہ ہے اس کا عطف جملہ منفیہ پر ہے اور وہ جملہ منفیہ مقدر ہے جس پر یقول دلالت کرتا ہے ۔

حل لغات : ذکر ، دراصل اس علم کو کہتے ہیں جو معلوم شے کو بھول لینے کے بعد حاصل ہو لیکن یہ معنی یہاں نہیں بن سکتا کیونکہ وہ اسے پہلے نہیں جانتے تھے ہاں اسے تذکر و تفکر کے معنے میں لیا جا سکتا ہے ۔

اب معنے یہ ہوا کہ کیا انسان کہتا ہے اور وہ تفکر نہیں کرتا ۔

اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ ۔ بے شک ہم نے اسے اس سے پہلے پیدا فرمایا یعنے اسی حالت میں کہ جس میں وہ ہے یعنے موجودہ زندگی سے پہلے ۔ وَلَمْ يَكُ ۔ اس کا اصل لم یکن تھا ۔ کثرت استعمال امتداد صوت میں حروف مدہ سے تشبیہ کی وجہ سے نون تخفیفاً حذف کر دیا گیا ۔ رضی نے کہا کہ غنہ میں نون کو واؤ سے مشابہت ہے ۔ شَيْئًا اور وہ کوئی شے نہ تھا بلکہ عدم محض تھا ۔ تو اسے یقین ہونا چاہیئے کہ جو ذات کسی مادہ کے بغیر ابتداءً پیدا کرنے پر قادر ہے وہ اسی شے کو مواد سے متفرق ہونے کے بعد بھی جمع کر سکتی ہے ۔

رد وہابیہ و شیعہ اس آیت سے قیاس کرنے کا ثبوت ملا ۔ انکار کرنے والا اس مضمون کو غور سے پڑھے (ہمارے دور کے معتزلہ یعنے وہابی غیر مقلد اور روافض مطلقاً قیاس کے منکر ہیں[1]) کیونکہ اللہ تعالٰے نے اسے جاہل قرار دیا ہے جس نے مر اٹھنے کا انکار کیا پھر اسے قیاس سے سمجھایا کہ جب مجھ سے ابتدائی تخلیق نہیں تو اس کا اعادہ مجھ سے

---

[1] : اضافہ از اویسی غفرلہٗ ۔

کب مشکل ہوسکتا ہے جس کا نتیجہ نکلا کہ بعث یعنے مرنے کے بعد اٹھنا اور اعادہ یعنے اجسام میں روح لوٹا کر قیامت میں حاضر ہونا حق ہے ۔

نکتہ : بعض محققین نے کہا کہ تمام مخلوق جمع ہوکر موت کے بعد اٹھنے کی ایسی مختصر اور جامع دلیل قائم نہیں کر سکتی ۔

فَوَرَبِّكَ ۔ واؤ قسمیہ ہے یعنے تیرے پروردگار کی قسم ہے کہ لَنَحْشُرَنَّهُمْ ۔ ہم محشر میں جمع ہونے کے قائلین کو قبور سے زندہ نکال کر قیامت میں جمع کریں گے ۔ وَالشَّيٰطِيْنَ اور ان کے ساتھ شیطانوں کو ان سے وہ مراد ہیں جنھوں نے انھیں گمراہ کیا ۔ کیونکہ ہر کافر اپنے شیطان کے ساتھ قیامت میں ایک ہی بیڑی میں جکڑا ہوا آئے گا ۔ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ ۔ پھر انھیں جہنم کے اردگرد حاضر کریں گے درآں حالیکہ جِثِيًّا ۝ گھٹنوں کے بل پڑے ہوئے ۔ یہ جاثٍ کی جمع ہے ۔ جثا یجثو یجثی سے اس کا مصدر جثوا و جثیا ہر دونوں طرح آیا ہے بمعنے جلس علی رکبتیہ بمعنے وہ گھٹنوں پر بیٹھا ۔ (کذا فی القاموس) یعنے وہ گھٹنوں پر بیٹھیں گے جب ان کو وہ امور عارض ہوں گے جن کے اٹھانے سے مجبور ہوکر کھڑے ہونے کی بجائے گھٹنوں کے بل پڑے ہوں گے ۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا : جثیا بمعنے جماعات جثوة کی جمع ہے بمعنے جماعت ۔ (تفسیر جلالین میں اسی کو پسند کیا گیا ہے) ۔

ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ ۔ پھر ہم نکالیں گے ۔ ایسے ہی بغوی نے معنی کیا ہے ۔ اور النزع بمعنے الجذب آیا ہے ۔ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ ۔ ہر امت و فرقہ جو دنیا میں پھیلا یعنے وہ فرقہ جو گمراہ ہوکر دنیا میں ابھرا ۔ اَيُّهُمْ ۔ موصوف ہے جس کے صلہ کا صدر محذوف ہے اور یہ ننزعن کی وجہ سے منصوب ہے ۔ اب عبارت یوں ہوگی : لننزعن الذین ھم ۔ یا ایھم استفہام مبتدا ہے اور اس کی خبر اشد ہے اس کا مرفوع ہونا علی الحکایہ ہے ۔ اصل عبارت یوں تھی لننزعن الذین یقال لھم ایھم ۔ اَشَدُّ سخت تر اور بہت زیادہ ۔ عَلَى الرَّحْمٰنِ ۔ رحمن کے نزدیک ۔ عِتِيًّا ۝ بوجہ سرکشی کی جرأت کے ۔ یعنے ہر امت میں سے مجرموں میں سے سب سے پہلے اسے منتخب کریں گے جو سب سے زیادہ سرکش ہوگی ۔

حل لغات : عتیا ۔ عتا علٰی فلان سے ہے ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی ظلم میں تجاوز کرے ۔ مطلب یہ ہے کہ قیامت میں سب سے پہلے اسے جدا کیا جائے گا جو سب سے بڑا نافرمان ہوگا پھر سب کو ترتیب وار جہنم میں ڈالا جائے گا ۔

ف : تفسیر الکبیر میں ہے کہ پہلے سب کو اللہ تعالٰی کے ہاں حاضر کیا جائے گا ۔ اس کے بعد سب سے پہلے عذاب عظیم کے لیے چنا جائے گا جو سرکشی میں سب سے بڑا ہوا ہوگا کیونکہ گمراہ اور گمراہ کنندہ کا عذاب سخت تر ہوگا بہ نسبت اس کے جو تبعاً گمراہ ہوا ہوگا اور مقتدٰی کا عذاب مقتدی کے عذاب سے ادھل نہ ہوگا ۔

اللہ تعالٰی فرماتا ہے :

الذین کفروا وصدوا عن سبیل اللہ زدنٰھم ۔ وہ جو کافر اور اللہ تعالٰی کے راستہ سے روکنے والے ہیں

عذابا فوق العذاب بما کانوا یفسدون ۔ ان کے فساد کی وجہ سے ہم ان کا عذاب بڑھائیں گے ۔

ف : فقیر (حقی) کہتا ہے کہ اس میں مرتبی مذکور کے لیے تہدید عظیم ہے قیامت میں عذاب کے لیے منکرین عرب میں سب سے پہلے اسے منتخب کیا جائے گا کیونکہ مقالہ مذکورہ کی وجہ سے رحمٰن کے نزدیک یہی سخت تر ہے ۔

ف : قیامت میں سب سے پہلے قبروں سے اٹھنا ہو گا، پھر بارگاہ ایزدی میں حاضری پھر عذاب کے لیے انتخاب پھر جہنم کا ادخال۔ چنانچہ فرمایا :

ثُمَّ لَنَحْنُ أَعْلَمُ بِالَّذِينَ هُمْ أَوْلَىٰ بِهَا صِلِيًّا ○ پھر ہم ہی خوب جانتے ہیں کہ سب سے پہلے کون جہنم میں داخل ہونے کے لیے سب سے زیادہ لائق ہے ۔ اس سے وہی منتخب کافر مراد ہیں جن کا ابھی ذکر ہوا۔

حل لغات : "صلی یصلی ہجون لقی یلقی ومضی یمضی" یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی آگ میں داخل ہو ۔

وَإِن مِّنكُمْ ۔ اے لوگو! نہیں تم میں کوئی ۔ إِلَّا وَارِدُهَا ج مگر اس میں داخل ہو گا ۔ كَانَ ہے، ان کا جہنم میں وارد ہونا ۔ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ○ حتم حتم الامر کا مصدر ہے ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کام کسی پر واجب کرے اسی لیے موجب کو حتم سے تعبیر کرتے ہیں مثلاً کہتے ہیں : خلق الله وضرب الامیر یعنے یہ ایسا امر یقینی ہے کہ گویا اللہ تعالٰی نے اپنے اوپر اسے واجب کیا ہے ۔ مقضیا پورا کیا ہوا یہاں تک کہ اس کا وقوع ضروری ہے ۔

ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوا ۔ پھر ہم انہیں نجات دیں گے جنھوں نے شرک سے کنارہ کشی کی یعنے انھیں دوزخ سے باہر لائیں گے ۔

نکتہ : ورود کی نسبت بندوں کی طرف اور نجات کی نسبت اللہ تعالٰی نے اپنی طرف فرمائی (تاکہ بندوں کو ادب ملحوظ رہے کہ بُرے فعل اپنی طرف منسوب کریں اور اچھے اللہ تعالٰی کی طرف)۔

فائدہ صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ ہر ایک خواہش نفسانی کی جہنم میں اپنی طبعیت کے تابع رہتا ہے وہ کبھی نجات نہ پائے گا لیکن اس سے وہی نجات پائے گا جسے اللہ تعالٰی کی نجات نصیب ہو ۔

وَّنَذَرُ الظَّالِمِينَ اور جو معاصی کفر سے اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں ہم انھیں چھوڑ دیں گے ۔ فِيهَا ۔ جہنم میں جِثِيًّا ○ گھٹنوں کے بل پڑے ہوئے ۔

فائدہ صوفیانہ : اس میں اشارہ ہے کہ خواہشات نفسانی پر عمل کرنے والوں کا حال بُرا ہوتا ہے اور وہ جنت کی طرف جانے والوں کے ساتھ نہیں چل سکیں گے بلکہ وہ جہنم میں بیٹھ جائیں گے ۔

ف : جلالین میں جثیاً بمعنے جمیعاً لکھا ہے ۔

تحقیق المذاہب : ① وعیدیہ یعنے معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ جو جہنم میں گیا پھر اس کا خروج نہ ہو گا ۔
② مرجیہ کہتے ہیں کہ مؤمن دوزخ میں ہرگز داخل نہ ہو گا ۔ وہ 'ورود' بمعنے حضور کے قائل ہیں دخول کے معنی سے

ان کا انکار ہے۔

(۳) اہلِ سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ بعض اہلِ ایمان کو ان کے گناہوں کی سزا پر جہنم میں داخل کیا جائے گا اس کے بعد اپنے فضل و کرم سے نکال لے گا اور ورود بمعنے دخول۔

قرآن مجید میں متعدد مقامات یہ آیا ہے۔ کما قال:

(۱) فاوردھم النار

(۲) حصب جھنم انتم لھا واردون

اور ثم ننجی الذین اتقوا... الخ سے بھی اہلسنت کی تائید ہوتی ہے کیونکہ نجاۃ کا اطلاق عذاب دینے کے بعد موزوں ہے۔ چنانچہ: فنجینٰہ من الغم وکذلک ننجی المومنین سے بھی معلوم ہوتا ہے۔

سوال: یہ آیت 'اولئک عنھا مبعدون' (وہی لوگ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے) کے منافی ہے یعنے یہاں ان کے داخل ہونے کا ذکر ہے۔ دوسری آیت میں اس سے دور رکھے جانے کا بیان ہے اس سے تو اجتماع نقیضین لازم آتا ہے؟

جواب (۱): جہنم کے داخلہ سے ضروری نہیں کہ انھیں عذاب بھی ہو۔ پہلی آیت میں صرف داخلے کا ذکر ہے اور وہ حق ہے اور بھر حقیقت یہ ہے کہ انھیں دوزخ کے عذاب سے دور رکھا جائے گا اور وہ صحیح ہے کہ انھیں دوزخ میں داخلے کے باوجود بھی اس کا انھیں عذاب نہ ہوگا۔

جواب (۲): الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ اس میں داخل ہوں لیکن اس کا عذاب انھیں محسوس نہ ہو کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کی طرح ان پر وہ آگ بردًا وسلامًا بنا دے۔ اسی لیے اس پر سے مؤمن گذریں گے تو بردًا وسلامًا ہوگی اور جب کافر گذریں گے تو ان کے لیے عذاب شدید، جیسے موسےٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ایک ہی کوزہ سے اگر بنی اسرائیل پانی پیتے تو کسی قسم کا تغیر نہ پاتے لیکن جب قبطی اسی کوزہ سے پانی پیتے تو وہ خون ہوتا ؎

مومن فسون چہ داند بر آتشش بخواند
سوزش درو نماند گردد چو نور روشن

ترجمہ: مومن کون سا منتر جانتا ہے جو اس پر پڑھ کر پھونک مارے کہ آگ کی گرمی ختم ہو جائے اور وہ آگ نور روشن کی طرح چمکے۔

حدیث شریف: حدیث شریف میں ہے کہ جب دوزخ سے مؤمن کا گذر ہوگا تو دوزخ عرض کرے گی:

جزیا مومن فان نورك قد اطفأ لھبی۔ اے مومن! مجھ سے جلدی سے گذر اس لیے کہ تیرے نور نے میرے شعلے بجھا دیئے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

گویدش بگذر سبک اے محتشم
ورنہ آتشہاسے تو مرد آتشم!

ترجمہ: دوزخ مؤمن کو کہے گی کہ اے حشمت والے مجھ سے جلدی گذر ورنہ تیرے عشق کی آگ سے میرے شعلے بجھ جائیں گے۔

سوال: جب مؤمن کو دوزخ میں جانے پر عذاب نہ ہوگا تو پھر اس میں داخل ہونے کا حکم کیوں؟

جواب (۱): جب اس سے خلاص پاجائیں گے تو اس سے انھیں راحت وسرور محسوس ہوگا اسی راحت وسرور عطا کرنے کی وجہ سے دوزخ میں داخلے کا حکم ہوگا۔

جواب (۲): جب مؤمن (اولیار۔علمار باعمل) کافروں کے سامنے سے دوزخ سے نجات پاکر نکل جائیں گے تو کفار کو سخت رسوائی ہوگی اور کہیں گے افسوس اگر ہم ان کی نصیحت پر عمل کرتے تو آج ہمیں فضیحت نہ ہوتی کفار کے اس غم کے اضافہ پر اہل ایمان کو دوزخ میں داخل ہونا ہوگا۔

جواب (۳): کافروں کو دکھانا مطلوب ہوگا کہ وہ اہل ایمان جنھیں تم اپنا دشمن سمجھتے تھے وہ دوزخ سے نجات پاگئے اور تم ہمیشہ اسی میں پڑے رہو۔ اس سے گویا ان کی حسرت میں اضافہ مطلوب ہے۔

جواب (۴): دوزخ میں مؤمن کافروں کے ساتھ رہ کر ان کو عار و رسوائی دلاکر خون سے آنسو رلائیں۔

جواب (۵) صوفیانہ تقریر فقیر (مصنف حقی) کہتا ہے کہ اہل معرفت کے نزدیک جہنم کی صورت نفس امارہ جیسی ہے تو اس دنیا میں اس جہنم میں ہر ایک آیا یہاں تک کہ انبیاً و اولیاً بھی۔ انبیار علیہم السلام کے نفوس قدسیہ مطمئنہ تھے انھیں کسی قسم کا نقصان نہ ہوا اور اولیار کے نفوس زکیہ تھے ان پر اگرچہ نفس امارہ کی آگ نے حملہ کیا تو انھوں نے نور ہدیٰ سے اسے بجھایا۔ بعض اہل ایمان ان کے طفیل نفس امارہ کی شرارت سے محفوظ رہے اسی لیے وہ قیامت میں دوزخ میں نہ جائیں گے اور نہ ہی انھیں دوزخ جلائے گی اور کفار کے نفوس چونکہ طبیعت کے بندے تھے انھوں نے خواہ مخواہ دوزخ میں جانا اور ہمیشہ رہنا ہے بعض اہل ایمان بھی اپنے گناہوں کی شامت سے داخل ہوں گے لیکن بعد کو انھیں اس سے نکال لیا جائے گا اس نور ایمان کی برکت سے جس نے انھیں شرک کی آگ سے بچایا۔

پُل صراط: حضرت ابن مسعود اور حضرت حسن اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ ورود سے پل صراط پر گذرنا مراد ہے جو کہ دوزخ پر ہے کیونکہ بہشت میں جانے کے لیے اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں رکھا گیا اور مرور کو ورود سے تعبیر کیا گیا ہے۔

حدیث شریف حدیث شریف میں ہے کہ کسی مسلمان کی اولاد میں سے تین بچے فوت ہوتے ہیں تو قیامت میں اسے اگر گناہوں کی سزا پر جہنم میں داخل کیا جائے گا تو صرف قسم پوری کرنے کے طور پر۔ "وان منکم الا واردھا" سے یہی مراد ہے۔

ف : التحلہ حللت الیمن کا مصدر ہے یعنی میں نے اسے قسم سے بری کیا اور تحلۃ القسم کا معنے یہ ہے کہ قسم کھانے والا اپنی قسم سے بری ہونے کے لیے اسی فعل کا اسی قدر ارتکاب کرے کہ جس سے وہ قسم سے آزاد ہو سکے تو اس سے قلیل مقدار مراد ہے۔

بخار کے متعلق : مجاہد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ مومن کا دوزخ میں ورود اس کا بخار میں مبتلا ہونا ہے۔ چنانچہ[1] حضور علیہ السلام نے فرمایا :

الحمٰی من فیح جھنم فابردوھا — بخار جہنم کا جوش ہے اسے پانی سے ٹھنڈا کرو۔

حدیث شریف[2] : بخار ہر مومن کا حصہ ہے دوزخ میں سے۔

حدیث شریف[3] : ایک شب کا بخار سال بھر کا کفارہ ہے جو ایک دن بخار میں مبتلا ہوتا ہے تو اسے جہنم سے برأت نصیب ہوگی اور وہ گناہوں سے ایسے پاک صاف ہو جاتا ہے جیسے گویا ماں نے اسے ابھی جنا ہے۔

بخار رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حضرت جابر سے مروی ہے کہ بخار[2] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ یہ کون ہے؟ عرض کی میں ام ملدم (بخار کا نام) ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ قبا کی طرف چلی جا۔ پھر قبا والے سخت بخار میں مبتلا ہوئے اور حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر تکلیف کی شکایت کی آپ نے فرمایا کہ چاہو تو میں دعا مانگوں اور تمھیں شفا ہو جائے چاہو تو تمھاری اس تکلیف (بخار) سے گناہوں کا کفارہ ہو انھوں نے عرض کی ایسے ہو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا، کیوں نہیں! انھوں نے عرض کی تو پھر اسے رہنے دیجئے۔

ازالۂ بخار کی دعا بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب مدینہ طیبہ ہجرت کر کے آئے تو یہ حد سے زیادہ وبائی علاقہ تھا۔ اس کی (وبائی) بخار کی زد میں بی بی صاحبہ رضی اللہ عنہا آئیں انھیں رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمھیں کیا ہے؟ عرض کی، یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں بخار ہے یہ کہہ کر بخار کو گالی دیں۔ آپ نے فرمایا کہ اسے گالی مت دے یہ تو فرمانِ الٰہی کا پابند ہے ہاں اگر چاہو میں تمھیں چند ایسی دعائیں بتاؤں جسے پڑھو تو بخار ٹل جائے گا۔ بی بی صاحبہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی تو بتائیے۔ آپ نے یہ دعا بتائی :

اللھم ارحم جلدی الرقیق وعظمی الدقیق	اے اللہ! میرے رقیق چمڑے اور دقیق ہڈیوں پر رحم فرما کہ
من شدۃ الحریق یا ام ملدم ان کنت اٰمنت	وہ جلانے والی شے کی شدت میں ہیں اور اے اُم ملدم اگر
باللہ العظیم فلا تصدعی الراس ولاتنتنی	تجھے اللہ عظیم پر ایمان ہے تو میرے سر کو درد نہ دے نہ ہی

---

[1] : رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا اختیار ملاحظہ ہو کہ بخار پر بھی حکومت ہے اور وہ آپ کے حکم کے تابع کہ مدینہ طیبہ سے نکل کر قبا چلا گیا۔

[2] : حضور علیہ السلام کا اختیار ملاحظہ ہو کہ فرمایا چاہو تو تم سے بخار بھاگ جائے ... الخ (اویسی غفرلہٗ)

الضم و لا تاکلی اللحم و لا تشربی الدم — میرے منہ میں بدبو پیدا کر اور نہ ہی میرا گوشت اور نہ میرا خون پی
و تحولی عنی الی من اتخذ مع الله الٰھاً اٰخر — اور میرے سے دفع ہوکر اس کے پاس چلی جا جو اللہ تعالٰے کے ساتھ دوسرا معبود ٹھہراتا ہے۔

بی بی صاحبہ رضی اللہ عنہا نے یہ پڑھا تو آپ کو شفا ہوگئی۔ (کذا فی انسان العیون)

وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْھِمْ اور جب ان پر پڑھی جاتی ہیں۔ اٰیٰتُنَا۔ ہماری قرآنی آیات۔ بَیِّنٰتٍ۔ واضحات الاعجاز والمعانی اور یہ حال موکدہ ہے کیونکہ آیات الٰہی کو وضوح لازم ہے۔ قَالَ۔ کہتے ہیں۔ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا۔ وہ جو کافر ہیں جیسے نضر بن الحارث اور اس کے ساتھی۔ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ اہل ایمان کے لیے یعنے اہل ایمان فقرا کو۔ لام، تبلیغ کی ہے جیسے قول باری تعالٰے ہے: وقال لھم بینھم، میں ہے۔ یا لام اجل کی ہے یعنے ان کے لیے ان کے حق میں۔ اَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ۔ کونسے دو فریق میں سے یعنے مومنین و کافرین میں سے گویا انھوں نے کہا کہ ہم میں سے کون بہتر ہے۔ خَیْرٌ۔ ہم بہتر ہیں یا تم۔ مَّقَامًا۔ مکان و مسکن کے لحاظ سے یعنے ہماری منازل بہترین ہیں، اور ہمیں معیشت کے تمام اسباب میسر ہیں۔ وَّاَحْسَنُ نَدِیًّا۝ اور ہم مجلس اور اجتماع کے اعتبار سے احسن ہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ ندیّ اس مجلس کو کہتے ہیں جو قوم کے لیڈر اور معززین اور اعلیٰ ترین عہدے پر فائز ہو یعنے ہماری مجلس میں قریش کے بڑے بڑے لیڈر اور عرب کے جملہ سردار ہوتے ہیں اور حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں تمام غلام اور ضعفاء ہوتے ہیں۔

شان نزول مروی ہے کہ آپ اپنے بالوں کو تیل سے سنوارتے اور کنگھا کرتے اور خوشبو لگاتے اور بہترین لباس پہنتے جب آیات قرآنی سنتے اور ان کے جواب سے عاجز ہوتے تو پھر فقراء مومنین کو اپنے حظوظ دنیویہ دکھا کر فخریہ طور پر کہتے کہ اگر تم حق پر اور ہم باطل پر ہوتے تو تمھارا حال ہم سے اچھا ہوتا کیونکہ مالک اپنے دوستوں کو عذاب اور ذلت میں مبتلا نہیں کرتا اور نہ ہی اپنے دشمنوں کو عزت و راست دیتا ہے لیکن یہاں معاملہ برعکس ہے ان کا مقصد یہ ہوتا کہ ایسے کہنے سے 'یہ غریب لوگ ہیں' دین حق سے پھر جائیں گے تو اللہ تعالٰے نے ان کے رد میں فرمایا۔

وَکَمْ اَھْلَکْنَا قَبْلَھُمْ مِّنْ قَرْنٍ۔ کم اھلکنا کا مفعول ہے اور من قرن اس کے ابہام کا بیان ہے۔ ہر اہل عصر اپنے مابعد والوں کے لیے قرن ہوتا ہے کیونکہ ان مابعد والوں سے پہلے ہوتا ہے اور یہ قرن الدابۃ سے ہے یعنے جانور کا اگلا حصہ۔

ف: کاشفی علیہ الرحمہ نے لکھا کہ قرن اس گروہ کو کہتے ہیں جو ایک زمانہ میں مجتمع ہوں گویا انھوں نے اقتران سے ماخوذ فرمایا ہے۔ ھُمْ اَحْسَنُ۔ محلاً منصوب ہے کیونکہ کم کی صفت ہے۔ اَثَاثًا۔ یہ نسبۃ سے تمیز ہے۔ گھر کے سامان کو اثاث کہا جاتا ہے یعنے گھر کے ساز و سامان کے لحاظ سے جو کہ منازل ابدان کی آرائش ہے، میں کون احسن ہے۔ وَّرِءْیًا۝ یہ رؤیۃ کا فعل ہے یعنے جسے کام کے وقت دیکھا جاتے جیسے چکی کو آٹا پیسے وقت۔

اب اسے قریش عرب! تم خود سوچو کہ انھیں ہم نے مختلف عذاب میں تباہ و برباد کیا۔ اگر یہ دنیوی اسباب کرامت کی علامت ہے تو پھر وہ لوگ کیوں تباہ و برباد ہوتے۔

ف: اس میں تہدید و وعید ہے جیسا کہ مخفی نہیں گویا انھیں کہا گیا ذرا ان کو بھی دیکھ لو کہ ان کے ساتھ کیا ہوا۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ نہ انھیں مال و اسباب نے ہلاکت سے بچایا اور نہ ہی ان کے حسن و جمال نے عذاب سے بچایا۔

ے

بر مال و جمال خویشتن تکیہ مکن
کانرا بشبے برند و آنرا بہ تبی

ترجمہ: اپنے مال و جمال پر سہارا نہ کر۔ اس لیے کہ مال رات ورات نکل جائے گا اور حسن و جمال بھی چند روز بعد ختم ہو جائے گا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اہلِ انکار اور اہل عزت کی طرف اشارہ ہے۔ واذا تتلیٰ علیھم اٰیٰتنا بینٰت۔ اور جب انھیں آیات بینات یعنے حقائق و اسرار سناتے جاتے ہیں۔ قال الذین کفروا وہ لوگ جنھوں نے انکار و استہزاء کر کے حق کو چھپایا۔ للذین اٰمنوا۔ اہل تحقیق کو کہتے ہیں جب انھیں راضی برضاء اللہ اور اپنے نفوس سے جہاد کرنے والے اور متحمل مزاج اور متواضع و خاشع و خاضع اور منکسر الحال اور اپنے آپ کو متمول و متنعم و متکبر اور شہوات نفسانیہ کے پیچھے پڑنے والے جیسی مذاق میں مشغول اور خوشحال دیکھتے تو کہتے ہیں۔ ای الفریقین، ہم اور تم میں سے خیر مقاماً، دنیا کے مراتب و منازل کے لحاظ اور لوگوں میں وجیہ ہونے کے اور معیشت میں وسعت کے اعتبار سے۔ و احسن ندیا اور مجلس و منصب و حکمائے لحاظ سے احسن اور بہتر کون ہے اور اللہ تعالےٰ نے ان کے جواب میں فرمایا: وکم اھلکنا قبلھم من قرن اور کئی گروہ ایسے گذرے ہیں جنھیں ہم نے تباہ و برباد کیا۔ جب انھیں دیکھا کہ وہ بحر شہوات میں غرق ہیں اور خواہشات کے پورا کرنے میں منہمک ہیں اور عزت کے حصول میں حیران و سرگرداں ہیں۔ ھم احسن اثاثا و رءیا۔ کمالات دینیہ کی استعداد و استحقاق میں وہ تمھارے سے بہتر تھے جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو تم میں سے جاہلیت میں اچھے تھے وہی اسلام میں اچھے ہوں گے جب دین کو سمجھیں گے

تفسیر عالمانہ قُلْ۔ مال و منال پر فخر کرنے والوں سے فرمائیے۔ مَنْ۔ شرطیہ ہے یعنے جو کوئی۔ کَانَ ہو۔ فِی الضَّلٰلَةِ گمراہی میں یعنے راہ حق سے دوری میں یعنے وہ جہل میں ڈوبا ہوا اور عواقب امور سے بالکل غافل ہے۔ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۝ تو اسے اللہ تعالیٰ ڈھیل دیتا اور لمبی عمر کر کے مہلت دیتا اور مال و تمکین اور تصرفات دنیویہ دے کر آزماتا ہے۔

صیغۂ امر لانے میں اشارہ ہے کہ اس ذات کے لیے ایسے چاہیئے جب اس کی حکمت کا تقاضا یہی ہے تاکہ قیامت

کے دن یہ لوگ عذر نہ کر سکیں یا مہلت دینا اور گمراہی میں منہمک ہونا ان لوگوں کے لیے ہے جو معاصی و مآثم ڈٹے رہے ورنہ بہت سے گمراہ ایسے بھی ہوتے ہیں جنھیں ہدایت کی راہ مل جاتی ہے۔

نکتہ: الرحمن کی صفت لاکر اشارہ کیا گیا ہے کہ کافر کو مہلت دینا بھی رحمتِ دنیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: میرے شیخ اور پیر و مرشد نے اپنی بعض تحریرات میں لکھا ہے کہ فلیمد د بمعنے استدراج ہے یعنے وہ رحمٰن انھیں مہلت دیتا اور ان کی عمر بڑھاتا ہے اور انھیں مال کی وسعت بخشتا ہے اولاد بکثرت عطا فرماتا ہے یا اس کا معنی یہ ہے کہ رحمٰن گمراہی و طغیان پر انھیں مہلت دیتا ہے اور احسان و کرم کر کے ان پر نعمتوں کا دروازہ کھول دیتا ہے یہاں تک کہ وہ بتدریج عذاب کا مستحق بن جاتا ہے اور اس کے لیے عذاب بعجلت نہیں بھیجتا تاکہ عذاب انھیں مکمل و اشمل اور درد و اثر کے لحاظ سے سخت تر ہو کیونکہ کسی کی گرفت تدریجاً اتنا سخت نہیں جو بعجلت ہو ایسے نعمت چھیننا اتنا سخت نہیں جتنا دکھ درد میں مبتلا ہونے میں ہے علاوہ ازیں ڈھیل دینا صفتِ رحمٰن سے منسوب ہے قہار و جبار سے نہیں کیونکہ قہار و جبار میں شدت ہے۔ یہ میرا اپنا ذاتی خیال ہے کہ اسے لفظ رحمٰن سے ذکر کرنے میں بھی عذاب کی سختی کچھ کم نہیں ہوتی کیونکہ جب انھیں اس کی رحمت و نعمت کا تصور تھا تو اس کے بجائے زحمت اور درد ملا تو ان کے دل پر گہرا اثر ہوا اور یہی عذاب سخت تر ہے بہ نسبت اس کے جو اس کے برعکس ہو۔ خلاصہ یہ کہ مد مذکور یعنے جس ڈھیل کا ذکر ابھی گذرا اس کا اسناد صرف صفت رحمٰن سے موزوں ہے اس لیے کہ وہی اس کا اصل و منشا ہے۔

تفسیر عالمانہ: حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ۔ یہ غایۃ مد ممتد کے لیے ہے اور دونوں فعلوں میں ضمیر جمع بوجہ معنیٰ من کے ہے جیسے پہلے دو صیغے مفرد لائے گئے تو لفظ من کی وجہ سے (اس لیے کہ من لفظاً مفرد اور معنیً جمع ہے) یعنے یہاں تک جب وہ شے دیکھیں گے جس سے وہ دنیا میں ڈرائے جاتے تھے۔ اِمَّا الْعَذَابَ وَ اِمَّا السَّاعَةَ ؕ یہ مایوعدون کی علی سبیل البدل تفصیل ہے عذاب سے یا دنیوی عذاب مراد ہے جیسا کہ ان پر مسلمانوں کا غلبہ اور انھیں طرح طرح کی تکالیف میں مبتلا رکھنا مثلاً قتل کر دینا یا قیدی بنانا وغیرہ وغیرہ یا آخرت کا عذاب مراد ہے جیسا کہ انھیں قیامت میں سخت سے سخت عذاب میں مبتلا ہونا ہوگا۔ یہ علیٰ سبیل منع الخلو کے قبیل سے ہے کیونکہ قیامت کے عذاب سے انھیں کسی طریق سے چھٹکارا نہیں۔

ف: امام فخر الدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر کسی بدبخت کافر کو بفرض محال اتنی مہلت نصیب ہو کہ بہت دیر بعد اسے دنیوی عذاب نہ سہی ——— آخرت کے عذاب میں تو ضرور مبتلا ہو گا اسے دیگر دنیوی عذاب نہ سہی یہ کچھ کم ہے کہ آخرت کے عذاب سے اسے اس کا مال و منال فائدہ نہ پہنچا سکا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَسَيَعْلَمُوْنَ۔ یہ شرط کا جواب ہے اور وہ جملہ جو حتیٰ کے بعد واقع ہے محکیہ ہے کیونکہ یہ حتیٰ وہ ہے کہ جس کے بعد والا جملہ کسی واقعہ کی حکایت کرتا ہے اسی لیے یہ جملہ شرطیہ کے بعد واقع ہوا ہے۔ یعنے یہاں تک کہ وہ عذاب دنیوی یا اُخروی کو دیکھیں گے جب کہ اس سے انھیں دنیا میں ڈرایا جاتا تھا تو انھیں معلوم ہو گا۔ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا کہ ان دونوں گروہوں میں سے

آج مراتب میں بدترین کون ہے جب آنکھوں سے دیکھیں گے کہ معاملہ برعکس ہے جیسا کہ انھوں نے سمجھ رکھا تھا کہ صرف وہی باعزت ہیں اور اہل ایمان ذلیل وخوار (معاذاللہ) لیکن حال یہ ہوگا کہ وہ خود بہت بڑے ذلیل وخوار ہوں گے اور اہل ایمان بہت بڑے ذی اقتدار۔

ف : کاشفی رحمہ اللہ تعالےٰ نے لکھا ہے کہ انھیں اب معلوم ہوگا کہ ان دوگروہوں میں سے بدترین مکانوں والے کون ہیں اور بہترین منازل والے کون۔ اس لیے کہ اس وقت اہل ایمان بہشت کے اعلےٰ درجات میں ہوں گے اور کفار جہنم کے بدترین درکات میں۔

ے

افتخار از رنگ و بو و از مکان
ہست شادی و فریب کودکان

ترجمہ : مکان اور خوشبو اور رنگ وغیرہ سے بچوں کو خوشی اور غلط فہمی ہوتی ہے۔

نکتہ : بحرالعلوم میں ہے کہ سرارت کو مکان کی طرف منسوب کرنے کا اشارہ ہے کہ اس کے مکین شریر ترین ہوں گے کیونکہ قاعدہ ہے کہ مکان کی شرارت کے اثبات سے واضح ہوتا ہے کہ اس کا مکین شریر ترین ہے جیسے اہل عرب کا مقولہ مشہور ہے :

"المجد فی ثوبیہ والکرم فی بردیہ"

بزرگی اس کے کپڑوں میں اور جود وسخا اس کی چادروں میں ہے۔

وَّاَضْعَفُ جُنْدًا ○ اور کمزور لشکر اور مددگار کی کمی والا کون ہے جیسا کہ وہ دعوےٰ کرتے تھے کہ ہم بڑے لشکر والے اور ہمارے معین ومددگار بے شمار ہیں لیکن یہاں تو ان کو سونگھنے والا بھی کوئی نہ ہوگا۔

ف : تفسیر الجلالین میں ہے کہ جب اہل اسلام نے کافروں کو قتل کیا اور کفار پر غلبہ پا گئے اب ان کی آنکھ کھلی کہ ان کا حال پتلا اور ان کے مددگار ہیں نہیں اور وہ بالکل کمزور اور ضعیف ہیں اور نہ ہی ان کا کوئی حمائتی ہے جو ان کی مدد کرے اور نہ ہی اللہ کے ماسوا ان کی مدد کرنے والا ہے۔

شانِ نزول : کافروں کا خیال تھا کہ ان کے حمائتی اور مددگار بے شمار ہیں بلکہ معززین اور اہل ثروت لوگ ان کی انگلیوں کے اشاروں پر چلتے ہیں اور اپنی اس قوت وطاقت پر مجالس ومحافل میں اس دعوےٰ کو بہت بڑے فخر وناز سے بیان کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں مذکورہ آیت نازل فرمائی۔

وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ۔

ربط : یہ جملہ مستانفہ اور ہدایت یاب لوگوں کا حال بتانا مطلوب ہے جب کہ اس سے پہلے گمراہوں کا حال مذکور ہوا۔ یعنے اللہ تعالےٰ اہل ایمان کو ایمان وعمل صالح اور یقین ورشد میں بڑھاتا ہے جیسے گمراہوں کو گمراہی میں بڑھایا۔

وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ ۔ یہ جملہ مستانفہ اللہ تعالےٰ کی جانب سے وارد ہے۔ ہدایت والوں کے اعمال صالحہ کی فضیلت بیان کرنا مطلوب ہے اسے ماقبل اور کلام لاحق سے کوئی خصوصی تعلق نہیں یعنے باقیات صالحات بہتر ہیں۔ عِنْدَ

رَبِّكَ ثَوَابًا تیرے رب تعالیٰ کے ہاں ثواب کے اعتبار سے۔ ثواب سے جزا مراد ہے کیونکہ اس کا نفع جزا والے کی طرف عود کرتا ہے اور یہ اثابۃ یا تثویب کا اسم ہے یعنے وہ اعمال جن کا فائدہ باقی رہے گا وہ تمہارے رب کے ہاں بہتر ہیں کفار کے مفاخرات اور دنیوی حظوظ سے۔ وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا اور وہ عاقبت اور انجام کے لحاظ سے اچھے ہیں کیونکہ اعمال صالحہ کا مال رضائے الٰہی اور نعمت دائمی ہے اور کفار کے حظوظ و مفاخرت کا مال غضب الٰہی اور عذاب دائمی ہے۔

ف: کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ کافر اگرچہ دنیا میں صاحب مال و منال ہو لیکن آخرت میں سخت ذلیل و خوار ہوگا۔ اور مومن دنیا میں ہدایت یافتہ ہے اور حمایت الٰہی بھی اسے حاصل ہے اور آخرت میں ثواب پائے گا اور انجام بھی بہتر۔

ه

بدنیا سرفراز و نام دارند
بعقبیٰ کامدار و کامگارند

ترجمہ: دنیا میں بھی سرفراز اور نام والے ہیں آخرت میں بھی بامراد اور مقصد پانے والے ہوں گے۔

ف: آیت میں اشارہ ہے کہ وہ ضرر قلیل جو چند روز کے بعد ختم ہو جائے لیکن اس کے بدلے میں منافع کثیر اور غیر متناہی نصیب ہو جیسے مومن کا حال ہے اس کے برعکس معاملہ سے بہتر ہے جیسے کافر کا حال ہے اسے دنیا میں مال و منال اور جاہ و جلال کا ملنا اس کی فضیلت اور بزرگی نہیں جیسے مومن کا ان امور سے خالی ہونا اس کا نقص یا عیب ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے خیر و بھلائی کا ارادہ فرمایا ہے کہ اسے اس تکلیف اور دکھ کا صلہ بہت اعلیٰ اور اچھا عطا فرمائے گا۔

باقیات صالحات کیا ہے ویسے ہر نیک عمل جو آخرت کے فائدہ کے لیے کیا جائے وہی باقیات صالحات ہے ان میں سے ایک کلمہ طیبہ بھی ہے۔ سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور سوکھی لکڑی ہاتھ میں لے کر اس کے تمام پتے جھاڑ دیتے اور فرمایا کہ لا الٰہ الا اللہ اور اللہ اکبر اور سبحان اللہ اور الحمد للہ گناہوں کو ایسے جھاڑتے ہیں جیسے درخت سے پتوں کو ہوا۔ اے ابوالدرداء! ان کلمات کو خوب پڑھا کرو۔ قبل اس کے کہ تیرے اور ان کے مابین (موت) حائل ہو، یہی باقیات صالحات ہیں اور یہی جنت کے خزانوں میں سے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ باقیات صالحات یہی اعمال صالحہ ہیں جو ان واردات الٰہیہ کا نتیجہ ہیں جو منجانب اللہ اہل غیوب پر وارد ہوتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ جو عمل صالح انسان کی طبع نفسانی کے نتائج سے ہو وہ باقیات صالحات نہیں جیسا کہ ماعندکم ینفد وما عنداللہ باق سے معلوم ہوتا ہے۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ وہ نفس کی اصلاح اور اس کے تزکیہ کی جد و جہد کرے تاکہ اعمال باقیہ و احوال فاضلہ پیدا ہوں اور ایسی نسل حاصل ہو جو عقیم نہ ہو اور نکاح نصیب ہو جس سے ان گنت بہترین نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ ہم سب کو اللہ تعالیٰ

اس میں مضبوط تر بنائے (آمین)

تفسیر عالمانہ اَفَرَءَيْتَ الَّذِىْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا ،

شانِ نزول : یہ آیت اس شخص کے حق میں نازل ہوئی جس نے قیامت کے بارے میں مذاق کیا وہ عاص بن وائل تھا۔ اس نے حضرت خباب بن ررت رضی اللہ عنہ کا قرضہ دینا تھا۔ آپ نے اس سے مانگا تو اس نے کہا کہ میں قرض اس وقت دوں گا جب تو محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) سے کفر کرے گا۔ آپ نے کہا کہ یہ نہیں ہوسکتا نہ زندگی میں نہ مرنے کے وقت اور نہ مر کر اٹھنے کے بعد۔ اس نے کہا کہ تو پھر جب مرنے کے بعد اٹھو، میرے پاس آجانا میرے پاس مال واولاد ہوگی تجھے قرض دے دوں گا۔

ہمزہ تعجب کا ہے اس کے حال سے تعجب کے طور پر کہا گیا ہے اور فاء عاطفہ ہے اس کا عطف فعل مقدر پر ہے جیسا کہ مقام کا تقاضا ہے دراصل عبارت یوں تھی :

انظرت فرأيت الذى ... الخ (دیکھئے اسے جو ہماری آیات کا انکار کرتا ہے۔ منجملہ اس کے قیامت میں اٹھنا ہے)۔

وَقَالَ اور اس کے ساتھ استہزاء کرتے ہوئے جھوٹی قسم کھا کر کہا۔ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ؁ واولاد۔ تو اے محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم! اس کے حال پر تعجب کیجئے کہ کیسی غلط گفتگو کرتا اور بے جا جرأت کرتا ہے۔

اَطَّلَعَ الْغَيْبَ۔ ہمزہ استفہامیہ ہے۔ یہ دراصل أاطلع تھا۔ یہ اطلع۔ الجبل سے ہے۔ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جائے۔ طلع الثنية اس کا اصل مادہ ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ کیا وہ اس شان کو پہنچ گیا ہے کہ اسے وہ علم غیب مل گیا ہے جو علیم وخبیر کا خاصہ ہے یہاں تک دعویٰ کرتا ہے کہ اسے قیامت میں مال واولاد دیئے جائیں گے اور پھر اس پر قسم بھی کھا ڈالی۔ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ؁ کیا اس بارے میں عالم غیب، رحمٰن، سے کوئی معاہدہ لیا ہے کیونکہ اس مرتبہ کو دو باتوں سے حاصل کیا جاتا ہے :

(۱) علم غیب سے

(۲) عالم غیب سے معاہدہ کرکے۔

ف : بعض نے کہا ہے کہ یہاں عھد سے کلمۂ شہادت وعمل صالح مراد ہے کیونکہ عمل صالحہ پر ثواب کا وعدہ پختہ ہے۔

كَلَّا ط ہرگز نہیں جو کچھ وہ کہہ رہا ہے سراسر غلط ہے۔ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے ہم اسے کہہ رہے ہیں جو آپ کو عنقریب اس کے کذب وکفر واستہزاء کا حال معلوم ہو جائے گا جس پر ہم اسے سزا دیں گے۔ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ؁ اسے اس کے دعوئے مال واولاد دیئے جانے کے بجائے ہم اسے لمبا چوڑا عذاب دیں گے جس کا وہ مستحق ہے۔

وَنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ . اور اس کے مرنے پر جو کچھ وہ کہتا ہے اس کے بجائے ہم اسے عذاب دیں گے یعنے وہ مال و اولاد کی امید رکھتا ہے حالانکہ ہم اسے سخت عذاب میں مبتلا کریں گے ۔

ف : اس میں تنبیہ ہے کہ جو کچھ وہ کہتا ہے یہ اس کا محض گمان ہے بلکہ مرنے پر یہ مال و اولاد اس سے چھن جائے گا اور مرے گا تو سیدھا جہنم جائے گا۔ یہی اس کی سزا ہے۔ (کذا فی الارشاد)

ف : العیون میں فرمایا ہے کہ مانرثہ کی ضمیر سے بدل الاشتمال ہے یعنے اسے ہم تباہ و برباد کر کے اس مال و اولاد کا وارث اوروں کو بنائیں گے ۔

ف : کاشفی رحمہ اللہ تعالےٰ نے لکھا ہے کہ اس کی اولاد و مال کو اس کے مرنے کے بعد میراث بنائیں گے ۔

وَيَاْتِيْنَا اور قیامت میں ہمارے ہاں آئے گا۔ فَرْدًا ۝ اکیلا۔ تنہا کہ اس کے ساتھ کوئی نہ ہوگا نہ مال نہ اولاد یعنی اس کا تمام اثاثہ دنیا میں رہ جائے گا وہاں اکیلا حاضر ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اہل غرور متکبرانہ خیال میں دعوے کرتے ہیں کہ انہیں دنیا میں مال و اولاد اور آخرت میں بڑے درجات ملیں گے اور اہل تجرد پر طنز کرتے ہیں کہ وہ بے چارے دنیوی اسباب سے محروم اور عورتوں اور اولاد کی لذتوں سے فارغ ہیں حالانکہ وہ اہل غرور یہ نہیں جانتے کہ وہ ان اقوال سے عذاب بُعد میں جا رہے ہیں کیونکہ جو کچھ کہہ رہے ہیں غلط کہہ رہے ہیں۔

حضرت کمال خجندی نے فرمایا ؎

بشکن بت غرور کہ در دین عاشقاں
یک بت کہ بشکنند بہ از صد عبادتست

ترجمہ : غرور کا بت توڑ دے اس لیے عشاق کے دین میں ایک بت توڑنا صد عبادت سے بہتر ہے ۔

تفسیر عالمانہ وَاتَّخَذُوْا ۔ مشرکین قریش نے بنایا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً اللہ کے سوا بتوں کو معبود۔ لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ۝ تاکہ ہوں وہ بت ان کے لیے موجب قوت و طاقت یعنے اللہ تعالےٰ کے حضور میں قریب کرنے والے سفارشی اور مددگار اور وہ ان کی وجہ سے عذاب الٰہی سے نجات پا جائیں گے۔

ف : کسی بزرگ نے فرمایا کہ جس عزت کو تو چاہتا ہے اسے تو ذلت میں مانگتا ہے کیونکہ تو اسے مخلوق سے مانگ رہا ہے اگر تو عزت چاہتا تو تُو حق تعالےٰ سے مانگتا اور اس کا ذکر کرتا اس کی رضا کا طالب ہوتا کیونکہ ہر شے اسی سے ملتی ہے اگر اسی طرح کرے گا تو تُو دنیا و آخرت میں عزیز ہوگا۔

كَلَّا ط ہرگز نہیں یہ ان کا غلط خیال ہے۔ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ عنقریب کفار اپنے بتوں کی عبادت

(بقیہ صفحہ نمبر ۲۰۷ پر)

اَلَمْ تَرَ اَنَّاۤ اَرْسَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ۙ فَلَا تَعْجَلْ عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّمَا
نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ۚ یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِیْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ۙ وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِیْنَ اِلٰى
جَهَنَّمَ وِرْدًا ۘ لَا یَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۘ وَقَالُوا اتَّخَذَ
الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ؕ لَقَدْ جِئْتُمْ شَیْـًٔا اِدًّا ۙ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَ
تَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۙ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۚ وَمَا یَنْۢبَغِیْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا ؕ
اِنْ كُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّاۤ اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ؕ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ؕ
وَكُلُّهُمْ اٰتِیْهِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَرْدًا ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ
الرَّحْمٰنُ وُدًّا ۝ فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِیْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ۝ وَ
كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ۝

ترجمہ: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ بے شک ہم نے شیطانوں کو کافروں پر چھوڑ رکھا ہے جو انھیں خوب ابھارتے ہیں تو ان پر عجلت نہ کیجیے ہم تو ان کی باتیں خود شمار کرتے ہیں جس دن ہم متقیوں کو مہمان بنا کر رحمٰن کے ہاں جمع کریں گے اور مجرموں کو پیاسہ کر کے جہنم کی طرف ہانکیں گے۔ شفاعت سے بے اختیار ہوں گے مگر جس نے رحمٰن سے اجازت لے رکھی ہے اور کافروں نے کہا کہ رحمٰن نے اولاد اختیار کی۔ بے شک تم ایک سخت بھاری بات لائے۔ قریب ہے کہ آسمان اس سے پھٹ جائیں اور زمین چر جائے اور پہاڑ کانپ کر گر پڑیں یہ کہہ کر انھوں نے رحمٰن کے لیے اولاد کا دعوٰے کیا۔ اور رحمٰن کے لائق نہیں کہ وہ اولاد اختیار کرے۔ آسمان و زمین میں جتنے ہیں سب رحمٰن کے ہاں بندے ہو کر حاضر ہوں گے البتہ اللہ تعالےٰ ان کی گنتی جانتا ہے اور ان کے ایک ایک کو گن رکھا ہے۔ اور وہ سب کے سب اس کے حضور ہر ایک اکیلا حاضر ہو گا۔ بے شک وہ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے۔ عنقریب ان کے لیے محبت پیدا کر دے گا۔ تو ہم نے یہی قرآن تمھاری زبان پر آسان کیا تاکہ تم متقیوں کو خوشخبری سناؤ اور جھگڑالو آدمیوں کو ڈراؤ۔ اور ہم نے ان سے پہلے کتنے گروہوں کو تباہ و برباد کیا، کیا تم ان میں سے کسی کو دیکھتے یا ان کی کوئی آہستہ آواز سنتے ہو۔

(بقیہ گذشتہ صفحہ)

سے انکار کریں گے جب اس کا برُا انجام دیکھیں گے اور انھیں معلوم ہو جائے گا کہ بتوں کی عبادت تو کچھ نہیں۔ وَیَكُوْنُوْنَ عَلَیْهِمْ ضِدًّا ۝ اور ہو جائیں گے اپنے بتوں کے دشمنوں اور ان کے ساتھ کفر کرنے والے حالانکہ پہلے وہ ان سے ایسی محبت کرتے تھے جیسے اللہ سے محبت کی جاتی ہے اور ان کی پرستش کرتے تھے۔

ف : تفسیر الجلالین میں ہے کہ وہ بت ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے کیونکہ وہ جماد محض تھے انہیں معلوم نہ تھا کہ کوئی ان کی عبادت کرتا ہے یاکیونکر اور وہ ان کے دشمن ہو جائیں گے کیونکہ قیامت میں اللہ تعالٰے انہیں بولنے کی طاقت دے گا اور عقل عطا فرمائے گا وہ خود اپنے پرستاروں کے لیے کہیں گے یا اللہ ہمارے پرستاروں کو عذاب دے جب کہ انھوں نے میرے ماسوا کی پرستش کی تھی۔ اس معنے پر یہ ضمائر ان کے بتوں کی طرف راجع ہیں۔

(تفسیر آیات صفحہ گذشتہ)

تفسیر عالمانہ اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ ہم نے کافروں پر شیطانوں کو مسلط کیا ہے بوجہ ان کے اپنے برے اختیار کے درآنحالیکہ وہ شیاطین تَؤُزُّهُمْ اَزًّا انھیں گناہوں پر برانگیختہ کرتے ہیں وساوس ڈال کر اور گناہوں کو سنگار اور سنوار کر کے۔ ازّ۔ ھزّ۔ استفزاز کا معنے ایک ہی ہے یعنے شدۃ الازعاج یعنے سخت ابھارنا۔

ف : العیون میں ہے کہ الاز دراصل الحرکۃ مع الصوت المتصل کو کہا جاتا ہے۔ ازیز القدر سے ہے اور ان کی گمراہی میں انہماک اور طغیان کے اشتیاق اور عناد میں افراط پر تعجب دلانا مراد ہے اور بتانا ہے کہ اب حق واضح ہو چکا ہے۔ فلہٰذا اس پر ڈٹ جانا چاہیئے اور تنبیہ کی گئی ہے کہ جو کچھ کفر و معاصی صادر ہو رہے ہیں۔ یہ تمام شیطان کے اضلال و اغوا سے ہے۔

فَلَا تَعْجَلْ عَلَیْهِمْ تو ان پر عجلت نہ کیجئو کہ وہ ہلاک اور برباد ہو جائیں جیسے ان کے گناہوں اور غلط کاریوں کا تقاضا ہے تاکہ آپ اور جملہ اہل ایمان ان کے شرور سے نجات پائیں اور زمین ان کے فسادات سے محفوظ ہو جائے۔

شان نزول : عجلت علیہ بمعنے استعجلتہ منہ ہے۔

اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ بے شک ہم ان کے آجال کے ایام گن رہے ہیں۔ عَدًّا ۝ پوری گنتی۔ فلہٰذا ان کی تباہی و بربادی نہ کیجئے اس لیے کہ اب ان کی زندگی کے دن بہت تھوڑے اور چند گنتی کے سانس رہ گئے ہیں۔ پھر اللہ تعالٰے انھیں پوری پوری سزا دے گا۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰے عنہما جب یہی آیت پڑھتے تو خوب روتے اور فرماتے کہ آخر العدد پر ہماری روح پرواز کرے گی۔ آخر عدد پر ہم اپنے اہل سے جدا ہوں گے آخری عدد پر ہم قبر میں داخل ہوں گے۔

ابن السماک رحمہ اللہ تعالٰے نے مامون کے سامنے یہی آیت پڑھی اور فرمایا کہ جس کی زندگی کے لمحات چند گنتی کے ہوں اسے کسی کی مدد کیا فائدہ دے گی اور وہ لمحات تو جلد تر ختم ہونے والے ہیں۔

اعرابی نے کہا ہے کہ اس زندگی پہ خوشی کیسی جس کے گنتی کے ایام ہوں اور ایسے بدن کی سلامتی کی کیا امید جس کے پیچھے آفات و بلیات ہوں۔

ف: علامہ زمخشری نے لکھا کہ اجل کی مہلت سے ان نفوس کو غنیمت سمجھ انہی لمحات میں عمل کی کوشش کیجئے عذرات رہنے دیجئے اور حیلے واسباب چھوڑ دیئے کیونکہ تجھے محدود وقت دیا گیا ہے اور زندگی کے چند لمحات ہیں۔

حکایت: جب منصور پر موت طاری ہوئی تو کہہ رہا تھا کہ ہم نے آخرت کو چند لمحات کے ساتھ بیچ دیا۔

ف: جو اپنے سانس کی نگرانی کرتا ہے تو اسے باقی ساعات کی محافظت مشکل نہیں ایسے ہی جس کا وقت ضائع ہو رہا ہے وہ سانس کی کیا قدر کرتا ہے جو اوقات کی پابندی نہیں کرتا وہ ایام کی کب نگرانی کر سکتا ہے جس کو صرف جمعہ یاد ہے وہ باقی ایام کا کیا کرے گا جس کے مہینے آوارگی میں گذر رہے ہیں وہ ہفتوں کی قدر وقیمت کیا سمجھے گا جس کی اپنی زندگی کی قدر نہیں وہ سال ضائع کرے گا جس نے عمر گنوائی اسے وقت کی کیا قدر ہوگی۔

ع علی نفسہ فلیبك من ضاع عمرہ

ترجمہ: وہ اپنے اوپر روئے جس نے عمر ضائع کی۔

وقت کی درازی اور کمی صاحب وقت پر منحصر ہے کسی کو ایک گھڑی نصیب ہوتی ہے کسی کو پورا دن کسی کو پورا ہفتہ کسی کو کامل مہینہ کسی کو مکمل سال کسی کو زندگی میں ایک بار کسی کو بار بار۔ کسی کو بوجہ غلبہ بہیمیت و استغراق در بحر شہوات کچھ بھی نصیب نہیں ہوتا۔

حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

ہر دم از عمر گرامی ہست گنج بے بدل
میرود گنج چنین ہر لحظہ برباد آخ آخ

ترجمہ: زندگی کا ہر لمحہ بے بدل خزینہ ہے افسوس کہ ہر لحظہ ایسا خزانہ ضائع جا رہا ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

کارے کنیم ورنہ خجالت برآورد
روزیکہ رخت جان بجہان دگر کشیم

ترجمہ: ہمیں زندگی میں کوئی نیک کام کرنا چاہیئے ورنہ شرمساری ہوگی جب اس جہان سے دوسرے جہان کی طرف سفر کریں گے۔

تفسیر عالمانہ: **يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ** اے محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کو ترغیب وترہیب کے طور پر وہ دن یاد دلایئے جس دن ہم اہل تقویٰ اور اہل طاعت کو جمع کریں گے۔ **إِلَى الرَّحْمَٰنِ** ان کے رب تعالےٰ کی طرف جو انھیں اپنی رحمت واسعہ میں ڈھانپتا ہے درآنحالیکہ **وَفْدًا** ٹولیاں بن کر حاضری دیں گے جیسے بادشاہوں کے انعام واکرام کے منتظرین ان کے ہاں ٹولیاں بنا کر آتے ہیں۔ الوافد ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو خیر وبھلائی لاتے۔

حل لغات: التہذیب میں ہے کہ الوفد و الوفادۃ بمعنے کسی ضرورت کے لیے امیر و حاکم کے نزدیک ہونا۔

القاموس میں ہے کہ دفد الیہ بھی آتا ہے اور دفد علیہ بھی بمعنے قدم و ورد۔ اور اس کی جمع وفود بھی آتی ہے دَفد بھی۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ دفد المتقین کے لیے حضرت رحمانیہ کی طرف جمع ہونے کے لیے حشر کا دن اس لیے مقرر ہوا کہ رحمانیت صفات لطف سے اس کی ایک صفت ہے اور جود و انعام و فضل و کرم و تقریب و مواہب اس کی شان ہے۔ اور رحمت اگر ذات کی صفات سے ہو تو اس کا معنی ہوتا ایصال خیر و دفع شر کا ارادہ کرنا۔ اگر فعل صفات سے ہو تو بمعنے ایصال الخیر و دفع الشر۔ (کذافی بحرالعلوم)

سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ بخدا متقین قیامت میں اللہ تعالٰے کے ہاں پیدل چل کر نہ جائیں گے بلکہ اونٹنیوں پر سوار ہوں گے جن کے کجاوے سونے کے ہوں گے یا بہترین گھوڑوں پر جن کی زین یاقوت کی اور لگام زبرجد کی ہوگی اسی طرح ان کو بہشت تک لایا جائے گا یہاں تک کہ بہشت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے۔

ف: کاشفی رحمہ اللہ تعالٰے نے لکھا ہے کہ دفدا کا معنے یہ ہے کہ بہشت کی اونٹنیوں پر سوار ہو کر جائیں گے یعنے انھیں بہشت کی اونٹنیوں پر سوار کر کے لایا جائے گا جیسے اعزازاً بادشاہوں کے ہاں شاہی مہمانوں کو لایا جاتا ہے۔

ف: امام قشیری رحمہ اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ ان میں سے بعض عبادات و طاعات کے گھوڑوں پر اور بعض ہمم و نیات کی اونٹنیوں پر سوار ہوں گے وہ لوگ جو عبادات و طاعات کے گھوڑوں پر سوار ہوں گے وہ بہشت کے طالب ہوں گے انھیں بہشت کے باغات میں لایا جائے گا اور جو ہمم و نیات کی اونٹنیوں پر ہوں گے وہ طالبان حق ہوں گے انھیں قرب رحمت کی طرف لایا جائے گا۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ طالبان جناں کون اور مشتاقان رحمٰن کون۔

حکایت ممشاد دینوری رحمہ اللہ تعالٰے پر نزع طاری ہوئی ایک درویش حاضر ہو کر دعا کرنے لگا کہ اے اللہ تعالٰے! اس پر رحمت فرما اور اسے بہشت میں جگہ دے۔ آپ نے فرمایا: اے بندۂ خدا یہ کیا کہہ رہا ہے؟ تیس سال ہوئے مجھے بہشت اور حور و قصور پیش کیے جا رہے ہیں میں انھیں آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ رہا اب میں تو قرب خاص میں بھیجا جا رہا ہوں اور تو میرے لیے بہشت و رحمت مانگ رہا ہے، ایسی دعا مانگ کہ زحمت نہ اٹھا سے

باغ فردوس از برائے دیدنش باید مرا
بے جمالش روضۂ رضواں چہ کار آید

ترجمہ: مجھے باغ فردوس صرف یار کے دیدار کے لیے چاہئیں اگر اس کا جمال یہاں نظر نہ آیا تو رضوان کے باغات میرے لیے بے کار ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اور ہم مجرموں کو جانوروں کی طرح ہانک کر لے جائیں گے۔ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا جہنم کی طرف پیدل اور پیاسے کیونکہ پانی کی طرف شدت پیاس کی وجہ سے آنا پڑتا ہے ویسے (الورد) کا پانی کی طرف آنا حقیقی معنے ہے۔

لَا یَمۡلِكُوۡنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنۡدَ الرَّحۡمٰنِ عَهۡدًا اور شفاعت کا کوئی اختیار نہیں رکھیں گے مگر وہ جس نے رب الرحمٰن سے اِذن لے رکھا ہے۔

شفاعت کی لغوی تحقیق

شفاعۃ اگر مصدر مبنی للفاعل ہے اور العھد بمعنی الاذن ہے کیونکہ اہل عرب کہتے ہیں : عھد الامیر الی فلان بکذا (حاکم نے فلاں کو فلاں کام کا اذن بخشا ہے)، یہ اس وقت بولتے ہیں جب امیر کسی کو کسی کا حکم فرمائے۔

اب معنے یہ ہوگا کہ کوئی بندہ بھی خواہ کتنا ہی عظیم المرتبہ ہو وہ مجرموں کی شفاعت کا مالک نہ ہوگا، مگر جس نے اللہ تعالےٰ سے اذن لے رکھا ہے جیسے دوسری آیت میں ہے :

من ذالذی یشفع عندہ الا باذنہ (کون ہے جو اس کے اذن کے بغیر شفاعت کرے۔)

اگر مصدر مبنی للمفعول ہے اور عھد سے عھد الایمان ہو تو معنی یہ ہوگا کہ مجرموں میں شفاعت اس شخص کی ہوگی جس کو دولت ایمان نصیب ہوگی۔

عہدنامہ کا اسناد

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ کیا تم سے ہر روز صبح وشام کو اللہ تعالےٰ سے اذن لینا نہیں ہو سکتا ہم سب نے عرض کی وہ کیسے؟ آپ نے فرمایا کہ ہر صبح وشام کو مندرجہ ذیل عہدنامہ[۱] پڑھا کرو۔ اور فرمایا کہ اس عہدنامہ پر اللہ تعالےٰ نے مہر خاص فرمائی۔ اور اسے عرش کے نیچے محفوظ کرکے رکھ دیا پھر جب قیامت آئے گی تو اللہ تعالےٰ کا منادی پکارے گا کہ وہ لوگ کہاں ہیں جن کا اللہ تعالےٰ کے ہاں معاہدہ ہے جب وہ آئیں گے تو انھیں بہشت میں داخلہ کا حکم ہوگا اور وہ بہشت میں داخل ہو جائیں گے۔

---

[۱] : عہدنامہ کی اصل عبارت آگے آئے گی۔

عہدنامہ پڑھنے کا ثبوت

مذکورہ بالا روایت تفسیر روح البیان کی جلد پنجم صہ ۳۵۶، ۳۵۷۔ تحت آیت لا یملکون الشفاعۃ الا من اتخذ عند الرحمن عھدا، پارہ نمبر ۱۶ سورہ مریم رکوع ۸ میں ہے۔ اور یہ عہدنامہ ہمارے اہلسنت کے مشائخ عظام و علماء کرام اور عوام میں مروج ہے۔ بہت سے خوش قسمت اسے روزانہ بطور ورد پڑھتے ہیں۔ فقیر کے والد گرامی رحمہ اللہ علیہ کا اکثر ورد یہی ہوتا۔ فقیر نے ان سے بچپن میں یہی عہدنامہ یاد کیا تھا بلکہ ہمارے خاندان کے چھوٹے بڑے یہی ورد کرتے ہیں۔ اور ہمارا معمول ہے کہ ہم صاحب قبر کو قبر میں داخل کرتے وقت یہی عہدنامہ ہاتھ میں دیتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ بہت بڑے بادشاہ کے حضور میں جا رہا ہے اور اسے ایک اجنبی علاقہ میں جانا ہے اور قاعدہ ہے کہ کوئی کسی کے ہاں اگر خط لے

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

تفسیرِ عالمانہ: وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۝ اور یہود و نصاریٰ ایسے ہی اہل عرب میں سے وہ لوگ جن کا خیال تھا کہ ملائکہ اللہ تعالٰی کی لڑکیاں ہیں اور کہا کہ رحمٰن نے اولاد مقرر کر رکھی ہے۔ اللہ تعالٰی نے ان کے رد میں فرمایا۔ لَقَدْ جِئْتُمْ شَیْئًا اِدًّا ۝ الاد و الادۃ بالکسر بمعنے العجب والامر الفظیع والداھیہ المنکر الاد (بالفتح) کی طرح ہے۔ (کذا فی القاموس) یعنی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

جائے تو اس کی وحشت بھی دور ہوتی ہے اور کام بھی بن جاتا ہے ہم اسی نیت سے یہ عہدنامہ ہاتھ میں یا سینہ پر رکھواتے ہیں تاکہ اس کی وحشت دور ہو اور بارگاہ حق کے بھیجے ہوئے فرشتے (منکر و نکیر) کو خط نظر آئے گا تو حساب و کتاب میں تخفیف کریں گے۔

چنانچہ شامی کتاب الجنائز میں ہے کہ ایک شخص نے مرتے وقت وصیت کی کہ میرے ماتھے پر "بسم اللہ الرحمن الرحیم" لکھ دینا۔ چنانچہ لکھا گیا تو نہ صرف منکر و نکیر کے حساب سے تخفیف ہوئی بلکہ اسے بخش بھی دیا گیا۔

مزید تحقیق فقیر (اویسی) کے رسالہ "نفس الحسن فی الکتابۃ علی الکفن المعروف کفنی لکھنا" پڑھیئے۔

عہدنامہ کے فضائل و برکات عام مطبوعہ میں یوں نظر سے گذرے ہیں:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

(۱) رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو کوئی اس عہدنامے کو تمام عمر میں ایک بار پڑھے، تو وہ بے شک ایمان کے ساتھ جائے اور اس کے بہشتی ہونے کا میں ضامن ہوں۔

(۲) حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آدمی کے بدن میں تین ہزار بیماریاں ہیں۔ ایک ہزار بیماریوں کو حکیم جانتے ہیں اور ان کی دوا کرتے ہیں لیکن دو ہزار بیماریوں کی دوا کوئی نہیں جانتا پس جو کوئی اس عہدنامہ کو اپنے پاس رکھے گا، تو اللہ تعالے اسے ان دو ہزار بیماریوں سے محفوظ رکھے گا۔

(۳) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰے عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو کوئی اس عہدنامے کو اپنے پاس رکھے گا، تو سانپوں اور بچھوؤں سے امن میں رہے گا۔ اور اس پر جادو کا اثر نہیں ہوگا اور بدگوؤں کی زبان بند ہو جائے گی اور لکھ کر دھو کر دردمند کو پلائے تو شفا پائے۔

(۴) حضرت خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو کوئی اس عہدنامے کو شفیع لائے اس کی حاجت برآئے اور اُسے مشک و زعفران سے لکھ کر مینہ کے پانی سے دھو کر پی لے، اس کی فہم اور عقل زیادہ ہو اور جو کچھ سنے یاد رکھے اور وہ ہرگز فراموش نہ ہو۔

(۵) حضرت امیر المومنین رضی اللہ تعالٰے عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو کوئی

تم نے ایسا کام کیا ہے جو بہت بڑا عجیب و غریب ہے اس لیے کہ الی اور جاء ۔ فَعَلَ کے معنے میں آتا ہے اور ہر دو نوں فعل کی طرح متعدی ہوتی ہیں ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

اس عہد نامہ کو پڑھے اور مردوں کو بخشے اس کی قبر مشرق سے مغرب تک پرنور ہو اور اگر اسے مردے کی قبر میں رکھے اس مردے کو سات پیغمبروں کا ثواب ملے گا ۔ اور منکر اور نکیر کا سوال اس پر آسان ہوگا اور اللہ تعالےٰ ایک لاکھ گز داہنے اور چالیس ہزار بائیں اور بیس گز جانب سر اور چالیس ہزار گز پاؤں کی جانب عذاب دور کرے گا اور اس کی قبر اتنی کشادہ ہو کہ آنکھ کام نہ کر سکے، اور اس عہد نامہ کی اللہ تعالےٰ نے ایک اور صورت بنائی ہے کہ جو قبر میں پاس رکھے اور جب قیامت کو قبر سے اٹھے ، تو یہ فرشتہ بن کر سامنے آئے اور بہشتی حلہ لاکر پہنائے اور براق پر سوار کرے ، پھر اللہ تعالےٰ یوں فرمائے کہ اے مومن ! تیرے ساتھ عہد نامہ ہے تو خوش ہو کہ تو نے اس عہد نامہ کو ہر روز پڑھا ہے. آج میں اس عہد کو وفا کرتا ہوں، تاج سر پر رکھ اور بہشتی جامہ پہن اور براق پر سوار ہو اور بلا حساب کتاب بہشت میں جا اور قیامت کے دن اس کا منہ چودھویں رات کے چاند کا سا ہوگا ۔ لوگ یہ دیکھ کر شور مچائیں گے کہ کوئی پیغمبر ہے ، یا کوئی اور بزرگ ہے کہ ایسی بزرگی سے آتا ہے تو اس وقت بہشت کا نگہبان ، فرشتہ ، کہے گا کہ یہ پیغمبر نہیں ہے بلکہ امت مصطفےٰ صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا ادنےٰ غلام ہے ، چونکہ دنیا میں یہ عہد نامہ ساتھ رکھتا تھا ۔ اس لیے یہ اس کا نور و برکت ہے ، تب وہ لوگ ہاتھ ملیں گے اور کہیں گے کہ افسوس ! کہ اتنی مدت ہم دنیا میں رہے اور اس مکرم و معظم عہد نامہ سے غافل رہے ۔

عہد نامہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شروع کرتا ہوں ساتھ نام اللہ کے جو بخشش کرنے والا مہربان ہے

اللھم فاطر السموات والارض عالم	اے اللہ ! آسمانوں کے پیدا کرنے والے اور زمین کے
الغیب والشھادۃ ط ھو الرحمن الرحیم	جاننے والے پوشیدہ اور ظاہر کے وہ بخشش کرنیوالا
اللھم انی اعھد الیك فی ھذہ الحیٰوۃ	بڑا مہربان ہے ۔ اے اللہ ! تحقیق میں عہد کرتا ہوں طرف
الدنیا اشھد ان لا الہ الا انت وحدك	تیری بیچ اس زندگی دنیا کے ساتھ اس کے کہ میں گواہی
لا شریك لك و اشھد ان محمدًا عبدك	دیتا ہوں کہ نہیں معبود کوئی سوائے تیرے ایک تو نہیں

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

ف : کاشفی رحمہ اللہ تعالےٰ نے ترجمہ کیا ہے کہ تم نے ایسا فعل کیا ہے جو نہایت قبیح اور بے ادبانہ ہے۔

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ ۔ ادّ کی صفت ہے بمعنے تقرب یعنے قریب ہے کہ يَتَفَطَّرْنَ کہ وہ ایسی بہت بڑی بات کو سن کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔ تفطر بمعنے تشقق ہے یعنے شگافتہ شدن تفعل کا اصل بہ تکلف کام کرنا ہے۔ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ اور زمین ریزہ ریزہ ہو جائے۔

اعجوبہ : مروی ہے کہ بنوآدم ہر درخت سے ہر وقت منافع حاصل کرتے تھے لیکن جب سے مشرکین نے مذکورہ بالا بات پھیلائی تو زمین سے سیم وتھور پیدا ہوا اور بعض درختوں میں کانٹے۔

وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا اور پہاڑ گر جائیں گے۔ ھدّا مصدر ہے محذوف کا مؤکد ہے اور وہ الجبال سے حال ہے۔ دراصل عبارت تہد ھدا تھی بمعنے تکسر کسراً یعنے ریزہ ریزہ ہو جائے گی۔

ف : القاموس میں ہے الھد بمعنے الھدم۔ الشدید والکسر الھدود کی طرح۔

اب معنے یہ ہوا کہ بے شک وہ کلمہ مذکورہ ایسا ہولناک ہے کہ اگر وہ کسی کو محسوس ہوتا تو کوئی بھی اس کے بوجھ کو نہ اٹھا سکتا بلکہ سنتے ہی ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا اور اس کی خرابی غضب الٰہی کو دعوت دیتا ہے کہ اگر اللہ تعالےٰ حلیم نہ ہوتا تو نہ صرف کہنے والے مٹ

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ)

ورسولك فلا تكلني الى نفسي فانك ان تكلني الى نفسي تقربني من الشر وتباعدني من الخير واني لا اثق الا برحمتك فاجعل لي عندك عهدا توفينيه الى يوم القيمة انك لا تخلف الميعاد ۰ وصلى الله تعالى على خير خلقه محمد واله واصحابه اجمعين برحمتك يا ارحم الرحمين۔

کوئی شریک واسطے تیرے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ صاحب بندے تیرے ہیں اور رسول تیرے پس مت سونپ تو مجھ کو طرف نفس میرے کی پس تحقیق تو اگر سونپے گا مجھ کو طرف نفس میرے کی نزدیک کرے گا وہ مجھ کو طرف برائی کے اور دور کرے گا مجھ کو بھلائی سے اور تحقیق میں نہیں بھروسا کرتا ہوں مگر ساتھ رحمت تیری کے پس کر تو واسطے میرے نزدیک اپنے عہد کو کہ پورا کرے تو اس کو دن قیامت کے تحقیق تو نہیں خلاف کرتا ہے وعدہ ۱ اور رحمت نازل کرے خدا تعالےٰ اوپر بہتر مخلوق اپنی کے کہ محمد ہیں اور اولاد ان کی کے اور اوپر دوستوں ان کے سب پر ساتھ رحمت اپنی کے اے سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے زیادہ مہربان ہے۔

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

کر فنا ہو جاتے بلکہ کل عالم کو تباہ و برباد ہو جاتا اور وہ اپنے فضل و کرم سے عذاب نہیں بھیجتا ورنہ جملہ عالم خراب ہو جاتا یہ اس کی کرم نوازی ہے کہ ایسے بکواسات سننے کے باوجود قائلین پر عذاب نہیں بھیجتا۔

اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ○ اس کا منصوب ہونا لام کے محذوف ہونے کی وجہ سے ہے اور لام کا تعلق تکاد سے ہے یا ان دعوا..الخ مجرور ہے اس کا حرف جارہ محذوف ہے۔ اصل عبارت یوں تھی :

تکاد السموات الی ان قال لان دعوا ... الخ

دعوا از دعا یدعو ہے بمعنے سمی یہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہے لیکن یہاں صرف ایک مفعول پر اکتفا کیا گیا ہے تاکہ تمام مدعولھم جیسے عیسٰے و عزیر و ملائکہ کرام علیٰ نبینا و علیہم السلام وغیرہم کو شامل ہو کیونکہ اگر صرف ان دعوا عیسٰی تو دوسروں کے لیے عموم نہ رہتا یا دعا بمعنے نسب ہے۔ جیسے اہل عرب کہتے ہیں :

"ادعی الی فلان"

بمعنے انتسب الیہ۔ یعنے فلاں نے اپنے آپ کو فلاں کی طرف منسوب کیا۔

وَمَا يَنْۢبَغِىْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ۙ اور رحمٰن کے لائق نہیں کہ وہ اولاد مقرر فرماتے۔ یہ فاعل سے حال ہے۔ وینبغی۔ بغٰی کا مطاوع ہے بمعنے طلب یعنے ان بدبختوں نے اللہ تعالےٰ کے لیے اولاد کا تو کہہ دیا حالانکہ یہ اس کے شان کے لائق نہیں کہ اپنے لیے اولاد مقرر کرے اگرچہ کوئی ایسے لاکھوں انتساب کرے تب بھی غلط متصور ہوں گے کیونکہ اس کی ذات کے لیے محال ہے وہ اس لیے کہ اولاد والد کا ایک حصہ ہوتی ہے اور یہ ترکیب کی علامت ہے اور ترکیب کو جزاء ضروری ہیں اور مرکب اپنے جزا کا محتاج ہوتا ہے اور جو محتاج ہو وہ الٰہ نہیں ہو سکتا۔ اِنْ كُلُّ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ نہیں کوئی آسمانوں اور زمینوں میں، وہ ملائکہ ہوں یا جن و انس۔ ان یہاں پر نافیہ ہے اور کل مبتدا اور الا اٰتی الرحمٰن اس کی خبر ہے اور من موصوف ہے اس لیے کہ وہ کل نکرہ کے بعد واقع ہوا ہے۔ اِلَّاۤ اٰتِى الرَّحْمٰنِ مگر وہ رحمٰن کے ہاں آئیں گے۔ عَبْدًا ○ درآنحالیکہ وہ مملوک ہو کر حاضری دیں گے یعنے ان کی حاضری بحیثیت عبودیت و انقیاد کے ہوگی۔

ف : العیون میں ہے کہ قیامت میں جمیع مخلوق رحمٰن کے سامنے خاضع و ذلیل اور عبودیت کا اقرار کرتے ہوئے حاضر ہوگی۔ انھیں میں ملائکہ و عیسٰے و عزیر وغیرہم شامل ہوں گے اور وہ اللہ تعالےٰ کی ربوبیت کی طرف عاجزی اور انکساری کرتے ہوتے آئیں گے جیسے غلام اپنے مالکوں کے ہاں حاضر ہوتے ہیں تو پھر وہ ان کو کیسے اولاد مقرر فرمائے گا۔

انتباہ : عہدنامہ کی قدر و قیمت مخالفین اہل سنت نے گھٹائی ہے ورنہ یہ ہزاروں کی تعداد میں بعض خوش قسمت مفت تقسیم کر رہے ہیں۔ تو لازم ہے کہ اس مفت کے تحفہ کو کام میں لایا جائے۔

نوٹ : اضافۂ عہدنامہ از اویسی غفرلہ

ف : حضرت ابوبکر وراق رحمہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کے تقرب کے لیے کوئی شے عبودیت و اظہار عجز و نیاز سے بڑھ کر نہیں کیونکہ عبودیت کا التزام دوام الخدمت بخشتی ہے اور اظہار افتقار دوام التجار و تفرع عطا فرماتا ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

فقیر و خستہ بدرگاہت آمدم رحمے
کہ جز دعائے توام نیست ہیچ دست آویز

ترجمہ : فقیر و خستہ تیری درگاہ میں حاضر ہوا ہوں رحم فرمائیے اس لیے کہ تیری دعا کے سوا میرے ہاں اور کوئی دستاویز نہیں۔

لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ بے شک انھیں گنا ہے اور انھیں محیط ہے اس حیثیت سے کہ کوئی بھی اس کی گنتی سے خارج نہ ہوگا اور ہر ایک اس کے قبضۂ قدرت میں ہے باوجودیکہ اشیاء کی کثرت ہے کیونکہ سب اسی کی ملکوت کے گھیرے میں ہیں۔

وَعَدَّهُمْ عَدًّا اور ان کے اشخاص و انفاس و آجال کو شمار کیا ہے۔

وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا اور ہر ایک قیامت میں اللہ تعالےٰ کے ہاں تنہا آئے گا نہ ان کا کوئی ساتھی ہوگا نہ اس کا کوئی اور ہی اس سے کوئی مناسبت رکھتا ہے جسے اس کا شریک بنایا جائے۔

حدیث قدسی شریف حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا : بنی آدم نے میری طرف جھوٹ منسوب کیا۔ اس کے لیے ایسا کرنا لائق نہ تھا اور اس نے مجھے گالی دی۔ الشتم بمعنے کسی کو نقص و عیب سے موصوف کرنا اور یہ اس کو لائق نہ تھا۔

تکذیب تو یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ مجھے مرنے کے بعد نہیں لوٹائے گا یعنے وہ کہتا ہے کہ جب میں مر جاؤں گا تو مجھے زندہ کر کے نہیں اٹھائے گا حالانکہ اسے معلوم نہیں کہ اس کی پہلی تخلیق مجھ پر کوئی مشکل نہیں تھی تو ان کا دوبارہ لوٹانا کیسے مشکل ہو سکتا ہے۔ (الخلق بمعنے المخلوق ہے) بلکہ اس کا مرنے کے بعد اٹھانا زیادہ آسان ہے کیونکہ اس وقت اس کا اصل ڈھانچہ تو موجود ہے ورنہ ابتدائی تخلیق کے وقت تو کچھ بھی نہ تھا تب بھی اس کی احسن صورت بنائی گئی۔

ف : یہ مضمون علے طریق التمثیل مذکور ہوا یعنے جیسے انسان سمجھتا ہے کہ اعادہ جدید تخلیق سے آسان تر ہے ورنہ قدرت ایزدی کے لیے تو سہولت و صعوبت ہر دونوں برابر ہیں۔

بقایا الحدیث : اور بندے کا اللہ تعالیٰ کو گالی دینا ہے کہ اس نے کہا کہ اللہ تعالےٰ کی طرف اولاد کی نسبت کر دی۔

ف : اور یہ گالی اس لیے ہے کہ اولاد کا ثبوت اللہ تعالےٰ کے لیے اجزا ثابت کرنا ہے۔ اور وہ ترکیب کی دلیل ہے اور ترکیب اجزا کی محتاج ہے۔

(اس معنے پر اللہ تعالےٰ کا نقص و عیب ثابت کیا گیا اور ہم نے پہلے لکھا ہے کہ شتم بمعنے کسی کا نقص بیان کرنا ہے)۔

اور اولاد کا اثبات مقتضی ہے کہ آبا، فانی ہوں تو ان کے انواع (اولاد) تو اس کی نشانی موجود ہیں اور اللہ تعالےٰ کے لیے اولاد ثابت کرنا اس کے لیے فنا ثابت کرنا ہے، اور یہ اس کی شان کے خلاف ہے۔

سوال: اگر تم کہو کہ اتخذ اللہ بھی تکذیب ہے کیونکہ اس نے خبر دی ہے کہ اس کی کوئی اولاد نہیں لیکن بندے نے اس کے لیے اولاد ثابت کی اور لن یعیدنی بھی شتم ہے کیونکہ اس سے اس کے عجز کی خبر دی گئی ہے تو حدیث شریف میں ایک کو شتم سے تعبیر کیا گیا ہے اور دوسرے کو تکذیب سے۔

جواب: اعادہ کی نفی اس کے کمال کے صفت کی نفی ہے اور اولاد کا اتخا د اس کے نقصان کی صفت کا ثبات ہے اور قاعدہ ہے کہ شتم تکذیب سے فحش ہے۔ اسی لیے اس کی نفی ابلغ الوجود سے ہے چنانچہ فرمایا:

وانا الواحد۔ حالانکہ میں واحد لاشریک ہوں یعنے بقا کی صفت کمال میں میں منفرد ہوں اور صفت تنزہ میں بھی منفرد ہوں وانا الواحد میں واؤ حالیہ ہے۔ الصمد میں صمد ہوں۔ صمد بمعنے معمود ہوں یعنے وہ ذات جس کے ہاں جملہ حوائج پیش کیے جائیں۔ الذی لم یلد وہ ذات جس نے کسی کو نہیں جنا۔ اس میں تشبیہ و مجانست کی نفی ہے۔ ولم یولد اور نہ وہ کسی سے جنا گیا ہے اس میں اس کے قدم و اولیۃ کی صفت کا بیان ہے۔ ولم یکن لہ کفوا احد اور اس کا کوئی کفو نہیں۔ یہ ما قبل کی تقریر کے لیے ہے۔

سوال: یہ صیغہ ماضی ہے اور ضروری نہیں کہ جس کا زمانہ ماضی میں کفو نہ ہو تو زمانہ حال و مستقبل بھی نہ ہو؟

جواب: ہاں جس ذات کا ماضی میں کفو نہیں تو حال و مستقبل میں لازماً اس کا کفو نہ ہو کیونکہ جب ماضی میں نہ تھا تو بعد کو پیدا ہوا اور جو بعد کو پیدا ہوا وہ حادث ٹھہرا اور حادث قدیم کا کفو نہیں ہو سکتا۔ (کذا فی شرح المشارق لابن الملک)

ف: جب اللہ تعالےٰ کی الوہیت و ربوبیت کا ثبوت ملا کہ مخلوقات میں سے نہ اس کا کوئی شریک ہے اور نہ ہم جنس تو بندوں کے لیے عبودیت و مربوبیت ثابت ہوئی بلکہ یقیناً ثابت ہوا کہ بندہ پر لازم ہے کہ وہ صرف اسی کو عبادت کے لیے خاص کرے اور اپنی توحید کو خواہشات نفسانی سے فارغ کرے۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی عقلی دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کیا آپ نے کبھی کسی بت کی پرستش کی؟ آپ نے فرمایا، نہیں پھر سوال ہوا کیا آپ نے کبھی شراب پی؟ آپ نے فرمایا، نہیں، آپ نے فرمایا کہ میں ابتدا سے جانتا تھا کہ یہ لوگ کافر ہیں اور ان کے کردار کافرانہ ہیں حالانکہ اس وقت مجھے معلوم نہ تھا کہ ایمان کیا ہے اور کتاب کیا ہے یعنے بذریعہ وحی، ورنہ آپ اگر ایمان وغیرہ نہیں جانتے تھے تو ولادت کے وقت "ھب لی امتی" کہنے کا کیا معنی؟[1]

---

[1] مزید تفصیل تفسیر اویسی میں دیکھئے۔

ف : اس سے اندازہ لگائیے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کیسی احسن استعداد موجود تھی کہ آپ کو کسی برہان کی ضرورت نہ ہو اور نہ ہی آپ کو دلائل کی ضرورت تھی ۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ وہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے آثار کا اتباع کرے ۔

ف : اس سے واضح ہوا کہ نورِ حق کسی طرح پوشیدہ نہیں ہو سکتا اور نورِ حق سے توحید و اقرار مراد ہے اور اس نور کو پوشیدہ کرنے والا شرک و انکار ہے جب توحید اپنے حقائق کے ساتھ متجلی ہوتی ہے تو تجرید کھل کر سامنے آجاتی ہے اور جب تجرید اپنے معانی کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے تو تفرید ثابت ہو جاتی ہے اس سے ثابت ہوا کہ فردانیت سر اعلٰے کی صفت ہے اور یہ عارفین کو دنیا میں حاصل ہوتی ہے اور دوسروں کو قیامت میں نصیب ہو گی۔ اور اس دنیا میں کوئی اختیاری مقبول نہیں اور نہ ہی آخرت میں کوئی اضطراری مردود ہو گا ۔

اے مشرکو ! توحید کہاں ہے اور اہلِ توحید تجرید کہاں ہے اور اے اصحابِ تجرید تفرید کہاں ہے ؟ تم سب قیامت میں تنہا آؤ گے ۔

ف : بعض مشائخ نے فرمایا کہ عارفین کی قیامت دائمی ہے ۔

حضرت صائب نے فرمایا ؎

ترکِ ہستی کن کہ آسودست از تاراج سیل
ہر کہ پیش از سیل رخت خود بروں از خانہ ریخت

ترجمہ : ترکِ ہستی کیجئے کیونکہ یہ طریقہ سیلاب کی لوٹ مار سے محفوظ ہے بلکہ ایسا کرنے والا گھر کے گرنے سے پہلے سامان اٹھا کر چل دیا ۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بے شک وہ مومن ہیں اور عمل صالح والے یعنے عمل قلب و جوارح کے جامع ہیں ۔ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ○ عنقریب اللہ تعالےٰ ان کے دلوں میں محبت پیدا کرے گا جنھیں نہ کسی اسباب کی ضرورت ہو گی اور نہ رشتہ داری کی اور نہ کسی سے دوستی کا دم بھرنے کی اور نہ کسی نیکی وغیرہ کے کرنے کی، سوائے اس کے کہ ان کے پاس ایمان اور عمل صالح کی دولت ہو گی ۔

ف : سین استقبالیہ ہے اس کی دو تقریریں ہو سکتی ہیں :

(۱) یہ سورہ مکیہ ہے اور یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب اہلِ اسلام کافروں کی نظروں میں حقیر تھے ۔ اللہ تعالےٰ نے ان سے وعدہ کیا کہ عنقریب اسلام قوت پکڑے گا جس پر تمہارے اعزاز و اکرام میں اضافہ ہو گا ۔

(۲) قیامت میں اللہ تعالےٰ ان لوگوں سے محبت کرے گا جن کے اعمال صالحہ ظاہر کرے گا جس سے مخلوق کے سامنے کی عزت افزائی ہو گی ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ ایمان کا بیج جب کسی دل کی زمین میں بویا جاتا ہے اور اعمال صالحہ کے پانی سے اس کی تربیت کی جاتی ہے تو وہ قلب پرورش پاتا ہے ثمر دینے کے لائق ہو جاتا ہے اور ثمرہ سے محبت الٰہی و محبت انبیاء و ملائکہ اور حسب اہل ایمان مراد ہے[1]

چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا :

توتی اکلھا کل حین باذن ربھا ۔ وہ شجرہ ہر وقت باذن اللہ تعالےٰ ثمر دیتا ہے ۔

محبت کے درجات : محبت بمعنے موافقت اس کی ترقی ہو تو اسے المیل سے تعبیر کرتے ہیں پھر الود سے پھر الھویٰ سے پھر الولہ سے ۔

ف : موافقت طبیعت کے لیے اور فواد قلب کے باطن کو کہا جاتا ہے ۔

ف : الھویٰ محبت کے غلبہ کا نام ہے الولہ ھویٰ کی زیادتی کو کہا جاتا ہے ۔

ف : اہل تجربہ کہتے ہیں محبت کا ظہور ہوتا ہے پھر آگے بڑھا تو نار عشق پھر حرارت شہوت پھر بخار لطیف پھر نفس رقیق پھر ہوا رقیق حاصل ہوتی ہے ۔

کسی سے محبت کی علامت حضرت عبد اللہ بن جعفر سے کسی نے پوچھا کہ میں کسی سے محبت کرتا ہوں، پھر کیسے معلوم کروں کہ اسے بھی میرے ساتھ محبت ہے یا نہیں ۔ اس کے متعلق مجھے کوئی علامت بتائیے ۔ آپ نے فرمایا کہ اپنے دل سے پوچھ ۔ اگر وہ اس سے محبت کرتا ہے تو سمجھ کہ وہ بھی تجھ سے محبت کرتا ہوگا ۔

؎

و علی القلوب من القلوب دلائل

بالود قبل تشاھد الاشباح

ترجمہ : دل کو دل سلام کرتا ہے اس سے قبل اجسام کو معلوم ہو ۔

حدیث شریف (۱) حدیث شریف میں ہے کہ اپنے یار دوست زیادہ بناؤ ۔ اس لیے کہ تمہارا رب باحیا اور کریم ہے اس بندے سے حیا کرتا ہے کہ اس کے دوست بہت زیادہ ہوں اور وہ اسے قیامت میں عذاب میں مبتلا کرے ۔

حدیث شریف (۲) حدیث شریف میں ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی کو نظر شفقت سے دیکھتا ہے لیکن دل میں اس کے متعلق کسی قسم کا کینہ اور غصہ نہیں رکھتا تو آنکھ جھپکنے سے پہلے اسے اللہ تعالےٰ

---

[1] : بحمدہ تعالےٰ یہ دولت ہم اہلسنت کو نصیب ہے ۔ ۱۲ ۔

اس کے پچھلے تمام گناہ بخش دے گا۔

ف: طرف بصرہ یعنے آنکھ کی ایک پلک کا دوسری پر بند کرنا۔

محبت بڑھانے والے تین امور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تین امور سے محبت بڑھتی ہے:

① سلام کے ابتدا کرنے سے

② مجلس میں جگہ دینے سے

③ اچھے نام سے بلانے سے

ف: سقراط نے کہا کہ جب ملاقاتیوں سے ملو تو انھیں تعریفی کلمات کہو کیونکہ تعریفی کلمات سے محبت بڑھتی ہے ان کی برائی بیان کرنے سے عداوت بڑھتی ہے۔

ف: بلاغات الزمخشری سے ہے کہ محبت کے علامات سے ایک یہ ہے کہ تکلیف کے وقت اخوت کا دم بھرنا ورنہ عیش و آرام کے وقت اخوت کا دم ہر کوئی بھرتا ہے۔

حکایت ایک غلام نے خلیفہ وقت کے ہاں صوفیاء کی شکایت کی تو خلیفہ نے ان کی گردن اڑانے کا حکم دیا۔ حضرت جنید رضی اللہ عنہ چونکہ اپنی فقہ کے بجائے ابوالثور کی فقہ پر فتوٰی دیتے تھے اسی لیے ان کو چھوڑ کر شحام، رقام، نوری اور دوسری جماعت صوفیہ کو گرفتار کر کے قتل گاہ میں لایا گیا تاکہ ان کے سر قلم کئے جائیں ان سب سے پہلے عجلت کر کے حضرت نوری رحمہ اللہ تعالٰے قتل گاہ میں آگے بڑھے جلاد نے کہا کہ آپ جلدی تو کر رہے ہیں لیکن معلوم بھی ہے کہ آپ کے ساتھ کیا ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے لیکن جلدی اس لیے کی کہ جتنی دیر میں پہلے قتل کیا جاؤں گا اتنی دیر میرے ساتھی بچ جائیں گے یہ سن کر جلاد حیران ہوگیا اور خلیفہ یعنے بادشاہ کو خبر پہنچا دی۔ بادشاہ نے یہ معاملہ قاضی پر چھوڑا کہ وہی ان کے متعلق تحقیق کر کے رپورٹ دے۔ چنانچہ قاضی نے حضرت ابوالحسن نوری رحمہ اللہ تعالٰے پر چند فقہ کے مسائل کے سوالات کئے جس کے آپ نے تسلی بخش جوابات دیئے۔ پھر قاضی کو آپ نے فرمایا کہ یاد رہے کہ اللہ تعالٰے کے بعض بندے ایسے ہیں جن کا اٹھنا بیٹھنا اللہ تعالٰے کی رضا کے لیے ہوتا ہے اور ان کا بولنا وغیرہ بھی ایسے ہی آپ نے کلام جاری رکھا جس پر قاضی کو خوب رلایا۔ اس پر قاضی نے خلیفہ (بادشاہ) کے پاس رپورٹ بھیجی کہ اگر یہ لوگ زندیق ہیں تو دنیا میں کوئی بھی مسلمان نہیں یعنے یہ حضرات پکے اور سچے مسلمان ہیں۔

سبق: دیکھئے! حضرت نوری قدس سرہ نے اپنے دوستوں کی کس طرح جان بچائی اور کس طرح ان پر اپنی جان دینے کے لیے تیار ہو گئے ؎

حدیث عشق ازاں بطال منوس
کہ در سختی کند یاری فراموش

ترجمہ : اس بطال سے عشق کی بات مت سن جو دکھ اور تکلیف کے وقت یاری دوستی بھول جاتا ہے ۔

تفسیر عالمانہ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بے شک ہم نے قرآن آسان کیا ۔ بِلِسَانِكَ آپ کی زبان پر ۔ بایں طور پر آپ کی لغت میں اسے نازل فرمایا ۔ باء بمعنے علی ہے لام تعلیلیہ ہے گویا یوں کہا گیا کہ جب یہ سورہ کریمہ آپ پر اتاری گئی ہے تو اب آپ لوگوں کو خوشخبری سناؤ یا ڈراؤ کیونکہ اسے ہم نے آپ کی لغت پر نازل کیا ہے ۔ لِتُبَشِّرَ بِهِ تاکہ آپ اس سے خوشخبری سنائیں ۔ الْمُتَّقِيْنَ متقین کو یعنے ان لوگوں کو جو تقوے کا میلان رکھتے ہیں اور انہیں شوق ہے کہ اوامر کی پابندی کریں اور نواہی سے بچیں ۔ وَتُنْذِرَ بِهٖ یہ انذر ہ بالامر انذاراً سے ہے بمعنے اعلمہ ... الخ یعنے اسے پیغام پہنچانے میں ڈرایا دھمکایا ہے ۔ (کذا فی القاموس)

قَوْمًا لُّدًّا ○ جھگڑالو قوم جو ایمان نہیں لاتی بوجہ جھگڑا اور شراب اور عناد کے اللد الالد کی جمع ہے سخت جھگڑالو اور شرارتی ۔

ف : القاموس میں ہے کہ اللد ہر وہ دشمن شرارتی جو حق کی طرف ذرہ برابر بھی مائل نہ ہو ۔

حدیث شریف : حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالے کے نزدیک مبغوض ترین ہر وہ شخص ہے جو سخت جھگڑالو اور شرارتی ہو ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ قرآن درحقیقت اللہ تعالے کی صفت ہے اور وہ قدیم اور قائم بذاتہ تعالے ہے ۔ وہاں ظروف حروف کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ حروف حادث اور معدود اور مشابہت والے ہیں اور اس کی صفت قدیم غیر معدود اور غیر متناہی ہے ہاں اس کا سمجھنا صرف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو نصیب ہوا اور اس کا پڑھنا بھی اپنی زبان عربی میں صرف آپ کو عطا ہوا تاکہ آپ اس کے ذریعے متقین کو مژدہ بہار سنائیں کیونکہ یہی لوگ اہل بشارت ہیں ۔

متقین کی اقسام : متقین تین قسم کے ہیں :

(۱) جو توحید کا اقرار کر کے شرک سے بچتے ہیں ۔

(۲) طاعت الٰہی کے ذریعے معاصی سے بچنا ۔

(۳) ماسوی اللہ سے بچنا ۔

وتنذر بہ قوما لدا اور آپ جھگڑالو قوم کو ڈرائیں کیونکہ اہلِ انذار تین قسم کے ہیں :

(۱) وہ کفار جو باطل کی خاطر جنگ کرتے ہیں ۔

(۲) وہ اہل کتاب جو اپنے ادیان منسوخہ کے لیے جھگڑتے ہیں ۔

(۳) اہلِ اہواء والبدع اور دہ فلاسفہ جو باطل کی خاطر حق کے ساتھ برسر پیکار رہیں ۔

تفسیر عالمانہ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ قرن کا معنے ہم نے پہلے بیان کیا ہے یعنے بہت سے گروہ ہم نے تباہ و برباد کئے جو ان سے پہلے ان کی طرح سرکش اور جھگڑالو تھے لیکن

اس وقت جب انھوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کے انذار کے بعد سرکشی کی اور ان کے لاتے ہوئے آیات کا انکار کیا با وجودیکہ انبیاء علیہم السلام نے انہیں عذاب الٰہی سے ڈرایا۔

هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ کیا ان میں سے کسی ایک کو دیکھ رہے ہو یعنے نہیں دیکھ رہے۔ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ یا ان میں سے کسی ایک کو سنتے ہو۔ رِكْزًا ○ آواز آہستہ۔ رکز کا حقیقی معنے ہے خفاء پوشیدگی، اسی سے ہے "رکز الرمح" یہ اس وقت بولتے ہیں جب نیزہ کا کنارہ زمین کے اندر غائب ہو جائے۔ الرکاز بمعنے مال مدفون یعنے چھپا ہوا مال۔

اب معنٰی یہ ہوا کہ ہم نے انھیں بالکل تباہ و برباد کیا اور ان کی جڑ اکھیڑ ڈالی کہ اب ان کا نام و نشان تک نہیں رہا۔ اب نہ وہ دیکھے جاتے ہیں اور ان کی کوئی آواز سنائی دیتی ہے کیونکہ اللہ تعالٰے کے بھیجے ہوئے فرشتوں نے انہیں مار مٹایا گویا وہ پیدا ابھی نہ ہوئے تھے اور نہ ان کا کوئی وجود تھا۔

کو اثر از سروران تاج بخش
کو نشان از خسروان تاجدار
سوخت دیہیم شہان کامجوے
خاک شد تخت ملوک کامکار

ترجمہ: تاج بخش بادشاہ کہاں ہیں تاجدار خسرو کہاں ہیں۔
ان کے بہترین تاج و تخت جل سڑ گئے۔ بڑے بڑے بادشاہوں کے تخت خاک ہو گئے۔

ف: آیت میں جہاں کافروں کو وعید سنائی ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے اور آپ کو فرمایا گیا ہے کہ آپ انھیں عذاب الٰہی سے ڈرائیں۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا

(۱) بگوے آنچہ دانی سخن سودمند
وگر ہیچ کس را نیاید پسند
(۲) کہ فردا پشیمان برآرد خروش
کہ آوخ چرا حق نکردم بگوش

۳ بگمراہ گفتن نکو میروی !
گناہ بزرگست وجور قوی

۴ مگو شہد شیرین شکر فائقست
کسی را کہ سقمونیا لائقست

۵ چہ خوش گفت یک روز دارو فروش
شفا بایدت داروے تلخ نوش

ترجمہ: ① جو تیرے خیال میں سودمند قول ہے وہ کہہ ڈال اگرچہ کسی کو پسند آئے۔
② کل یہ پریشان ہو کر شور کرے گا کہ افسوس! میں نے حق کے لیے کیوں کوشش نہ کی۔
③ گمراہ کو کہنا کہ تو ٹھیک چل رہا ہے یہ بڑا گناہ اور عظیم ظلم ہے۔
④ بیمار کو نہ کہو کہ شہد شیریں ہے جسے لائق ہے کہ اسے سقمونیا پلایا جائے۔
⑤ ایک دن دوا فروش نے کیا خوب کہا کہ اگر تجھے شفا چاہئے تو کڑوی دوا پیجیئے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

① ہر کسے کو از صف دین سر کشست
میرود سوے صفی کان واپست

② تو ز گفتار تعالوا کم مکن
کیمیائی پس شکرفست این سخن

③ گرمسی گردد زگفتارت نفیر
کیمیا را ہیچ ازوے وا مگیر

④ این زمان گرنیست نفس ساحرش
گفت تو سودش کند دو آخرش

⑤ قل تعالوا قل تعالوا اے غلام
ہین کہ ان اللہ یدعو بالسلام

ترجمہ: ① جو دین کی صف سے سرکشی کرتا ہے تو وہ اس صف کی طرف جا رہا ہے جو واپس آئے گی۔
② تو تعالوا کے اعلان سے خاموش نہ ہو۔ یہ بہترین کیمیائی سخن ہے۔
③ اگر کوئی تانبہ تیری اس گفتار سے دور بھاگتا ہے تو تیری کیمیا کا کوئی نقصان نہیں۔

④ اب تو اس کا نفس ساحر روتا ہے لیکن اگر اس سے کچھ فائدہ اٹھایا تو آخر میں خوش ہوگا۔

⑤ تم تعالوا کہتے جاؤ کیونکہ اللہ تعالٰی خود بھی سلامتی کی دعوت دیتا ہے۔

ہم اللہ تعالٰی سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اجابت دعوت کی توفیق بخشے کہ وہ قریب و مجیب ہے۔

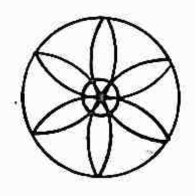
تفسیر سورہ مریم ضحٰی کے وقت سوموار کے دن ۱۹ ذی قعد ۱۱۰۵ھ کو ختم ہوئی۔

اور

حسن اتفاق سے فقیر نے بھی بوقت ضحٰی اس کا ترجمہ ختم کیا۔ بتاریخ ۱۸ ربیع الآخر ۱۴۰۰ھ بمطابق ۶ / مارچ ۱۹۸۰ء بروز جمعرات، بمقام بہاول پور۔ پاکستان۔

نصلی اللہ تعالٰی علی حبیبہ الکریم الرؤف الرحیم وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

انا الفقیر القادری ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہ



سورۃ طٰہٰ

سُوْرَۃُ طٰہٰ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ مِائَۃٌ وَّخَمْسٌ	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	وَّثَلٰثُوْنَ اٰیَۃً وَّثَمَانُ رُکُوْعَاتٍ

طٰهٰ ○ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰۤى ○ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ○ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ
الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ○ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ○ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَ
مَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ○ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ○ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا
هُوَ ؕ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ○ وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ○ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا
اِنِّىْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّىْۤ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ○ فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا نُوْدِىَ يٰمُوْسٰى ○
اِنِّىْۤ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ؕ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا
يُوْحٰى ○ اِنَّنِىْۤ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدْنِىْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِىْ ○ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ
اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰى ○ فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ
هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ○ وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ○ قَالَ هِىَ عَصَاىَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا
عَلٰى غَنَمِىْ وَلِىَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ○ قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ○ فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِىَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ○
قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ ٚ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى ○ وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ
بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً اُخْرٰى ○ لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ○ اِذْهَبْ اِلٰى
فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ○

سورہ طٰہٰ مکیہ ہے اس کی ایک سو پینتیس آیات اور آٹھ رکوع ہیں۔

ترجمہ: اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے۔

اے محبوب! (صلے اللہ علیہ وسلم) ہم نے تم پر یہ قرآن اس لیے نازل نہیں فرمایا کہ تم مشقت میں پڑو مگر اس کے لیے نصیحت ہے جو خوف خدا رکھتا ہے اس کا نزول اس سے ہے جس نے زمین اور بلند آسمان پیدا فرمائے وہ بڑا مہربان ہے اس نے عرش پر اپنی شان کے لائق استوا فرمایا، جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور جو ان کے بیچ ہے اور جو کچھ گیلی مٹی کے نیچے ہے سب اسی کا ہے اور اگر تم پکار کر لو تو وہ مخفی بھید جانتا ہے اور اسے بھی جو اس سے زیادہ پوشیدہ ہو۔ اللہ کہ اس کے سوا کوئی اس کے سوا عبارت کے لائق نہیں اسی کے ہیں تمام اچھے نام۔ اور کیا تمھیں موسٰے (علیہ السلام) کی خبر آئی ہے جب اس نے ایک آگ کو دیکھا تو اپنی بیوی سے فرمایا کہ ٹھہرو، میں نے ایک آگ دیکھی ہے شاید میں تمھارے لیے اس میں سے کوئی انگارا لاؤں یا آگ پر راہ پاؤں۔ پھر جب وہ آگ کے پاس آیا فرمایا گیا کہ اے موسٰے! بے شک میں تیرا رب ہوں تو تو اپنے جوتے اتار، بے شک تو مقدس وادی 'طویٰ' میں ہے اور میں نے تجھے پسند کیا۔ اب سنیئے جو تمھیں وحی کی جاتی ہے بے شک میں ہی ہوں اللہ، کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تو میری ہی عبادت کیجئے اور میری یاد کے لیے نماز قایم کیجئے۔ بے شک قیامت آنے والی ہے قریب ہے کہ اسے سب سے چھپاؤں کہ ہر جی اپنی کوشش کا بدلہ پائے گا۔ سو تجھے قیامت کے ماننے سے وہ نہ روکے جو اس پر ایمان نہیں لاتا اور اپنی خواہش کی اتباع کرتا ہے پھر تو وہ تباہ ہو جائے گا اور یہ تیرے داہنے ہاتھ میں کیا ہے اے موسٰی! (علیہ السلام) عرض کی کہ یہ میرا عصا ہے میں اس پر سہارا لگاتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے لیے اور کام بھی ہیں۔ فرمایا؛ اے موسٰے! اسے ڈال دے۔ تو موسٰے (علیہ السلام) نے ڈال دیا۔ تو وہ یکایک دوڑتا ہوا سانپ ہوگیا۔ فرمایا؛ اسے اٹھا لے اور ڈرو نہیں، ابھی ہم اسے پہلی حالت پر کر دیں گے اور اپنا ہاتھ اپنے بازو سے ملائیے وہ بغیر کسی بیماری کے خوب سفید نکلے گا ایک اور نشانی۔ کہ ہم تمھیں اپنی بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں۔ فرعون کے پاس جائیے کہ اس نے سرکشی کی ہے۔

(تفسیر آیات صفحہ گذشتہ)

تفسیر عالمانہ

سورۂ طٰہٰ کی ایک سو پینتیس آیات ہیں اور یہ سورۃ مکیہ ہے۔

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور رحم والا ہے۔

طٰہٰ ○ دیگر حروف مقطعات کی بہ نسبت اس میں زیادہ اختلاف ہے۔

(۱) بعض نے کہا کہ یہ قرآن یا سورۃ یا اللہ کا نام ہے یا الطاہر و الہادی کا ایک ایک لفظ لے کر طٰہٰ کہا گیا ہے۔

(۲) بعض نے فرمایا کہ یہ احمد کی طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی ہے جیسا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا :

انا محمد وانا احمد وانا فاتم ...الخ

میں محمد و احمد و فاتح و قاسم و حاشر و عاقب و ماحیٰ و طٰہٰ و یٰسین ہوں (صلے اللہ علیہ وسلم)

اس کی تائید علیک کے خطاب سے ہوتی ہے۔ اس معنے پر یہاں پر حرف ندار محذوف ہے دراصل۔

(۳) یا طٰہٰ ۔ طاء میں اشارہ ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم طالب الشفاعة للناس ہیں یعنے لوگوں کی شفاعت کے طالب ہیں اور ہادی البشر ہیں۔ یا یہ معنے ہے کہ آپ طاهر عن الذنوب اور علام الغیوب کی معرفت کے ہادی ہیں۔

کاشفی نے فرمایا ہے کہ اس کا معنےٰ یہ ہے۔ یا طاء یعنے آپ کا دل غیر حق تعالےٰ سے پاک ہے اور آپ کو قرب حق تعالےٰ کی ہدایت حاصل ہے۔

(۴) **اہل بیت کی فضیلت** : سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

طٰہٰ میں طاء سے اہل بیت کی طہارت کی قسم ہے اور ھا میں ہدایت کی۔ کما قال تعالےٰ :

ویطھرکم اللہ تطھیرا (اور وہ تمہیں مکمل طور پر پاک کرے گا)

(۵) طٰہٰ کی طاء میں طوبیٰ اور ھاء میں ھاویة یعنے جنت و نار کی طرف اشارہ ہے۔

(۶) **مکہ و مدینہ کی فضیلت** : زاد المسیر میں ہے کہ طاء سے طیبہ اور ھا سے مکہ مراد ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اس میں ان دونوں شہروں کی قسم یاد فرمائی ہے۔

(۷) طاء سے نمازیوں کی طلب اور ھا سے کفار کا ہرب یعنے بھاگنا ہے۔

(۸) طاء سے اہل جنان کی طلب اور ھاء سے ارباب میزان کی ہوان یعنے ذلت مراد ہے۔

(۹) تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے :

یا من طوی به بساط النبوة۔ اسے وہ ذات جس نے نبوت کی بساط لپیٹی۔

یا من طوی به المکونات الی هوتینا۔ اے وہ ذات جس کے سبب سے مکونات کو لپیٹا ہے۔

(۱۰) یہ حروف مقطعات سے نہیں بلکہ یہ یا رجل کے لیے موضوع ہے یہ لغت عک ہے یا حبشہ یا فیطیہ یا سریانیہ ہے۔ اس سے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔

(۱۱) بعض تفاسیر میں ہے کہ بحساب ابجد طٰہٰ میں طاء کے نو اور ھاء کے پانچ عدد مراد ہیں کل چودہ ہوئے اور عموماً چاند کی تکمیل چودہ تاریخ کو ہوتی ہے، اس معنے پر خطاب میں کہا گیا ہے کہ اسے چودھویں کے چاند یعنے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم)

اور آپ بدر بایں معنے ہے کہ آپ کے مراتب میں جامع ہے جیسا کہ عارفین سے مخفی نہیں۔

ہ

ماہ چون کامل شود انور بود
وانکہ او مرأت نور خور بود
گاہ ماہ بدری وگہ شاہ بدر
صدر تو مشروح و کارت شرح صدر
در شب تاریکی و کفر و ضلال
از مہت روشن شود نور جلال

ترجمہ: مہینہ جب کامل ہوتا ہے تو بہت زیادہ نورانی ہے اس لیے کہ وہ سورج کے نور کا آئینہ ہے۔
کبھی ماہ بدر ہوتا ہے کبھی شاہِ بدر ہے تیرا صدر مشروح اور تیرا کام شرح صدر۔
تاریکی و کفر و ضلال کی شب۔ تیرے چاند سے نور جلال روشن ہوتا ہے۔

ف: حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ طٰہٰ بروزن ھب ہے۔ اس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے کہ آپ زمین کو اپنے دونوں قدموں سے مشرف فرمائیں اس لیے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی تو آپ عبادت میں جد و جہد کرتے اور ساری رات عبادت میں ایک قدم مبارک پر کھڑے کھڑے گذار دیتے ہیں۔ صرف ایک قدم پر اس لیے گذارتے تاکہ دوسرے قدم کو آرام و تخفیف ہو۔ اس طرح سے آپ کو خوب تھکان ہوتی۔ اس معنے پر طٰہٰ دراصل طأ تھا وطئ سے مشتق ہے۔ ہمزہ کو ھاء سے تبدیل کیا گیا ہے۔

حدیث شریف (۱) بے شک اللہ تعالےٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے طٰہٰ و یٰسٓ پڑھا جب ملائکہ نے قرآن سنا تو ملائکہ نے کہا کہ ان بیٹوں کو مبارک ہو جو انھیں اٹھائیں گے اور امت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو مبارک ہو کہ جس پر یہ نازل ہوگا اور ان زبانوں کو مبارک ہو جو اسے تلاوت کریں گی۔ (راوہ الطبرانی وصاحب الفردوس)۔

حدیث شریف (۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے وہ سورت عطا ہوئی ہے جس میں البقرۃ کا ذکر ہے اور وہ الاوّل الذکر ہے اور مجھے یٰسٓ و طواسین الواح موسےٰ علیہ السلام سے عطا ہوئی ہیں اور مجھے فواتح القرآن اور وہ خواتیم السورۃ عطا ہوئے ہیں جن میں بقرۃ کا ذکر ہے اور یہ عرش کے نیچے کے خزانے ہیں۔ اور مجھے مفصل انعام کے طور پر ملی ہیں۔ (کذا فی بحر العلوم)

مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ○ یہ شقاء سے مشتق ہے۔ لغب (تھکان) کے معنیٰ

یں مشہور ہے اور اشقی من رائض اطھر اسی سے ہے یعنے اسے مہر میں دینے والی چیزوں نے تھکا دیا۔ اس سے فرس کا وہ بچہ مراد ہے جو سواری کے قابل ہو۔ اس وقت سے صعوبت زائل ہو جاتی ہے اور وہ سواری کے آگے سرکشی نہیں کرتا بلکہ سر تسلیم خم کر دیتا ہے چونکہ اس وقت اسے مشقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور ولد الفرس تعب (تھکان) میں پڑتا ہے۔ بنابریں اسے ایسے وقت میں مثل کے طور پر بھی استعمال کرتے ہیں۔

اب معنے یہ ہوگا کہ آپ قریش کے کفر سے بہت زیادہ افسوس سے مشقت نہ اٹھائیں کیونکہ آپ کے ذمہ تو صرف پیغام پہنچانا ہے اور آپ نے وہ کر لیا۔ اب آپ کو افسوس کیوں؟ وہ ایمان لائیں یا نہ لائیں، یا کثرت ریاضت اور کثرت تہجد کی ادئیگی سے یا عبادت کے لیے ایک قدم پر کھڑا ہونا آپ کو شاق ہو اس لیے کہ آپ خالص حنفیت کے ساتھ مبعوث ہوئے۔

اب آیت کا معنے یہ ہوا کہ اے حبیب! (صلے اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ کی طرف قرآن مجید اس لیے نہیں اتارا کہ آپ رنج اٹھائیں اور تمام رات آرام نہ فرمائیں کہ نماز کے قیام سے پاؤں مبارک سوج جائیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ "ما انزلنا علیک القرآن لتشقی" ہم نے آپ پر قرآن اس لیے نہیں اتارا کہ آپ دنیا یا عقبیٰ میں مشقت اٹھائیں بلکہ آپ کے قلب اطہر پر نازل کیا ہے تاکہ آپ خلق الٰہی سے آپ متخلق ہو کر خلق عظیم سے موصوف ہوں تاکہ آپ (کے فیوض و برکات) سے جملہ اہل السمٰوات والارضین سعادت حاصل کریں۔ اس معنے پر شقاوت سعادت کی نقیض ہوگی۔

شان نزول نیز ممکن ہے کہ یہ مشرکین کے لیے رد ہو کیونکہ مروی ہے کہ ابوجہل و نضر بن حارث نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہا کہ تم شقی ہو (معاذ اللہ) کیونکہ تم نے اپنے آباء کا دین چھوڑ دیا اور تم پر قرآن اس لیے اترا کہ تم شقی ہو جاؤ۔ ان کے رد میں یہ آیت اتری کہ اے محبوب! صلے اللہ علیہ وسلم یہ دین اسلام اور قرآن، ہر دونوں ہر کامیابی کی سیڑھی اور ہر سعادت کے حصول کا سبب ہیں اور جس دین پر کافر ہیں درحقیقت وہی شقاوت ہے۔

تفسیر عالمانہ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝ منصوب ہے اس لیے کہ انزلنہ کا مفعول لہ ہے اور معنوی لحاظ سے اس کا عطف علت تشقیٰ پر ہے پہلے شقاوت کی نفی کی گئی ہے اب اس کا استدراک کرکے اس کی نقیض یعنے سعادت کا اثبات کیا جارہا ہے جیسا کہ استثناء منقطع سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ ایک فعل دو علتوں کی طرف متعدی علی السبیل البدلیۃ یا علی سبیل العطف ہی ہو سکتا ہے کیونکہ یوں کہا گیا ہے کہ ہم نے آپ پر قرآن مجید اس لیے نہیں اتارا کہ اس کے پیغامات پہنچانے میں مشقت اٹھائیں لیکن یہ اس کے لیے تذکیر و وعظ ہے جس کے لیے اللہ تعالےٰ جانتا ہے کہ وہ تذکرہ و تخویف سے خائف ہوگا۔ تذکرۃً سے لام محذوف کر دی گئی ہے اس لیے کہ اس کا اور فعل معلل بہ کا فاعل ایک ہے۔

سوال: یہاں پر صرف لمن یخشی کے لیے نزول قرآن کیوں حالانکہ یہ سلسلہ تبلیغ و تذکرہ عام ہے کما قال تعالےٰ: لیکون

للعالمین نذیرا ۔

جواب: چونکہ اس سے نفع یاب صرف یہی ہوتے ہیں اسی لیے لمن یخشیٰ کہا گیا ہے ۔

ف: لمن یخشیٰ میں خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہیں کیونکہ خشیت وتذکرہ میں آپ کل کائنات سے زائد ہیں۔

تَنْزِیْلًا یہ نزل القرآن محذوف کا مفعول مطلق ہے ۔ مِمَّنْ اس کا تعلق تنزیلا سے ہے خَلَقَ یعنے اخرج من العدم الی الوجود یعنے قرآن کا نزول اس ذات سے ہے جس نے عدم سے وجود کی طرف نکالا۔ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰی زمینوں اور آسمانوں کو ۔

سوال: زمینوں اور آسمانوں کی تخصیص کیوں حالانکہ وہ تو ہر ایک شے کا خالق ہے ؟

جواب: چونکہ یہی ہر شے کا اصول اور انہی پر جملہ عالم کا قوام ہے ۔

سوال: زمین کی تقدیم کیوں ؟

جواب: چونکہ یہی اقرب الی الحس اور بہ نسبت آسمان کے زیادہ ظاہر ہے ۔

سوال: السمٰوات کی صفت العلی کیوں ؟

جواب: العلیٰ ۔ العلیا کی جمع اور العلیاء الاعلیٰ کی تانیث ہے ۔ اس میں اشارہ ہے کہ وہ اتنا عظیم الشان ہے کہ ایسے بڑے اونچے آسمانوں کا بھی خالق ہے ۔

ف: السمٰوات کا الارض پر عطف عطف الجنس علے الجنس کے قبیل سے ہے عطف الجمع علے المفرد کے قبیل سے نہیں اس سے ترک اولیٰ لازم نہیں آتا اور نہ ہی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ معطوف معطوف علیہ میں توافق و تطابق ضروری ہے لیکن یہاں پر اس کا لحاظ نہیں کیا گیا ۔

اَلرَّحْمٰنُ اس کا مرفوع ہونا علے المدح ہے ۔ دراصل یہ ھوالرحمن تھا یا الرحمن مبتدا اور لام اس میں عہد کی ہے اس کا اشارہ من خلق کی طرف ہے اور اس کا مابعد اس کی خبر ہے ۔ عَلَی الْعَرْشِ رحمٰن اس عرش پر ہے جسے ملائکہ نے اٹھایا ہوا ہے یہ جار مجرور اِسْتَوٰی لہ کے متعلق ہے ۔ اس سے اس کی زندگی میں بڑا شور برپا ہوا یہاں تک کہ ایک

لہ: تحقیق علے العرش استویٰ اس آیت کے مفہوم میں اختلاف ہے متقدمین ومتاخرین اسے متشابہات سے کہتے چلے آئے لیکن ہمارے دور کے معتزلہ میں سے سب پہلے اسماعیل دہلوی نے اپنی کتاب " ایضاح الحق الصریح " میں لکھا کہ اس سے اس کی زندگی میں بڑا شور برپا ہوا یہاں تک کہ ایک عرصہ تک رسالہ بازی ہوتی رہی اس کے مرنے کے بعد اس عقیدہ پر غیر مقلدین وہابیہ ڈٹ

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

علی العرش استویٰ کے متعلق صاحب روح البیان کی تحقیق

تقریر اول : عرش شاہی تخت کا نام ہے اور الاستواء بمعنے استقرار لیکن یہاں پر بمعنے الاستیلاء ہے یعنے اللہ تعالےٰ عرش کا استیلاء ہے اس سے مراد اس کی ملک ہے کیونکہ یہ اس کے توابع سے ہے۔ لازم کا ذکر کرکے ملزوم مراد لیا گیا ہے مثلاً کہا جاتا ہے :

استوی فلان علے سریر الملك ۔

اس سے خبر دینا مطلوب ہے کہ فلاں نے بادشاہ کے تخت پر قبضہ کر لیا ہے۔ اس سے اس کا مطلق قبضہ مراد ہے خواہ وہ اس معہود تخت پر بیٹھا بھی نہ ہو۔ اور یہاں پر اللہ تعالےٰ کا عرش سے تعلق ارادہ مراد ہے کہ ایجاد کائنات اسی کے ارادۂ شریفہ اور جملہ امور اس کی تدبیر سے ہوئے۔ ہم نے یہ معنے اس لیے مراد لیا ہے کہ وہ کریم انتقال وحلول سے پاک ہے اور اس نے عرش اس لیے پیدا فرمایا تاکہ عبادت گذار کو معلوم ہو کہ ان کے قلوب دعاء وعبادت کے وقت آسمان کی طرف متوجہ ہوں یہ ایسے ہے جیسے کعبہ کو بنایا تاکہ عبادت کے وقت زمین پر اپنے ابدان کو کعبہ کی طرف متوجہ کریں ۔

تقریر دوم : حضرت شیخ اکبر قدس سرہٗ نے فتوحات مکیہ میں لکھا ہے : "استوی علے العرش قرآن مجید ہے۔ ہمارا اس پر ایمان ہے لیکن اس کی تاویل ہمارے لیے جائز نہیں بلکہ جو اس کی تاویل کے درپے ہوگا وہ گمراہ ہوگا بظاہر اسے قبول کریں گے لیکن بباطن سر تسلیم خم کریں گے اس کے لیے یوں مانیں گے کہ اسے نہ مکان کی محتاجی ہے اور نہ اسے عرش نے اٹھایا ہوا ہے بلکہ وہی عرش کو برقرار رکھنے والا اور وہی اس کا نگہبان ہے۔

ے

نے مکان رہ یافت سوئش نہ زمان
نے بیان دارد خبر زو نہ عیان
این ہمہ مخلوق حکم داروست
خالق عالم ز عالم برترست

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

گئے اور آج تک اس عقیدہ کا خوب پرچار کر رہے ہیں۔ مولانا عبد الحی لکھنوی نے ان کے رد میں ایک کتاب لکھی اگرچہ غیر مقلدین کی طرف سے اس کا رد لکھا لیکن بے سود۔ اسی عبارت کو لے کر اہلسنت علمائے دیوبند سے فتاویٰ پوچھے تو انھوں نے بھی اس عبارت پر اسماعیل دہلوی کو کافر لکھ مارا۔

انتباہ : اس سے آپ نے خوب سمجھ لیا کہ وہابی نہ صرف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حاضر وناظر کے قائل کو کافر ومشرک کہتے

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

ترجمہ: اس کی طرف نہ مکان کو راہ ہے نہ زمان کو۔ نہ بیان کو اس کی خبر ہے نہ عیاں کو۔

یہ جملہ مخلوق اس داور حقیقی کے حکم کی پابند ہے عالم کا خالق اور تمام عالم سے برتر ہے۔

(۳) بعض نے فرمایا کہ نہ کون پر اثر کا کوئی تعلق ہے نہ اثر پر کون کا۔

(۴) بعض نے فرمایا کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مکان سے منزہ ہے ورنہ مکان کو قدیم ماننا پڑے گا اور دلائل قاطعہ سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی شے قدیم نہیں اور یہاں پر اللہ تعالیٰ کی استقرار و جلوس مراد نہیں بلکہ اس سے کوئی اور معنی مراد ہے اور ہمیں لائق نہیں کہ کوئی ایسی مراد متعین کریں کیونکہ ہماری تعین خطا سے خالی نہیں بلکہ اسے متشابہات کے قبیل سے سمجھیں اور یہی عقیدہ اس کی وہی مراد ہے جو خود اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور بس۔ یہ اس کی رائے ہے جو الا اللہ کے راز سے واقف ہے اور یہی سلف صالحین کا عقیدہ ہے۔

چنانچہ امام مالک اور احمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

الاستواء معلوم والکیفیہ مجھولہ والبحث عنھا بدعۃ۔ استوار کا معنے معلوم اور کیفیت مجہول اور اس سے بحث کرنا بدعت ہے۔

اس سے مقصود یہ ہے کہ بحث و جدال کا دروازہ بالکل مسدود رکھا جائے۔ جمہور کا یہی طریقہ ہے کیونکہ بحث و جدال کا دروازہ کھولنے میں دین کا عظیم نقصان ہے اس سے بے شمار بندگان خدا گمراہی کے پنجے میں پھنس جائیں گے۔

حکایت: مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے دو آیات متشابہات کا مطلب پوچھا تو آپ نے درے لگوائے۔

(۵) **مجسمہ فرقہ کا رد:** اکابر محققین میں سے ایک بزرگ نے فرمایا کہ استواء سے وہ استواء مراد ہے جو اس کی شان کے لائق ہے نہ اس طرح جو ظالم مجسمہ فرقہ نے کہا ان کا غلط خیال و عقیدہ مبنی بر ضلالت ہے۔ اس استوار کو اس کی ذات سے کوئی تعلق نہیں ہے اگر ہے تو صرف باعتبار امر ایجادی و تجلی حسی اور احدی کے ہے کیونکہ عرش محل الاستواء ہے اس لیے کہ تجلیات ذاتیہ عالم کون و فساد تجلیات متعینہ و احکام ظاہرہ و امور بارزہ اور شئون متحققہ آسمانی ہوں یا زمینی یا ان کے مابین جو کچھ ہے امر الٰہی و ایجاد اولیٰ کے شروط میں ہاں ان کی تکمیل ان کے لوازم کے استقرار و جوانب کے استقلال و ارکان اربعہ مستویہ کے استجماع سے ہوتی ہے۔ اور ان تجلیات متعینہ وغیرہا کے ارکان اربعہ ظہور عرش مع الروح والصورۃ و حرکۃ دوریہ میں ہے کیونکہ ان جملہ عوالم میں ان امور اربعہ میں سے تجلی حسی و امر ایجادی کے ساتھ تجلیات حق کا استوار ضروری ہے۔ اور یہ امور اربعہ مذکورہ تجلیات حسیہ و ایجادیہ کے لیے

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے لیے بھی ہر جگہ موجود ہونے اور رشہ رگ کے قریب ماننے والے کو بھی بدعتی کہتے ہیں اور نہ صرف ہمیں بلکہ جو اس عقیدہ کا حامل ہو تو نتیجہ نکلا کہ ان کا فتوےٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر انبیاء، صحابہ کرام و اولیاء کرام سب پر لاگو ہے۔ (اویسی)

بمنزلہ شکل مستوی کے ہیں جو حد اصغر و حد اکبر و حد اوسط پر مشتمل ہے اور حد اوسط وہی ہے جو بار بار آ رہی ہے اور اسی سے ذات ارکان اربعہ بطور نتیجہ حاصل ہوئی اور وہ امور مذکورہ اربعہ یہ ہیں :

(۱) حرکۃ معنویہ اسمائیہ

(۲) حرکۃ نوریہ روحانیہ

(۳) حرکۃ طبعیہ مثالیہ

(۴) حرکۃ صوریہ حسیہ

یہی حرکۃ صوریہ حسیہ عرش کی حرکت ہے یہی بمنزلہ حد اکبر کے ہے۔ اور حصول ارکان اربعہ کے امر تمام مستوی ہوا اور یہی ارکان اربعہ موقوف علیہا ہیں ان پر اللہ تعالےٰ نے تجلیات ایجادیہ امریہ موقوف رکھے ہیں یہ تجلیات سات آسمانوں اور سات زمینوں پر اہل عصر کی استعدادات کے مقتضیات کے موافق اور قابلیات اصحاب زمان کے موجب ہر یوم بلکہ ہر آن نازل ہوتی ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد "یتنزل الامر بینھن" اسی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ایسے ہی باری تعالےٰ کا دوسرا ارشاد گرامی "کل یوم ھو فی شان" یعنے عرش میں ہر آن نئی ہے۔ باعتبار مذکور ثانی عرش حق کا مستوی ہے باعتبار اوّل کے استوا نہیں ہے اور حقیقت بین نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ استوا امر ایجادی ہے نہ یہ کہ اس کی ذات عرش پر مستوی ہے۔ اس تقریر سے کلام کا تمام اضطراب و خلجان ختم ہوگیا۔

ف : استوار امر ارادی ایجادی علے العرش بمنزلہ استواء امر تکلیفی ارشادی علے الشرع کے ہے جیسے ہر ایک ان دونوں امور میں ایک دوسرے کا عکس ہے اور یہ عکس مستوی ہے۔

(۶) **صاحب روح البیان قدس سرہٗ کی تحقیق** فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ زید و عالم میں فرق ہے وہ اس طرح کہ زید ذات پر اور عالم اس کی صفت پر دلالت کرتا ہے۔

استویٰ کی نسبت رحمٰن کی طرف ہے کہ جس سے صفت رحمت عامہ مراد ہے اگرچہ وہ بھی ذات پر مشتمل ہے لیکن اللہ کی طرف استویٰ کا اسناد نہیں ہو کہ اس کا ذاتی اسم ہے اگرچہ یہ اسم جامع الجمیع الصفات ہے لیکن کلام کے اسلوب سے واضح ہو گیا اس کی ذات استوار علی العرش سے منزہ اور پاک ہے، ہاں عرش عظیم جو جمیع اجسام کو محیط ہے پر اگر مستوی ہے تو رحمت عام جو عوالم کو گھیرے ہوئے ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ خطا پر وہ ہے جس نے ذات وصفت کا فرق نہ سمجھتے ہوئے استوار کی نسبت ذات حق کی طرف کر دی حالانکہ معاملہ اس کے خلاف ہے کیونکہ ذات باری تعالےٰ جملہ عالم سے مستغنی ہے ہاں اس کی صفات و اسماء جملہ ارواح و اجسام میں متجلّی ہے لیکن مرائی اکوان میں سوائے صور تجلیات اسمائیہ و صفاتیہ کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ اس سے لازم نہیں کہ اس کی ذات بھی اکوان میں سے کسی کون میں حلول کئے ہوئے ہے (معاذ اللہ) کیونکہ الآن کما کان کا شان والا ہے یعنے جیسے وہ توحد و تجرد و تفرد و تقدس سے پہلے تھا اب بھی ویسے ہی ہے۔ اسی لیے عالم حقیقت مطلقہ کی طرف اعلیٰ مراتب

پر وصول کے لیے اطلاق ذات کا ہوتا ہے مثلاً، لا یمسہ الا المطہرون. اور حدیث شریف میں ہے اللہ تعالیٰ جیسے ابصار سے مخفی ہے ایسے ہی بصائر سے بھی پوشیدہ ہے اور ملأ الاعلیٰ اس کی طلب میں ویسے سرگردان ہیں جیسے تم زمین پر۔ (ذکرہ الروضہ)

اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نہ آسمانوں میں ہے نہ زمین پر ورنہ ہم اس کی طلب سے تھک کر بیٹھ جاتے۔

سوال: حدیث شریف میں ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی یارب! تو آسمان میں ہے اور ہم زمین پر پھر کیسے سمجھیں کہ راضی ہے یا ناراض اپنی رضا و عدم رضا کی علامت بتایئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب میں تم پر اچھے حاکم مقرر کروں سمجھو میں تم پر راضی ہوں اگر تم پر برے حاکم متعین فرماؤں تو سمجھو کہ تم پر ناراض ہوں۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاویہ بن الحکم السلمی کی لونڈی سے فرمایا: این اللہ؟ اللہ کہاں ہے؟ اس نے عرض کی کہ فی السماء آسمان میں ہے اور فرمایا کہ انا من. میں کون ہوں. عرض کی کہ انت رسول اللہ. آپ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) ہیں. آپ نے فرمایا کہ اسے آزاد کر دو، اس لیے یہ مؤمنہ ہے۔ ان احادیث وغیرہ سے اللہ تعالیٰ کی مکانیت ثابت ہوتی ہے۔

جواب: یہ احادیث اپنے اصلی اور ظاہر معانی پر نہیں ہیں بلکہ اس کے آثار صفات کے ظہور کا محل مراد ہے۔ اسی لیے آسمان کا ذکر فرمایا کیونکہ آسمان مہبط انوار اور محل نوازل و احکام ہے۔

مسئلہ: فقہاء کرام نے فرمایا کہ جو کہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں عالم میں اور اس سے اللہ تعالیٰ کی مکانیت مراد ہے تو قائل کافر ہو جائے گا اگر صرف حکایت از اخبار مرویہ مراد ہے تو کافر نہ ہوگا کیونکہ ایسی روایات و احادیث مؤول ہیں۔ اور اذہان سلیمہ اور عقول مستقیمہ ایسے مقامات پر تنزیہ و تقدیس باری تعالیٰ کا دامن نہیں چھوڑتے۔

حکایت: امام الحرمین رحمہ اللہ تعالیٰ کسی کے مکان پر مہمان ہوئے آپ کے ہاں بہت سے علماء کرام جمع ہو گئے تو ان میں سے کسی نے "الرحمن علی العرش استوی" کا مطلب پوچھا اور ساتھ یہ بھی کہا کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی مکانیت ثابت ہوتی ہے حالانکہ ہم تنزیہ از مکانیت کے قائل ہیں لیکن تنزیہ از مکانیت کی کوئی معقول دلیل نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی تنزہ از مکانیت کی دلیل، آیت "لا الہ الا انت سبحٰنک انی کنت من الظالمین" ہے جب کہ یہ دعا حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں مانگی۔ اس پر حاضرین متعجب ہوئے۔ صاحب ضیافت نے کہا کہ حضرت آپ اسے واضح فرمایئے۔ آپ نے فرمایا کہ یہاں پر ایک فقیر محتاج مقروض مجلس میں موجود ہے اس کا ایک ہزار درم قرض تم ادا کرو تفصیل میں عرض کرتا ہوں۔ چنانچہ مہمان نواز نے ایک ہزار درم فوراً دے دیا۔ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب معراج پر تشریف لے گئے یہاں تک تشریف لے گئے وہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ وہاں آپ نے کہا:

لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک۔ میں تیری ثنا نہیں کر سکتا تیرے لیے ثنا وہی لائق ہے جس طرح تو نے خود اپنے لیے آپ کی ہے۔

اور ادھر حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں دریا کی تہ میں کہا :

لا الٰہ الا انت سبحٰنک انی کنت من الظالمین ۔ (تیرے سوا اور کوئی معبود نہیں تو پاک ہے بے شک میں ظالم ہوں) ۔

ان دونوں حضرات نے اللہ تعالیٰ کو انت سے خطاب کیا اور خطاب حضور کے لیے ہوتا ہے اگر وہ اللہ تعالیٰ مکان میں ہوتا تو ایسا خطاب نہ ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کسی مکان میں نہیں ہے ۔

سوال : تو چاہیئے کہ پھر وہ ہر مکان میں ہو حالانکہ یہ بھی غلط ہے ؟

جواب : ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ اس کی صفات آثار اور اس کی ذات کے انوار ہر مکان میں ہیں۔ (یہی تقریر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کے لیے کی جاتی ہے[1] نہ کہ اس کی ذات ہر جگہ ہے، (جیسے وہابیہ نے ہم اہلِ سنت پر بہتان تراشا ہے کہ یہ اہلسنت حضور علیہ السلام کی ذات کو ہر جگہ حاضر و ناظر مانتے ہیں[2] آثار صفات و انوار ذات کا ہر جگہ ہونے کی مثال سورج کی ہے کہ سورج تو اپنے مقام پر ہے لیکن اس کے انوار اور اس کا ظہور جگہ جگہ ہے یہ کوئی نہیں کہتا کہ سورج کی عین ذات ہر جگہ ہے ۔

جہال صوفیاء کا ردّ اگر اس طرح مانا جائے جیسے جاہل صوفیوں نے کہا ہے کہ اس کی ذات ہر جگہ ہے، تو ان سے پوچھا جائے کہ وہ ان عالم کے وجود سے پہلے کہاں تھا۔ حالانکہ ان کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ وہ ان عوالم سے پہلے موجود متحقق تھا اگر وہ اس کا انکار کریں تو کافر ہو جائیں گے۔ اگر وہ حلول و انتقال کا قول کریں تو بھی کافر ہو جائیں گے کیونکہ واجب الوجود حادث کے ساتھ بالکل مقارن نہیں اگر مقارن ہے تو تاثیر و فیض اور اپنے ظہور کمالات سے اس حیثیت سے نہیں کہ وہ حادث مطلق ہے بلکہ اس حیثیت سے کہ وہ حادث مطلق اس سے استفاضہ کرتا ہے ۔

سوال : اگر وہ کسی مکان میں نہیں تو پھر دعا کے وقت آسمان کی طرف ہاتھ اٹھانے کا کیا معنیٰ ؟

جواب : ہمارا آسمان کی طرف ہاتھ اٹھانا طلب عطا کے لیے ہے کیونکہ اس کی رحمت کے خزانے آسمان میں ہیں جیسا کہ فرمایا:

وفی السماء رزقکم وما توعدون ۔

اور فرمایا :

وان من شیٔ الا عندنا خزائنہ وما ننزلہ الا بقدر معلوم ۔

خلاصہ : خلاصہ یہ کہ اس سے واضح ہوا کہ اس کی صفت رحمانیہ کے استواء کا عرش مظہر ہے اور جو بھی اس کی ذات کے لیے مکانیت ثابت کرتا ہے وہ یا تو فرقہ مجسمہ سے تعلق رکھتا ہے یا وہ جہلاء صوفیاء سے ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر مکان میں ہے۔ اسی طرح وہ علماء جو حق سے دور اور طریق عقل و نقل وکشف سے محروم ہیں[3] وہ بھی ان کے ساتھی ہیں ان کی گندگی ان کے مذہب کی طرح ہے ۔

---

[1]، [2] : اضافہ از اویسی

[3] : جیسے اسماعیل دہلوی اور اس کے پیروکار، غیر مقلدین ۔ ۱۲ (اویسی)

ہم اللہ تعالیٰ سے جہل کے تلوث اور زیغ وضلال سے پناہ مانگتے ہیں اور ہم اس کا دامن تھامتے ہیں جو ہمیں وہم وخیال سے بچائے اور حق حق ہے اور اشیاء، اشیاء ہیں اور اللہ تعالیٰ کو عین اشیاء سے وہی دیکھتا ہے جس کی آنکھ میں حیا نہیں۔

تفسیر عالمانہ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے خواہ ان کے اجزاء ہیں یا جو چیزیں ان میں حلول کئے ہوئے ہیں۔ وَمَا بَیْنَهُمَا اور جو آسمانوں کے درمیان یعنے خلا میں ہے یا ہمیشہ کے لیے ہے جیسے ہوا اور بادل یا اکثر ہوا میں ہوتی ہے جیسے پرندے یعنے صرف اسی اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اس کے غیر کے لیے نہیں نہ شرکۃً اور نہ استقلالاً۔ اور یہ جو کچھ مذکور ہوا ہے اُس کے ملک اور تصرف میں ہے پیدا بھی وہی کرتا ہے اور مارتا بھی وہی ہے، موجد بھی وہی ہے اور معدوم بھی وہی کرتا ہے۔ وَمَا تَحْتَ الثَّرٰی

حل لغات: الثریٰ بمعنے گیلی مٹی۔ (کذافی القاموس)

یہاں پر صرف مٹی اور گیلی مٹی ہر دونوں مراد ہو سکتے ہیں کیونکہ ارض خشک مٹی سے لے کر اس کے نیچے گیلی مٹی تک مراد ہوتی ہے۔

سوال: اگر الثریٰ سے زمین کا آخری حصہ مراد ہو تو پھر اس کے کونسی شے باقی رہی جس کا وہ مالک ہے۔

جواب: الثریٰ کے نیچے یا بیل ہے یا مچھلی یا پتھر یا دریا یا ہوا ہے۔ (علی اختلاف الروایات)

ف: بعض علماء نے فرمایا کہ ثریٰ سے وہ گیلی مٹی مراد ہے جو صخرہ (پتھر) کے نیچے ہے جس پر وہ بیل کھڑا ہے جو زمین کے نیچے ہے اور تحت الثریٰ کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا جیسے سدرہ کے اوپر کا علم صرف اللہ کو ہے۔ [نبی علیہ السلام کو بھی باعطائے الٰہی ماتحت الثریٰ اور مافوق السدرہ کا علم حاصل ہے جیسے شب معراج اور دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے]۔[1]

ف: وہ گیلی مٹی جو زمین کے نیچے ہے اس کی زمین سے وہاں تک پانچ سو سال کی مسافت ہے اگر وہ گیلی مٹی نہ ہوتی تو جہنم کی آگ کی گرمی دنیا ومافیہا کو جلا کر راکھ بنا دیتی۔ (کذافی انسان العیون)

زمین کے نیچے کی سیر حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا کہ زمین ایک فرشتے کے کاندھے پر ہے اور فرشتے کے دونوں کاندھے پتھر پر ہیں اور پتھر بیل کے سینگ پر اور بیل کے پاؤں حوض کوثر کی ایک مچھلی پر اور مچھلی دریا پر اور دریا جہنم پر اور جہنم ہوا پر اور ہوا ظلمات کے حجاب پر اور حجاب گیلی مٹی پر اور آسمان کے اوپر سے لے کر زمین کے نچلے حصے زمین کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ساتوں زمینیں مچھلی کی پیٹھ پر اور مچھلی دریا پر ہے اور اس کا سر اور پیٹ عرش کے نچلے حصے کو چھو رہے ہیں اور دریا سبز پتھر پر ہے آسمان کی سبزی اسی پتھر کی رنگت کی ہے اور یہ پتھر وہی ہے جس کا ذکر سورۂ لقمان میں ہے کہ "فتکن فی صخرۃ" اور یہ الصخرہ (پتھر) بیل کے سینگ پر بیل گیلی مٹی پر ہے اور ماتحت الثریٰ کا علم صرف اللہ

---

[1] اضافہ از اویسی

ہی کو ہے اور وہ بیل منہ کھولے ہوئے ہے جب اللہ تعالیٰ تمام دریاؤں کو ایک بنائے گا تو وہ بہہ کر اسی بیل کے پیٹ کے اندر چلے جائیں گے جب اس کے پیٹ میں جائیں گے تو جاتے ہی خشک ہو جائیں گے ۔ (ذکرہ البغوی)

وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ اور اگر تم اللہ تعالیٰ کا ذکر اعلانیہ یا دعا کرو اللہ تعالیٰ تمہارے جہر و اعلان سے بے پرواہ ہے۔ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ○ تو وہ پوشیدہ بلکہ پوشیدہ تر شئے کو جانتا ہے جیسے کہا جاتا ہے :

فلان یحسن الی الفقراء (فلاں فقراء کا محسن ہے)۔ اس کے لیے اس مقولہ میں نہ زمانۂ حال مراد ہوتا ہے نہ استقبال بلکہ یہ مراد ہوتی ہے کہ ہر گھڑی اس کے جود و سخا کے فوارے جاری ہیں۔ اسی طرح بعلم السر و اخفٰی کو سمجھئے کہ اسے ان امور کا علم ہر وقت اور ہمیشہ ہے کیونکہ جیسے وہ مکان سے منزہ ہے ایسے ہی اس کا علم زمان سے پاک ہے۔ ہمارے نزدیک یہ تغیرات معلوم میں ہیں اس کے علم میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔

سرّ و اخفٰی میں تحقیق سرّ۔ اسرار کی جمع ہے بمعنے ما یکتم وہ شئے جو چھپائی جاتے اسی سے ہے اسر الحدیث یعنے فلاں نے بات چھپا دی۔ اور اخفٰی کی تنکیر مبالغہ کی ہے یعنے اللہ تعالیٰ ان باتوں کو جانتا ہے جو تم اپنے غیر سے چھپاتے ہو اور اسے بھی جو اس سے پوشیدہ تر ہے یعنے وہ شئے جو دل میں کھٹکے جسے زبان پہ ہرگز نہ لایا جائے اور وہ اسے جانتا ہے جو اب تمہارے وہم و خیال میں ہے اور وہ جو آئندہ تمہارے وہم و گمان میں آئے گا یعنے وہ باتیں جو آئندہ اللہ تعالیٰ تمہارے دل میں القاء فرمائے گا جو تمھیں تا حال معلوم نہیں کہ وہ کیا ہے ۔

ذکر بالجہر کے اعتراضات کے جوابات آیت میں بظاہر ذکر بالجہر کی نفی کی دلیل تو ہے لیکن اس کے جوابات وہی ہیں جو آیت "واذکر ربك فی نفسك تضرعاً وخیفة ودون الجهر من القول" کے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں :

۱۔ بندوں کو تعلیم دیتی ہے کہ جہر سے یہ نیت نہ ہو کہ ہم اپنا ذکر یا دعا اللہ تعالیٰ کو سنا رہے ہیں وہ تو ہماری ہر بات سنتا ہے وہ تو ہماری ہر بات سنتا ہے خواہ کتنا ہی وہ پوشیدہ ہو ہاں جہر کے وقت میں یہ ارادہ ہو کہ

(۱) میں اپنے نفس کو ذکر کا تصور دلا رہا ہوں اور یہ ذکر اس میں راسخ کر رہا ہوں ۔
(۲) غیر کے شغل سے اسے باز رکھ رہا ہوں ۔
(۳) اس سے وسوسہ دور ہوگا ۔
(۴) اس سے عجز و زاری نصیب ہوگی ۔
(۵) غیروں کو ذکر الٰہی کی طرف توجہ ہوگی ۔
(۶) جب تک آواز پہنچے گی برکات پھیلیں گے ۔
(۷) میرے ذکر کے گواہ بہت زیادہ ہوں گے ۔

حدیث شریف حدیث شریف میں ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم وادی خیبر کی طرف چلے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وادی میں داخل ہوتے ہی (تکبیر) اللہ اکبر لا الہ الا اللہ کی آوازیں بلند کیں تو حضور علیہ السلام نے فرمایا: اربعوا علے انفسکم، اپنے نفسوں کو نرمی دلاؤ یعنے اتنی بلند آواز سے تکبیر نہ کہو کیونکہ تم بہرے یا غائب کو نہیں بلکہ سمیع و قریب کو پکار رہے ہو، وہ تو تمھارے ساتھ ہے۔

ازالۂ وہم اس حدیث شریف میں تکبیر سے بھی رفع الصوت کی ممانعت ہے حالانکہ تلبیہ میں تکبیر بلند آواز سے پڑھی جاتی ہے تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ اس حدیث شریف سے مطلق رفع الصوت سے منع نہیں کیا گیا بلکہ ایسی آواز سے، جس میں زور لگانا پڑے جو بسا اوقات خود اپنے لیے ایذا کا موجب بنتا ہے۔ چنانچہ خود اسی حدیث شریف میں "اربعوا علے انفسکم یعنے ارفعوا بہا نرم آواز سے تکبیر کہو، کے الفاظ دلالت کرتے ہیں۔ (کذا فی انسان العیون)

صاحبِ روح البیان کی تحقیق فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ یہاں پر رفع الصوت کا موجب کچھ اور تھا وہ یہ کہ خیبر میں جنگ کے لیے جا رہے تھے اور دشمن آپ کی تاک میں تھے اور ان پر اپنا حال مخفی رکھنا چاہتے تھے۔ اسی لیے اربعوا انفسکم۔ ... الخ فرمایا۔ دوسرا یہ کہ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ارباب احوال تھے اور ان کے لیے اعتدال بلکہ انخفا ضروری تھا جیسا کہ اہل تصوف کا قاعدہ ہے کہ منتہٰی کے لیے ذکر خفی موزوں تر ہوتا ہے۔ اور انخفا اصل ہے جہر بوقت ضرورت ہوتا ہے جیسے دشمن کے مقابلہ میں اور چور کے سامنے زور زور سے بولنا فائدہ ہے اور ظاہر ہے کہ سب سے بڑا چور ابلیس ہے اسی لیے ان پر ہیبت ڈالنے اور شیطان کے وسوسہ کو دور کرنے کے لیے ذکر بالجہر ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ حکماء نے کہا ہے کہ بادشاہ کو زور زور سے بولنا چاہیے تاکہ سامعین پر ہیبت چھا جائے اور ان کے دلوں پر اس کا رعب ہو۔ (کذا فی العقد الفرید)

صوفیانہ تحقیق السّر صوفیاء کی اصطلاح میں ایک لطیفہ کا نام ہے جو قلب و روح کے مابین واقع ہے یہی اسرار ربانیہ کا معدن و مخزن ہے اور خفی وہ لطیفہ ہے جو روح اور حضرت الٰہیہ کے مابین ہے اور یہی اسرار و انوار ربانی کا مہبط ہے اسی لیے یعلم السر واخفٰی کے بعد فرمایا: اللہ لا الٰــہ الا اللہ۔ آیت میں الوہیت کے صفت علیا کے مظہر کی طرف اشارہ ہے کیونکہ وہ ایسا خفی ہے کہ 'سر' سے بھی زیادہ مخفی اور لطیف اور عزیز اشرف ہے اور اقرب الی الحضرت صرف وہی سر ہے جس کا بیان وعلم آدم الانبیا کلہا میں ہے اور یہی ان اللہ خلق آدم فتجلی فیــہ "بے شک آدم علیہ السلام کو پیدا فرما کر انھیں اپنے تجلی سے نوازا" کی یہی حقیقت ہے۔

ف: وہ سِر جو قلب و روح کے مابین واقع ہے وہ ہر انسان میں بوقت پیدائش موجود ہوتا ہے اور خفی انسان میں نشاۃ ثانیہ کے بعد پیدا ہوتا ہے اور ممکن ہے کہ ہر انسان اسرار روحانیہ کا معدن ہو وہ مومن ہو یا کافر اور ان اسرار کا مجموعہ معقولات ہیں لیکن انوار و اسرار ربانیہ کا مجموعہ مشاہدات و مکاشفات و حقائق علوم دینیہ ہیں۔

تفسیر عالمانہ: اَللّٰہُ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ اصل عبارت ذلک المنعوت ... الخ یعنے اوصاف جلیلہ مذکورہ

کامنوت وہی اللہ تعالے ہے۔ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ زمین وآسمان میں صرف وہی معبود ہے۔ یہ هویة اسی معنی پر دلالت کرتا ہے ھو غائب موجود کا معنیٰ دیتا ہے یعنے وہ جو حواس سے غائب ہے جو ازل سے موجود ہے اسی معنےٰ میں حسن ہے یعنے وہ ذات جو حواس کے ادراک سے بلند و بالا ہے اسی لیے غلبت کے بغیر ھو کی ضمیر کا مستحق ہے۔ (کذا فی بحر العلوم)

فائدہ صوفیانہ مذکورہ بالاتقریر کی وجہ سے صوفیا کرام نے ذکر کی بنا اسم ھو پر رکھی ہے، اخفا ہو یا جہرا۔ اجتماعاً ہو یا انفراداً۔ باوجودیکہ ھو کا مرجع اللہ ہے اس معنے پر ھو اسم مظہر کے حکم میں ہے اور اس میں صرف وہی مکابر (سرکش وعنادی) ہی اختلاف کرے گا ورنہ سنجیدہ انسانوں کو انکار کی گنجائش نہیں۔

ایک فرشتہ کی تخلیق حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالے نے آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق سے پہلے ایک فرشتہ پیدا فرمایا جس کا کام ہے کہ وہ جہر کے ساتھ پڑھتا ہے:

اشهد ان لا الٰه الا الله۔

اور اس ورد کو ذرہ بھر بھی نہ چھوڑے اور نہ ہی اس میں سانس لے، یہاں تک کہ جب اسے ختم کرے گا تو اللہ تعالےٰ اسرافیل علیہ السلام کو حکم فرمائے گا کہ صور پھونکیں اور قیامت قائم ہو۔ (کذا فی التفسیر الکبیر)۔

ف: اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ عالم کائنات کا رکن اعظم اور اس کے وجود کا دوام ذکر الٰہی پر مبنی ہے جب ذکر ختم ہوگا تو عالم کائنات مٹ جائے گا۔ اور ہر نقصان ترکِ ذکر سے ہوتا ہے۔

حکایت: منقول ہے کہ ایک شکاری مچھلی کا شکار کرکے گھر لاتا تو اس کی لڑکی اسے پانی میں واپس چھوڑ دیتی اور کہتی کہ یہ جال میں ذکر کی غفلت سے پھنسی ہے۔

حدیث شریف: حدیث شریف میں ہے کہ جب تک اللہ اللہ ہوتا رہے گا قیامت قائم نہ ہوگی۔

ف: الله کا لفظ دوبار دہرایا۔ اس میں شک نہیں کہ اس اسم (اللہ) کا حقیقی ذکر وہی کر سکتا ہے جو اس کی معرفت تامہ رکھتا ہے کیونکہ یہ اسم جمیع اسماء کا جامع ہے اور ہر زمانہ میں کامل معرفت رکھنے والا دنیا میں اللہ تعالےٰ کا خلیفہ ہوتا ہے وہی اس زمانہ کا کامل ہوتا ہے۔ گویا حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ زمین پر جب تک کامل انسان موجود ہوگا قیامت قائم نہ ہوگی۔ اس میں اشارہ ہے کہ دنیا کا معنوی آباد کار ہے کہ اسی کی برکت سے دنیا آباد ہے جب وہ اس دنیا کو چھوڑے گا تو آسمان پھٹ جائے گا، سورج بے نور ہو جائے گا اور ستاروں کا نور گدلا ہو جائے گا بلکہ تمام ستارے جھڑ جائیں گے اور زمین بکھرا جائے گی اور قیامت قائم ہوگی۔ (کذا فی الفلوک لحضرة الشیخ صدر الدین قدس سرہٗ)

تفسیر عالمانہ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى اس میں اس کی خالقیت رحمانیۃ مالکیۃ وعالمیۃ ودیگر اس کے ذاتی اسماء وصفات جو لاتعداد ہیں ان کا بیان ہے۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ جب مشرکین نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے یا اللہ یا الرحمن کہتے سنا تو کہا کہ

ادھر تو ہمیں کہتے ہیں کہ شرک نہ کرو اور خود دو معبودوں کو پکارتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے اچھے نام ہیں۔

ف: الحسنیٰ، احسن کی تانیث ہے اس سے واحدۂ مونث اور جمع مذکر و مونث کو موصوف کیا جاتا ہے ایسے ہی عرب میں مروج ہے جیسے دوسری آیات میں ہے:

مآرب اخریٰ اور آیٰتنا الکبریٰ۔

ف: اللہ تعالیٰ کے اسماء احسن بایں معنے ہے کہ اس کے ہر اسم میں معنیٰ تقدیس و تمجید و تعظیم موجود ہے اور ربوبیت ہو یا اس جیسے اور افعال تمام میں نہایۃ فی الفضل والحسن مراد ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء کی تعداد تفسیر کبیر میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے چار ہزار نام ہیں اور تین ہزار کو صرف اللہ تعالیٰ اور انبیاء علیہم السلام جانتے ہیں باقی ایک ہزار اہل ایمان کو معلوم ہیں۔ ان میں سے تین سو تورات میں اور تین سو انجیل میں اور تین سو زبور میں اور ایک سو قرآن مجید میں ہیں۔ ان میں سے ننانوے ظاہر ہیں اور ایک پوشیدہ ہے۔ جو انہیں یاد رکھتا ہے وہ بہشت میں داخل ہوگا ان اسماء کا ذاتی کوئی حسن نہیں کیونکہ وہ الفاظ و اصوات محض ہیں ہاں ان کا حسن ان کے معانی کی وجہ سے ہے اور مسمّٰی کا حسن ان اسماء کی صورت و خلقت سے نہیں کیونکہ یہ اس ذات کے لیے محال ہے جو جسمانیت سے منزہ ہے بلکہ اس کا حسن اس کے معنے کی وجہ سے ہے مثلاً اسم ستار و غفار و رحیم ان کا حسن اس لیے ہے کہ یہ احسان کے معنے پر دلالت کرتے ہیں۔

حکایت ایک حکیم کے ہاں ایک حسین اور قبیح حاضر ہوئے اور وصیت چاہی حسین سے فرمایا تو حسن ہے تجھے کوئی قبیح فعل عمل میں نہیں لانا چاہیئے اور قبیح سے فرمایا کہ تو قبیح ہے اگر کوئی قبیح عمل کرے گا تو تیرے قبح میں اضافہ ہوگا اور تمہیں معلوم ہے کہ ہمارے معبود کے جملہ اسماء احسن ہیں اور اس کے صفات اجمل ہیں تو ان اسماء حسنہ و صفات جمیلہ کا ظہور ہمارے لیے سوائے احسان کے نہیں ہوتا۔ ہمیں ہمارے قبح افعال و گندگی صفات کی سزا ہی کافی ہے کہ ہم اس قبح اور گندگی سے موصوف ہیں تو پھر ہم اپنے لئے قبیح عقاب و دہشت عذاب کا اضافہ کیوں کریں۔

حدیث شریف: میں ہے:

اطلبوا الحوائج عند حسان الوجوہ۔ اپنی حاجات حسین چہروں سے مانگو۔ (کیونکہ اگر وہ کسی کا کام بنائیں تو خوش ہو کر اور اگر کچھ نہ دے سکیں گے تو بھی ہنس مکھ ہو کر ٹالیں گے۔

گشتہ از لطف حق بعرصۂ خاک
حسن صورت دلیل سیرت پاک

ترجمہ: دنیا میں لطف حق سے سیرت پاک حسن صورت کی دلیل ہے۔
کسی نے کہا ؎

یدل علی معروفہ حسن وجھہ
وما زال حسن الوجہ احدی الشواھد

ترجمہ: اس کی نیکی چہرۂ حسین کی دلیل ہے اور چہرے کا حسن اس کے شواہد میں ایک ہے۔

حدیث شریف: حضور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ میرے ہاں کسی کام کے لیے حسین چہرے والے اور اچھے نام والے کو بھیجو۔

ف: ہمارے معبود کے تمام اچھے لیکن ہمارے چہرے گناہوں کی وجہ سے سیاہ ہیں اسی لیے ہم اس سے ضروریات کی طلب میں حیا کرتے ہیں۔ اسے اللہ تعالےٰ! تیرے تمام اسماء وصفات حسین ہیں فلہٰذا تو ہمیں اپنے احسان وکرم سے خائب و خاسر نہ لوٹا۔

ف: موسےٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ اے خدایا! تیرے نزدیک مکرم ترین کون ہے؟ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ وہ بندہ جس کی زبان ذکر سے تروتازہ ہے پھر عرض کی کہ زیادہ علم والا کون ہے؟ فرمایا، وہ جو جانتا ہے کہ میرا اللہ دوسروں کے علم سے باخبر ہے۔ پھر عرض کی کہ سب سے عادل کون؟ فرمایا، جو دوسروں کا اسی طرح فیصلہ کرتا ہے جیسے اپنا۔ پھر عرض کی کہ سب سے بڑا مجرم کون؟ فرمایا، وہ جو مجھے متہم کرتا ہے۔ پھر مانگتا بھی مجھ سے ہے اور وہ میرے قضاء وقدر پر راضی بھی نہیں۔ اے اللہ ہم تجھے متہم نہیں کرتے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ جو کچھ ہم پر احسان وکرم فرماتا ہے وہ تیرا فضل اور وہ جو تو ہمارے کردار سے ہماری گرفت نہیں کرتا وہ تیرا عدل ہے فلہٰذا تو ہمارے بُرے اعمال پر مواخذہ نہ فرمانا۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

در دائرہ قسمت ما نقطۂ تسلیم
لطف آنچہ تو اندیشی حکم آنچہ تو فرمائی

ترجمہ: دائرۂ قسمت میں ہم نقطۂ تسلیم ہیں۔ ہمارے لیے تیری ہر تدبر لطف اور تیرا ہر فرمان حکم ہے۔

تفسیر عالمانہ وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ○ اس میں احتمال ہے کہ یہ موسےٰ علیہ السلام کے حالات میں سے پہلی خبر ہے کیونکہ موسےٰ علیہ السلام کے حالات بیان کرنے میں یہی پہلی سورت ہے۔ یہ استفہام انکاری ہے

لہ: حدیث شریف سے ہم اولیاء اللہ کی استعانت (وسیلہ) کا استدلال کرتے ہیں۔ اور ان کے حسین چہروں کی شہادتِ قرآنی موجود ہے، کما قال تعالےٰ: سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود ۱۲ - (اویسی)

یعنے کیا تمھیں آج تک موسٰے علیہ السلام کی خبر اور واقعہ نہیں پہنچا ہاں ابھی آپ کے ہاں وحی آ رہی ہے فلہٰذا آپ متنبہ ہو جائیے اور امر توحید وغیرہ میں سے اپنی قوم کو یہ واقعہ سنائیے۔ نیز یہ بھی احتمال ہے کہ آپ کے ہاں پہلے یہ واقعہ آچکا ہے اس معنے پر استفہام تقریری ہے گویا فرمایا: قد اتٰک: بے شک تیرے ہاں آیا ہے۔

اِذْ رَاٰ نَارًا۔ یہ حدیث کا ظرف ہے۔ جب موسٰے علیہ السلام نے آگ دیکھی۔

آگ کا واقعہ مروی ہے کہ موسٰے علیہ السلام نے بی بی صفورا سے نکاح کیا۔ سہیلی نے کہا کہ وہ صفورا بنت شعیب علیہ السلام تھیں۔ نکاح کے چند سال بعد اپنی ماں اور بھائی کی زیارت کے لیے شعیب علیہ السلام سے، مدین سے گھر مصر واپس جانے کی اجازت چاہی شعیب علیہ السلام سے اجازت لے کر اپنے اہل وعیال کو لے کر چل پڑے لیکن شام کے بادشاہوں کے خطرہ سے غیر معروف راستہ اختیار فرمایا جب موسٰے علیہ السلام وادی طوٰی جو کہ طور کے بجانب مغرب تھی، سے گذرے تو آپ کی اہلیہ نے بچہ جنا۔ یہاں پر سردی بلکہ برف باری اور موسم سرما اور رات اندھیری تھی اور یہ واقعہ جمعہ کی رات کو پیش آیا۔ آپ نے دیا سلائی جلائی اس سے آواز تو نکلی لیکن آگ نہ جل سکی۔

بعض کہتے ہیں کہ موسٰے علیہ السلام غیرت مند تھے دن کو اپنی اہلیہ سمیت، دوسرے رفقاء سے علیحدہ ہو کر چلتے رات کو ان کے ساتھ ہو جاتے، ایک دفعہ راستہ بھول کر رفقاء سے بچھڑ گئے۔ اس حالت میں دُور سے آگ دیکھی جو کہ کوہ طور کے بائیں جانب نظر آئی۔ آپ نے سمجھا کہ یہ چرواہوں نے آگ روشن کی ہے۔

فَقَالَ لِاَهْلِهِ تو اپنی اہلیہ اور صاحبزادے اور غلام کو فرمایا۔ اُمْكُثُوْٓا۔ اپنی جگہ پر ٹھہرو میرے پیچھے نہ آؤ۔ اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا۔ الایناس۔ معنے ایسا واضح دیکھنا جس میں شک وشبہ کی گنجائش نہ ہو اسی سے انسان العین ہے یعنے انس کہتے ہیں کہ وہ ظاہر ہیں جیسے جنات کو ان کے پوشیدہ ہونے کی وجہ سے جن کہا جاتا ہے۔ یعنے میں نے آگ کو واضح طور پر ایسے دیکھا کہ جس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہے تو اب میں وہاں جاتا ہوں۔ لَّعَلِّیْٓ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا مجھے امید ہے کہ میں وہاں سے لاؤں گا بِقَبَسٍ۔ آگ کی چنگاری یعنے انگارہ، جو بہت بڑے ڈھیر سے ایک تھوڑا سا حصہ ہوتا ہے۔ سورہ قصص میں جذوۃ اور سورہ نمل میں شہاب سے قبس مراد ہے۔ اہل لغت کہتے ہیں:

قبست منہ نارا فی راس عود او فتیلۃ او غیرھما۔ (میں نے لکڑی یا فتیلہ کے سرے میں سے آگ لی ہے)۔

ازالۂ وہم لعلی کا اضافہ اس لیے کہ اس وقت انھیں آگ کے لانے کا یقین نہ تھا اگر صرف اٰتیکم منھا۔۔۔۔ الخ کہہ دیتے تو یقینی بات نہ تھی، موسٰے علیہ السلام پر الزام کذب آتا اور نبوت سے پہلے بھی ہم انبیاء علیہم السلام کے لیے کذب کے قائل نہیں اور آپ اس وقت نبی نہیں تھے۔[۱]

---

[۱] دیوبندیوں کے مشہور چیلے دیوبندیوں وہابیوں کے کہ وہ بعد از نبوت بھی انبیاء علیہم السلام کے لیے عصمت از کذب کے قائل نہیں۔

ف : وہ جو موسٰے علیہ السلام نے دیکھا تھا وہ نار نہیں بلکہ نور تھا۔ اسے نار سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ موسٰے علیہ السلام نے اسے نار تصور فرمایا تھا۔

عجیب توجیہ حضرت امام (فخر الدین رازی) نے فرمایا کہ وہ نار تھی۔ یہ ہم نے اس لیے کہا ہے تاکہ موسٰے علیہ السلام پر کذب کا اتہام نہ آئے کیونکہ اگر وہ نور تھا اور موسٰے علیہ السلام اسے نار کہہ رہے ہیں تو واقعہ کے خلاف ہوگا۔ اس سے موسٰے علیہ السلام پر کذب کا الزام آتا ہے۔

نکتہ : بعض مشائخ نے فرمایا کہ چونکہ موسٰی علیہ السلام کا مقصد آگ تھی، اسی لیے اللہ تعالٰے ان کے مطلوب مجازی کی صورت میں متجلّی ہوا تاکہ اس طرف متوجہ ہوں ورنہ اگر اس صورت کے بغیر کسی اور صورت میں متجلّی ہوتا تو اس سے منہ پھیرتے جب دیکھتے کہ یہ اس کا مطلوب نہیں ہے ۔ سے

کنار موسٰے یراھا عین حاجته

وھوالالہ ولکن لیس یدریه

ترجمہ : جیسے موسٰے علیہ السلام اپنی ضرورت کو دیکھ رہے تھے حالانکہ وہ الٰہ تھے جس کا اس وقت انھیں علم نہ ہوا۔ یعنے یہ نہ سمجھ سکے کہ جس کو وہ دیکھ رہے ہیں اور جس سے ہم کلام ہیں وہ اسی آگ میں جلوہ گر ہے ۔

اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ○ یا میں اس آگ سے کوئی رہبر پاؤں جو مجھے سیدھا راستہ بتائے۔ کیونکہ اکثر آگ کے نزدیک کوئی نہ کوئی آدمی ضرور ہوتا ہے ۔

ف : ھدًی مصدر بمعنے ہادی ہے اس سے مبالغہ مطلوب ہے یا یہاں پر مضاف لفظ ذا محذوف ہے دراصل ذا۔ ھدًی تھا۔ اور لفظ اَوْ منع الخلو کے لیے ہے۔ منع الجمع کے لیے نہیں جیسے سورۂ قصص میں آیت "لعلی آتیکم منھا بخبر او جذوۃ من النار" میں منع الخلو کا ہے۔ لفظ علٰی استعلاء کے لیے ہے اور وہ یہاں پر بایں معنے ہے کہ موسم سرما میں گھیرا ڈال کر لوگ آگ سینکتے ہیں تو بیٹھے ہوں یا کھڑے آگ کو سر اٹھا کر اوپر سے دیکھتے ہیں اسی لیے لفظ علٰی لایا گیا ہے۔

فَلَمَّآ اَتٰهَا جس آگ کو دُور سے دیکھا تھا جب اس کے قریب آئے ۔

سبز درخت سے آگ کا نظارہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰے عنہما نے فرمایا کہ موسٰے علیہ السلام نے سبز درخت دیکھا جسے اوپر نیچے سے ایسی آگ گھیرے ہوئے ہے جس کی روشنی سے آنکھیں چندھیا

جاتی ہیں لیکن وہاں پر کوئی بھی نہیں تو موسےٰ علیہ السلام درخت کی سبزی اور پھر آگ کی سخت روشنی سے متعجب ہو کر کھڑے ہو گئے کہ خدایا یہ کیا راز ہے کہ سبز درخت میں آگ اور عجیب تر یہ کہ نہ آگ درخت کو جلاتی ہے اور نہ درخت کا پانی آگ کو بجھاتا ہے اسی تعجب میں تھے کہ فرشتوں کی تسبیح سنی اور پھر ایک عظیم نور نظر آتا ہے جس سے آنکھیں چندھیا جاتی ہیں۔ اس پر دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ دیئے اور خوفزدہ ہو گئے۔ اللہ تعالٰی نے آپ پر سکون و طمانیت نازل فرمایا اور ساتھ ہی ندا دی۔

درخت کا نام : وہ سبز درخت ببول کا درخت تھا یا عوسجہ علیق عناب تھا۔ یہ وہ درخت ہے جس میں آگ نہیں بخلاف دوسرے اشجار کے کہ ان میں آگ ہوتی ہے۔

آگ کی اقسام : اہل علم نے فرمایا کہ آگ کی چار اقسام ہیں :

(۱) کھاتی ہے لیکن پیتی نہیں، یہ دنیوی آگ ہے۔

(۲) پیتی ہے لیکن کھاتی نہیں۔ یہ اسی سبز درخت مذکور کی آگ ہے۔

(۳) کھاتی بھی ہے پیتی بھی ہے۔ یہ جہنم کی آگ ہے۔

(۴) نہ کھاتی ہے نہ پیتی ہے۔ یہ موسٰی علیہ السلام کی آگ ہے۔

بعض اہل علم نے فرمایا کہ آگ کی چار قسمیں یوں ہیں :

(۱) جلاتی ہے لیکن اس میں روشنی نہیں جیسے نارِ جحیم۔

(۲) جلاتی نہیں اس میں روشنی ہے جیسے نارِ موسٰیؑ۔

(۳) جلاتی ہے اور اس میں روشنی بھی ہے جیسے نارِ دنیا۔

(۴) نہ جلاتی ہے نہ اس میں روشنی ہے جیسے نارِ اشجار۔

ف : فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ نور محبت کے لیے ہے اور نارِ عشق کے لیے جب موسٰیؑ کی محبت کا نور مکمل ہوا تو اس سے عشق کی آگ کے شعلے بھڑکنے لگے تو اس کے باطن سے اللہ تعالٰی اس پر متجلی ہوا اور وہ اس لیے کہ جب قلب نے سردی کی رات میں لیلۃ جلالیہ وہ بجہ بنا ہو اللہ تعالٰی کا زمین میں نائب ہے تو نارِ صفاتیہ کی صورت میں نورِ ذاتی ظاہر ہوا کیونکہ صورت کی صفات کی ہوتی ہے اس نورِ ذاتی کے ظہور سے موسٰی علیہ السلام یعنی انسان کی جمیع انانیت جل کر راکھ ہو گئی اس پر اس کو توحید وحدانی نصیب ہوئی تو اس وقت **نُوْدِیَ** موسٰی علیہ السلام سے کہا گیا : **یٰمُوْسٰیٓ ۝ اِنِّیْٓ اَنَا**۔ یہ انا تو تاکید و تحقیق کے لیے ہے یعنی اے موسٰی ! (علیہ السلام) کسی قسم کا شک و شبہ نہ کیجئے پورے یقین کے ساتھ سمجھئے کہ میں " **رَبُّكَ** " تیرا پروردگار ہوں۔ **فَاخْلَعْ** تو پاؤں سے اتاریئے۔ **نَعْلَيْكَ** اپنے دونوں جوتے اتاریئے یعنی اپنی عورت ہے اور بکریوں کا خیال چھوڑ دیجئے۔

ف : حضرت شیخ الشہیر بافتادہ قدس سرہ نے فرمایا کہ اپنی طبیعت و نفس کے تصور کو مٹا دیجئے۔

شرح : فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ عورت کی صورت طبیعت جیسی ہے اور اولاد کی صورت نفس کی طرح ہے کیونکہ اولاد کی محبت

اکثر خواہش طبیعت سے ہے اور عورت انسان کے نفس کے حکم میں ہے کیونکہ یہ اس کا ایک جزء ہے اور بکریاں وغیرہ اس کے معاش سے ہیں جو وجود کے تابع ہے۔ گویا موسیٰ علیہ السلام سے کہا گیا کہ آپ نفس اور اس کے توابع پھینک کر آئیے۔

ف : بعض مشائخ نے فرمایا کہ نعلین سے دنیا و آخرت ہے گویا اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ معرفت و مشاہدہ میں مستغرق ہو جائیے۔ اور اَلْوَادِ الْمُقَدَّسِ سے قدس، جلال و طہارت اور عزت الٰہی مراد ہے۔

ف : بعض مشائخ نے فرمایا کہ صانع کا اثبات دو مقدموں سے ہوتا ہے انہیں نعلیں سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ انہیں کے ذریعہ نتیجہ تک پہنچنا پڑتا ہے اور معرفت الٰہی ان سے منتقل ہونے کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ اس میں سالک کو حکم ہے کہ ان کی طرف التفات بھی نہ کرے تاکہ قلب نور قدس میں مستغرق ہو۔ گویا یوں کہا گیا کہ دلیل و برہان کے فکر سے فارغ ہو جائیے۔ کیونکہ معائنہ و مشاہدہ کے بعد ان کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ :

ساکنان حرم از قبلہ نما آزادند

(حرم کے ساکن قبلہ نما سے آزاد ہیں)

مثنوی شریف میں ہے ؎

چون شدی بر بامہائے آسمان
سرد باشد جست و جوئے نردبان
آئینہ روشن کہ شد صاف و جلی
جہل باشد بر نہادن صیقلی
پیش سلطان خوش نشستہ در قبول
زشت باشد جستن نامہ رسول

ترجمہ : جب تم آسمان کی چھت پر چڑھ جاؤ تو پھر سیڑھی کی ضرورت نہیں۔
جو آئینہ صاف و شفاف ہو۔ اسے صیقل کرنا جہالت ہے۔
جو بادشاہ کے آگے مقبول ہو کر بیٹھا ہے اسے قاصد کے خط جستجو عبث ہے۔

ف : یہی وجہ ہے کہ جب شبلی قدس سرہٗ کو وصول الی اللہ کا مرتبہ نصیب ہوا تو آپ نے اپنی جملہ کتابیں دھو ڈالیں۔

اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ بے شک مقدس وادی میں ہو۔ طُوًى ○ جس کا نام طویٰ ہے یہ الوادی المقدس کا عطف بیان ہے۔

حل لغات : القاموس میں ہے کہ وادی پہاڑوں یا ٹیلوں یا بہت بڑے مٹی کے ڈھیروں کے درمیانی خلا کو کہتے ہیں اور طویٰ، ملک شام میں ایک وادی ہے اور یہ منصرف اور تنوین کے ساتھ پڑھنا چاہئے کہ مکان کے معنی میں مؤول ہے اور غیر منصرف بھی

پڑھنا جائز ہے کہ ایک مشہور وادی کا علم ہے۔

ف: مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جوتے اتار کر اپنے پیچھے پھینک دیئے۔

وَاَنَا اخْتَرْتُكَ اور میں نے تجھے نبوت و رسالت کے لیے منتخب کیا ہے۔

ف: ہمزہ کی قرأت میں وانا اخترنٰک بصیغہ جمع ہے۔

فَاسْتَمِعْ تو سنئے۔ لِمَا يُوْحٰى ○ وہ جو میری جانب تمہیں وحی کی جاتی ہے از قسم امر و نہی لام فاستمع کے متعلق اور زائدہ اور اس کا مدخول مفعول ہے جیسے ردف لکم میں لام زائدہ ہے۔

اِنَّنِیْۤ اَنَا اللّٰهُ بے شک میں اللہ تعالیٰ ہوں۔ یہ ما یوحیٰ کا بدل ہے اس میں اشارہ ہے کہ اصول فروع پر مقدم ہوتے ہیں کیونکہ توحید مسائل اصول سے ہے اور عبادت کا ذکر آتا ہے فروع سے ہے۔ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ جب بات یقینی ہے کہ صرف میں ہی عبادت کے لائق ہوں۔ فَاعْبُدْنِیْ تو میری ہی عبادت کرو، فلہٰذا میری عبادت کے لیے مجھے خاص کرو اور میری توحید کا اقرار کرو اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ یہ عطف الخاص علی العام کے قبیل سے ہے اس کی فضیلت کے پیش نظر اس کی تصریح کی گئی ہے۔ لِذِكْرِیْ ○ مصدر مفعول کی طرف مضاف ہے یعنی مجھے ذکر اور صرف میرے ذکر ہی میں مشغول رہو کیونکہ ذکر الٰہی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان زبان و جنان و ارکان کے ساتھ عبادت میں مشغول رہے اور نماز ان تمام کا مجموعہ ہے یا مصدر فاعل کی طرف مضاف ہے یعنی میرا تمہیں ثواب دینے کا ذکر کرنا۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ تمہیں اگر خواہش ہے کہ میں تمہارے وجود حادث کو فنا کرنے کے لیے تمہیں اپنی دائمی تجلیات سے ذکر کروں تو تم میری مناجات اور میرے حضور میں اپنے وجود کو خرچ کرو۔

اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ یہ وجوب عبادت و اقامۃ الصلوٰۃ کی علت ہے۔ الساعۃ اس وقت کا نام ہے جس میں قیامت قائم ہوگی اور اسے ساعۃ سے موسوم کرنے میں اشارہ ہے حقیقی ساعۃ یہی ہے کہ اس میں ایک ہولناک امر ہوگا یعنی قیامت آنے والی ہے یعنی اس کا وقوع یقیناً ہے اور اسے ایتان (آنا) سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ وہ ایک ایسا امر متحقق ہے کہ جس کے وقوع کی توجہ مخاطبین کی طرف ہے۔ اَكَادُ اُخْفِيْهَا۔ جلالین میں ہے کہ اسے تہویل و تعظیم کی وجہ سے چھپاتا ہوں اور اکاد صلہ ہے اور بعض علماء نے فرمایا کہ کاد دراصل مقاربتہ کے لیے وضع کیا گیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہو تو تحقق و وجوب کا فائدہ ہوتا ہے۔ اب معنے یہ ہوا کہ میں اس کے وقت کو مخلوق سے چھپاتا ہوں[1] تاکہ وہ اس سے ہر وقت خطرہ میں رہیں۔ قل عسیٰ ان یکون قریبا،

---

[1] : یہ آیت منکرین علم غیب النبی صلے اللہ علیہ وسلم باعطاء ربہ القوی پیش کرتے ہیں حالانکہ ظاہر ہے کہ اس کا اخفا عوام کے لیے ہے ورنہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے علماء محققین لکھ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم کو علم ساعۃ کا علم عطا فرمایا، چنانچہ صاوی شرح جلالین، روح البیان وغیرہ میں تصریح موجود ہے۔

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

میں عسیٰ قرب کے یقینی معنی میں ہے یعنے یقیناً وہ قریب ہے۔

ف : الارشاد میں ہے کہ میں اسے ظاہر نہیں کرتا ہاں یہ ضرور کہتا ہوں کہ وہ آئے گی ضرور۔ اگر خبر دینے میں میرا لطف وکرم نہ ہوتا اور پھر تمہارے عذر کا قطع مطلوب نہ ہوتا تو میں اسے کبھی بیان نہ کرتا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ میں قیامت اور اس کی آمد کو اس لیے چھپاتا ہوں ایسے ہی جنت اور اس کی نعمتیں اور دوزخ کے ہولناک واقعات اور اس کے عذاب کو مخفی رکھتا ہوں تاکہ میری عبادت کے ساتھ جنت کے طمع اور نار کے خوف کی ملاوٹ نہ ہو جائے بلکہ عبادت خالص میری ذات کے لیے ہونی چاہیئے۔ کما قال تعالےٰ :

وما امروا الا لیعبدوا الله مخلصین لہ الدین۔

اس میں بندوں کو تہدید عظیم اور ذات حق کی عزت وعظمت کا اظہار ہے لیکن چونکہ اس کی رحمت غضب پر سبقت کر گئی ہے اسی لیے

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

تفسیر صاوی میں ہے :

انما وقت السوال والا فلم یخرج نبینا علیہ السلام حتی اطلعہ الله علیٰ جمیع المغیبات ومن جملتہا الساعۃ۔	اس قیامت پر کوئی مطلع نہیں اور یہ سوال کے وقت تھا ورنہ نبی علیہ السلام تشریف نہ لے گئے۔ یہاں تک کہ آپ کو اللہ نے تمام غیبوں پر مطلع فرما دیا جن میں سے قیامت بھی ہے۔
ولیس من شرط النبی ان لعلم الغیب بغیر تعلیم من الله تعالےٰ۔	اور نبی کی شرائط میں سے یہ نہیں ہے کہ اللہ کے بغیر بتائے، غیب جانے۔

اس آیت میں کسی کو علم قیامت دینے کی نفی نہیں لہٰذا اس سے حضور علیہ السلام کے نہ جاننے پر دلیل پکڑنا غلط ہے۔

تفسیر صاوی میں ہے :

المعنی لا یضید علمہ غیرہ تعالیٰ فلا ینافی ان رسول الله علیہ السلام لم یخرج من الدنیا حتی اطلع ماکان ومایکون وماھوکاین ومن جملتہ علم الساعۃ	(معنے یہ ہیں کہ) قیامت کا علم خدا کے سوا کوئی نہیں دے سکتا پس یہ آیت اس کے خلاف نہیں کہ نبی علیہ السلام دنیا سے تشریف نہ لے گئے یہاں تک کہ رب تعالےٰ نے ان کو سارے اگلے پچھلے واقعات پر مطلع فرما دیا۔ ان میں سے قیامت کا علم بھی ہے۔

علم الساعۃ اور آیت کی مزید تفصیل فقیر کی تفسیر اویسی میں دیکھئے۔

(از مترجم، اویسی)

میرا ساعۃ اور اس کے آنے کو مخفی رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰى ○ یہ اٰتیۃ کے متعلق اور ان کے درمیان جملہ معترضہ اور ما مصدریہ ہے یعنے قیامت کے قیام کو مخفی رکھنے کا سبب یہ ہے "تاکہ اس کے لیے سعی و عمل پر جزا دی جائے نیکی کی نیک اور برائی کی بُری جزا و سزا۔ تاکہ مطیع و عاصی کا امتیاز ہو۔ اور سعی کا ذکر اس لیے ہے کہ تنبیہ ہو کہ قیامت قائم کرنے کی اصلی وجہ یہی ہے کہ بندوں کو عبادات کا ثواب اور نافرمانی کی سزا دی جائے اور انھیں پتہ چلے کہ ان کا عذاب ان کے سوٓ اختیار کے مقتضیات سے ہے۔

تفسیر عالمانہ

فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا تو تمھیں نہ روکے ساعۃ کے ذکر اور اس کے مراقبہ سے۔ مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وہ جو ایمان نہیں لاتا قیامت پر۔ اگرچہ بظاہر اس میں کافر کو نہی ہے کہ وہ قیامت کے آنے کا انکار نہ کرے لیکن درحقیقت موسٰے علیہ السلام کو اس کے انکار سے رد کا گیا ہے اور وہ بھی اس کے اسباب کے انکار سے کیونکہ شے کے اسباب و مبادی کی نفی و اثبات شے کی نفی و اثبات میں مبالغہ مطلوب ہوتا ہے اور یہ طریق برہانی ہے اور سبب کی جڑ کاٹنے سے اصل کی جڑ خود کٹ جاتی ہے۔ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ اور جس نے اپنی خواہش کی اتباع کی یعنے وہ مقصد و مراد جو سراسر مبنی بر میلان نفس ہے جس کی نہ برہان سماوی تائید کرتی ہے نہ دلیل عقلی۔

ف: الارشاد میں ہے کہ اس کا معنٰی یہ ہے کہ وہ لذات حسیہ فانیہ کی نفس خواہش کرتا ہے۔

فَتَرْدٰى ○ تو تباہ و برباد ہوگا۔ الردی سے ہے بمعنے موت و ہلاکت کیونکہ جو شخص قیامت اور اس کے ہولناک عذاب سے بچنے کے اسباب سے غفلت برتتا ہے تو وہ لازماً تباہ و برباد ہوتا ہے۔ اس میں استقامت فی الدین کا امر ہے۔ اگرچہ خطاب موسٰے علیہ السلام کو ہے لیکن اس سے وہ لوگ مراد ہیں۔

ف: آیت ہذا اور دوسری آنے والی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالٰے نے موسٰے علیہ السلام سے گفتگو فرمائی اور موسٰے علیہ السلام نے اس گفتگو کو سنا بھی۔

سوال: موسٰے علیہ السلام کو کیسے پتہ چلا کہ جسے میں سن رہا ہوں وہ کلام الٰہی ہے؟

جواب: موسٰے علیہ السلام کا اللہ تعالٰے کے ساتھ گفتگو کرتے وقت سانس رکتا نہیں تھا جیسے انسانوں کے ساتھ گفتگو کے وقت سانس رک جاتا ہے۔ اس سے انھوں نے معلوم کیا کہ میں اللہ تعالٰے سے گفتگو کر رہا ہوں اور انھیں یہ کلام الٰہی مدد وحدانی سے نصیب ہوا اور ساتھ ہی یہ کلام ہر جانب سے سنائی دے رہا تھا، اس سے بھی انھیں یقین ہوا کہ یہ کلام الٰہی ہے اور اس کلام کو اپنے جمیع اجزا سے سنا۔ یہ جملہ قرآن بتاتے تھے کہ یہ کلام خدا ہے کیونکہ یہ کلام سنتے وقت موسٰے علیہ السلام کا تمام وجود کان بن گئے تھے۔

ف: یہی حال مؤمن کا ہے جب آخرت میں کلام الٰہی سنے گا تو یہ کلام سننے کے لیے اسے وجہ مخصوص، آنکھ مخصوص اور کان مخصوص نصیب ہوگا جس کی وجہ سے اللہ تعالٰے کو ہر جانب سے دیکھے گا اور ہر وجہ اور ہر طرف سے اس کا کلام سنے گا۔ ایسے جب بندے کو اللہ تعالٰے کا مشاہدہ نصیب ہوتا ہے تو وہ ہر جہت سے اس کا مشاہدہ کرتا ہے جسے دیکھنے اور کلام سننے کے لیے کوئی سے حاجب نہیں

ہوتی ہر جہت سے دیکھتا سنتا ہے ۔

ف: نیز یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالٰی کوئی ایسا علم ضرور پیدا فرمائے جس سے اسے خصوصیت کے ساتھ دیکھا جائے جیسے ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے غار حرا میں جبریل علیہ السلام کی پہلی حاضری کے وقت ہوا ۔

کلام کے چند مراتب یہ ہیں :

(۱) کلام متکلم کے عین ہو ۔

(۲) وہ معنے جو متکلم کی ذات کے ساتھ قائم ہو جیسے کلام نفسی ۔

(۳) وہ جو کہ حروف و اصوات سے مرکب ہو ۔ اور یہ عالم مثال و عالم حس کے مطابق ظاہر ہوتا ہے ۔

موسےٰ علیہ السلام پر یہ کلام مرتبہ امر سے مرتبۂ روح کی طرف نازل ہوا اس کے بعد مرتبہ حس کی طرف اترا ۔ اور جو ان مراتب کو عبور کرلیتا ہے اس کے لیے کوئی فرق نہیں رہتا ۔ [دیکھئے ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم وحی الٰہی کو کبھی گھنٹی کی آواز میں سنتے تھے] اور تجلی باطنی کو یہ مراتب حامل بھی نہیں ہوتے ۔

سوال: موسیٰ علیہ السلام کی کیا تخصیص ہے کہ انھیں کلیم اللہ کہا گیا ہے حالانکہ اس طرح کا کلام تو تمام انبیاء علیہم السلام سے ہوا ، پھر اُن کو کلیم اللہ کیوں نہیں کہا جاتا ؟

جواب: دراصل جزا اور اعلےٰ مراتب ، اعمال پر مرتب ہوتے ہیں ۔ چونکہ موسیٰ علیہ السلام پر فرعون والی آزمائش تھی اور اس میں آپ کی زبان بھی جل گئی تھی اس پر انھیں اللہ تعالٰے نے بلا واسطہ کلام کا شرف بخشا ؎

ہر محنتی مقدمۂ راحتے بود

شد ہم زبان حق چو کلام کلیم سوخت

ترجمہ: ہر دکھ راحت کا پیش خیمہ ہوتا ہے موسےٰ علیہ السلام اللہ تعالٰے کے کلام سے اس وقت سرفراز ہوئے جب کہ اس سے پہلے آپ کی زبان جل گئی تھی ۔

حکایت: بعض مشائخ کو ان کے مرنے کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا تو ان سے پوچھا کہ اللہ تعالٰے کی گفتگو کیسی رہی تو انھوں نے فرمایا کہ اللہ تعالٰے مجھ سے راضی تھا اور شفقت فرماتے ہوئے کہا کہ میرے پیارے اب کھائیے جب کہ تو نے دنیا میں نہ کھایا اور پی جو تو نے دنیا میں پیٹ بھر کر نہ پیا ۔

ف: چونکہ اس نے دنیا میں نیک کام کیا تو مرنے کے بعد بھی اسے نیک جزا عطا ہوئی ۔ اسے یہ نہ فرمایا کہ کھا اور پی اور رات کو جاگنے والے کھا پی اسے جنگ میں ثابت قدم رہنے والے ۔

حکایت: ایک بزرگ کو ہوا پر اڑتا دیکھا گیا تو ان سے پوچھا گیا کہ تمھیں یہ مرتبہ کیسے نصیب ہوا ۔ جواب میں فرمایا کہ میں نے اپنی خواہشات نفسانیہ کو دبایا تو اللہ تعالٰے نے مجھے یہ مرتبہ عطا فرمایا کہ ہوا کو میرے تابع کر دیا ۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ علم وحکمت معرفت مناسبات میں سے ہے۔ یہ فیصلہ عقلی اور حکم الٰہی ہے جو یہ کہے کہ اللہ تعالٰی اس کے خلاف کرتا ہے تو یقین کیجئے کہ اسے مواقع حکم سے ذرہ برابر بھی نصیب نہیں۔

وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ○ ماتلك مسمی کی ماہیت سے سوال کیا جاتا ہے یعنے شے کی وہ حقیقت کہ جس سے وہ موجود ہے جیسے کہا جائے کہ ما زید ایعنے اسی لفظ کے مسمی کی حقیقت کیا ہے تو اس کا جواب صرف "انسان" ہوگا۔

ف: کاشفی رحمہ اللہ تعالٰی نے لکھا ہے کہ جب موسٰے علیہ السلام نے وادی مقدس سے جوتا باہر رکھ کر وادی میں قدم رکھا تو ندا آئی وماتلك یعنے یہ کیا شے ہے جس کا حال یہ ہے کہ وہ تیرے ہاتھ میں پکڑی ہوتی ہے۔ا

اس معنے پر یہ ما استفہامیہ ہے محلامرفوع ہے اور لفظ تلك سے خبر ہے اور تلك کا اشارہ عصا کی طرف ہے۔ حال کا عامل لفظ ہٰذا کا معنے اشارہ ہے۔

سوال: بیدك کیوں نہ کہا بیمینك میں کونسا راز ہے؟

جواب: ممکن ہے کہ ان کے بائیں ہاتھ میں انگشتری وغیرہ ہو۔ تو اگر مطلق بیدك (تیرے ہاتھ میں کیا ہے) کہا جاتا تو موسٰی علیہ السلام حیران ہو جاتے، ان کے تحیر کو دور کرتے ہوتے فرمایا کہ تمھارے سیدھے ہاتھ میں کیا ہے۔ اور اللہ تعالٰی کی طرف سے استفہام کی تحقیق ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔

قَالَ موسٰے علیہ السلام نے عرض کی: هِيَ عَصَايَ یہ میرا عصا ہے۔ اسے موسٰے علیہ السلام نے اپنی طرف اس لیے منسوب فرمایا کہ واضح ہو جائے کہ سیدھے ہاتھ میں فلاں شے ہے۔ اور آنے والے جملہ افاعیل منسوب الی موسٰے علیہ السلام ہیں اسی لیے یہاں پر موسٰے علیہ السلام نے عصا کو اپنی طرف مضاف کیا تاکہ یہ آنے والے افاعیل کے لیے بمنزلہ تمہید کے ہو جائے۔ اتوکو عَلَيْهَا راستہ میں تھکان کے وقت، چلتے وقت اور چراگاہ میں بکریوں کے ریوڑ کے سامنے کھڑے ہونے کے وقت میں اس پر سہارا کرتا ہوں۔ وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ۔ اهش بمعنے درخت کے پتے جھاڑنا۔

حل لغات: اہل لغت کہتے ہیں هش الورق يهشه یعنے اس نے اپنا ڈنڈا مارا تو اس سے پتے گر پڑے۔

اب معنے یہ ہوا کہ میں اس سے درخت کے پتے جھاڑتا ہوں تاکہ وہ پتے بکریاں کھائیں۔

وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ۔ مادبہ (بفتح الراء وضمہا) بمعنے حاجت وضرورت۔ اُخْرٰى ○ آخر کہنا تھا لیکن اخرٰی فرمایا محض فاصلہ آیات کی رعایت کی وجہ سے یعنے اس عصا سے میرے اور بہت سے مقاصد حاصل ہوتے ہیں یعنے سہارا لگانے اور پتے جھاڑنے کے علاوہ بھی میرے اس سے بہت سے کام وابستہ ہیں مثلاً چلتے وقت کاندھے پر رکھ لیتا ہوں اور اس کی دوسری طرف تیر کمان اور دودھ کا برتن اور لوٹا باندھ دیتا ہوں اور اس کی دوسری طرف زادِ راہ باندھتا ہوں۔ ان جملہ اشیاء کو اسی ڈنڈے کے ذریعے ساتھ رکھتے ہیں اور ان کو اٹھانے میں آسانی ہوتی ہے۔ عجیب تر یہ کہ سفر کے دوران میرے ساتھ باتیں کرتا ہے۔

عصا کا تعارف حضرت موسٰے علیہ السلام کا عصا مبارک دو شاخہ تھا اور مجن جب کسی درخت کی ٹہنی اونچی ہوتی تو اسے مجن سے نیچے کرتے اور پھر موڑنے کا ارادہ فرماتے تو عصا کے دو شاخوں سے ٹہنی کو سمیٹ لیتے۔ (اس طرح سے ٹہنی سے پتے جھاڑنا آسان ہو جاتا) اور اس عصا کے نیچے کی طرف دو دندانے تھے:

(۱) جب اسے زمین پر گاڑتے تو زمین سے پانی نکلتا۔

(۲) جو ثمر موسٰے علیہ السلام چاہتے وہ ڈنڈے سے مل جاتا۔

(۳) جس وقت کنوئیں سے پانی نکالنا چاہتے تو وہ ڈنڈے کو کنوئیں میں ڈال دیتے تو ڈنڈا بوکہ کی صورت اختیار کر جاتا جس سے پانی نکال لیتے۔

(۴) جب رسی کم ہو جاتی تو عصا کے ساتھ ملا لیتے اس سے پانی نکال لیا جاتا۔

(۵) رات کے وقت وہ چمکتا بھی تھا۔

(۶) اس سے دشمنوں کا مقابلہ کرتے جس سے دشمن بھاگ جاتے۔

(۷) جب درندے بکریوں کے پیچھے پڑتے تو موسٰے علیہ السلام اس ڈنڈے سے انہیں بھگاتے۔

(۸) نیند اور بیداری میں ہوام کو ہٹاتے۔

(۹) دھوپ سے بچنے کے لیے ڈنڈے کو زمین پر گاڑ کر اس پر کپڑا ڈال دیتے جس کے سایہ کے نیچے آپ آرام فرماتے۔

ڈنڈے کا طول وعرض ڈنڈے کا طول موسٰے علیہ السلام کے ہاتھ کے مطابق بارہ ہاتھ تھا۔ جنت کے مورد کے درخت کا بنا ہوا تھا۔ موسٰے علیہ السلام کو شعیب علیہ السلام سے اور شعیب علیہ السلام کو ایک فرشتے سے ملا تھا جنے آدمی کے بھیس میں آکر آپ کے ہاں امانت رکھا تھا۔

ف: کاشفی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ وہ ڈنڈا صاف لکڑی کا بہشت سے آیا تھا۔ اس کا طول دس گز اور اس کا سر دو شاخہ تھا۔ اس کے نیچے دندانے تھے جسے وہ علیق سے موسوم کرتے یا نبعہ سے۔ آدم علیہ السلام سے بطور وراثت شعیب علیہ السلام کو ملا۔ ان سے موسٰی علیہ السلام کو حاصل ہوا۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام خلق خدا کے راعی ہیں اور مخلوق جانوروں کی طرح ہے، اسے چارے اور نگرانی کی ضرورت ہے اسے شیطان جیسے بھیڑیئے اور نفس جیسے شیر سے بچانا لازمی ہے۔ انسان پر لازم ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے ارشادات پر عمل کرے اور ان کے دروازے پر پڑا رہے اور ان کے اشاروں پر چلے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

شبان وادئ ایمن گہے رسد بمراد
کہ چند سال بجان خدمت شعیب کند

ترجمہ: وادئ ایمن کا راعی اس وقت منزل مقصود پر پہنچا جب کہ چند سال شعیب علیہ السلام کی خدمت کی۔

فائدہ صوفیانہ اہل معرفت نے فرمایا کہ چونکہ ڈنڈا النفس مطمئنہ کی صورت میں تھا یہی وجہ ہے کہ موہومات و متخیلات کو فنا کرتا ہے اس لیے کہ سانپ کی صورت ایسی ہے کہ وہ ایمان کی استعداد رکھتی ہے جیسے جنون کو مدینہ طیبہ میں سانپ کی صورت میں دیکھا گیا۔ اس کا ذکر صحاح ستہ میں موجود ہے۔ اسی لیے موسٰے علیہ السلام نے کہا: ھی عصای اتوکا علیھا یعنی اس ڈنڈے (نفس مطمئنہ) کے ذریعے اسرار الٰہیہ کے مطالب حاصل کرتا ہوں۔

واھش بھا علیٰ غنمی اور اپنی رعایا یعنے اعضا و جوارح اور ایسے جملہ قوائے طبعیہ و بدنیہ کی روحانی غذا پاتا ہوں۔ ولی فیھا مآرب اخرٰی اور دیگر وہ کمالات جو مجاہدات بدنیہ و ریاضات نفسیہ سے نصیب ہوتے ہیں ہیں اسی کے ذریعے حاصل کرتا ہوں۔ جب یہ مجاہدہ و ریاضت میں میرے کام آتا ہے اور رجوع الی اللہ سے مجھے آگاہی دیتا ہے تو معصیت طاعت سے تبدیل ہو جاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

یبدل اللہ سیئاتھم حسنات (اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو نیکیوں سے تبدیل کرتا ہے)

سوال: سوال تو لاعلمی کی وجہ سے ہوتا ہے تو پھر اللہ تعالےٰ نے موسٰے علیہ السلام سے کیوں سوال کیا؟

جواب: یہ عام قاعدہ ہے کہ جب کوئی حقیر شے سے نفیس و اعلیٰ جوہر ظاہر کرتا ہے تو اچاہتا ہے کہ اس کا مشاہدہ عوام کو بھی ہو۔ اس معنے پر وہ سوال کے طور پر کہتا ہے: ماھذا؟ اس کے جواب پر مقصد ظاہر ہو جاتا ہے[1]

چنانچہ جب اللہ تعالےٰ نے موسٰے علیہ السلام کے ڈنڈے کی حقیقت کو ظاہر فرمایا تو اس کی مثال یوں ہے کہ ایک لوہے کا معمولی ٹکڑا دکھایا جائے جسے دیکھنے والا حقیر شے سمجھتا ہے۔ چند دنوں کے بعد اس سے بہترین زرہ تیار کر کے اسے کہا جائے کہ یہ وہی لوہا ہے جسے تم حقیر سمجھتے تھے بعینہٖ جب اللہ تعالےٰ نے چاہا کہ اس عصا سے اپنی عجائبات قدرت دکھائے تو پہلے فرمایا کہ یہ کیا ہے ایک لکڑی ہے جس سے نہ نفع ہے نہ نقصان لیکن جب ایک بڑا اژدھا دکھایا گیا تب واضح ہوا کہ یہ ایک قدرت ایزدی کا نمونہ ہے اور اس کی حکمتوں کا ایک باب۔

ف: کاشفی مرحوم نے لکھا کہ یہ استفہام تنبیہ کے لیے ہے گویا مخاطب کو فرمایا کہ آئیے قدرت کے عجائبات ملاحظہ کیجیے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالےٰ نے موسٰے علیہ السلام سے امتحان لیا اور تنبیہ فرمائی تاکہ انھیں معلوم ہو کہ عصا کا اللہ تعالےٰ کے ہاں ایک نام اور بھی ہے اور اس کی ایک حقیقت اور ہے جسے وہ نہیں جانتے اور کہیں کہ یا اللہ اس کا علم تجھے ہے۔ یہ تنبیہ اس وقت کی گئی جب انھوں نے اس کا علم اپنی طرف منسوب فرمایا: کما قال: ھی عصای

---

[1]: یہی مقصد حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ہوتا تھا لیکن وہابیہ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی لاعلمی پر محمول کیا۔ ان کو یہی جواب دیا جائے گا۔ (اویسی غفرلہٗ)

لیکن اللہ تعالےٰ نے متنبہ فرمایا کہ تیرے اس جواب میں دو لغزشیں ہیں :

(۱) . اس کا ڈنڈا نام بتانا ۔

(۲) اس کا علم اپنی طرف منسوب فرمانا ۔

بلکہ صحیح جواب یہ ہے کہ یہ میرا ثعبان ہے تیرا ڈنڈا نہیں ۔

سوال : ایسا خطاب موسٰے علیہ السلام کو تو نصیب ہوا لیکن ہمارے نبی پاک صلے اللہ علیہ وآلہ کو ایسے خطاب سے نہیں نوازا گیا ؟

جواب : اللہ تعالےٰ نے اپنے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کو ایسے خطاب سے نوازا جس سے نہ صرف موسٰے علیہ السلام بلکہ جملہ انبیائ علیہم السلام کو بھی نصیب نہ ہوا ۔ کما قال تعالےٰ :

فاوحیٰ الی عبدہ مااوحیٰ ۔

یہ خطاب رازدارانہ ہے جو سوائے حضور علیہ السلام کے کوئی بھی اس کا اہل نہیں ہے اور جیسے موسٰے علیہ السلام کو خطاب ہوا ہے ایسے ہی جملہ امت مصطفویہ علے صاحبہا السلام روزانہ بارہا خطاب کرتی ہے ۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے : "المصلی یناجی ربہ " نمازی اپنے رب سے مناجات کرتا ہے ۔ علاوہ ازیں موسٰے علیہ السلام نے یہ استفہام استعلام کے طور پر نہ سمجھا تھا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اللہ تعالےٰ منزہ اور مقدس ذات ہے بلکہ سمجھا یہ کہ سوال لہٰذا تذکرہ اور اس عصائی حقیقت کو سمجھنے کے لیے ہے اور گویا مجھ سے سوال ہو رہا ہے کہ اس کے منافع بیان کیجئے ۔ چنانچہ اس کے منافع بھی اسی لیے بیان کیے ۔

ف : کاشفی رحمہ اللہ تعالےٰ نے لکھا کہ موسٰے علیہ السلام نے ڈنڈا کی حقیقت بیان کرنے کے بعد اللہ تعالےٰ کی دی ہوئی نعمتوں کا ذکر بھی کر دیا ۔

ف : بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے سوال کی حقیقت یہ تھی کہ موسٰے علیہ السلام کو تنبیہ ہو جائے کہ یہ ڈنڈا ہے اس سے خوفزدہ نہ ہونا جب یہ بڑا اژدہا بن جائے ۔ اور یہ تمہارا معجزہ ہے اسی لیے اسے بار بار کے خطاب سے نوازا تاکہ وہ اس سے مانوس ہوں ۔ اس سے انھیں وحشت نہ ہو اور ساتھ اس ہیبت جلالیہ سے بھی نہ گھبرائیں جو کلام الٰہی سے طاری ہوئی کیونکہ وہ کلام از جنس مخلوق نہ تھا اور وہ خوف بھی ان کے دل سے دور ہو جو انھیں درخت سے غیر مالوف طور پر بات سنائی دی اور ملائکہ کی تسبیح سے ان کے دل میں خطرہ بیٹھا ہوا تھا ۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد ان کا دل مضبوط ہوا تو کلام میں طوالت فرمائی ۔

صدیق اکبر کی شان

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ شب معراج میں نے اللہ تعالےٰ سے عرض کی اللّٰھم یہ کلمہ مجھ سے اس وقت صادر ہوا جب مجھے وحشت طاری ہوئی تو میں نے ایک آواز سنی جو ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی آواز کے مشابہ تھی جو مجھے فرمایا جا رہا تھا :

قف فان ربک یصلی ۔ (ٹھہریئے ! آپ کا رب صلوٰۃ پڑھ رہا ہے)

اس سے مجھے تعجب ہوا کہ یہاں ابوبکر (رضی اللہ تعالے عنہ) مجھ سے پہلے یہاں کیسے پہنچ گئے حالانکہ میرا رب تو صلوٰۃ پڑھنے سے پاک ہے۔
اور وہ خود فرماتا ہے کہ میں کسی پر صلوٰۃ پڑھنے سے مستغنی ہوں بلکہ وہ کہتا ہے:

سبحانی سبحانی سبقت رحمتی علے غضبی — میں پاکی والا ہوں میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے چکی ہے۔

اس کے بعد میری تسلی کے لیے اللہ تعالے نے فرمایا:

"اسے محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم! میں نے آپ پر یہ آیت نازل نہیں فرمائی اھو الذی یصلی علیکم.... الخ وہ اللہ جو تم پر صلوٰۃ بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی تاکہ وہ تمھیں ظلمات سے نور کی طرف نکالیں اور اللہ تعالے اہل ایمان کے لیے رحیم ہے۔

ف: میری صلوٰۃ آپ پر اور آپ کی امت پر رحمت کے معنٰے میں ہے۔

اور ہم نے صدیق اکبر (رضی اللہ تعالے عنہ) کی آواز میں کہا تھا" یا محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم)، یہ صرف اسی لیے تاکہ آپ مانوس ہوں جیسے ہم نے موسٰے علیہ السلام سے سوال کیا تھا کہ وما تلك بیمینك یموسی۔ وہ اس لیے کہ چونکہ موسٰے علیہ السلام کو عصا سے انس تھا اسی لیے ہم نے ان کی وحشت دور کرنے کے لیے انھیں عصا کی طرف متوجہ فرمایا تاکہ وہ ہمارے کلام سے مانوس ہوں ایسے ہی چونکہ آپ کو اپنے یار غار صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے انس ہے اسی لیے ہم نے یہاں پر ایک فرشتے کو ان کے لباس اور ان کی زبان دے کر آپ کو اپنی طرف مانوس فرمایا تاکہ آپ سے وحشت دور ہو اور مکمل طور پر ہماری طرف متوجہ ہوں۔ (کذافی انسان العیون)

حکایت: امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ تعالے محاضرات میں تحریر فرماتے ہیں کہ امام شاذلی رحمہ اللہ تعالے صاحب حزب البحر نے فرمایا کہ ایک روز میں مسجد اقصٰی میں سو رہا تھا کہ خواب میں دیکھ رہا ہوں کہ مسجد اقصٰی کے باہر حرم شریف کے وسط میں ایک تخت بچھایا گیا ہے اور بڑی مخلوق جمع ہو رہی ہے میں نے پوچھا کہ یہ جماعت کون ہے مجھے کہا گیا کہ یہ انبیاء و رسل علیہم السلام کی جماعت ہے، یہ اس لیے جمع ہوئی ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حسین حلاج سے جو شرعی غلطی ہوئی ہے اس کے بارہ میں سفارش کریں۔ جب میں نے تخت کو دیکھا تو اس پر صرف ہمارے نبی پاک شہ لولاک سیدنا محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم رونق افروز ہیں اور دیگر سادات انبیاء علیہم السلام جیسے ابراہیم و موسٰی و عیسٰی اور نوح علیہم السلام نیچے زمین پر تشریف فرما ہیں۔ میں وہاں پر ٹھہر گیا اور ان کے پیارے کلام کو سننے کا منتظر ہو گیا۔ اس مجمع انبیاء علیہم السلام میں حضرت موسٰے علیہ السلام بولے اور ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے مخاطب ہو کر عرض کی کہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام جیسے ہیں آپ ان میں سے ایک تو ہمیں دکھائیے۔ ہمارے پیارے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت امام غزالی رحمہ اللہ تعالے عنہ کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہ ہیں حضرت موسٰی علیہ السلام نے امام غزالی رحمہ اللہ تعالے سے ایک سوال کیا امام غزالیؒ نے اس کے دس جواب دیئے۔ حضرت موسٰے علیہ السلام نے اعتراض فرمایا کہ سوال کے مطابق جواب ہونا چاہیئے، میں نے سوال تو ایک کیا ہے لیکن آپ نے دس جواب دیئے۔ امام غزالی رحمہ اللہ تعالے نے عرض کی کہ حضور یہی اعتراض تو پہلے آپ پر وارد ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالے نے

آپ سے پوچھا تھا کہ وما تلك بيمينك يٰموسٰی ۔ آپ کو جواب میں صرف کہنا تھا: ھی عصای ۔ لیکن آپ نے بڑا طویل جواب دیا ۔

امام شاذلی رحمہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنے نبی سید الانبیاء سیدنا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی بلند قدر شان وشوکت کو دیکھ رہا تھا۔ سبحان اللہ! آپ اکیلے ہی تخت پر ہیں اور دیگر انبیاء خلیل وکلیم اور عیسےٰ علیہ السلام نیچے نیچے ہیں۔ ابھی میں اس حال میں تھا کہ کسی نے میرے سینہ پر پاؤں مارا جس سے میں جاگ اٹھا اس وقت میں نے ایک منتظم کو پایا جو قندیلیں روشن کر رہا تھا اور مجھے فرمایا کہ تعجب نہ کیجئے یہ جملہ انبیاء علیہم السلام کے نور سے پیدا ہوئیں ہیں۔ یہ سن کر میں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ جب نماز قائم ہوئی تو مجھے افاقہ ہوا اور میں نے اس منتظم کی تلاش کی لیکن وہ موجود نہ تھا وہ آج تک مجھے نہیں ملا۔

اسی کے مطابق امام بوصیری رحمہ اللہ تعالےٰ علیہ نے فرمایا ہے ؎

فانسب الی ذاتہ ما شئت من شرف

وانسب الی قدرہ ما شئت من عظم

ترجمہ: تو حضور علیہ السلام کی طرف ہر بزرگی کو جو چاہو منسوب کرو۔ اور ان کی عظمت وقدر ومنزلت جیسے چاہو بیان کرو۔

کسی شاعر نے کہا ؎

سرخیل انبیاء و سپہدار اتقیا

سلطان بارگاہ دنا قائد امم

ترجمہ: حضور علیہ السلام انبیاء کے سردار اور اتقیاء کے سرتاج ہیں۔ بارگاہ دنا کے سلطان اور امتوں کے قائد ہیں۔

تفسیر عالمانہ قَالَ ۔ یہ جملہ استئنافیہ بیانیہ ہے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ○ اے موسیٰ علیہ السلام اسے پھینک دیجئے پھر اس کا حال دیکھئے وہ کرشمہ دکھائے گا جسے آپ نے کبھی دیکھا نہ سنا اور نہ تصور میں ہی آسکتا ہے۔ الالقاء۔ النبذ والطرح کا ایک معنےٰ ہے۔

فَاَلْقٰهَا۔ تو اسے موسےٰ علیہ السلام نے زمین پر پھینک دیا۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے گمان فرمایا کہ اسے بھی جوتے کی طرح پھینکنا ہے جونہی اسے زمین پر پھینکا تو اس سے ایک عجیب وغریب آواز سنائی دی اسے مڑ کر دیکھا کہ فَاِذَا هِيَ تو اچانک حَيَّةٌ سانپ تھا۔ تَسْعٰى ○ ہر طرف دوڑ رہا تھا۔

ف: مروی ہے کہ جب موسےٰ علیہ السلام نے عصا نیچے گرایا تو وہ زرد رنگ کا سانپ ڈنڈے کی موٹائی میں تھا پھر موٹا ہو کر بڑا اژدہا بن گیا اس لیے کبھی اسے جان سے تعبیر کیا گیا۔ کما قال: کانھا جانٌ ۔ یہ اس کا ابتدائی حال ہے اور پھر فرمایا: فاذا ھی ثعبان ۔ یہ اس کا انتہائی حال ہے لیکن یہاں پر حیۃ عام فرمایا اس کے صغر وکبر کا اعتبار نہیں کیا گیا لیکن ظاہر یہ ہے کہ ابتداءً اژدہا بن گیا تھا مقام کے مناسبت بھی یہی معنیٰ موزوں ہے جیسا کہ فاذا ھی ثعبان مبین سے بھی یہی معنیٰ مؤید ہے، ہاں اسے جان

کی مشابہت بوجہ سرعت و حرکت کے ہے۔

ف : بعض مشائخ نے فرمایا کہ ڈنڈے کے سانپ بن جانے میں اشارہ ہے کہ کبھی برائیاں نیکیوں میں تبدیل ہو سکتی ہیں کیونکہ سانپ منبع معصیت سے ہے جب معصیت تبدیل ہو تو وہ طاعت ہی ہوگی۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا :

الا من تاب وامن وعمل عملاً صالحا فاولٰئک — ہاں جو تائب ہو اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے تو اللہ تعالٰی

یبدل الله سیاٰتھم حسنات۔ — اس کی برائیوں کو نیکیوں سے تبدیل فرماتا ہے۔

یہ تبدیلی مقام مغفرت سے ہے اور برائیوں کو مٹا دینا وہ از قبیل عفو ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ برائی کے فوراً بعد نیکی کر لیا کرو۔ اس لیے کہ برائی کو نیکی محو کر دیتی ہے۔

ف : تبدیلی سے اس کا حکم مراد ہے ورنہ اعیان تو تبدیل نہیں ہوتے۔ فقیر (حقی) کہتا ہے کہ عصا کا سانپ بن جانا بتاتا ہے کہ اکسیر ڈالنے سے تانبے کا سونا بن جانا یا جبرئیل علیہ السلام کا بشری لباس میں آنا عقلاً ناممکن نہیں اور جو باب عرفان میں داخل ہوتا ہے اسے اس کا یقین ہو جاتا ہے اور اسے ناظرین اسے خوب سمجھ لو ورنہ اوہام کا شکار ہو جاؤ گے۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

دست از مس وجود چو مردان رہ بشوی
تا کیمیائے عشق بیابی و زر شوی

ترجمہ : جب تم اپنا ہاتھ مردانِ راہ کے دامن میں ڈالو تاکہ تمہیں عشق کا کیمیا نصیب ہو تو پھر سونا بن جاؤ گے۔

مولانا جامی قدس سرہ نے فرمایا : ؎

چوں کسب علم کردی در عمل کوش
کہ علم بے عمل زہریست بے نوش
چہ حاصل زانکہ دانی کیمیا را
مس خود را نکردہ زر سا را

ترجمہ : (۱) جب علم پڑھ لیا ہے تو اب عمل کی کوشش کیجئے۔ اس لیے کہ علم بے عمل زہر ہے۔
(۲) اس کیمیا دانی کا کیا فائدہ جو اپنے تانبے کو سونا نہ بنا سکا۔

قَالَ، یہ استینافیہ بیانیہ ہے فرمایا : خُذْهَا وَلَا تَخَفْ، اسے پکڑ لو ڈرو نہیں۔

اژدھا کا حال مروی ہے کہ جب ڈنڈا اژدر سانپ بن گیا تو جہاں سے گذرتا، ہر شے کو یہاں تک کہ پتھر، درخت وغیرہ سب کھائے جا رہا تھا۔ اس کی آنکھیں آگ کی طرح چمکتی تھیں اور اس کے دانتوں سے سخت قسم کی آواز نکلتی تھی، اور اس کے دونوں جبڑوں کی درمیانی مسافت چالیس یا اسی ہاتھ تھی جب موسٰی علیہ السلام نے اسے اس ہیبت میں دیکھا تو گھبرائے

کیونکہ ایسی مہیب شکل سے گھبرانا انسانی فطرت ہے ۔

سوال : موسیٰ علیہ السلام سانپ سے گھبرائے لیکن ابراہیم علیہ السلام تو نارِ نمرود سے خوفزدہ نہ ہوئے اس کی وجہ کیا ہے ؟

جواب : ابراہیم علیہ السلام میں تمکین زیادہ بہ نسبت موسےٰ علیہ السلام کے علاوہ ازیں ابراہیم علیہ السلام اس وقت منتہی تھے اور موسیٰ علیہ السلام مبتدی اور مبتدی اور منتہی میں فرق ہوتا ہے اسی لیے " لا تخف " کہہ کر اللہ تعالےٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے گھبراہٹ کو زائل کر دیا اسی لیے بعد میں ڈنڈے کو پکڑتے ہوئے نہ گھبرائے کیونکہ پھر وہ ابراہیم علیہ السلام کی طرح صاحب تمکین ہو گئے تھے جیسے ہمارے نبی علیہ السلام جبریل علیہ السلام کی پہلی آمد پر گھبرائے ۔ اسی لیے جب غار حرا سے گھر واپس تشریف لائے تو آپ کانپ رہے تھے ۔ پھر تمکین کا دہ کمال پایا کر خود عین ذات کو دیکھا تو بھی نہ گھبرائے ۔ کما قال تعالےٰ :

ولقد راٰہ نزلۃ اخریٰ عند سدرۃ المنتہیٰ ۔

ف : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ خذھا و لا تخف ، اے موسیٰ علیہ السلام ابتدائً تم اسی ڈنڈے کے متعلق سمجھتے تھے کہ اس میں بہت بڑے منافع ہیں اب تم اس کے نقصانات سے گھبرا رہے ہو ، اسے پکڑو اور گھبراؤ نہیں تا کہ تمہیں معلوم ہو کہ ہر ضرر اور نقصان اللہ سے ہے اسی لیے تمہیں ڈر اور امید صرف اللہ تعالےٰ سے ہو اور بس ۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

ہر کہ ترسید از حق و تقویٰ گزید
ترسید از وے جن و انس و ہر کہ دید

ترجمہ : جو اللہ تعالےٰ سے ڈرا اور تقویٰ اختیار کیا ۔ اس کو جو بھی جن و انس دیکھے گا اس سے خوف کرے گا ۔

سَنُعِيدُهَا عنقریب ہم اسے لوٹائیں گے ۔ **سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ** ۝ سیر کا ایک نوع سیرۃ بروزن فعلۃ ہے اسے طریقہ و ہیبت کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اس کا منصوب ہونا علی نزع الخافض ہے ۔ اصل عبارت یوں تھی ، سنعیدھا بعد الاخذ الی ھیئتا الاولیٰ ۔ پکڑنے کے بعد ہم اسے پہلی ہیئت پر لوٹا دیں گے ۔ یعنی وہی ہیئت جو پہلے ڈنڈے کی تھی ۔ چنانچہ جب موسیٰ علیہ السلام نے سانپ کے منہ پر ہاتھ رکھا تو وہ اسی طرح پہلے والا ڈنڈا بن گیا اور آپ کا ہاتھ اس کے جبڑے پر پڑا تو اب دیکھا تو وہی جگہ تھی جس پر ہاتھ رکھ کر سہارا لیتے تھے ۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کو یہ کیفیت اس لیے دکھائی تا کہ فرعون کے پاس جا کر نہ گھبرائیں ۔ جب وہ ڈنڈا سانپ بن جائے ۔

حدیث شریف : قیامت میں زکوٰۃ نہ دینے والے مال والے کا مال سانپ کی صورت میں لایا جائے گا ۔

صوفیانہ تقریر : اہل معرفت فرماتے ہیں کہ ہر ذی جسد میں روح ہوتی ہے اگرچہ وہ معنوی روح ہوتی ہے اور ہر عمل اور طریقہ اور وصف کی دنیا میں صورت معتدلہ ہوتی ہے جو آخرت میں ایک محسوس صورت میں نظر آئے گی

چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا :

فینبئهم بما کانوا یعملون۔ یعنے ہم ان کے اعمال کی صورتیں ظاہر کریں گے۔ جیسا کہ سورہ انعام میں تفصیل گذری ہے اور چونکہ مال نفس امارہ کی محبوب شے ہے اور یہ ضرر میں سب سے زیادہ سخت ہے اسی لیے اسے زیادہ ضرر رساں سانپ کی صورت میں لایا جائے گا۔ اس دن جب کہ سینے کے اسرار ظاہر کیے جائیں گے اور پھر اس سانپ کو صاحب مال کے لیے طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا۔ جس موسےٰ یعنے قلب نے تزکیہ نفس کیا اور مال کی محبت اپنے سے نکال دی اور اسے راہ حق میں لٹایا تو وہ مال ایسی حسین صورت میں ظاہر ہوگا جیسے اس کا جی چاہتا ہوگا کیونکہ اس نے اس مال کو راہ حق میں خرچ کیا تھا۔ ایسے ہی باقی اعمال کا قیاس کیجئے۔

وَاضْمُمْ يَدَكَ اور دایاں ہاتھ ملایئے۔ اِلٰی جَنَاحِكَ اپنے پہلو یعنے بغل کے نیچے۔

حل لغات جناح الانسان بمعنے اس کا پہلو اور وہ بازو جو بغل کی جڑ کی جانب ہو جیسے جناح العسکر بمعنے لشکر کے دو کنارے جناح الطیر سے استعارہ ہے اور اسے 'جناح' سے اس لیے تعبیر کیا جاتا ہے کہ پرندہ اڑتے وقت اس کی طرف مایل ہوتا ہے۔ اب معنےٰ یہ ہوا کہ اپنے ہاتھ کو اس حصہ سے چپٹا دیں جو بازو کے نیچے ہے۔

تَخْرُجْ، تاکہ باہر جاو۔ بَيْضَآءَ، سفید اور روشن ہوکر۔ یہ تَخْرُجْ کی ضمیر سے حال ہے۔ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ بیضا کی ضمیر سے حال ہے یعنے حال یہ ہے کہ ہاتھ کا سفید ہونا بیماری کی وجہ سے نہ ہوگا اور نہ ہی اس کا سفید ہونا قبیح سمجھا جائے گا اس سے برص کی بیماری مراد ہے جیسے سوء سے شرمگاہ مراد ہے۔ اس لیے کہ اس طرح سے طبائع کو نفرت ہوگی اور اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

ف: مروی ہے کہ حضرت موسےٰ علیہ السلام گندمی رنگ والے تھے جب آپ اپنا دایاں ہاتھ بائیں بغل میں دبا کر باہر نکالتے تو سورج کی طرح چمکتا تھا کہ اس سے آنکھیں چندھیا جاتیں تھیں اور اس کی روشنی چار سو پھیل جاتی جب اسے واپس لوٹاتے تو وہ پہلے کی طرح بغیر روشنی کے گندمی رنگ والا ہو جاتا۔

اٰيَةً اُخْرٰى ۝ یہ دوسرا معجزہ تھا یعنے ایک عصا کا اژدھا بن جانا اور دوسرا یہ اور اس کا منصوب ہونا بھی بیضا کی ضمیر سے حال ہونے کی بنا پر ہے۔

لِنُرِيَكَ، یعنے ہمارا عصا کو سانپ بنانا اور ہاتھ کو روشنی دینا اس لیے ہے تاکہ ان دونوں معجزوں سے، ہم آپ کو مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ۝ اپنی بعض بڑی نشانیوں میں سے دکھائیں یعنے عصا کا سانپ بن جانا اور ہاتھ کا روشن ہو جانا اور ان نو بڑی آیات میں سے ہیں اور وہ نو نشانیاں آیت:

"ولقد اٰتینا موسٰی تسع اٰیات بینات"

میں مذکور ہیں جن کا مفصل بیان گذر چکا ہے۔

یہ آیات موسٰی علیہ السلام کے لیے ایسے ہے جیسے ہمارے نبی پاک صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرمایا: لقد رای بیشک

(بقیہ صفحہ نمبر ۲۶۰)

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ۝ وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ۝ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي ۝ يَفْقَهُوا قَوْلِي ۝
وَاجْعَل لِّي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي ۝ هَارُونَ أَخِي ۝ اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي ۝ وَأَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي ۝ كَيْ
نُسَبِّحَكَ كَثِيرًا ۝ وَنَذْكُرَكَ كَثِيرًا ۝ إِنَّكَ كُنتَ بِنَا بَصِيرًا ۝ قَالَ قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ
يَا مُوسَىٰ ۝ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰ ۝ إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّكَ مَا يُوحَىٰ ۝ أَنِ اقْذِفِيهِ فِي
التَّابُوتِ فَاقْذِفِيهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّي وَعَدُوٌّ لَّهُ ۚ
وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي ۚ وَلِتُصْنَعَ عَلَىٰ عَيْنِي ۝ إِذْ تَمْشِي أُخْتُكَ فَتَقُولُ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ
مَن يَكْفُلُهُ ۖ فَرَجَعْنَاكَ إِلَىٰ أُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۚ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنَاكَ مِنَ
الْغَمِّ وَفَتَنَّاكَ فُتُونًا ۚ فَلَبِثْتَ سِنِينَ فِي أَهْلِ مَدْيَنَ ۚ ثُمَّ جِئْتَ عَلَىٰ قَدَرٍ يَا مُوسَىٰ ۝ وَ
اصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي ۝ اذْهَبْ أَنتَ وَأَخُوكَ بِآيَاتِي وَلَا تَنِيَا فِي ذِكْرِي ۝ اذْهَبَا إِلَىٰ
فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ۝ فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ ۝ قَالَا رَبَّنَا إِنَّنَا نَخَافُ
أَن يَفْرُطَ عَلَيْنَا أَوْ أَن يَطْغَىٰ ۝ قَالَ لَا تَخَافَا ۖ إِنَّنِي مَعَكُمَا أَسْمَعُ وَأَرَىٰ ۝ فَأْتِيَاهُ فَقُولَا إِنَّا
رَسُولَا رَبِّكَ فَأَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ ۚ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ۖ قَدْ جِئْنَاكَ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكَ ۖ
وَالسَّلَامُ عَلَىٰ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَىٰ ۝ إِنَّا قَدْ أُوحِيَ إِلَيْنَا أَنَّ الْعَذَابَ عَلَىٰ مَن كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ۝
قَالَ فَمَن رَّبُّكُمَا يَا مُوسَىٰ ۝ قَالَ رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَىٰ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ ۝ قَالَ فَمَا
بَالُ الْقُرُونِ الْأُولَىٰ ۝ قَالَ عِلْمُهَا عِندَ رَبِّي فِي كِتَابٍ ۖ لَّا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنسَى ۝ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ
الْأَرْضَ مَهْدًا وَسَلَكَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا وَأَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّن
نَّبَاتٍ شَتَّىٰ ۝ كُلُوا وَارْعَوْا أَنْعَامَكُمْ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّأُولِي النُّهَىٰ ۝

ترجمہ: عرض کی اے میرے رب! میرا سینہ کھول دے اور میرے لیے کام آسان فرمادے اور میری زبان کی گرہ کو کھول دے کہ وہ میری بات کو سمجھیں اور میرے لیے میرے گھر والوں میں سے ایک کو میرا وزیر بنادے، میرے بھائی ہارون کو۔ اس کے سبب سے میری قوت کو مضبوط فرما۔ اور اسے میرے معاملے میں میرا شریک فرما۔ کہ ہم بکثرت تیری پاکی بیان کریں اور بکثرت تیرا ذکر کریں بیشک تو ہمیں دیکھ رہا ہے۔ فرمایا اے موسیٰ تیری منہ مانگی مراد تمھیں عطا ہوئی۔ اور بے شک ہم نے تجھ پر ایک بار اور احسان فرمایا۔ جب ہم نے تیری ماں کو الہام فرمایا جو الہام کرنا تھا یہ کہ اس بچے کو صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دے پھر اسے دریا کنارے پر ڈالے کہ اسے وہ اٹھائے جو میرا دشمن ہے اور اس کا (بھی) دشمن ہے اور میں نے تجھ پر اپنی طرف سے محبت ڈالی اور اس لیے کہ تو میری نگاہ کے سامنے پرورش پائے جب تیری بہن چل کر آئی تو کہا کیا میں تمھیں ایسے لوگوں

کا پتہ بتاؤں جو اس کی پرورش کریں۔ پھر ہم نے تجھے تیری ماں کے پاس کیا تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور غم نہ کھائے اور تو نے ایک شخص کو قتل کیا تو ہم نے تجھے غم سے نجات بخشی اور تجھے خوب آزمایا۔ تو تو کئی سال مدین والوں میں ٹھہرا رہا پھر تو اے موسیٰ (علیہ السلام) ایک مقررہ وعدہ پر آیا اور میں نے تجھے اپنے لیے پسند کر لیا تو اور تیرا بھائی میری نشانیاں لے کر جاؤ اور میرے ذکر میں سستی نہ کرو۔ فرعون کے پاس جاؤ کہ وہ سرکش ہو گیا ہے تو اس سے نرم بات کرو اس امید پر کہ وہ نصیحت پائے یا کچھ خوف کرے۔ ان دونوں نے عرض کی کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں خوف ہے کہ وہ اس پر زیادتی کرے یا سرکشی کرے۔ فرمایا مت ڈرو بیشک میں تمہارے ساتھ ہوں سنتا ہوں دیکھتا ہوں سو اس کے پاس جا کر کہو کہ بے شک ہم تیرے رب کے رسول ہیں تو اولادِ یعقوب ہمارے ساتھ چھوڑ دے اور انھیں دکھ درد مت دے بے شک ہم تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے نشانی لائے ہیں اور سلامتی ہے اسے جو ہدایت کی پیروی کرے بے شک ہماری طرف وحی کی گئی ہے کہ بیشک اس کے لیے عذاب ہے جو تکذیب اور روگردانی کرے۔ کہا تو اے موسیٰ تمہارا رب کون ہے؟ کہا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر شے کو اس کے مناسب صورت بخشی پھر راہ دکھائی کہا تو پہلے گروہوں کا کیا حال ہے کہا ان کا علم میرے رب کے ہاں ایک کتاب میں ہے وہ نہ بہکتا ہے نہ بھولتا ہے وہ جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنایا اور تمہارے لیے چلنے کی راہیں بنائیں اور آسمان سے پانی اتارا۔ تو ہم نے اس کے سبب سے مختلف سبزے کے جوڑے اگائے۔ خود کھاؤ اور اپنے جانوروں کو چراؤ، بے شک اس میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

(تفسیر آیات صفحۂ گذشتہ)

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شبِ معراج دیکھیں "من آیات ربہ الکبریٰ"، اپنے پروردگار کی بعض بڑی نشانیاں۔

کلیم و حبیب علیہما السلام کے آیات دیکھنے کا فرق: حضرت موسےٰ علیہ السلام کے آیات صرف عجائب الارض میں سے تھے لیکن حبیب کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آیات عجائبات ارض سے بھی تھے اور عجائبات آسمان سے بھی۔

ف: یہ فرق خوب ہے اور اس مقام کے لائق ہے اسے خوب سمجھ لو۔

یدِ بیضوی کے کرامات: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر سفید (نورانی) کر دکھلایا اور

اس میں عیب ونقص بھی نہ ہوتا تھا۔ اس میں ان کے ہاتھ مبارک کے جود وکرم اور سخا و ایثار کی طرف اشارہ تھا کیونکہ جود یہ ہے کہ بلاسوال عطا کی جائے اور کرم یہ ہے کہ انسان کو اپنی ضرورت کے باوجود دوسرے کو عطا کر دے اسی سے خلت کی تکمیل ہوتی ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کی سخاوت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں اللہ تعالٰے نے جبریل علیہ السلام کو صورت بشری میں بھیجا تاکہ ان سے فقیر بن کر کچھ مانگیں۔ جبریل علیہ السلام نے ابراہیم علیہ السلام سے عرض کی۔ اپنے پرائے کو برابر طور پر عطایا سے نوازتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ طریقہ میں نے اپنے پروردگار سے سیکھا ہے کہ وہ اپنے پرائے کا کوئی فرق نہیں فرماتا کہ ہر ایک کو بے حساب دیتا ہے۔ اس پر اللہ تعالٰے نے ابراہیم علیہ السلام پر وحی بھیج کر فرمایا کہ واقعی اے ابراہیم (علیہ السلام) تم ہمارے خلیل ہو۔

رسول خدا حضرت مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک کے معجزات

(۱) بموقعہ غزوہ تبوک حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ مبارک سے پانی کا چشمہ جاری ہوا جس سے لوگوں نے سیر ہو کر پیا اور بہت سے لوگ اس پانی کو (تبرک بناکر) گھروں میں لے گئے۔

(۲) دشمنوں کے منہ پر ہاتھ مبارک سے مٹی پھینکی تو وہ شکست کھا گئے۔

(۳) آپ کے ہاتھ مبارک میں کنکریوں نے تسبیح پڑھی۔

حضرت شیخ عطار قدس سرہٗ نے کہا ؎

داعی ذرات بود آن پاک ذات
در کفش تسبیح ازان گفتے حصات

ترجمہ: حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم عالم کے ذرہ ذرہ کے رسول تھے اسی لیے آپ کے ہاتھ میں کنکریاں بھی تسبیح پڑھتی تھیں۔

کراماتِ اولیا: بہت سے اولیاء کرام کو دیکھا گیا ہے کہ وہ آسمان کی طرف اڑتے نظر آئے اور ہاتھوں کو کھولتے تو زمین پر چاندی اور سونے کی بارش برسلتے (وغیرہ وغیرہ)

سبق: اس تحقیق کے بعد معلوم باد! کہ ہر وہ کمال جو کسی انسان سے ظاہر ہوتا ہے وہ اس کے کسی عمل یا اس کے احوال میں سے کسی حال کا اثر ہوتا ہے اور ان دونوں کو آپس میں ظاہری یا باطنی مناسبت ضرور ہوگی جب بھی کوئی سمجھدار انسان اسے طلب کرتا ہے تو اسے لازماً پا لیتا ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمارے اعضا و قویٰ کو ان امور میں صرف کرنے کی توفیق بخشے جن کے لیے وہ پیدا کیے گئے ہیں اور ہمیں اپنے فضل و کرم کے انوار سے نوازے۔ (آمین)

اِذْهَبْ، اے موسیٰ علیہ السلام ! دعوت و تحذیر کے لیے جائیے۔ اِلٰى فِرْعَوْنَ، فرعون اور اس کی قوم کے ہاں یہی دونوں معجزات (عصا و ید بیضا) لے کر۔

سوال: تم نے معجزات سے صرف یہی دو معجزے کیوں مراد لئے اور قوم کا معنے کہاں سے نکالا ؟

جواب: سورۂ قصص میں ان کی تصریح ہے۔ کما قال تعالیٰ: فذانك برهانان من ربك الى فرعون وملائه۔ یعنے یہ دونوں معجزے ہیں تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے لے جاؤ فرعون اور اس کی قوم کی طرف۔

سوال: جیسے یہ تصریح تم نے دکھائی دوسرے مقام پر جملہ معجزات کا ذکر ہے۔ کما قال تعالیٰ: اذهب انت واخوك بآياتى، تم اور تمہارا بھائی میرے آیات لے کر جاؤ ؟

جواب: اس کا جواب ابھی آتا ہے۔

اِنَّهٗ طَغٰى ۝ بے شک وہ حد سے بڑھ گیا ہے کہ عبودیت کے اقرار کی بجائے وہ ربوبیت کا مدعی بن بیٹھا ہے یعنے وہ مستقل طور پر اپنے آپ کو خدا کہلاتا ہے اور اپنی خدائی میں کسی دوسرے کو شریک نہیں مانتا۔ چنانچہ اس کا اپنا دعویٰ ہے: انا ربكم الاعلى۔ (میں تمہارا بڑا رب ہوں)۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں دو معنوں کا اشارہ ہے:

① سالک صادق جب مرتبۂ کمال کو پہنچتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی رہبری کے لیے منتخب فرماتا ہے تاکہ بندوں کی کامل تربیت فرمائے۔

② سالکین باکمال کا کمال یہ ہے کہ وہ خلق سے روگرداں ہو کر ان کی میل ملاقات سے دور رہ کر اور ان کی ایذا رسانی پر حوصلہ کرے تاکہ ان کے حلم و عفو کا امتحان ہو سکے۔

معجزۂ عصا کی حکمت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا کے معجزہ سے نوازنے کا اصلی موجب یہ ہے کہ عصاً چرواہوں کی علامت ہے اور موسیٰ علیہ السلام بکریاں چراتے رہے اور پھر فرعون گدھا مزاج تھا۔ اس لیے اسے سیدھا کرنے کے لیے اسی طرح کا معجزہ دیا گیا۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

گر ترا عقلست کردم لطفہا ! ور خری آوردہ ام خر را عصا
آنچنان زین آخرت بیرون کنم کز عصا گوش و سرت پر خون کنم
اندرین آخر خراں و مردماں ! نیابند از جفایت تو اماں !

۴ - یک عصا آوردہ ام بہر ادب ہر خرے را کو نباشد منتخب

۵ - اژدہائے میشود در قہر تو کاژدہائے گشتۂ در فعل و خُو

۶ - اژدہائے کوہئ تو بے امان لیک بنگر اژدہائے آسمان

۷ - این عصا از دوزخ آمد چاشنی کہ ہلا بگریز اندر روشنی ا

۸ - ورنہ درمانی تو در دندان من مخلصت نبود ز در بندان من

۹ - این عصائی بود این دم اژدھاست تا نگوئی دوزخ یزدان کجاست

۱۰ - ہر کجا خواہد خدا دوزخ کند اوج را بر مرغ دام و فخ کند

۱۱ - ہم ز دندانت بر آید دردھا تا بگوئی دوزخست و اژدھا

۱۲ - یا کند آب دھانت را عسل کہ بگوئی کہ بہشتست و حلل

۱۳ - از بن دندان بروید شکر تا بدانی قوت حکم قدر

۱۴ - پس بدندان بے گنہا نرا مگز فکر کنی از ضربت تا محترز

ترجمہ: (۱) اگر تجھے عقل ہے تو ہمارے بہت الطاف ہیں ورنہ تو بے عقل گدھا ہے تو ہم نے گدھوں کے لیے ڈنڈا بنایا ہے۔

۲ - تمہیں ایسے گدھے سے نجات دلائیں گے اس گدھے کو درست کرنے کے لیے تمہارے سر اور کان کو خون آلودہ بنا دیں گے۔

۳- ورنہ اس گدھا سے گدھے قرار پائیں گے اور نہ انسان آرام پائیں گے ۔

۴- ادب کے لیے ہم ایک ڈنڈا لائے ہیں وہ ایسا ہے کہ وہ گدھوں کو تو اچھا نہ لگے گا ۔

۵ - وہ ایسا اژدھا ہے کہ جب وہ تیرے قبضہ میں آئے گا وہ اژدھا جو کہ فعل و خُو میں بہتر ہے ۔

۶ - اژدھا پہاڑی تو امان کے بغیر ہے لیکن آسمانی اژدھا کو دیکھ (کہ وہ دیگر رکھتا ہے)۔

۷ - اس ڈنڈے کو دوزخ سے حصہ ملا ہے کہ اس سے روشنی کی طرف جانے کی کوشش کیجئے۔

۸ - ورنہ تیرا علاج میرے دانتوں کے لیے مخلص نہ ہوگا میرے مقصد کے لیے ۔

۹- اسی وقت میں وہ ڈنڈا ہے تو اسی دم وہ اژدہا ہے تاکہ تم نہ کہہ سکو کہ یہ اللہ تعالٰی کی دوزخ ہے ۔

۱۰ - اللہ تعالٰی جہاں چاہتا ہے دوزخ بنا دیتا ہے پرندہ بلندی پر پرواز کرنے والے کو زمین کی پھانسی میں لٹکا دیتا ہے ۔

۱۱ - تیرے دانتوں میں درد اٹھتا ہے تو تم کہتے ہو کہ یہ دوزخ ہے یا اژدھا ہے ۔

۱۲ - یا یوں کرتا ہے کہ تیرے منہ میں شہد ڈالتا ہے پھر تمھیں محسوس ہوتا ہے کہ میرے منہ میں بہشت آگئی ۔

۱۳ - دانتوں کی جڑوں سے جب شکر کا ذائقہ اٹھا لیتا ہے اس لیے کہ تمھیں تقدیر محکم کا علم ہو ۔

۱۴ - پھر دانتوں سے بلاوجہ کسی کو نقصان نہ پہنچاؤ اور نالائق کی ضرر رسانی کا بھی فکر کیا کرو ۔

تفسیر آیاتِ صفحہ نمبر ۲۵۹

تفسیرِ عالمانہ قَالَ، موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالےٰ سے مدد چاہتے ہیں جب انہیں معلوم ہوا کہ انہیں ایک بہت بڑے بوجھ کے اٹھانے کا امر ہوا ہے اور سمجھا کہ انہیں بہت بڑے امر کا مامور بنایا گیا ہے یعنے تصور کیا کہ میں اکیلا اور فرعون کا بہت بڑا لشکر ہے پھر مقابلہ کس طرح ہوگا۔ اس لیے اللہ تعالےٰ سے عجز و نیاز کر کے دعا مانگی : رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ○ اے میرے پروردگار! میرے لیے میرا سینہ کو کشادہ فرما۔

ف : صدر سے یہاں پر قلب مراد ہے اس سے گوشت کا ٹکڑا مراد نہیں جو صنوبری شکل کا سینہ میں ہے یعنے اے اللہ تعالیٰ! میرا قلب کشادہ فرما تاکہ دشمنوں کی مخالفت اور سفاہت سے تنگ نہ ہو اور نہ ہی اس کی شوکت و کثرت سے خوفزدہ ہو۔

ف : شرح صدر بھی انبیاء و اولیاء پر اللہ تعالےٰ نعمتوں سے ایک نعمت ہے اس میں سب سے زیادہ حصہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نصیب ہوا اس لیے کہ یہ نعمت صورۃً اور معناً بھی صرف ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوئی کیونکہ زمانہ طفولیت میں آپ کا شق صدر ہوا اور وہاں سے شیطانی حصہ کو اکھیڑ کر کے باہر پھینکا پھر اسے سونے کے تھال میں رکھ کر دھویا گیا اور پھر اسی طرح آپ کا سینہ مبارک چالیس سال کے بعد چیرا گیا یہ صرف اس لیے تاکہ آپ کو شرح صدر سے حظ وافر نصیب ہو اور رسالت کا زیادہ سے زیادہ بوجھ اٹھا سکیں اور پھر شب معراج میں بھی آپ کا شرح صدر ہوا تاکہ آپ اسرار الٰہی سے زیادہ سے زیادہ حامل ہو سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ اوصاف جلیلہ مثلاً حلم و عفو و صبر اور عفو و کرم اور لطف و فضل اور دعا و نصیحت وغیرہ وغیرہ میں بے عدیل و بے مثیل تھے۔

وَيَسِّرْ لِيْ اَمْرِيْ ○ اور میرا معاملہ آسان فرما یعنے تبلیغ کے اسباب پیدا فرما اور اس کے موانع دور فرما۔

وَاحْلُلْ، اور کھول دے۔ عُقْدَةً، اس لکنت کو۔ مِّنْ لِّسَانِيْ جو میری زبان میں ہے یہ فعل کے متعلق ہے۔

نکتہ : عقدۃ کی تنکیر اس کی قلت کی طرف دلالت کرتی ہے۔

نکتہ : انسان میں اگر زبان نہ ہوتی تو یہ شتر بے مہار کی طرح جانور ہوتا یا صرف فوٹو ہی فوٹو ہوتا انسان اسی چھوٹے قلب کی لسان کا نام ہے۔

يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ○ تاکہ میری بات کو یعنے تبلیغِ احکام کو فرعون اور اس کی قوم سمجھے کیونکہ فصیح و بلیغ انسان سے تبلیغی مستحسن ہوتا ہے۔ اور حضرت موسےٰ علیہ السلام نے جب سے انگارہ منہ میں ڈالا تھا تھوڑی سی زبان میں لکنت پیدا ہو گئی تھی۔

موسےٰ علیہ السلام کا انگار منہ میں رکھنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کندھے پر بیٹھا کر جا رہا تھا تو موسےٰ علیہ السلام نے اس کی ڈاڑھی نوچی اور کچھ بال بھی اکھیڑ ڈالے اس کی ڈاڑھی میں جواہر اور لعل بھی گندھے ہوئے تھے۔ اس نے ناراض ہو کر کہا کہ یہ بچہ وہی ہے جس کے میرا دشمن ہونے کی خبر مجھے نجومیوں نے دی ہے۔ فلہٰذا اب میں

اسے قتل کراتا ہوں۔ بی بی آسیہ رضی اللہ عنہا اس کے آڑے آگئی اور کہا اے بادشاہ سلامت! بچے انجان ہوتے ہیں انہیں کیا پتہ کہ یہ موتی ہیں یا کچھ اور۔ اگر امتحان لینا ہے تو ایک طرف انگارے رکھ دو دوسری طرف موتی۔ موسیٰ علیہ السلام کو بلا کر اس کے سامنے کر دو، دیکھئے بچپنے سے کیا کرتا ہے۔ چنانچہ ایسا کیا گیا تو موسیٰ علیہ السلام موتی اٹھانے لگے لیکن جبریل علیہ السلام نے آپ کا ہاتھ انگارے کی طرف کر دیا جسے آپ نے اٹھا کر منہ میں ڈالا تو آپ کی زبان جل گئی جس سے معمولی سی ثقالت پیدا ہو گئی اسی لیے آپ کی بات کو آسانی سے سمجھا نہیں جا سکتا تھا۔ اسی طرف شیخ عطار قدس سرہٗ نے ارشاد فرمایا ہے:

؎

ہمچو موسےٰ این زمان در طشت آتش ماندہ ایم
طفل فرعونیم ماکام و دہان پر انگرست

ترجمہ: اسی دور میں ہم موسیٰ علیہ السلام کی طرح آگ کے تھال میں ہیں۔ ہم فرعونی بچے ہیں ہمارے منہ انگاروں سے پُر ہیں۔

ف: شاید موسےٰ علیہ السلام کا ہاتھ مبارک سفید اسی لیے تھا کہ آپ نے وہ انگارہ اور فرعون کی ڈاڑھی پکڑی اور پھر اسے نوچا تھا۔

سوال: انگاروں سے منہ میں تو اثرات پہنچے جس کی وجہ سے زبان میں ثقالت پیدا ہو گئی حالانکہ یہ اثرات ہاتھ میں پڑنے چاہیئے تھے کیونکہ انگارے جب ہاتھ میں لئے گئے تو اس وقت ان کی تیزی سخت تھی بہ نسبت منہ میں پہنچنے کے؟

جواب: تاکہ فرعون کو یقین ہو کہ یہ واقعی اللہ تعالےٰ کے نبی ہیں اور جب موسیٰ علیہ السلام اسے دعوت حق پیش کریں گے تو اسے تردد نہ ہو کہ یہ وہی موسیٰ علیہ السلام ہیں جنھیں آگ نے جلایا تھا اور اس وقت زبان بولنے کے بھی قابل نہ رہی تھی لیکن اب وہ صحیح و سالم تشریف لائے اور نہایت فصیح و بلیغ کلام فرماتے ہیں اور خود موسےٰ علیہ السلام فرعون کو کہہ سکیں کہ اے فرعون! دیکھ لے کہ تو نے مجھے ہر طرح سے ناکارہ بنا دیا تھا لیکن میرے اللہ تعالےٰ نے مجھے اس وقت بہتر سے بہتر اور احسن ترین بنا کر نبوت کا تاج پہنایا اور ساتھ یہ دوسرا معجزہ ہے کہ میرے ہاتھ کو نورانی کر دیا کہ جب بھی اسے گریبان سے نکالتا ہوں تو اس سے نوری شعلے نکلتے ہیں۔ اس نے بچپن میں میرا امتحان لیا لیکن جوانی میں اعلیٰ سے اعلیٰ انعام و اکرام سے نوازا۔ سچ ہے کہ ہر آزمائش الٰہی میں حسن و جمال ہے۔

سوال: تمہاری تقریر سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت موسےٰ علیہ السلام اس واقعہ کے بعد فصیح و بلیغ ہو گئے اور آپ کی دعا "واحلل عقدۃ من لسانی" سے بھی تمہاری تائید ہوتی ہے اسی لیے کہ موسیٰ علیہ السلام کی بھی دعا مستجاب ہوئی۔ کما قال:

قال قد اوتیت سؤلک یٰموسیٰ

لیکن موسیٰ علیہ السلام کا اپنا قول تمہاری تردید کرتا ہے۔ چنانچہ فرمایا: واخی ھارون ھو افصح منہ اور فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی فصاحت و بلاغت کا بھی انکار کر رہا ہے۔ کما قال: ولا یکاد یبین؟

جواب: واقعی ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام سے فصیح تر تھے اور ایک نبی کو دوسرے نبی سے جزوی طور پر فضیلت حاصل ہو تو حرج نہیں۔ یہ صرف ہمارے نبی علیہ السلام کا خاصہ ہے کہ جملہ انبیاء علیہم السلام سے ہر طرح کے کمالات میں افضل و اعلیٰ ہیں۔ اور فرعون کا آپ کی فصاحت کا انکار از راہ معاندت و عداوات تھا۔ چنانچہ مخالفین کی عادت ہے کہ اپنے مخالف کے کمالات کا اقرار نہیں کرتے جیسا کہ مخالف، مخالف کو کہتا ہے کہ تم تو کوئی شئے نہیں یا اسے کہتا ہے کہ تم تو کچھ نہیں جانتے۔

شعیب علیہ السلام کو آپ کے مخالفین کہا:

ما نفقه کثیرا مما تقول۔

اور ہود علیہ السلام کو کہا گیا:

ما جئتنا ببینة۔

اور ہمارے نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کو کفار نے کہا:

قلوبنا فی اکنة۔ (کذا فی الاسئلة المقحمہ)

یہی جوابات صاحب ارشاد یعنے مولانا ابو السعود رحمہ اللہ۔

وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا، اور میرا وزیر بنا۔ الوزیر بادشاہ کے اس خاص ہمنشین اور ساتھی کو کہا جاتا ہے جو اس کے بوجھ اٹھائے اور وہ اس کی رائے کی تائید کرے۔ (قاموس)

الوزر (بالکسر) سے مشتق ہے بمعنے الثقل (بوجھ) ہے اور وزیر چونکہ بادشاہ کے بوجھ اٹھاتا ہے اسی لیے اس نام سے موسوم کیا جاتا ہے، یا الوزر (بالفتحتین) سے بمعنے الملجاء المعتصم (جائے پناہ) چونکہ وزیر کی رائے سے پناہ لی جاتی ہے اور امور سلطنت میں اس سے پناہ لی جاتی ہے اسی لیے اس نام سے موسوم ہوتا ہے۔ اب معنٰے یہ ہوا کہ اے اللہ! مجھے ایک ایسا ساتھی عطا فرما جو امور نبوت میں میری معاونت فرمائے کہ جس کے تعاون سے مجھے آسانی حاصل ہو۔

مِّنْ اَهْلِيْ ۝ میرے خواص و اقربا میں سے۔ اس لیے کہ اھل انسان کے ان خاص لوگوں کو کہا جاتا ہے جو اس کی طرف منسوب ہوتے ہوں جیسے اللہ تعالےٰ نے نوح علیہ السلام کا قول بیان فرمایا: ان ابنی من اھلی۔ اور اھل اللہ سے اللہ تعالےٰ کے خاص بندے مراد ہوتے ہیں۔

حدیث شریف

ان للہ اھلین من الناس اھل القرآن وھم اھل اللہ۔ (روح البیان جلد ۵ صـ ۳۷۹) کذا فی المقاصد الحسنہ۔

بے شک لوگوں میں سے اللہ تعالےٰ کے چند خاص بندے ہوتے ہیں وہ اہل قرآن ہیں وہی اہل اللہ ہیں۔

فائدہ از اویسی غفرلہ اہل قرآن اہل اللہ کا لقب ہے لیکن دور حاضرہ میں یہ لقب چکڑالویوں اور پرویزیوں نے اپنے لیے مشہور کر دیا ہے جیسے اہل حدیث محدثین کا مخصوص لقب ہے لیکن آج کل کے غیر مقلدین وہابیوں نے اپنے لیے خاص کر لیا ہے اس سے واضح ہوا کہ القاب قدیمہ سے اپنے آپ کو مشہور کرنے سے ان کی بدمذہبی کا سیاہ دھل نہیں سکتا [1]

ف: من اھلی یا تو وزیرًا کے لفظ کی صفت یا اجعل کا صلہ ہے۔

ھٰرُوْنَ، یہ اجعل کا مفعول اول ہے۔

نکتہ: مفعول ثانی اس سے پہلے اس لیے لایا گیا ہے تاکہ واضح ہو کہ موسٰی ؑ کا اصلی مدعا وزیر کا حصول تھا۔

اَخِیْ ۝ یہ ہارون سے بدل ہے۔

اشْدُدْ بِہٖۤ اَزْرِیْ ۝ ازر بمعنے قوت و ظہر (پیٹھ) ہے یعنے اس وزیر کے سبب سے میری قوت یا میری پیٹھ مضبوط فرما دے۔

وَاَشْرِکْہُ فِیْۤ اَمْرِیْ ۝ اور میری رسالت کے امور میں اسے میرا شریک بنا دے تاکہ وہ میری ہر طرح سے معاونت کرے۔

سوال: موسٰی علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کے لیے نبوت کا سوال کیوں کیا جب کہ انھیں معلوم تھا کہ نبوت اللہ تعالٰے کا اپنا انتخاب ہوتا ہے۔ کما قال "اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ" وہ دعا وغیرہ سے حاصل نہیں ہوتی؟

جواب اللہ تعالٰی کا موسٰے علیہ السلام کی دعا کو قبول کر لینا دلالت کرتا ہے کہ موسٰی علیہ السلام کی استدعا اللہ تعالٰے کی اجازت اور اذن سے تھی بلکہ اللہ تعالٰے سے انھیں الہام ہوا تھا کہ آپ ایسی دعا مانگنے میں اسے ضرور قبول کروں گا۔

فائدہ از اویسی غفرلہٗ اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی دعا غیر ممکن امور میں بھی مستجاب ہوتی ہے وہ غیر ممکنہ امور میں دعا مانگتے بھی اس وقت ہیں جب اللہ تعالٰے سے انھیں اجابت کی اطلاع ہو جاتی ہے ورنہ انھیں دعا مانگنے سے پہلے ہی روک دیا جاتا ہے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کو لوط علیہ السلام کی امت کے لیے دعا مانگنے سے پہلے کہا گیا: یا ابراھیم اعرض عن ھذا۔ اس سے ثابت ہوا کہ وہ شخص سخت ترین مجرم اور انبیاء علیہم السلام کا گستاخ ہے جو کہتا ہے کہ ان کی دعا رد ہو جاتی ہے [2]

نکتہ: چونکہ نبوت کے امور میں معاونت ایک بہت بڑا عہدہ تھا اور اللہ تعالٰے نے موسٰی علیہ السلام کے ساتھ کسی کو معاون بنانا تھا اسی لیے انھوں نے یہ عہدہ اپنے بھائی کے لیے مانگ لیا۔

---

[1]،[2]: اضافہ از اویسی غفرلہٗ

صحبتِ صالح اس سے معلوم ہوا کہ نیکوں کی معاونت و صحبت انبیاء علیہم السلام کو بھی مرغوب ہے چہ جائیکہ ہم عوام بلکہ ہمیں اس سے سبق ملا کہ نیک لوگوں کی صحبت و معاونت ایک اعلیٰ دولت ہے یہ کسی قسمت والے کو نصیب ہوتی ہے۔

اسباق: ① انسان کو اپنی رائے پر مغرور نہ ہونا چاہیے چاہے کتنا ہی قوت و شوکت کا مالک ہو۔

② جو کچھ اپنے لیے پسند کرے اپنے بھائی کے لیے بھی وہی پسند کرے۔

③ بہت بڑے امور میں بطور معاون دوسرے کو شریک کرنا جائز ہے۔

ازالۂ وہم موسیٰ علیہ السلام کا ہارون علیہ السلام کو وزیر بنانا ان کی نبوت کے منافی نہیں بلکہ اسرائیل کے اکثر انبیاء علیہم السلام کا یہی حال تھا کہ انھیں ایک نبی ہوتا تو دوسرا ان کا وزیر معاون و مددگار۔

ف: ہارون علیہ السلام مصر میں رہے تو موسیٰ علیہ السلام شام میں۔

کَیْ یہ ادعیہ مذکورہ ثلاثہ اخیرہ کی غایۃ ہے۔ نُسَبِّحَكَ كَثِيرًا ○ تاکہ ہم تیری تسبیح بکثرت کر سکیں یعنے ہم تیرے امور و صفات کی تنزیہ بیان کریں جو تیری شان کے خلاف ہیں بالخصوص وہ امور جن کا مدعی فرعون ہے۔

ف: کثیرا حال ہے یعنے ہم ہر حال میں تیری تسبیح بیان کریں اور تیرے وہ کمالات اور نعوت، جمال و جلال کو ظاہر کریں جو تیرے لائق ہیں۔

ف: تعاون کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس سے مخالف پر رعب چھا جائے گا اور ہم خیر و بھلائی کو بکثرت ظاہر کر سکیں گے۔

وَنَذْكُرَكَ كَثِيرًا ○ اور ہم ایک دوسرے کی معاونت میں تیرا بہت زیادہ ذکر کریں گے۔

تفسیرِ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ انسان کو نیک بخت کے ساتھ رفاقت و صحبت کرنی چاہیے کیونکہ نیک صحبت و اچھی رفاقت کا ایک دوسرے پر گہرا اثر پڑتا ہے اس سے طاعات میں ایک دوسرے کی معاونت ہوتی ہے۔ اور سلوک کی راہیں آسانی سے طے ہو سکتی ہیں۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

دریغ و درد کہ تا این زبان نداشتم
کہ کیمیائے سعادت رفیق بود رفیق

ترجمہ: افسوس اور درد ہے کہ تاحال مجھے اس کی اہمیت سمجھ میں نہ آسکی حالانکہ اچھا رفیق سعادت کی کیمیا ہے۔

اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا ○ بنا کی باء بصیرا کے متعلق ہے فواصل کی رعایت کی وجہ سے بار کو اپنے متعلق سے مقدم کیا گیا ہے یعنے تو ہمارے احوال خوب جانتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ تعاون میں ہماری مصلحت ہے اور ہارون علیہ السلام کی وزارت میرے متعلق سپرد کردہ امور میں بہتر ثابت ہوگی۔ کیونکہ ایک تو مجھ

سے سن میں بڑے اور دوسرا مجھ سے فصیح تر ہیں۔

ف : ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام سے چار سال یا ایک سال بڑے تھے روایات کا اختلاف ہے۔

قَالَ، اللہ تعالیٰ نے فرمایا : قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَكَ یٰمُوْسٰی ۝ اے موسیٰ علیہ السلام آپ کو آپ کا سوال کردہ مطلوب عطا کر دیا گیا ہے۔ سؤل فعل بمعنے مفعول ہے جیسے خبز بمعنے مخبوز۔

ف : ایتا سے اللہ تعالیٰ کا وہ ارادہ تعلق مراد ہے جو موسیٰ علیہ السلام کی مطالب عطا ہوں گے۔

صحبت صالح کے فوائد حضرت داؤد قیصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اقطاب و اغواث پر اللہ تعالیٰ کی منت و احسان اور ان کے کمالات کا ایک یہ بھی ہے کہ انھیں جہلا و حمقار کی صحبت سے بچا کر ان کو علمار و ادبا و امنا کی صحبت و رفاقت بخشتا ہے تاکہ وہ ان کے بوجھ اٹھائیں اور ان کے احکام کا نفاذ کریں۔ اور ان کے اقوال عوام تک پہنچائیں جیسے آصف بن برخیا سلیمان علیہ السلام کے وزیر تھے اور وہ اپنے وقت کے قطب اور جملہ عالم دنیا میں تصرف کرنے والے تھے اور انھوں نے بہت اہم امور انجام دیئے مثلاً بلقیس کا تخت لانا وغیرہ جیسا کہ ان کا واقعہ قرآن مجید میں ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے خلیفہ اور وزیر تھے۔

نوشیرواں کے تجربے نوشیرواں کہا کرتا تھا کہ تلوار کتنی ہی بہتر کیوں نہ ہو پھر بھی اسے صیقل ضروری ہے۔ ایسے ہی سواری اعلیٰ سے اعلیٰ کیوں نہ ہو پھر بھی اس کے لیے چابک لازمی ہے اور بادشاہ کتنا ہی زیرک زمان ہو اُسے وزیر واجب ہے۔

حدیث شریف حدیث شریف میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بادشاہ کے لیے خیر و بھلائی فرماتا ہے تو اسے نیک طبیعت وزیر عطا فرماتا ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر بھلاتا ہے تو وہ اسے یاددہانی کراتا ہے۔ اگر وہ نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اس کی اعانت کرتا ہے اگر وہ برائی پر آمادہ ہوتا ہے تو وہ اسے روکتا ہے۔

حضور علیہ السلام کے وزرار : حضور تاجدار انبیار صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی وزرار تھے۔ چنانچہ خود فرمایا :

ان لی وزیرین فی الارض ابابکر وعمر — میرے دو وزیر زمین پر ہیں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اور دو

ووزیرین فی السماء جبریل واسرافیل۔ — وزیر آسمان میں ہیں جبریل و اسرافیل علیہما السلام۔

ف : وہ دو وزیر جو آسمان میں تھے وہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی روحانیت کی حیثیت سے معاونت کرنے اور وہ جو زمین پر تھے وہ بحیثیت جسمانیہ کے۔

کما قال تعالیٰ :

ھو الذی ایدك بنصرہ وبالمومنین۔ — وہ (اللہ تعالیٰ) جو اللہ تعالیٰ آپ کی اپنی اور اہل ایمان کی مدد سے امداد کرتا ہے۔

اس آیت میں نصر اللہ سے آسمانی اور نصر المؤمنین سے ارضی مدد مراد ہے، اور ان تمام وزراء سے علی الاطلاق ہر طرح کی مدد ملتی ہے۔

حدیث وہابی کش یعنی امداد از اہل قبور حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا تحیرتم فی الامور فاستعینوا من اهل القبور[1] — جب تم معاملات میں پریشان اور سرگرداں ہو تو تم اہل قبور سے مدد حاصل کرو۔

سند الحدیث المذکور: کاشفی نے رسالہ علیہ میں اور ابن الکمال نے شرح الاربعین میں حدیث مذکور کو بیان فرمایا ہے۔ اہل القبور سے روحانی لوگ مراد ہیں خواہ وہ اجساد کثیفہ میں ہوں یا لطیفہ میں۔

عادل حاکم اور ظالم عادل حاکم کو اس طرح کی وراثت از سرور کونین صلے اللہ علیہ وسلم نصیب ہوتی ہے اور ظالم حاکم کو برا وزیر (ساتھی) نصیب ہوتا ہے اور یہ اللہ تعالے کے غضب (ناراضگی) اور انتقام کی علامت ہے۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

بقومی کہ نیکی پسندد خدائے
دھد خسرو عادل نیک رائے
چو خواہد کہ ویران کند عالمے
کند ملک در پنجۂ ظالمے

ترجمہ: کسی قوم پر اللہ تعالے اگر خیر و بھلائی چاہتا ہے تو انھیں عادل و نیک رائے بادشاہ (حاکم) عطا فرماتا ہے۔ اگر ملک کو ویران کرنا چاہتا ہے تو اس ملک (علاقہ) پر ظالم حاکم کو مسلط فرماتا ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

زمانہ گر نہ سر قلب داشتے کارش
بدست آصف صاحب عیار بایستی

ترجمہ: اگر سلیمان علیہ السلام کے لیے زمانہ الٹا معاملہ چاہتا تو ان کا وزیر آصف عیار و مکار ہوتا۔

بادشاہ ظل الٰہی ہے سلطان وقت زمین پر اللہ تعالے کا سایہ ہوتا ہے حقیقت جامعہ الٰہیہ مظہر ہو کر ظاہر ہوتا ہے وہی قطب اور جملہ عالم کا مدار ہے جیسے قطب کے وزراء علماء امنا ہوتے ہیں۔ ایسے ہی جو اللہ تعالیٰ کا سایہ ہے یعنے

---

[1] روح البیان جلد ۵ صـ ۳۸۰۔

بادشاہ کے وزیر بھی عادلین وادبا۔

ف: ایسی وزارت حضرت امام مہدی تک جاری رہے گی۔ اس وقت ان کے سات وزراء ہوں گے اور وہ اصحاب کہف ہیں انھیں زمانہ مہدی میں زندہ فرمائے گا اور وہی وزارت مہدویہ کے خاتم ہوں گے۔ ہمارے ملوک عثمانیہ کے بھی سات وزراء ہوتے ہیں انھیں وزراء القبہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ موسیٰ سے آفاق میں ہمارا سلطان اور انفس میں روح اور ہارون آفاق میں ہمارا وزیر اور انفس میں ہماری عقل اور فرعون سے اہل حرب نصاریٰ وغیرہ اور نفوس امارہ مراد ہیں جب روح اس عقل سے ملتی ہے جو اچھی تدبیر اور بہتر مشورہ بتاتی ہے، سے ملتی ہے تو روح نفس پر غلبہ پا جاتی ہے اور قلب کو نفس کے پنجہ سے چھڑا لیتی ہے جیسے کوئی بادشاہ اپنی سلطنت میں نیک اور عادل وزیر منتخب کرتا ہے تو وہ بفضلہٖ تعالیٰ اپنے اعداء پر غلبہ پا جاتا ہے جیسے چاہتا ہے دشمنوں کے بلاد وحصوں پر تصرف کرتا ہے۔

مثنوی رومی میں ہے ؎

عقل تو دستور مغلوب ہواست
در وجودت رہزن راہ خداست
وای آن شہ کہ وزیرش این بود
جائے ہردو دوزخ پرکین بود
شاد آن شاہی کہ او را دستگیر
باشد اندر کار چون آصف وزیر
شاہ عادل چون قرین او شود
نام او نور علیٰ نور دین بود
چون سلیمان شاہ و چون آصف وزیر
نور بر نور است و عنبر بر عبیر
شاہ فرعون و چو ہامانش وزیر
ہر دو را نبود ز بد بختی گریز
پس بود ظلمات بعضی فوق بعض
نے خرد یارو نہ دولت روز عرض

عقل جزوی را وزیر خود مگیر
عقل کل را ساز ای سلطان وزیر
مر ہوا را تو وزیر خود مے ساز
کہ بر آرد جان پاکت از نماز
کین ہوا پر حرص و حالی بین بود
عقل را اندیشہ یوم الدین بود

ترجمہ: (۱) تیری عقل خواہشات نفسانی کے طریقہ پر چل کر اس سے مغلوب ہے اور وہی راہ خدا پر تیرا رہزن ہے۔
(۲) اس بادشاہ کا بہت افسوس ہے جس کا ایسا وزیر ہو۔ دونوں کی جگہ جہنم ہوگی۔
(۳) وہ بادشاہ مبارک باد کا مستحق ہے جس کا معین و مددگار آصف جیسا وزیر ہو۔
(۴) بادشاہ عادل کو جب ایسا وزیر میسر ہو اس کا ہر کام نور علیٰ نور ہوگا۔
(۵) بادشاہ سلیمان اور وزیر آصف ہو تو پھر نور علیٰ نور اور عنبر پر عبیر ہے۔
(۶) بادشاہ فرعون اور وزیر ہامان ہو تو دونوں کو بدبختی لازم ہے۔
(۷) ایسوں کے لیے ظلمات بر ظلمات ہے ان کی نہ عقل مدد کرے گی نہ زر و دولت نصیب ہوگی۔
(۸) اپنا وزیر عقل جزوی کو مت بنا عقل کل تیری وزارت کے لیے ضروری ہے۔
(۹) خواہشات نفسانی کو بھی وزیر نہ بنا۔ اس لیے کہ وہ تو تیری روح کو نماز ادا نہ کرنے دے گی۔
(۱۰) اس لیے کہ خواہشات تو حرص و اغراض کے درپے رہتی ہیں اور عقل کو یوم جزا کی فکر رہتی ہے۔

حدیث شریف (حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) جو اپنی شاہی (حکومت) میں نااہل کو کام سپرد کرتا ہے حالانکہ اس کی سلطنت میں اہلیت و صلاحیت والے بھی ہیں تو وہ اللہ تعالے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور جملہ اہل ایمان کی خیانت کرتا ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

؎

کسی را کہ با خواجہ تست جنگ
بدستش چرا می دہی چوب و سنگ
سگ آخر کہ باشد کہ خوانش نہند
بفرمائے تا استخوانش نہند

مکافات موذی بمالش مکن !
کہ بے نخش بر آورد باید زبن
سر گرگ باید هم اول باید
نہ چون گوسفندان مردم درید

ترجمہ : ① جسے تیرے آقا سے جنگ ہو تو پھر اس کے ساتھ ڈنڈا اور پتھر میں کیوں پکڑاتا ہے۔
② کتے کو دسترخوان پیش کرنے کا کیا معنے اس کے لیے ہڈی چاہیئے۔
③ موذی کو مال دے کر بدلہ نہ اتار بلکہ اس کی جڑ کاٹ دیجئے۔
④ بھیڑیئے کا سر پہلے سے اتارنا لازمی ہے اس وقت کیا فائدہ ہوگا جب وہ لوگوں کی بکریاں پھاڑ کھائے۔

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ :

حل لغات یہ من علیہ منّاً سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کو انعام دے۔ یہ علیہ منۃ سے نہیں بمعنے امتن علیہ اس لیے کہ منت انسان کے کسی کردار سے ختم ہوسکتی ہے۔

سوال : موسیٰ علیہ السلام پر منّت جتلانا ایک قسم کا ایذا ہے حالانکہ یہاں تو ان کے ساتھ لطف و شفقت چاہیئے ؟

جواب : اللہ تعالٰے نے یہ انعام و اکرام اس لیے جتلایا ہے کہ موسٰے علیہ السلام ذاتی طور پر ایسے انعامات و کرامات کے مستحق ہیں اور انھیں معلوم ہو کہ جو کچھ انھیں عطا ہوا ہے یہ اللہ تعالٰے کا فضل و احسان ہے۔

اب معنٰے یہ ہوا کہ بخدا ہم نے آپ پر، اے موسیٰ علیہ السلام احسان کیا اور بہترین انعامات و کرامات سے نوازا حالانکہ آپ نے ہم سے ان کے متعلق سوال بھی نہیں کیا۔ (کذافی الکبیر)

مَرَّةً أُخْرَىٰ ۝ آنے جانے کے وقت یعنے ایسے اوقات میں جو اس وقت کا غیر ہیں۔ اخریٰ، آخر کی تانیث ہے بمعنے غیر اور المرۃ، مرۃٌ واحد کا اسم ہے اور مر اسم مصدر ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے : مریمر مرا و مرورًا بمعنے ذھب پھر اس کا اطلاق فعلات کے فعلۃ واحدۃ پر ہوتا ہے۔ وہ فعلات لازم ہوں یا متعدی۔ اس کے اطلاق کے بعد عرف میں ان افراد کے ایک فرد میں مستعمل ہونے لگا جو افراد آپس میں متحد ہوں اور یہ اسی فرد کا علم ہو کر مستعمل ہوتا ہے گویا یہ اپنے باقی جملہ افراد کے لیے بمنزلہ معیار کے ہے اور یہ صرف مرۃ سے مخصوص نہیں بلکہ اور بھی ایسے افعال ہیں جو مرۃ کی طرح اپنے افراد کے فرد کے ایسے علم ہیں جیسے مرۃ اپنے افراد کے فرد کا جیسے کرۃ۔ تارۃ۔ دفعۃ۔ لیکن یہاں پر وہ وقت مستمر مراد ہے جس میں آنے والی کثیر اور عظیم نعمتوں کا وقوع ہوا ہے۔

إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّكَ ۔ یہ مننّا کا ظرف ہے یعنے جب ہم نے آپ کی والدہ کی طرف وحی کی۔ اس سے وہ

وحی مراد نہیں جو انبیاء علیہم السلام پر ہوتی ہے کیونکہ جب عورت قضا و امارت کے قابل نہیں تو اس کے لیے نبوت کیسی۔ ہاں یہاں الہام مراد ہو سکتا ہے جیسے دوسرے مقام پر شہد کی مکھی کے لیے فرمایا: واوحی ربك الی النحل یعنے شہد کی مکھی کے دل میں ایک پکا ارادہ القا فرمایا کہ وہ تابوت و قذف تیار کرے۔

سوال: الاسئلۃ المقحمۃ میں ہے کہ بی بی نے محض الہام سے اپنے پیارے بیٹے کو دریا میں کیوں ڈال دیا؟

جواب: اس وقت اسے دو خطروں کا سامنا تھا اس نے ان میں سے اُسے اختیار کیا جو آسان تھا۔

تحقیقی جواب: موسیٰ علیہ السلام نے ایک بہترین موتی بنایا تھا اور موتی صدف میں ہوتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی ماں اس موتی کی تھیں اور قاعدہ ہے کہ جہاں موتی چمکتا ہے صدف بھی ساتھ چمکتا ہے اسی لیے ایسے الہام کا ہونا بی بی کے لیے لازمی امر تھا کہ ان کے پیٹ میں ایک نبی علیہ السلام اور وہ بھی کلیم اللہ موجود تھے اور ایسے الہامات خواص لوگوں کو ہوا کرتے ہیں۔

مَا یُوْحٰیۤ ۝ اس وحی سے وہ امور مراد ہیں جو اس کے بعد مذکور ہوں گے جیسے موسیٰ علیہ السلام کو تابوت اور دریا میں ڈالنا وغیرہ وغیرہ۔

سوال: پہلے اس نعمت کو مبہم بتایا گیا اس کے بعد تفصیل کیوں؟

جواب: الہام میں تفخیم و تہویل مطلوب ہے تاکہ موسیٰ علیہ السلام کی شان و عظمت کی اہمیت محسوس ہو اس کے بعد اس کی تفصیل فرمائی تاکہ مطلوب کا دل میں گہرا اثر ہو۔

اَنِ اقْذِفِیْهِ فِی التَّابُوْتِ۔ ان مفسرہ ہے بمعنے ای اس لیے وحی بھی قول سے متعلق ہے۔ اب معنے یہ ہوا کہ ہم نے بی بی کو فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کو صندوق میں رکھ دے۔ یہاں پر قذف بمعنے وضع (رکھنا) ہے اور **فَاقْذِفِیْهِ فِی الْیَمِّ** میں قذف بمعنے القا ہے اور وہ بھی تابوت کے بغیر نہیں یعنے موسیٰ علیہ السلام کو صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دے۔ تمام مفسرین نے لکھا ہے کہ الیم سے دریائے نیل مراد ہے اس لیے کہ یم سے مطلقاً دریا اور بڑی نہر مراد ہوتی ہے۔

سوال: صرف موسیٰ علیہ السلام کو دریا میں ڈالنے کی کیا حکمت تھی دوسرے کسی بھی نبی کے لیے ایسا حکم نہیں؟

جواب (۱): چونکہ فرعون کے معاملات نجومیوں کے ذریعے طے پاتے تھے اور نجومیوں کو دریا کے اندر والی اشیاء کا علم نہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا تاکہ نجومی موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرعون کو کوئی خبر نہ دے سکیں۔

جواب (۲): اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ کو ظاہر کرنا تھا باوجودیکہ موسیٰ علیہ السلام کو دریا میں ڈال کر گویا انھیں تلف کیا جا رہا ہے لیکن وہ قادر بڑی قدرت رکھتا ہے کہ انھیں ایسی ہلاکت گاہ سے محفوظ فرمایا۔

جواب (۳): بی بی پر احسان ظاہر کرنا مطلوب تھا کہ اے بی بی تم اسے بچپن میں میرے حکم سے دریا میں ڈال دے میں تجھے اسے جوان کر کے نبی بنا کر واپس کروں گا۔

ف: موسیٰ علیہ السلام کا ابتداء بھی دریا سے نجات پانا ہے اور انتہا بھی کہ آپ کے دشمن فرعون کو دریا میں ڈبو دیا اور آپ کو لشکر

سمیت بچالیا۔

تفسیر صوفیانہ

بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ تابوت میں ناسوت موسیٰ علیہ السلام یعنے ان کی صورت انسانیہ کی طرف اشارہ ہے اوریم سے ان کے وہ علوم مراد ہیں جو انھیں جسم عنصری سے حاصل ہوئے۔ جب اس جسم کو نفس ملا تو اسے اس جسم میں تصرف کرنے اور تدبیر کا حکم ہوا اللہ تعالٰے نے اس کے قویٰ کو ایسے آلات بنائے جن سے وہ امور حاصل کرے جو اللہ تعالٰے کے ارادہ میں تھے انھیں دریا میں ڈالا گیا تاکہ وہ ان قویٰ کے ذریعے فنون علم کی وجہ سے امر الٰہی کے حصول کی استعداد حاصل ہو۔ امر سے معنویہ اور رب سے روح کلی مراد ہے ان کے اجتماع سے بحسب قابلیت استعداد نصیب ہوتی ہے۔ اسی القا فی البحر سے موسیٰ علیہ السلام کو استعداد نصیب ہوئی۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

دیدم رخت آفتاب عالم اینست
در طور و وجود نور اعظم اینست
افتاد دلم اسیر تابوت بدن !
در بحر غمت القی فی الیم اینست

ترجمہ: تیرے چہرۂ عالم تاب کو میں نے دیکھا معلوم ہوا کہ طور وجود میں نور اعظم یہی ہے۔ تابوت بدن پر میرا دل اسیر ہوا تیرے دریائے غم میں جو کچھ حاصل ہونا تھا حاصل ہوا۔ القی فی الیم میں یہی راز ہے۔

تفسیر عالمانہ

فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ پس اسے دریا نے ساحل پر پھینکا۔ چونکہ یہ امر ہے اور امر وجوب کے لیے آتا ہے اور اس کا تعلق ارادۂ الٰہی سے ہے دریا کو ذو تمیز قرار دیا گیا گویا وہ ذو عقل اور امر بجالانے والا ہے۔ اسی لیے اسے جواب امر کے قائم مقام کھڑا کیا گیا۔ یہ صورۃً امر اور معناً خبر ہے اس کی جملہ ضمائر موسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہیں، اگرچہ بالاصالۃ پھینکی ہوئی اور دریا میں ڈالی ہوئی صندوق تھی لیکن مقصود بالذات اس کے اندر میں رہنے والے موسیٰ علیہ السلام ہیں اور ساحل اسم فاعل بمعنے مفعول ہے یہ السحل سے مشتق ہے اس لیے کہ سحل بمعنے قشر و سلخ و نزع ہے اور وہ چونکہ ساحل اس زمین کے اس حصے کو کہا جاتا ہے جو پانی سے علیحدہ ہے اسی لیے اس نام سے موسوم ہے۔ یہ قشرت العود سے ہے یعنے نزعت عنه یعنے میں نے اسے اس سے جدا کیا۔ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّي وَعَدُوٌّ لَّهُ ط میرا اور اس کا دشمن پکڑلے گا۔ یہ امر بالالقا کا جواب ہے اور عدو کا تکرار مبالغہ کے لیے ہے۔ اب معنے یہ ہوا کہ اے ام موسیٰ! انھیں دریا میں ڈال دے انھیں میرا اور ان کا دشمن پکڑلے گا اور میں اس بات پہ قادر ہوں کہ ان کی ان کے گھر میں پرورش دوں اور اس کے شر سے انھیں محفوظ رکھوں بایں معنی کہ اس کے دل میں ان کی محبت ڈال دوں گا۔

سوال: یہاں تو فرعون کی اللہ تعالٰے کے لیے برابری کا شبہ پڑتا ہے اس لیے کہ عدو (دشمن) کسی کے بالمقابل کو کہا جاتا ہے؟

جواب: چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے امر کا مخالف تھا اسی مخالفت کی بنا پر اسے مجازاً عدو کہا گیا۔ (کذا فی الاسئلۃ المقحمہ)

ف: ساحل سے مراد یہاں پر پانی سے خالی جگہ مجازاً مراد ہے کیونکہ یہاں دریا نے موسیٰ علیہ السلام کے صندوق کو باہر پھینکا تھا وہ دریا کا ساحل نہ تھا بلکہ وہ جگہ دریا کے وسط میں تھی وہاں سے فرعون کے محل میں بڑی نہر نکل کر جاتی تھی جو اس کے باغات کو سیراب کیا کرتی تھی۔

موسیٰ علیہ السلام کے صندوق کا فرعون کے ہاں پہنچنا منقول ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے صندوق کو روئی سے بھر کر اس کے ارد گرد تارکول (کالا تیل) ڈالا تاکہ پانی اندر نہ چلا جائے اس طرح صندوق کو اندر سے محفوظ کر کے اسے دریا میں ڈال دیا وہاں سے دریا نے فرعون کے باغات کو سیراب کرنے والی نہر میں پہنچایا اور وہ صندوق وہاں چلا گیا جہاں فرعون بی بی آسیہ کے ساتھ بیٹھا تھا۔ فرعون نے بی بی سے کہا کہ لائیے یہ صندوق کیسا ہے بلسے کھول کر دیکھا تو اس میں نہایت حسین وجمیل لڑکا موجود ہے۔

موسیٰ کی وجہ تسمیہ موسیٰ علیہ السلام چونکہ پانی میں دریا کے کنارے سے ملے اس لیے اسی نام سے موسوم ہوئے کیونکہ قبطی زبان میں "مُو" بمعنے پانی اور "سا" بمعنے درخت ہے۔

فرعون موسیٰ علیہ السلام کو دیکھتے ہی ان کی محبت میں مبتلا ہو گیا یہاں تک کہ جب تک انھیں دیکھ نہیں لیتا تھا اسے چین نہیں آتا تھا چنانچہ فرمایا:

وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّىْ ۚ میں نے اپنی طرف سے اس کے دل میں آپ کی بہت زیادہ محبت ڈال دی یہاں تک کہ ہر ایک کے دل میں موسیٰ علیہ السلام کی ایسی محبت ڈال دی گئی، جو بھی آپ کو دیکھتا تھا پھر آپ کے دیدار کے لیے بےچین رہتا تھا۔ اسی لیے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ فرعون اور اس کا تمام خاندان محبت کرتا تھا۔

اعجوبہ: مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے چہرے پر حسن وجمال کے اثرات اور ان کی آنکھوں میں ملاحت تھی جو بھی آپ کی زیارت کرتا فریفتہ ہو جاتا تھا۔ ؎

ماہ زیباست ولی روئے تو زیبا ترازوست
چشم نرگس چہ کنم چشم تو رعنا ترازوست

ترجمہ: چاند بھی حسین ہے لیکن تیرا چہرہ اس سے حسین تر ہے۔ میں نرگس کی آنکھ کو کیا کروں گا کیونکہ تیری آنکھ تو اس سے بدرجہا بہتر ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے: والقیت علیک محبۃ منی میں نے آپ پر اپنی محبت ڈالی تاکہ وہ جو میرے ساتھ بالتحقیق محبت کرتا ہے وہ آپ سے بھی محبت کرے اور جو میرا اور تیرا دشمن ہے وہ بالتقلید آپ سے محبت کرے گا۔ چونکہ فرعون کی تقلیدی محبت تھی اس نے جب موسیٰ علیہ السلام سے ایک معمولی ظاہری خطا دیکھی تو اس کی وہ محبت فاسد و زائل

ہوگئی اور حضرت آسیہ کی محبت تحقیقی تھی اسی لیے ان کی محبت میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہ ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ جس مرید کا ارادہ تقلیدی ہوتا ہے وہ شیخ کی معمولی ظاہری غلطی (جسے مرید غلطی سمجھتا ہے) سے اس کی ارادت وعقیدت فاسد و باطل ہوجاتی ہے بخلاف مرید محقق کے کہ وہ شیخ کی بہت بڑی غلطیوں سے بھی منحرف نہیں ہوتا۔ اگرچہ وہ غلطی اس کی طبع و نفس کے ہزاروں درجہ غیر موافق ہو وہ ہر حال میں اپنے شیخ کے لیے تسلیم و رضا کی تصویر بنا رہتا ہے۔

~

نشان اہل خدا عاشقی و تسلیمست
کہ در مرید شہر این نشان نمی بینم

ترجمہ: خدا والوں کی نشانی عاشقی و تسلیم ہے لیکن آج کل اس علامت والے مرید مجھے نظر نہیں آتے۔

تفسیر عالمانہ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ ۝ القیت کی علت مضمرہ پر عطف ہے یعنے تاکہ وہ اسے موسیٰ علیہ السلام تجھ پر مہربان ہو اور اسے بی بی ام شفقت و نرمی سے اپنے صاحبزادے کی تربیت کر سکو۔ پھر وہ اے موسیٰ علیہ السلام آپ کے ساتھ احسان و مروت سے پیش آئے اور میں ہی آپ کا حافظ و ناصر ہوں آپ کی ویسے ہی نگرانی اور حفاظت فرماؤں گا جیسے کوئی کسی اپنی پیاری شے کی توجۂ خاص سے حفاظت و نگرانی کرتا ہے یہ صنع الیہ معروفا سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کے ساتھ احسان و مروت کرے۔

ف: عینی۔ تصنع سے حال ہے اس سے صلہ نہیں اور عینی مجازاً بمعنے حراست وحفاظت ہے سبب بول کر مسبب مراد لیا گیا ہے اسی لیے کہ نگران جس شئے کی حفاظت کا ارادہ کرتا ہے تو اسے وہ ایسے امور سے بچاتا ہے جن سے وہ اسی شئے کے لیے نہیں چاہتا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جس بندے پر اللہ تعالےٰ کی نظر عنایت ہو جائے تو وہ اپنے جملہ حالات دنیویہ و اخرویہ میں جمیع خرابیوں سے محفوظ رہتا ہے اس کے لیے ہر وقت منجانب اللہ تربیت اور صلاحیت کے اسباب تیار ہوتے ہیں یہاں تک کہ اسے وہ مقامات و مراتب حاصل ہوجاتے ہیں جو اس کے لیے مقدر ہیں۔

تفسیر عالمانہ اِذْ تَمْشِيْٓ اُخْتُكَ جب کہ آپ کی بہن چلتی تھی۔ آپ کی بہن کا نام مریم تھا اور یہ جملہ یتصنع کی ظرف ہے اس سے وہ مراد ہے جب وہ فرعون کے گھر آتی جاتی تھی۔ اسی پر فَتَقُوْلُ الخ اور پھر اس کا اپنی ماں کے ہاں جانا اور آپ کی ماں کی تربیت اور اس کی شفقت۔ تمام جملے مرتب ہوں گے اور یہ تمام مضمون لتصنع الخ کا مصداق ہے۔ کیونکہ ماں کی شفقت کا اور کوئی شفقت مقابلہ نہیں کرسکتی۔

ف: ابن الشیخ نے فرمایا کہ تربیت کو مشی اخت کے ساتھ مقید کرنا صحیح ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کی بہن کا آنا جانا ان کا ماں کے ہاں

واپس جانا ہی ان کی تربیت کا زمانہ ہے۔

فَتَقُوْلُ جب موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے فرعون و آسیہ کو دیکھا کہ وہ موسےٰ علیہ السلام کے لیے ایسی دودھ پلانے والی کی تلاش میں ہیں جس کا موسےٰ علیہ السلام دودھ پئیں کیونکہ موسےٰ علیہ السلام کسی عورت کا دودھ قبول نہیں کر رہے تھے۔

ف: مضارع کا صیغہ ہر دونوں مقام پر حال ماضی کے حال کے لیے ہے۔ یعنے موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے کہا :

هَلْ اَدُلُّكُمْ اے حاضرین مجلس! کیا میں تمہاری رہبری کروں۔ **عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ** ایسی عورت کے لیے جو اس بچے کی کفایت کرتے ہوئے اسے دودھ پلائے یعنے بچے کو اپنے پاس رکھ کر اس کی خوب پرورش کرے اور مجھے یقین ہے کہ یہ بچہ اس عورت کا دودھ پینا بھی قبول کرے گا۔

ف: منقول ہے کہ مصر میں یہ خبر عام شائع ہوگئی کہ فرعون کو دریائے نیل سے ایک بچہ ملا ہے جو کسی عورت کا دودھ نہیں پیتا۔ موسیٰ علیہ السلام کی بہن فرعون کے گھر سے اجنبی سی بن کر آئی اور کہا کہ اس بچے کے دودھ پلانے والی میں لاسکتی ہوں۔ فرعون وغیرہ نے پوچھا وہ کون ہے؟ اس نے کہا کہ میری ماں ہے۔ اس کا دودھ پیتا بیٹا ہارون (علیہ السلام) ہے۔ فرعون نے کہا جاؤ اسے لے آؤ۔ بی بی کو لایا گیا اور آپ نے فوراً دودھ پینا شروع کر دیا۔

فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ ، یہ فا فصیحہ ہے یہ محذوف فعل کی خبر دیتی ہے جس پر مابعد کا عطف ہوگا۔ دراصل عبارت یوں ہے :

فقالوا دلينا عليها فجائت بامك فرجعناك الخ

یعنے فرعون والوں نے کہا کہ ہمیں ایسی عورت کے لیے رہبری کیجیے۔ چنانچہ وہ آپ کی والدہ کو لائی۔ تو ہم نے آپ کو ماں کے ہاں واپس لوٹا دیا۔ اس لیے کہ ہمارا وعدہ تھا کہ ہم آپ کو آپ کی والدہ کے ہاں واپس لوٹائیں گے سو وہ پورا ہوگیا۔ چنانچہ وہ وعدہ قرآنی یوں ہے۔ کما قال تعالےٰ :

انا رادوه اليك وجاعلوه من المرسلين۔ ہم موسےٰ علیہ السلام کو تیرے ہاں واپس لوٹائیں گے اور ہم اسے اپنا پیغمبر بنائیں گے۔

الہامِ خاص: موسےٰ علیہ السلام کا الہام خواص (اولیاء) کے الہام جیسا تھا جو بمنزلۂ وحی انبیاء علیہم السلام کے ہوتا ہے۔ اسی لیے بی بی صاحبہ نے ایسی گفتگو کو محال نہ سمجھا یا بی بی کو یہ جملہ حال خواب میں دکھایا گیا جس سے انہیں تسلی تھی۔

كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا تاکہ آپ کے ملنے سے آپ کی والدہ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کی والدہ آپ کے ملنے سے خوش ہوگی۔ یہ قرت عینہ سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب آنکھ کسی کے دیکھنے سے ٹھنڈی ہو۔ یہ سخنت کی نقیض ہے یہ اس کی لغوی معنے ہے اس سے سرور مراد ہے اور یہی معنی یہاں پر مقصود ہے۔ (کذا فی بحر العلوم)

وَلَا تَحْزَنَ۔ اور آپ کی گمشدگی سے غمگین نہ ہو اور آپ کے ہجر و فراق سے ملال نہ ہو۔ (کذا فی الکبیر)

سوال: ولا تحزن زائد کلام ہے اس لیے کہ سرور غم کو زائل کرتا ہے تو پھر اس کی کیا ضرورت ؟

جواب: تقر عینها میں اشارہ ہے کہ اسے موسیٰ علیہ السلام آپ والدہ کے ہاں واپس جائیں گے تو انھیں مسرت ہوگی اور آپ اس کے سوا کسی دوسری عورت کا دودھ نہ پئیں گے تو ان سے یہ غم دور ہوگا کہ آپ کے پیٹ میں اس کے سوا کسی دوسری عورت کا دودھ نہ جائے گا۔

ف: الارشاد میں ہے کہ اب جب کہ آپ اپنی والدہ کے ہاں واپس آگئے تو اس کے بعد ہمیشہ تک آپ کے ہجر و فراق سے فارغ ہو گئی اور اسے پھر کبھی حزن و ملال نہ ہوگا۔ یہ معنٰے نہ کیا جائے تو مذکور سوال کا ورود صحیح ہے اس لیے کہ حزن کا زوال سرور سے پہلے ہوتا ہے اسی کو قرۃ العین سے تعبیر کیا جاتا ہے اور قاعدہ ہے کہ تخلیہ تجلیہ پر مقدم ہوا کرتا ہے۔

فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ میرے نزدیک واؤ مطلق جمع کے لیے ہے نیز یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ دوسرا جملہ پہلے جملے کی تاکید ہے ان دونوں تقریروں کے بعد جملہ اعتراضات دفع ہوگئے۔

وَقَتَلْتَ نَفْسًا اور آپ نے ایک شخص کو قتل کر دیا۔ اس مقتول سے وہ قبطی مراد ہے جس سے اسرائیلی کو خطرہ تھا تو اس کے حملے سے بچنے کے لیے اسرائیلی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مدد چاہی۔ (اس واقعہ کی تفصیل سورۂ قصص میں آئے گی)۔ **فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ**۔ تو ہم نے آپ کو غم سے نجات دی۔ یہاں پر غم سے قتل مراد ہے کیونکہ قتل کے بعد موسےٰ علیہ السلام کے دل میں خوف خدا طاری تھا کہ ممکن ہے کہ میں نے اسے ناحق قتل کر دیا ہو شاید اس کی وجہ سے مجھ پر عذاب الٰہی نازل ہو جائے اور ساتھ ہی فرعون کے قصاص سے بھی خوفزدہ تھے۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے عذاب سے نجات کی خوشخبری سنائی اور مدین کی طرف ہجرت کا حکم فرمایا جس سے موسیٰ علیہ السلام ہر طرح کے غم و حزن سے آزاد ہوگئے۔ **وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا** اور ہم نے آپ کو آزمایا۔ فتنة و فتون بمعنے محنت و مشقت بھرا امر جس سے اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کی آزمائش کرے۔

ف: اللہ تعالےٰ پر اسم فتان کا اطلاق جائز ہے اس لیے کہ یہ اسم بظاہر مذموم ہے۔ اس لیے یہ اللہ تعالےٰ کے شان کے لائق نہیں اور اللہ تعالےٰ کے اسمار توقیفیہ ہیں۔

سوال: اگر یہ اسم مذموم ہے تو نعمتوں کے ذکر کے وقت اس کا استعمال کیوں ہوتا ہے ؟

جواب: فتنہ بمعنے تشدید المحنة چونکہ تشدید المحنة کثرت ثواب کا موجب ہے۔ اسی لیے اسے اللہ تعالےٰ نے نعمتوں میں شمار فرمایا ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما اوذی نبی مثل ما اوذیت ۔ مجھ جیسی ایذا کسی اور نبی کو نہیں پہنچائی گئی۔

ف: بعض شارحین نے فرمایا ہے کہ اس حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ جتنا تصفیۂ قلب مجھے نصیب ہوا ایسا کسی اور کو نصیب نہ ہوا۔ اب معنٰے یہ ہوا کہ ہم نے آپ کو بہت آزمایا۔

بعض نے فرمایا ہے کہ اس کا معنٰی یہ ہے کہ ہم نے آپ کو بلاؤں میں خوب پیا، اور آپ بھی میری آزمائشوں میں پورے اترے ، منجملہ ان آزمائشوں کے چند ایک یہ ہیں :

(۱) قبطی کو قتل کرنا ۔

(۲) وطن سے ہجرت کر جانا ۔

(۳) دوستوں سے جدا ہو جانا ۔

(۴) دور کا سفر پیدل طے کرنا ۔

(۵) زادِ راہ کا ختم ہو جانا اور

دیگر تکالیف جو مدین تک پہنچنے سے پہلے پہنچیں، جیسا کہ آنے والے جملہ میں لفظ فار سے ثابت ہوتا ہے ۔

موسٰے علیہ السلام کی آزمائشوں کی فہرست تاویلات نجمیہ میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو آزمایا گیا جن آزمائشوں میں آپ کو آزمایا گیا وہ یہ ہیں :

(۱) فرعون کے ساتھ رہنے سہنے اور ان کی قوم میں تربیت و پرورش کے باوجود ان کے مذہب کو قبول نہ کرنا ۔

(۲) قبطی کو ناحق قتل کرنا اور فرعون سے اس کے خوف سے بھاگنا ۔ ایسے موقعہ پر اللہ تعالٰے نے آپ کو نجات بخشی ۔

(۳) شعیب علیہ السلام کی دو صاحبزادیوں کی ملاقات اور ان کی بکریوں کو پانی پلانا باوجودیکہ موسٰے علیہ السلام اس وقت نوجوان تھے اور جوانی کی امنگوں کے پیش نظر آپ کا غلطی کا مرتکب ہونا یا کم از کم عورتوں کی طرف مائل ہونا فطری امر ہے لیکن اللہ تعالٰے نے محفوظ فرمایا کہ ان کی طرف خیال تک نہ گیا ۔

(۴) حضرت شعیب علیہ السلام کی خدمت و صحبت اور پھر ان کی مزدوری کا آٹھ سال تک کا معاہدہ ۔ اللہ تعالٰے نے اس عہد پر پورا اترنے کی توفیق بخشی ۔

ف : بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالٰے نے موسیٰ علیہ السلام کو چند مقامات پہ آزمایا تاکہ وہ اس آزمائش میں پورا اتریں اور پھر اس سے ان کے مراتب بلند ہوں ۔

قبطی کو قتل کرنا یہ بھی منجملہ آزمائش کے تھا لیکن اس قتل کا موسٰے علیہ السلام کو الہام ہوا ۔ اور اس کی علامت یہ ہے کہ قتل کرنے کے بعد موسٰے علیہ السلام نہایت اطمینان و سکون میں تھے ۔ اگر یہ الہامی حکم نہ ہوتا تو وہ قتل کے بعد کبھی مطمئن اور پرسکون نہ ہوتے بلکہ اس قتل سے پہلے انہیں وحی کا انتظار ضروری تھا لیکن انتظار کئے بغیر آپ نے قبطی کو قتل کر دیا اس سے معلوم ہوا کہ یہ امر الہامی تھا ۔ ورنہ یہ بھی ہے کہ جب انسان کسی کو قتل کرتا ہے تو وہ اس کے بعد وحشت میں ہوتا ہے ۔

مودودی کا ردّ : مودودی نے لکھا ہے کہ موسٰے علیہ السلام نے قبطی کو قتل کر کے بڑا گناہ کیا ۔ حالانکہ یہ اس کا خبط ہے اس لیے کہ

انبیاء علیہم السلام کو معصوم ماننا لازم ہے اور موسیٰ علیہ السلام کا یہ عمل بھی گناہ میں شامل نہیں[1]
[چنانچہ فقیر (صاحب روح البیان) نے لکھا ہے :]

وانما قلنا انه علیه السلام کان ملهما فی قتل القبطی لان باطن النبی معصوم من ان یمیل الی امر ولم یکن مامور به من عند ربه وان کان فی السر لکون النبی معصوم الباطن من حیث لایشعر حتی یخبر بان ذالك الا ماموربه فی السر[2]

اور یہ ہم نے اس لیے کہا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو قبطی کے قتل کرنے کا الہام اللہ تعالٰے سے ہوا تھا اس لیے کہ نبی کا دل معصوم ہوتا ہے وہ ہر ایسے امر کا ارتکاب نہیں کرتے جس کا انھیں اللہ تعالٰے سے حکم نہ ہو۔ اگر وہ امر بظاہر انھیں معلوم نہ ہو تب بھی بباطن انھیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ اللہ تعالٰے کا حکم ہے۔ وہ بظاہر اسے محسوس نہیں تو انھیں بعد میں محسوس کرایا جاتا ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام نے غلام کو ناحق قتل کر کے موسیٰ علیہ السلام کو متنبہ فرمایا کہ آپ کا قبطی کو قتل کرنا الہامی حکم تھا اگرچہ اس وقت آپ کو اس طرف توجہ نہیں تھی۔ میں نے غلام کو قتل کر کے آپ کو یاد دلایا ہے تاکہ موسےٰ علیہ السلام سمجھ لیں کہ جو کچھ میں نے کیا ہے حق ہے، اگرچہ یہ بظاہر غلام کی ہلاکت ہے اور بباطن اس میں بھلائی ہے ایسے ہی کشتی کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے میں اشارہ تھا کہ اے موسیٰ! علیہ السلام! آپ اپنا واقعہ یاد کیجئے کہ آپ کی والدہ نے آپ کو دریا میں ڈال دیا تھا، اس کا ظاہر تو تباہی و بربادی تھی لیکن باطن میں ہزاروں حکمتیں۔ ایسے ہی میرا معاملہ سمجھئے کہ میں نے کشتی میں سوراخ کر کے کشتی کو غاصب سے بچایا ہے جیسے آپ کی والدہ نے صندوق کو دریا میں ڈال کر آپ کو فرعون کے غضب سے بچایا ورنہ فرعون آپ کو دوسرے بنی اسرائیل کے لڑکوں کی طرح قتل کر دیتا۔ یہ دونوں ماجرے الہامی ہیں اگرچہ آپ کی والدہ حقیقت حال کو بظاہر نہیں جانتی تھی لیکن اسے غالب گمان تھا کہ یہ بچہ صرف میرا ہی دودھ پیئے گا، اس لیے یہ لازماً دریا سے بچ نکلے گا اور اسے بھی الہام ہوا کہ موسےٰ علیہ السلام رسول خدا ہوں گے اور انہی کے ہاتھوں فرعون اور قبطی تباہ و برباد ہوں گے۔ اسی لیے بی بی صاحبہ کو اطمینان تھا اور عیش و خوشی کا وقت بسر کیا ورنہ بظاہر اس کے ہاں کوئی دلیل نہ تھی جو اسے یقین تک پہنچاتی۔ لیکن بی بی صاحبہ کا یہ ظن و توہم علم کے حکم میں ہو گیا جب کہ اس کا متعلق حق اور مطابق بہ واقعہ اور متحقق فی الامر تھا۔

فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ڏ تو تم اہل مدین میں کئی سال ٹھہرے رہے یعنے دس سال شعیب علیہ السلام کے ہاں آپ بکریاں چراتے رہے جب کہ انھوں نے اپنی صاحبزادی صفوراء کا نکاح آپ کو اس شرط پر دیا کہ آپ ان کی آٹھ سال بکریاں چرائیں لیکن آپ نے دس سال پورے کر دیئے تاکہ خدمت کا مکمل حق ادا ہو، جیسا کہ سورۂ قصص میں تفصیل آئی ہے۔

---

[1] :- اضافہ از اویسی۔

[2] :- روح البیان جلد ۵ صفحہ ۲۸۵۔

ف: مدین مصر سے آٹھ مراحل پر ہے۔
وصلت کی بجائے لبثت کہنے میں اشارہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ عرصہ بھی مشقت اور تکلیف میں گذارا تھا اور یہ بھی مصیبت سے کم نہ تھا کہ آپ شعیب علیہ السلام کے ہاں ایک مزدور بن کر رہے۔

تفسیر صوفیانہ فلبثت سنین فی اھل مدین، اے موسیٰ علیہ السلام انم اہل مدین میں کئی سال ٹھہرے رہے تا کہ شعیب علیہ السلام کی خدمت کر کے اور ان کی صحبت میں چند روز بسر کر کے نبوت و رسالت کے مستحق بن جاؤ۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

شبان وادئ ایمن گہے رسد بمراد
چند سال بجان خدمت شعیب کند

ترجمہ: کبھی وادی ایمن کا چرواہا بھی مراد کو پہنچ جاتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ چند سال وہ شعیب علیہ السلام کی خدمت کرے۔[1]

سبق: غور کیجئے کہ اللہ تعالےٰ نے ایک ناگوار امر کو کس طرح محبوب بنا دیا ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام سے قبطی قتل کرا کر شعیب علیہ السلام کی خدمت میں روانہ کر دیا تا کہ اس میں نبوت و رسالت کی استعداد پیدا ہو۔ ایسے ہی اس جیسے سینکڑوں امور ہیں۔

سبق: جب نبوت کے لیے آزمائش ضروری ہے تو ولایت کے لیے بطریق اولیٰ لازم ہے۔

تفسیر عالمانہ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ○ راستہ بھول جانے اور اندھیری رات میں بکریوں کے منتشر ہو جانے کے بعد، اے موسیٰ علیہ السلام تم وادی مقدس میں ایک مدت کے بعد آئے۔ قدر سے وہ مدت مراد ہے جو اللہ تعالےٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے لیے مقدر فرمائی کہ فلاں وقت میں ہم موسیٰ علیہ السلام سے وادی مقدس میں گفتگو کریں گے اور اسی وقت انھیں نبوت سے سرفراز فرمائیں گے اس سے نہ پل بھر آگے ہوگا نہ پیچھے یا اس سے وہ سن مراد ہے جس میں انبیا علیہم السلام کو نبوت کے اعلان کا حکم ہوتا ہے یعنے چالیس سال کے بعد حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی چالیس سال کے بعد نبوت کے اعلان پر مامور ہوا۔ (کذافی بحر العلوم)

ف: بعض محدثین نے اس روایت کو موضوعات میں شامل کیا ہے۔

وہ انبیاء علیہم السلام جنھیں چالیس سال پہلے نبوت ملی: مروی ہے کہ عیسےٰ علیہ السلام کو نبوت ملی اور پھر آسمان پر

---

[1]: ؎ اگر آ جائے کوئی شعیب میسّر
تو شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

اٹھائے گئے تو اس وقت آپ کی عمر تینتیس سال تھی اور یوسف علیہ السلام کو چاہ کنعان میں نبوت ملی جب کہ آپ اس وقت اٹھارہ سال کے تھے۔ اور یحییٰ علیہ السلام کو بچپن میں نبوت حاصل ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی نبوت کے لیے چالیس سال کی کوئی شرط نہیں۔ (کذا فی المقاصد الحسنہ)

یا موسیٰ تکرار خطاب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شرافت کے اظہار کے لیے ہے اور اس میں تنبیہ بھی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام پہلی بار کس آزمائش میں مبتلا ہوئے تو دوسری بار کس میں۔

وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي ○ اور میں نے اپنی ذات کے لیے آپ کو چن لیا۔ یہ و انا اخترتك کے وعدہ کے ایفاء کی تذکیر ہے، یعنے میں نے رسالت اور ہمکلامی کا مرتبہ عطا کر کے آپ کو لوگوں پر یوں فضیلت بخشی ہے کہ جیسے بادشاہ اپنے لیے مخصوص کر لیتا ہے اور پھر بادشاہ اس خاص کو امور جلیلہ سپرد کرتا ہے ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو نبوت و رسالت کے امور جلیلہ سپرد فرمائے۔ اصطلاح بلاغت میں (اپنے لیے خاص کرنے کو) تمثیل اور رسالت و نبوت کے امور جلیلہ سپرد کرنے کو ترشیح کہتے ہیں۔

ف: کاشفی نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اسے موسیٰ علیہ السلام ہم نے آپ کو برگزیدہ بنایا اور اپنی محبت میں خاص فرمایا یعنے اپنا دوست خاص مقرر فرمایا۔

ف: ابن الشیخ کے حواشی میں ہے کہ میں نے آپ کو اپنے لیے اس لیے چنا تاکہ آپ مجھ سے محبت کریں اور میرے ارادہ و محبت کے مطابق تصرف فرمائیں اور جیسے کہ آپ کو اقامت حجت و تبلیغ رسالت کا حکم ہے آپ اس میں مشغول ہوں اور یہ کہ آپ کی جملہ حرکات و سکنات صرف میرے لیے ہو، اس میں آپ کے اپنے نفس اور آپ کی خواہشات اور دوسرے غیر کو کسی قسم کا دخل نہ ہو۔

حل لغات الاصطناع افتعال کا باب از صنع (بالضم) ہے اور یہ صنع الیہ معروفاً او مروۃ " اصطنع فلانا اتخاذہٗ صنیعا محسنا الیہ" سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کی تعظیم و تکریم کے تحت اس کے ساتھ احسان و مروت کے طور پر اسے اپنا مقرب بنائے۔ اور قفال نے لکھا ہے کہ اصطنعتك کا اصل مادہ اصطنع فلان فلانا ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی سے ایسا احسان کرے کہ پھر وہ ہر وقت اپنے محسن کی طرف ہی منسوب ہو جیسے عربی مقولہ ہے:

ھذا صنیع فلان (یہ فلاں کا کارنامہ ہے)۔

اور مشہور ہے:

ھو جریح فلان۔ (یعنے فلاں فلاں کا زخمی ہے)۔

قاموس میں ہے نہ اصطنعتك لنفسی کا معنے یہ ہے کہ میں نے ایسے خاص امر کے لیے مخصوص کیا ہے کہ پھر اس میں ہی آپ کی کفالت کروں گا۔

صوفیانہ معنٰے: حقیقت یہ ہے کہ دراصل اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ایسا آئینہ بنایا جو صفات جمال و جلال کے انوار

کی قابلیت رکھتا ہے۔

تقریر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالٰی کے خواص وہ ہیں جنھیں اسی خاص معنٰے کے لیے پیدا کیا گیا ہے ورنہ ان کے بعض صرف دنیوی کام کے لیے ہیں اور بعض اُخروی امور کے لیے۔ اس سے ثابت ہوا کہ خواص حقیقۃً اللہ تعالٰے کے وہ مخصوص بندے ہیں باطل و ماسوٰی اللہ کی میل کچیل سے بالکل صاف اور پاک ہیں۔

لبید نے کہا ؎

الا کل شیٔ ما خلا اللہ باطل

وکل نعیم لا محالہ زائل

ترجمہ: خبردار! اللہ تعالٰے کے ماسوٰی تمام باطل ہے اور لازماً ہر نعمت زوال پذیر ہے۔

حدیث شریف حدیث شریف میں ہے کہ جب اللہ تعالٰے کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اسے کسی مصیبت میں مبتلا کرتا ہے پھر وہ اس مصیبت پر صبر کرتا ہے تو اسے برگزیدہ بناتا ہے اور اگر وہ اس پر راضی ہوتا ہے تو اسے اپنے لیے خاص کر لیتا ہے۔

ف: نزول مصائب کے وقت کڑوے گھونٹ پینے کا نام صبر اور قضائے الٰہی کے باوجود قلب میں سرور و فرحت محسوس کرنے کا نام رضا ہے۔

ف: جس بندے کے لیے اللہ تعالٰے ارادہ فرماتا ہے کہ اسے خاص اپنے لیے چن لے تو پہلے اسے بلاؤ مصیبت کا نشانہ بناتا ہے پھر اس کے جوہر (قلبی) کو ماسوٰی اللہ سے پاک و صاف کرتا ہے لیکن یہ طریقہ بہت مشکل ہے۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

مگو کہ قطع بیابان عشق آساں ست

کہ کوہہائے بلا ریگ آں بیاباں ست

ترجمہ: ہمت کھو کر عشق کا بیابان طے کرنا آسان ہے اس لیے کہ عشق کے جنگل میں وہ پہاڑ ہیں جن میں ریت کا نام ونشان تک نہیں۔

اے اللہ! ہمیں صابرین وشاکرین اور راضی بہ رضائے الٰہی اور واصلین سے بنا۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ اِذْهَبْ اَنْتَ:

حل لغات الذھاب بمعنے جانا جیسے کہا جاتا ہے: ذھب بالشیٔ و اذھبہ، وہ گیا اور وہ اسے لے گیا۔ اس کا استعمال اعیان و معانی ہر دونوں میں ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالٰے نے فرمایا:

انی ذاھب الی ربی میں اپنے رب کے ہاں جاتا ہوں ۔(یہ اعیان کی مثال ہے ۔)

اور فرمایا :

فلما ذھب عن ابراھیم الروع جب ابراہیم علیہ السلام سے گھبراہٹ چلی گئی (یہ معانی کی مثال ہے نم)

وَأَخُوكَ یعنے آپ کو آپ کے بھائی ہارون علیہ السلام کو جانا چاہیئے جیسا کہ آپ نے ہارون علیہ السلام کی رفاقت کی آرزو کی تھی ۔

سوال : ہارون علیہ السلام کے لیے صیغہ غائب کیوں ؟

جواب : اس وقت ہارون علیہ السلام موجود نہ تھے ۔

ف : لفظ اخوۃ : مشارکۃ فی الولادۃ من الطرفین کے لیے بھی مستعمل ہوتا ہے (اسے عینی کہتے ہیں) طرف واحد سے بھی (اگر باپ سے ہو تو وہ اخوۃ علاتیہ اور اگر ماں سے ہو تو اخوۃ خیفیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے تفصیل علم میراث میں ہے) اگر دودھ پینے کی مشارکت ہو تو بھی اخوت ثابت ہو جاتی ہے ۔

ف : مشارکۃ فی الفعل مثلاً قبیلہ کی مشارکت (مسلمان بھائی بھائی) ایسے ہی دین کی مشارکت، ایسے ہی صنعت ایسے ہی کوئی معاملہ دینی دنیوی اور اخروی وغیرہ ایسے ہی دوستی اور محبت وغیرہ وغیرہ پر بھی اخوت کا اطلاق ہوتا ہے غرضیکہ جب کسی کو کسی سے کوئی مناسبت ہوگی تو اس مناسبت سے اگرچہ معمولی سہی، کی وجہ سے ایک دوسرے پر اخوت کا اطلاق جائز[1] ہوگا۔

بِـاٰيٰتِىْ ، میرے معجزات ساتھ لے کر۔ یہ باء مصاحبت کی ہے تعدیہ کی نہیں ۔ کیونکہ موسیٰ و ہارون علیہما السلام معجزات سے کر فرعون کے ہاں پہنچے اور اس کا مقابلہ انہی معجزات و آیات سے کیا تاکہ احکام الٰہیہ و امور رسالت و نبوت ادا کر سکیں اور انہی ہی سے ان کی دعوت کی تکمیل ہوتی ۔ اگر باء تعدیہ کی ہو تو معنے یہ ہوگا کہ وہ معجزات و آیات لے کر فرعون تک پہنچے پھر اس کے بعد ان سے کوئی خاص واسطہ اور تعلق نہ تھا جیسا کہ باء تعدیہ کا تقاضا ہے ۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آیات سے وہ نو معجزات مراد ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے صادر ہوئے اگرچہ ان دونوں کا وقوع بالفعل ایک دوسرے کے یکے بعد دیگرے ہوا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ جمع تعظیم کے لیے ہو اور اس سے صرف عصاء اور ید بیضا مراد ہو یا یہ کہ یہاں خلیل نحوی کے منصب کے مطابق ہو، وہ کہتا ہے کہ جمع میں کم از کم دو فرد ضروری ہیں ۔ اس معنے پر جمع کا صیغہ اپنے ادنیٰ مراتب پر مستعمل ہوا ہے ۔

وَلَا تَنِيَا ۔ اور سستی نہ کرنا ۔

حل لغات : یہ ونی ینی ونیاً فھو وانٍ سے ہے جیسے وعد یعد فھو واعد یعنے فتر یفتر فتوراً ۔

---

[1] : از اویسی غفرلہ ۔

فِیْ ذِکْرِیْ میرے ذکر کی مداومت میں ہر حال میں یعنے زبان اور قلب سے ہر وقت میرے ذکر میں مشغول رہنا کیونکہ میرا ذکر جملہ مقاصد کے حصول کا بہترین وسیلہ ہے اس لیے کہ میرے ذکر کے بغیر کوئی امر بھی سرانجام نہیں ہوتا میرے ذکر میں ہور کی سستی کا موجب ہے کہ نسبحك كثيرا و نذكرك كثيرا کی یاد دہانی کے لیے لایا گیا ہے (یعنے موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا تھا کہ یا اللہ ہارون علیہ السلام کو میرے ساتھ بھیج دے ہم مل کر تیرا ذکر بہت زیادہ کریں گے۔ اب اسی کی یاد دہانی کرائی گئی ہے۔)[1]

نکتہ: بعض عرفا نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے ذکر پر مداومت میں فائدہ یہ ہے کہ جب بندہ اللہ تعالےٰ کو بہت زیادہ یاد کرتا ہے تو اس کے دل سے غیر کی ہیبت ختم ہو جاتی ہے اسی لیے پھر وہ کسی سے نہیں ڈرتا بلکہ اس کی روحانیت اتنی قوی ہو جاتی ہے کہ وہ کسی کو کچھ نہیں سمجھتا پھر وہ اپنے مقصد کے حصول میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

ف: مرجع طریقت جلوتیہ (بالجیم) حضرت الہدائی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ وعظ سے پہلے کلمۂ توحید ضرب لگا کر پڑھنا پڑھانا بعون اللہ تعالےٰ سامعین کو متوجہ کرنے اور ان کے قلوب میں اثر پیدا کرنے کا بہترین نسخہ ہے۔

صوفیانہ تقریر: العرائس میں ہے کہ ولا تنیا کا معنے یہ ہے کہ اسے موسیٰ وہارون علیہما السلام تم میرے احکام بجا لاتے وقت میرے مشاہدہ سے دور نہ ہونا یہاں تک کہ یہ سمجھ کر ہم اللہ تعالےٰ کے حکم بجا لانے میں مشغول ہیں تو پھر میرے مشاہدہ سے سست ہو جاؤ۔ ایسا ہرگز نہ کرنا۔

ف: فقیر (حقی) کہتا ہے کہ اہل شہود اپنے شہود سے پل بھر بھی غائب نہیں ہوتے۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ اوراد و وظائف پر مداومت ضروری ہے اور طالبین کو متنبہ کیا گیا ہے کہ حصولِ مطلوب میں جد و جہد کرنی چاہیئے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

یا خاطب الحوراء فی حسنها

شمر فتقوی الله فی مهرها

وکن مجدا لا تکن وانیا

وجاهد النفس علی صبرها

ترجمہ: اسے حورعین سے نکاح کے خواہشمند۔ جد و جہد کیجیے اس کا مہر تقویٰ و طہارت ہے۔ بہت کوشش کیجئے بسستی سے کام نہ لے بلکہ مصائب و تکالیف پر نفس کو عبرت دلانے میں محنت کیجئے۔

اور کمال خجندی رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ؎

بکوش تا بکف آری کلید گنج وجود

کہ بے طلب نتوان یافت گوہر مقصود

---

[1] اضافہ از فقیر اویسی۔

ترجمہ: کوشش کیجئے تاکہ تجھے گنج وجود کی چابی حاصل ہو۔ اس لیے کہ طلب کے بغیر گوہر مقصود نصیب نہیں ہوتا۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

بے طلب نتوان وصالت یافت کے آرے دہد
دولت حج دست جز راہ بیابان بردہ را

ترجمہ: بلا طلب وصال ناممکن ہے۔ ہاں دولت حج بھی اس وقت نصیب ہوتی ہے جب عرب کے دشت و بیابان طے کیے جاتے ہیں۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

مقام عیش میسر نمیشود بے رنج
بلیٰ بحکم بلا بستہ اند حکم الست

ترجمہ: رنج کے بغیر عیش کا مقام میسر نہیں ہوتا، ہاں ہاں حکم الست کو بلا و رنج کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کی طرف روانہ ہونا

مروی ہے کہ جب اللہ تعالےٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وادی مقدس میں ندا دی اور فرمایا کہ آپ فرعون کے ہاں تشریف لے جائیے اور تیرا سوال بھی میں نے پورا کیا ہے کہ ہارون کو بھی اپنے ساتھ لے جائیے، تو موسیٰ علیہ السلام وہاں سے فرعون کے ہاں جانے کے لیے چل پڑے۔ یہاں پر ملائکہ کی ایک جماعت نے آپ کی مشایعت (الوداع) کی اور بوقت روانگی ملائکہ ہی نے آپ کا مصافحہ کیا۔ لیکن آپ نے اپنے اہل وعیال کو اللہ تعالےٰ کے سپرد کیا اور چل پڑے۔

ف: تفسیر تیسیر میں ہے کہ آپ کے اہل وعیال نے رات تک آپ کی واپسی کا انتظار کیا، پھر دوسرے روز بھی منتظر رہے لیکن کوئی پتہ نہ چل سکا۔ اسی جنگل میں آپ کے اہل وعیال حیران و سرگردان تھے اور ایک عرصہ تک وہیں پر مقیم رہے یہاں تک کہ وہاں سے مدین کا ایک چرواہا گذرا تو اس نے انھیں پہچان لیا اور انھیں شعیب علیہ السلام کے پاس لے گیا اور وہ شعیب علیہ السلام کے ہاں اس وقت تک مقیم رہے، یہاں تک کہ موسےٰ علیہ السلام کے متعلق معلوم ہوا کہ آپ فرعون کے ہاں پیغمبر بنا کر بھیجے گئے اور اب وہ فرعون کو دریا میں غرق کرا کر اپنی قوم (بنی اسرائیل) کو مصر میں احکام الٰہی پر عمل کرانے میں مصروف ہیں۔ یہ خبر سن کر حضرت شعیب علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کے اہل وعیال کو ان کے ہاں بھجوایا۔

سبق اس میں اشارہ ہے کہ جب کسی کو دنیوی یا اُخروی امور میں کسی ایک امر کی طرف ترجیح معلوم نہ ہو تو اسے امر آخرت اختیار کرنا چاہیئے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کیا کہ جب انھیں فرعون کے ہاں رسول بنا کر بھیجا گیا تو انھوں نے اپنے اہل وعیال کو وہیں پر چھوڑا اان کے متعلق ذرہ بھر بھی خیال نہ کیا۔ صرف قادر حکیم کی طرف توجہ رکھی کہ صرف وہی ہمارا اور ان کا کفیل کارہے کیونکہ غیبوبت وحضور میں ہمارے جملہ امور کا ہر وقت وہی سب کی کفالت کرتا ہے۔ ایسے ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حال ہے کہ انھوں نے بھی

مکہ معظمہ کی زمین میں اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ رضی اللہ عنہا کو اللہ تعالٰی کے سہارے پر چھوڑا حالانکہ اس وقت یہ دھرتی ویران و بیابان تھی یہاں تک کہ نہ وہاں پانی ملتا تھا نہ کوئی اور شے۔ صرف اللہ تعالٰی کے حکم کی تعمیل میں بلا اعتراض و انقباض اہل وعیال کو چھوڑا ایسے ہی ہمیں فرمانِ الٰہی بجا لانے میں تعمیل کرنی چاہیئے۔

حکایت میں نے اپنے شیخ قدس سرہٗ کو فرماتے سنا کہ مجھے چاشت کے وقت نیند میں حکم ہوا کہ میں اپنے شہر قلبیہ (روم کے بلاد میں ایک شہر کا نام ہے) سے ہجرت کر کے قسطنطنیہ چلا جاؤں۔ چنانچہ میں نے بلا تاخیر وضو کر کے دوگانہ پڑھا اور وہاں سے چلا گیا۔ پھر ان کے اہل وعیال کے ساتھ حکومت وقت نے جو کچھ کیا وہ سب کو معلوم ہے[1]

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

خرم آن روز کہ زین مرحلہ بر بندم رخت

وز سر کوئی تو پرسند رفیقان خرم

ترجمہ: وہ گھڑی بڑی خوشی کی ہوگی جب میں یہاں سے سامان باندھ کر چلا جاؤں گا۔ پھر گلی کوچوں میں میرے ساتھی میرا حال پوچھتے رہیں گے۔

تفسیر عالمانہ: اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ: دونوں (موسٰی و ہارون علیہما السلام) فرعون کے ہاں جاؤ۔

سوال: جب موسٰی علیہ السلام کو فرعون کے ہاں جانے کا حکم ہوا تھا اس وقت ہارون علیہ السلام تو ساتھ نہیں تھے پھر تثنیہ کا صیغہ کیوں؟

جواب ۱: یہ خطاب تغلیباً ہے گویا ہارون علیہ السلام موسٰی علیہ السلام کے ساتھ تھے۔

جواب ۲: یہ خطاب ہوا جب دونوں بھائی آپس میں ملے۔

سوال: ذہاب کے خطاب کا تکرار کیوں؟

جواب: تاکہ مابعد کے مضمون کو اس پر مرتب کیا جا سکے۔

ف: فرعون ولید بن مصعب، موسٰی علیہ السلام کے ہم زمان فرعون کا لقب ہے۔

یہ عجمی لفظ ہے اس سے اس کی غوایت (گمراہی) مراد ہوتی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ تفرعن فلاں سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی فرعون جیسا عمل کرے جیسے کہا جاتا ہے: ابلس و تبلس یعنے وہ شخص جو ابلیسانہ طور طریقہ رکھتا ہو یہ اس کے لیے بولتے ہیں اور سرکشوں اور ظالموں کو اسی لغت کے اعتبار سے فراعنہ و ابالسہ کہا جاتا ہے۔

اِنَّهٗ طَغٰى ۝ بے شک وہ سرکش ہے۔

حل لغات: الطغیان بمعنے عصیاں میں حد سے متجاوز ہونا یعنے فرعون نے عبودیت کی حد سے متجاوز ہو کر الوہیت کا دعوٰی کیا۔

---

[1]: اس کی تفصیل صاحب روح البیان نے اپنی کتاب تمام النفس میں بیان کر دی ہے۔

ف : العرائس میں ہے کہ اللہ تعالٰی نے موسٰے وہارون علیہما السلام کو فرعون کے ہاں اس لیے بھیجا تاکہ حجت قائم ہو اور وہ اپنے دعوٰی میں کاذب ثابت ہو اس میں ہر اس شخص کو تنبیہ ہے جو اللہ تعالٰی کے تعلق کے ساتھ وہ دعوٰی کرے جو اس کا اہل نہ ہو۔

نکتہ : اللہ تعالٰی انبیاء علیہم السلام کو اعدائے دین کی طرف اس لیے بھیجتا ہے تاکہ انہیں معلوم ہو کہ وہ اللہ تعالٰی کے ہاں ہدایت کرنے سے عاجز ہیں اور واضح ہو کہ جب وہ غیر کو ہدایت نہیں دے سکتے وہ اپنے آپ کو کیسے ہدایت دے سکتا ہے جیسے طبیب (ڈاکٹر، حکیم) جو دوسروں کو علاج کے ذریعہ شفا نہیں دے سکتے پھر وہ اپنے آپ کو کیسے شفا دے سکتے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اختصاص الٰہی کو اسباب کی ضرورت نہیں۔ پھر ان وجوہ کو دیکھ کر لوگ اللہ تعالٰی کا شکر بجا لائیں۔ اور ساتھ ہی ان کو معلوم ہو کہ کبھی کافروں کے اندر رہنے والی بعض ایسی شخصیتیں ہوتی ہیں جنھیں جبلی طور پر استعداد نصیب ہوتی ہے جیسے حبیب نجار رحمہ اللہ تعالٰی اور وہ شخص جو فرعون کی جماعت میں رہنے کے باوجود ایمان کی دولت سے بہرہ ور تھا اور آسیہ رحمہا اللہ تعالٰی کی مثال بھی روشن ہے اور فرعون کے تیار کردہ جادوگر جب کہ فرعون کے پروردہ تھے لیکن استعداد ربانی سے بھرپور تھے۔

فائدہ صوفیانہ حضرت ابن عطار رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ فرعون کی طرف موسٰی علیہ السلام کو مبعوث فرمانے میں اشارہ ہے کہ موسٰی علیہ السلام درحقیقت جادوگروں کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے اس لیے کہ اللہ تعالٰی جب اپنے اعداء کی طرف اپنے انبیاء علیہم السلام کو بھیجتا ہے تو اس کی توجہ کرم درحقیقت اپنے اولیاء کرام کو سرفراز کرنے کے لیے ہوتی ہے کیونکہ اسے معلوم ہے کہ اعدائے دین نے تو ان سے استفادہ نہیں کریں گے اسی لیے انبیاء کی بعثت کا اصلی سبب اللہ والے پیارے بندے ہوتے ہیں تاکہ انبیاء علیہم السلام تشریف لا کر محبوبوں اور دشمنوں کے مابین امتیاز کریں۔

حافظ از بہر آمد سوی اقلیم وجود
قدمے نہ بود اعش کہ رواں خواہد شد

دوسرا فائدہ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ موسٰی وہارون علیہما السلام کا فرعون کی طرف رسول بن کر تشریف لانا اور ان کا رسالت الٰہی کے پیغام پہنچانا درحقیقت ان کا فائدہ تھا فرعون کو اس سے ذرہ بھر فائدہ نہ تھا یہی اللہ تعالٰی کے علم ازلی تھا۔ لیکن ان کا رسول بن کر فرعون کے ہاں آنے کا ظاہری فائدہ یہ ہو کہ ان کی رسالت کا اظہار ہو اور فرعون کا کفر سب کو معلوم ہو جیسا کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا :

لیھلک من ھلک عن بینۃ ویحیی من حی تاکہ ہلاک ہو جس نے ہلاک ہونا ہے اور تاکہ آباد ہو جس نے آباد ہونا ہے۔

عن بینۃ

تفسیر عالمانہ : فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا ، تو اس سے نرم لہجہ سے بات چیت کرنا جس میں سختی و ترشی ہرگز نہ ہو

بلکہ ہر طرح آسانی بتانا اس کے ساتھ کوئی بھی سخت معاملہ نہ کرنا کیونکہ جس امر میں نرمی ہو وہ کام اچھا رہتا ہے اور جس میں سختی ہو وہ امر بے ڈھب ہو جاتا ہے اور موسیٰ علیہ السلام کے غضب اور غصے کا یہ عالم تھا کہ جب ناراض ہوتے تو ان کے بال کھڑے ہو جاتے یہاں تک کہ سر پر ٹوپی اوپر کو ہو جاتی اور اس سے آگ کے شعلے نکلتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی سختی اور غضب کا علاج نرمی سے بتایا تاکہ وہ فرعون کے ہاں باحوصلہ ہو کر تشریف لے جائیں یہی نکتہ ہے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے واغلظ علیہم کے خطاب میں کہ آپ حد درجہ کے رحیم و حلیم تھے اسی لیے آپ کو اعدائے اسلام پر سختی کرنے کا حکم ہوا تاکہ کمال جلال کا تحقق ہو اور موسیٰ علیہ السلام میں حدت و شدت و صلابت تھی انھیں نرمی کا حکم ہوا تاکہ ان میں کمال جمال کا تحقق ہو۔

حدیث شریف: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تخلوا باخلاق اللہ (اللہ تعالیٰ کی صفات کو عادت بناؤ)

ف: اس حدیث شریف میں اشارہ ہے کہ انسان پر لازم ہے کہ وہ جمال و جلال کا جامع ہو تاکہ بوقت ضرورت ہر دونوں کو عمل میں لایا جا سکے۔

نکتہ: چونکہ فرعون ان ملوک جبابرہ میں سے تھا جن میں بے حد طغیان و سرکشی ہوتی ہے اگر ان کے ساتھ وعظ میں سختی دکھائی جائے تو ان کی سرکشی اور طغیان میں اضافہ ہوتا ہے اور عوام کے لیے وعظ میں سختی اور شدت مفید ہوتی ہے۔ یہی حکمت میں اوفق اور دعوت میں بہت زیادہ مؤثر ہے۔ اگر موسیٰ علیہ السلام سختی کرتے تو فرعون کی طبیعت اور بگڑ جاتی۔ ممکن ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی شدت وحدت طبیعت کے تحت فرعون آپ کو خوب مارتا یا قتل کر دیتا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے نرمی کا حکم فرمایا۔ اس معنیٰ پر اس میں بھی موسیٰ علیہ السلام کا فائدہ تھا۔

ف: الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ چونکہ موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا ابتدا تھا اور ابتدائے دعوت میں نرمی لازم ہے اور مدعو کو مہلت دی جائے تاکہ وہ اس مہلت میں سوچ بچار کر سکے جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ السلام کو فرمایا:

وجادلہم بالتی ھی احسن۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ انھیں مہلت اس لیے ملی تاکہ وہ اپنے تمرد و سرکشی کے انجام پر غور کر کے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ شرارت سے بچ کر راہ راست پر آ جائے جب وہ اپنی سرکشی و عناد سے باز نہ آتے پھر اس پر سختی اور شدت کی گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ سختی و نرمی مختلف احوال کے لحاظ سے ہوتی ہے نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ موقعہ محل کے مطابق کبھی خشونت اور سختی بھلی ہوتی ہے اور کبھی نرمی بہتر ہوتی ہے۔

حدیث شریف: حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ولا تکن امر فتعقی ولا حلوا فتسترط۔ اتنا کڑوا مت ہو کہ ذلیل ہو جائے اور اتنا میٹھا مت ہو کہ نگلا جائے۔

شرح الحدیث: فتعقی، اعقیت الشی سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی شے کو اس کے کڑوا پن کی وجہ سے

منہ سے نکال کر تھوکا جائے۔ اور تسترط۔ استراط سے ہے بمعنے شے کے لذیذ ہونے کی وجہ سے اسے نگل جانا۔ اسی لیے امثال عرب میں یہ مثل مشہور ہے:

لا تکن رطبا فتعصر ولا یابسا فتکسر۔ ایسا تر نہ ہو کہ نچوڑے جاؤ اور نہ ہی اتنا خشک ہو کہ توڑے جاؤ۔

اسی لیے دانشور فرماتے ہیں:

خیر الامور اوساطہا (درمیانے امور بہتر ہوتے ہیں)۔

سمجھ دار انسان موقعہ محل کی رعایت کو مدِنظر رکھتا ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

چون نرمی کنی خصم گردد دلیر
وگر خشم گیری شوند از تو سیر
درشتی و نرمی باہم در بہست
چوں رگ زن کہ جراح و مرہم نہست

ترجمہ: جب بہت زیادہ نرمی کروگے تو دشمن دلیر ہو جائے گا اگر زیادہ سختی کروگے تو اپنے پرائے ہو جائیں گے۔ سختی و نرمی لازم وملزوم ہیں جیسے خون نکالنے والا پہلے نشتر مارتا ہے تو پھر مرہم لگاتا ہے۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ اللہ تعالٰے نے کافر (فرعون) کے لیے نرمی کا حکم اس لیے دیا تاکہ موسٰے علیہ السلام کی تربیت کا حق ادا ہو۔ کیونکہ موسٰے علیہ السلام کو فرعون نے پالا تھا۔ اللہ تعالٰے نے موسٰی علیہ السلام کو متنبہ فرمایا تاکہ والدین کی تعظیم وتکریم کا حق ادا ہو۔

والدین کی تعظیم وتکریم کا نمونہ الاحیاء میں ہے کہ حضرت حسن (بصری) رحمہ اللہ تعالٰے سے سوال ہوا کہ والدین کو برائی سے بچنے کی تلقین کس طرح کرے۔ آپ نے فرمایا کہ انھیں نرم لہجہ سے نصیحت کرے۔ اگر اس سے ان کی ناراضگی محسوس کرے تو خاموشی اختیار کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ والدین کو سختی سے سمجھانے کا اولاً تو کوئی حق نہیں اور نہ ہی انھیں مار سکتا ہے اور نہ ہی سخت کلام کرسکتا ہے۔ اگرچہ وہ برائی میں مبتلا ہوں۔

حق استاذ: ایسے شاگرد کو حق پہنچتا ہے کہ استاد کو سختی سے پیش آئے جو بے عمل ہو کیونکہ عالم بے عمل کسی کام کا نہیں۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ موسٰے علیہ السلام کو نرمی کا حکم اتمام حجت کے لیے تھا تاکہ دعوتِ الٰہی پر فرعون بکواس نہ کرے۔

حکایت حضرت یحیٰے بن معاذ رحمہ اللہ تعالٰے کے سامنے یہی آیت پڑھی گئی تو رو پڑے۔ وجہ پوچھنے پر فرمایا کہ جب وہ کریم انی انا اللہ کہنے والے کے لیے نرمی کا حکم فرماتا ہے تو پھر اس کے ساتھ کتنی کرم بخشی فرمائے گا تو کہتا ہے: انت الالٰہ۔

لَعَلَّهٗ یَتَذَکَّرُ شاید وہ نصیحت قبول کرے۔ اَوْ یَخْشٰی ۝ یا عذاب الٰہی سے ڈرے۔

ف: اس ارشاد میں ہے کہ ممکن ہے تمھاری تبلیغ سے متاثر ہو کر نصیحت قبول کرلے اور احکام الٰہیہ کی طرف راغب ہو جائے یا میرے عذاب سے ڈر جائے۔ کلمہ اَوْ منع الخلو کے لیے ہے۔

نکتہ: بعض مفسرین نے فرمایا کہ رجاء وطمع موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے لیے ہے اور تذکر متحقق اور خشیت متوہم کے لیے ہے اور خشیت اس خوف کو کہتے ہیں جس میں تعظیم بھی مدنظر ہو اور اس کا اکثر استعمال اس کے لیے ہوتا ہے جس میں ما یخشی علیہ کا علم بھی ہو اسی لیے اپنی خشیت علماء سے مخصوص فرمائی۔ چنانچہ فرمایا:

- انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء۔ (بے شک اللہ تعالیٰ سے وہ بندے ڈرتے ہیں جو علماء ہیں)۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے موسیٰ اور اے ہارون علیہما السلام تم دونوں فرعون کے ہاں جا کر نرم بات کرنا اس امید پر کہ وہ انکارِ حق کے اصرار سے باز آجائے اور نصیحت کر کے حق کی تکذیب نہ کرے یا یہ کہ پھر وہ نصیحت کو قبول کر کے ظاہری اور قلبی طور پر حق کو تسلیم کرے یا اس کے وہم و گمان میں سما جائے کہ حق یہی ہے جو موسیٰ و ہارون علیہما السلام کہہ رہے ہیں اس کے دل میں خوفِ خدا پیدا ہو تو وہ انکار حق پر اصرار نہ کرے اس طرح سے وہ حق و باطل کے درمیان متردد متوہم رہے گا اس سے یہ بہتر ہے کہ وہ انکار و اصرار علی الحق کرے۔ فقولا لہ قولا لینا کا ایک سبب یہ بھی ہے چنانچہ فرعون نے اس وقت نصیحت قبول کی اور خوف و خشیت کو عمل میں لایا جب کہ اسے یہ امور غیر مفید تھے۔ چنانچہ دریا میں غرق ہوتے وقت اس نے کہا:

قال امنت انہ لا الہ الا الذی امنت بہ بنوا اسرائیل و انا من المسلمین ۝

کہا کہ میں ایمان لایا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جیسے بنی اسرائیل ایمان لاتے۔

فرعون کو ہامان نے بہکایا

مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا کہ اگر ایمان لاؤ تو تمھیں ایسی جوانی نصیب ہوگی جس پر بڑھاپا نہ آئے گا اور ایسا ملک نصیب ہوگا جو تجھ سے تا موت چھینا نہ جائے گا۔ طعام و شراب اور نکاح کی لذت مرتے دم تک پاتے رہو گے جب مرو گے تو سیدھے بہشت میں جاؤ گے۔ فرعون کو یہ باتیں بھلی لگیں لیکن ہامان اس وقت موجود نہ تھا۔ فرعون اس وقت تک کوئی کام نہ کرتا جب تک ہامان سے مشورہ نہ کرتا۔ جب وہ واپس لوٹا تو اس نے موسیٰ علیہ السلام کے امور موعودہ کا حال سنایا اور ساتھ یہ بھی کہا کہ میرا ارادہ ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لاؤں۔ ہامان نے کہا کہ میں تو تجھے ذی عقل اور بڑا مفکر سمجھتا تھا اس لیے تجھے رب مانا، لیکن جب تم موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لاؤ گے تو تم اس عہدے کے لائق نہیں رہو گے۔ ہامان کی تقریر سے متاثر ہو کر فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو ٹھکرا دیا۔

ازالۂ وہم

اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ فرعون ایمان لانے والا نہیں لیکن اس کے باوجود موسیٰ علیہ السلام کو اس کے ہاں رسول بنا کر بھیجا تاکہ اس پر حجت قائم ہو اور قیامت میں معذرت نہ کر سکے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ ہے کہ پہلے دعوت دیتا ہے جب کوئی انکار کرتا ہے تو پھر اسے عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔

نکتہ صوفیانہ : ارباب حقیقت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالے کے امر دو ہیں :

① تکلیفی

② ارادی

بسا اوقات امر ارادی امر تکلیفی کے مخالف واقع ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور ورثہ انبیاء یعنے اولیاء کرام وعلماء عظام امر تکلیفی پر مامور ہوتے ہیں امر ارادی کی خدمت ان کے سپرد نہیں ہوتی اگر وہ امر ارادی کے مطلقاً مامور ہوتے تو وہ امر قبیح پر کبھی کوئی ردّ و قدح نہ کرتے بلکہ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیتے کیونکہ انھیں معلوم تھا کہ جب امر ارادی یونہی ہے تو پھر ہم درمیان میں خواہ مخواہ کیوں آڑے آئیں۔

ردِّ وہابیہ اس سے معلوم ہوا کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم یا دوسرے انبیاء عظام اور اولیاء کرام تمام کا فروں اور بے دینوں کو راہِ راست نہ لاتے پر ان کے اختیار وعلم پر اعتراضات وارد نہیں ہوتے کیونکہ انھیں معلوم تھا کہ یہ لوگ ارادۂ الٰہی میں ایسے ہی رہیں گے۔ تو پھر ہمارے دخیل ہونے کا کیا معنے؟ لیکن چونکہ امر تکلیفی کے مامور تھے اسی لیے انھیں تبلیغ فرمائی۔ اب یہ کہنا کہ حضور علیہ السلام کو اختیار ہوتا تو ابو طالب و ابو جہل وغیرہ وغیرہ کو دولت ایمان سے کیوں نہ نوازا۔ اس تقریر سے وہابیہ کے کئی اعتراضات خود بخود دفع ہو جائیں گے[1]

نکتہ : جب کسی خاص عاصی کے لیے حضرت علیہ میں تکلیف کی استعداد ثابت ہے تو پھر اس کی طرف امر تکلیفی متوجہ ہوتا ہے لیکن اس میں مامور بہ کی ادائیگی کی استعداد نہیں ہوتی تو اس سے مامور بہ کا تحقق نہیں ہو سکتا اسی لیے اس سے مخالفت ومعصیت واقع ہو جاتی ہے۔

سوال : جب کسی کے لیے اللہ تعالے جانتا ہے کہ اس نے حکم کو بجا نہیں لانا تو پھر اسے امر تکلیفی کا کیا فائدہ ؟

جواب : تاکہ استعداد کو قبول وعدم قبول کرنے والے کے مابین امتیاز ہو اور سعادت وشقاوت والے ظاہر ہو جائیں۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

دریں چمن نکنم سرزنش بخود روی
چنانکہ پرورشم می دہند می روم

ترجمہ : اس دنیا میں میں اپنی خود روی پر ملامت نہیں کرتا اس لیے کہ جیسے میری تربیت ہوتی ہے میں ویسے ہی چلتا ہوں۔

قاعدہ : بحر العلوم میں ہے کہ دنیا میں جس طرح کوئی ہوگا اس کا اللہ تعالے کو علم تھا کیونکہ علم کے تابع ہوتا ہے چونکہ اللہ تعالے کے علم میں تھا کہ فرعون اپنے اختیار سے ایمان نہیں لائے گا اور نہ ہی اس کا اختیار امکان (ایمان لانے سے) سے باہر لائے گا اسی لیے موسیٰ وہارون

---

[1] : اضافہ از اویسی غفرلہٗ۔

علیہما السلام کو اس کی دعوت میں نرمی کا حکم فرمایا۔

ردِ جبریہ لعلہ یتذکر او یخشیٰ میں واضح دلیل ہے کہ بندہ کی قدرت کو اپنے افعال اور اپنے غیر کے افعال میں تاثیر ہے اور وہ مجبور محض نہیں جیسا کہ اشعری کا گمان ہے وہ کہتا ہے کہ بندے کو اپنے افعال کی تاثیر میں کوئی قدرت نہیں اگر اس کا قول صحیح مانا جائے تو آیت ہذا میں بندے کے لیے تذکر و خشیت کا کیا معنے؟

قَالَا رَبَّنَآ :

سوال : الارشاد میں ہے کہ اس کے قائل تو صرف موسےٰ علیہ السلام تھے لیکن یہاں یہ قول دونوں (موسےٰ و ہارون علیہما السلام) کی طرف منسوب کر دیا؟

جواب : یہ تغلیباً ہے تاکہ معلوم ہو کہ ان جملہ امور کے قول و فعل میں اصل موسےٰ علیہ السلام تھے اور ہارون علیہ السلام ان کے تابع۔

کوہ طور سے مصر کی جانب مروی ہے کہ موسےٰ علیہ السلام جب کوہ طور سے مصر کی جانب روانہ ہوئے اس وقت نہ تو آپ کو بظاہر راستہ کا علم تھا اور نہ ہی آپ کے پاس زادِ راہ تھا اور نہ ہی کوئی اور شے سوائے عصا کے۔ راستہ میں پھل فروٹ مل جاتے کھا لیتے یا کوئی شکار حاصل ہوتا تو کھا لیتے اور کبھی بھوکے رہ کر وقت گذار دیتے۔ ایسے ہی چلتے چلتے مصر میں پہنچ گئے۔

ہارون و موسےٰ علیہما السلام کی ملاقات کاشفی نے لکھا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام مصر کی جانب روانہ ہوئے تو ہارون علیہ السلام کو وحی ہوئی کہ مدین کے راستہ پر اپنے بھائی موسےٰ علیہ السلام کے استقبال کے لیے جائیں۔ جب راستہ میں دونوں آپس میں ملاقاتی ہوئے تو موسےٰ علیہ السلام نے اپنا سارا حال سنایا اور یہ بھی فرمایا کہ مجھے فرعون کے ہاں رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ ہارون علیہ السلام نے کہا کہ آپ کے جانے کے بعد فرعون کی شان و شوکت بڑھ گئی ہے، اب تو اس کا یہ حال ہے کہ معمولی بات پر لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیتا ہے اور کسی کو قتل اور کسی کو پھانسی لٹکا دیتا ہے۔ اس سے موسیٰ علیہ السلام کو اندوہ لاحق ہوا۔ اس پر دونوں بھائیوں نے مل کر کہا: اے ہمارے پروردگار!:

اِنَّنَا نَخَافُ، ہمیں خطرہ ہے۔

حلِ لغات مظنون یا معلوم علامت سے کسی ناپسندیدہ امر کے وقوع کو خوف کہتے ہیں اور مظنون یا معلوم نشانی سے محبوب شے کے حصول کو طمع و رجا کہا جاتا ہے۔ خوف کی نقیض امن ہے۔ اور یہ دونوں یعنے خوف اور رجا، امور دنیویہ و اخرویہ کے لیے مستعمل ہوتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

ویرجون رحمتہ ویخافون عذابہ — وہ رحمتِ الٰہی سے پر امید اور اس کے عذاب سے خائف رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے خوف کا معنے : اللہ تعالےٰ سے خوف کا یہ معنے نہیں کہ اس کے رعب سے کوئی شے دل میں کھٹکے جیسے شیر

کے رعب سے دل میں ڈر ہوتا ہے بلکہ اس کا معنٰی یہ ہے کہ انسان برائیوں سے بچ کر اس کی طاعات اختیار کرے۔

اَنْ یَّفْرُطَ عَلَیْنَا، ہمارے اوپر زیادتی کرے۔

حل لغات فرط بمعنے اپنے ارادہ سے آگے بڑھنا۔ اسی سے الفارط الی الماء ہے بمعنے اصلاح دلو کے لیے آگے بڑھنے والا۔ اب معنے یہ ہوا کہ وہ ہماری سزا پر جلد بازی کرے کہ ہمیں دعوت پہنچانے اور اظہارِ معجزہ کا وقت بھی نہ دے۔ اس سے خطرہ ہے کہ ہمارے رسول بنا کر بھیجنے کا مقصد پورا نہ ہو۔ اسے یفرط افراط سے بھی پڑھا گیا ہے۔ یعنے ہمارے ایذا پہنچانے میں زیادتی کرے۔

سوال: انہیں خوف کیوں، حالانکہ وہ تو اللہ تعالٰے کے رسول اور پیغمبر تھے؟

جواب: یہ انسانی فطرت کے مطابق ہے جیسا کہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ بنو آدم کی جبلی عادت ہے کہ وہ ضرر رساں چیزوں سے خوف کرے اگرچہ وہ رسالت و نبوت کا بھی حامل ہے جیسے موسٰے و ہارون علیہما السلام باوجود نبی ہونے کے فرعون کے خطرہ سے کہہ رہے تھے: اننا نخاف الآیۃ یعنے انہیں خطرہ ہوا کہ فرعون انہیں قتل کر دے گا۔

تحقیقی جواب: ان کا خوف اپنے قتل ہو جانے پر نہیں تھا بلکہ اس لیے خوفزدہ ہوئے کہ کہیں ہمارے قتل ہو جانے پر ادائے رسالت و تبلیغ کا منصوبہ نامکمل رہے گا یا اس لیے خوفزدہ ہوئے کہ فرعون اپنی جہالت پر مزید سرکشی دکھائے اور اللہ تعالٰے کو گالی دینے لگ جائے۔

ف: یہ تحقیقی جواب اس لیے ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں وہ جبلی عادات جو اُن کے لیے نقص و عیب کا موجب ہوں ان سے وہ منزہ ہوتے ہیں اور یہ خوفِ جان تو ان سے کم درجہ یعنے اولیاء کرام کو ہوتا۔ کما قال تعالٰے:

لا خوف علیھم و لا ھم یحزنون

تو پھر ان بڑے مرتبہ والوں پر یہ الزام کیسا؟[1]

اَوْ اَنْ یَّطْغٰی ○ یا سرکشی میں بڑھ جائے کہ تیری اقدس میں کیچڑ اچھالے کیونکہ وہ اس وقت بلا کا بیباک اور قاوہ قلبی میں پرلے درجہ کا بے حیا ہے۔ ہمیں خوف ہے کہ کہیں آپ کی ذات اقدس کا پاس و ادب نہ کرے۔

نکتہ: اللہ تعالٰے کے ہاں ان کا یہ عذر معقول تھا کیونکہ انہیں بہ نسبت اپنے اس کی ذات کی تعظیم کا بہت زیادہ لحاظ تھا۔ اسی لیے کلام کو یہاں ختم فرمایا۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ اعذار میں اقوی عذر کو بعد میں لایا جاتا ہے اور موسٰی و ہارون علیہما السلام نے اپنا قوی تر عذر ابھی بیان فرمایا۔ اسی لیے گفتگو یہاں ختم ہوئی، یہ ایسے ہی جیسے ہدہد کا کلام: وجدتھا قومھا یسجدون للشمس پر ختم ہوتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے سامنے اس کی یہ دلیل قوی تھی۔

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

صاحبِ روح البیان کا احتمال فقیر (حقی) کہتا ہے کہ یہ عبارت دراصل ان یطغی علینا تھی، یعنے فرعون ہمارے ساتھ بدسلوکی میں حد سے بڑھے گا۔ جار و مجرور یعنے لفظ علینا کو حذف کیا گیا تاکہ اصل آیت صحیح رہے جیسے ما ودعك ربك وما قلیٰ میں جار و مجرور حذف ہے۔

ف: ان یطغی میں ان نہ ہوتا تب بھی معنیٰ صحیح ہوتا لیکن اس کے ظاہر کرنے میں اشارہ ہے کہ ان دونوں کو خوف لازماً لاحق ہوا خواہ اس کی وجہ کچھ ہو۔

قَالَ۔ یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے گویا کسی نے پوچھا کہ اللہ تعالےٰ نے موسےٰ و ہارون علیہما السلام کو کیا جواب دیا تو بتایا گیا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا: لَاتَخَافَآ جن امور کا تمھیں خطرہ ہے ان سے مت ڈرو۔

اس سے ثابت ہوا کہ انسان کا جبلّی اور فطری خوف امرِ تکوین سے زائل ہو جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یا نار کونی برداً و سلاماً علیٰ ابراھیم۔

آگ میں اگرچہ جلانے کا مادہ ہے لیکن امرِ تکوین سے اس کا مادہ ختم کر کے اس میں ٹھنڈک اور سلامتی رکھی گئی۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

لَاتَخَافُوا ہست نزل خائفان
ہست در خور از برائے خائفان
ہر کہ ترسد مرورا ایمن کنند
مر دل ترسندرا ساکن کنند
آنکہ خوفش نیست چون گوئی مترس
درس چہ دہی نیست او محتاج درس

ترجمہ: (۱) لاتخافوا (مت ڈرو) خائفین از خدا کی مہمانی ہے ایسی مہمانی خائفین کے لائق ہے۔

(۲) جو اللہ تعالےٰ سے ڈرتا ہے اس کو بے خوفی و اطمینانی اور قرار عطا کرتے ہیں اور اللہ تعالےٰ ڈرنے والوں کے قلوب کو سکون بخشتے ہیں۔

(۳) جسے خوفِ خدا کی دولت نصیب ہے اسے جتنا کہو کہ نہ ڈرو (بے سود ہے) اسے نصیحت نہ کرو اس لیے کہ اسے تمھارے سبق کی ضرورت نہیں۔

ف: ابن الشیخ کے حواشی میں ہے کہ یہاں پر خوف کی نہی مراد نہیں کیونکہ خوف تو ایک طبعی امر ہے اس میں انسان کو اپنے اختیار پر کوئی دخل نہیں اور جس میں انسان کے اختیار کو دخل نہ ہو اس پر تکلیفی نہیں ہوتا یعنے اس کا انسان کو مکلف نہیں بنایا جاتا نہ ثبوتاً نہ نفیاً، (یعنے اس پر عمل کرنے اور نہ کرنے کا حکم نہیں ہوتا. بلکہ اس میں موسےٰ و ہارون علیہما السلام کو حفاظت و نصرت کا وعدہ دے کر تسلّی دی

گئی ہے۔ جیسا کہ اس پر اِنَّنِیْ مَعَکُمَآ دلالت کرتا ہے یعنے میں تمھارے ساتھ ہوں بایں معنی کہ میں ہی تمھاری مکمل طور پر حفاظت و نصرت کروں گا۔ یہ معنے ہم نے اس لیے کیا ہے کہ اللہ تعالےٰ معیت مکانیہ سے منزہ ہے۔ اَسْمَعُ وَاَرٰی ۝ جو کچھ تم دونوں فرعون کے ساتھ قول و فعل کر آئے میں اسے سنوں گا اور دیکھوں گا پھر ہر حالت میں تم سے دفع شر و ضرر کروں گا کیونکہ جسے اللہ تعالےٰ کی ایسی معیت نصیب ہوتی ہے ہر جبار اور سرکش دشمن سے اس کی حفاظت فرماتا ہے۔

کرامت ایک نوجوان کی منقول ہے کہ ایک نوجوان امر و نہی کرتا تھا۔ ہارون الرشید بادشاہ نے اسے ایک ایسے قید خانہ میں محبوس کر دیا جس میں ہر طرف سے باہر نکلنے کے تمام راستے مسدود تھے تاکہ وہ باہر نہ نکل سکے اور وہیں پر مر جائے لیکن چند دنوں کے بعد ایک باغ میں اسے ٹہلتا ہوا دیکھا گیا۔ ہارون الرشید نے پھر گرفتار کر لیا اور پوچھا کہ اس کمرے سے کس نے نکالا؟ اس نے کہا جس نے مجھے اس میں داخل کیا۔ ہارون نے پوچھا کہ کس نے تجھے داخل کیا۔ اس نے کہا جس نے مجھے نکالا۔ یہ جواب سن کر ہارون الرشید رو پڑا اور فرمایا کہ اسے بہت بڑا انعام دیا جائے اور گھوڑے پر سوار کر کے بازاروں میں اعلان کیا جائے کہ یہ وہ شخص ہے جسے ہارون الرشید نے ذلیل کرنا چاہا لیکن اس سے ذلیل نہ ہو سکا اسے اللہ تعالےٰ نے مکرم و محترم بنایا۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

ہزار دشمن اگر میکنند قصد ہلاک
گرم تو دوستی از دشمنان ندارم باک

ترجمہ: ہزاروں دشمن میری تباہی و بربادی کا ارادہ کریں۔ اگر تیری مہربانی میرے ساتھ ہے تو مجھے دشمنوں سے کوئی خطرہ لاحق نہیں۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

محالست چون دوست دارد ترا
کہ در دست دشمن گذارد ترا

ترجمہ: جب تجھے اللہ تعالےٰ دوست رکھتا ہے تو پھر محال ہے کہ وہ تجھے تیرے دشمنوں کے ہاتھ دے۔

فائدہ صوفیانہ اللہ تعالےٰ اپنے حضور کے لائق ہر بندے کے ساتھ حاضر ہے لیکن اس حضور کو وہی جانتا ہے جس کی عین بصیرت کو نور شہود کا سرمہ نصیب ہے لیکن یاد رہے کہ شہود معیت سے شہود وحدت ذاتیہ اتم و اعلیٰ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عارفین و کاملین شہود معیت پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ وہ فنائے تام سے مقام وحدت تک پہنچتے ہیں۔

ف: حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام نے کمال عبودیت کے ساتھ حضرت ربوبیت کی طرف ملتجی ہوئے تو انھیں اللہ تعالےٰ نے اپنی کمال حفاظت و نصرت سے نوازا۔

حکایت: حضرت فقیہ ابوالحسن رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ ایک دفعہ بغداد میں قحط پڑا تو لوگ علی بن عیسٰی وزیر کے ہاں درخواست لاتے۔ انھوں نے ان کی درخواست کی پشت پر لکھا :

لست بسماء فاسقیکم و لا بارض فاکفیکم — میں آسمان نہیں کہ تمھیں پانی دوں اور نہ ہی زمین ہوں کہ تمھاری

ارجعوا الی بارئکم۔ — کفایت کروں جاؤ اپنے رب سے عرض کرو۔

حکایت: ابوالمعین نے فرمایا کہ میں نے ایک نصرانی سے پوچھا کہ انجیل میں سب سے احسن آیت کونسی ہے۔ اس نے کہا کہ یہ پانچ کلمے احسن الآیات ہیں، اللہ تعالٰی فرماتا ہے :

① مجھ سے مانگ میں تجھے دوں۔
② میرا شکر کر میں تیری نعمت میں اضافہ کروں۔
③ تو میری طرف متوجہ ہو میں تیری طرف توجہ کروں۔
④ میرے قریب ہو جا میں تیرے قریب ہوں۔
⑤ تو دنیا میں مری طاعت کر میں دنیا و آخرت میں تیرا کہا مانوں گا۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

گفت حق گر فاسق و اہل صنم
چون مرا خوانی اجابتہا کنم
تو دعا را سخت گیرو می شخول!
عاقبت برہاندت از دست غول

ترجمہ: اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ اگر تو فاسق ہے یا اہل صنم، مجھے پکار تیری فریاد رسی کروں۔
تو دعا میں سخت منہمک ہو جا تجھے دعا ہر دکھ درد سے نجات بخشے گی۔

فَاْتِیٰهُ فرعون کے پاس جانے کا حکم ہے۔ یہاں پر فرعون کے ہاں پہنچنے کے بعد آنے کا حکم ہے اسی لیے تکرار نہیں۔ الایتان بمعنے آسانی سے آنا اور لفظ المجیٔ عام ہے (آسانی سے ہو یا نہ) کبھی ایتان بالقصد آنے کے لیے مستعمل ہوتا ہے اگرچہ اس سے مطلوب کا حصول نہ ہو اور مجی میں حصول ضروری ہے۔ فَقُوْلَآ جاتے ہی اسے کہو۔ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ ہم تیرے پروردگار کے پیغمبر ہیں تاکہ اس سرکش کو آپ کے جانے کا مقصد معلوم ہو اور پھر وہ اسی کے مطابق جواب دے سکے۔ رسولا رسول کا تثنیہ ہے بروزن فعول مبالغہ کا صیغہ ہے یعنے مفعل (بضم المیم وفتح العین) یعنے مرسل کے مبالغہ کے لیے آتا ہے بمعنے صاحب رسالت از ارسل فعول کا وزن مبالغہ کے لیے نادراً مستعمل ہوتا ہے اور شریعت میں رسول وہ ہے جو تبلیغ احکام کے لیے مبعوث ہو خواہ وہ فرشتہ ہو یا انسان بخلاف نبی کے کہ وہ اس کا اطلاق صرف انسان پیغمبر کے لیے آتا ہے۔ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۵ تو ہمارے

ساتھ بنی اسرائیل کو بھیجئے کیونکہ ہم آل یعقوب کو ارض مقدس لے جانا چاہتے ہیں، اس لیے کہ وہی ہمارے آباء و اجداد کا مسکن ہے۔ (کذا فی بحر العلوم)

موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو حکم ہوا کہ وہ جا کر فرعون سے کہیں کہ بنی اسرائیل کو اجازت دیجئے تا کہ ہم انھیں فلسطین لے جائیں کیونکہ وہی ہمارا اصلی وطن ہے۔

ف: فلسطین (بکسر الفاء و فتح اللام و سکون السین المہملۃ) وہ بلاد جو شام و مصر کے درمیان واقع ہیں چند ایک کے نام یہ ہیں:

① رملہ

② غزہ

③ عسقلان

ف: الارشاد میں ہے کہ ارسل سے بنی اسرائیل کی آزادی مراد ہے کیونکہ وہ فرعون کے قبضہ میں تھے بلکہ یوں سمجھئے کہ وہ اس کے قیدی تھے اور ان سے سخت سے سخت کام لیتا تھا اور وہ گویا ایک قسم کے عذاب میں مبتلا تھے۔ موسیٰ و ہارون علیہما السلام انھیں فرعون کے اس عذاب سے چھٹکارا دلانا چاہتے تھے۔ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ (ہمارے مذکورہ معنی کی تائید کرتا ہے) یعنے اے فرعون! تو انھیں عذاب نہ دے یعنے انھیں ایسے مصائب و تکالیف میں مبتلا نہ کر۔

بنی اسرائیل قبطیوں یعنے قوم فرعون کے قبضے میں تھے وہ ان سے سخت کام لیتے تھے مثلاً ان سے نہریں کھدوانا، پتھر اٹھا کر ان کی عمارات تیار کرنا و دیگر تکلیف دہ امور۔ بلکہ ایک سال ان کے تمام نومولود لڑکوں کو قتل کر دیتے اور دوسرے سال مہلت دیتے۔ لیکن ان کی لڑکیاں زندہ چھوڑتے جب وہ بڑی ہوتیں تو اس سے خدمت کراتے۔

نکتہ: رسالت کے پیغام پہنچانے کے فوراً بعد انھیں آزاد کرانے کی اپیل کرنے میں نکتہ ہے کہ مسلمان کو کفار کی قید سے آزاد کرانا اہمیت رکھتا ہے بجائے اس کے انھیں اسلام کی دعوت دی جائے ورنہ رسالت کے پیغام کے بعد انھیں معجزات کا اظہار ضروری تھا۔ لیکن چونکہ مسلمان کی آزادی اہم امر تھا اسی لیے اظہار معجزہ سے پہلے ہی یہ اہم کام شروع فرما دیا۔

حل لغات: تعذیب بمعنے کسی کو شدید ترین درد پہنچانا مثلاً کوئی کہے: قد عذبہ تعذیباً۔ اس کا معنے یہ ہوگا کہ اس نے کسی کو عذاب میں کافی دیر تک مقید رکھا۔ یہ عذب الرجل سے ماخوذ ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کھانے اور نیند سے رک جائے اور تعذیب بمعنے کسی کو کھانے اور نیند نہ کرنے پر برانگیختہ کیا جائے۔ بعض نے کہا کہ عذب سے ہے بمعنے مٹھاس اور تعذیب میں سلبی معنے ہے کسی سے لذت حیات چھیننا۔ جیسے کہا جاتا ہے مرضتہ یعنے میں نے اس کا مرض زائل کیا ایسے قدیتہ۔ بعض نے کہا، تعذیب اکثار الضرب بعذبۃ السوط بمعنے طرف سے ہے یعنے کسی کو ڈنڈے کے ایک حصہ سے بہت زیادہ مارنا۔

قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ؕ ہم تیرے ہاں تیرے رب سے نشانی لے آئے ہیں یعنے تیرے پروردگار

کے معجزات۔

ف : باوجودیکہ معجزات متعدد تھے لیکن ان کے لیے واحد (آیت) کا صیغہ لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ دعویٰ کے اثبات کے لیے صرف ایک معجزہ بھی کافی ہے ویسے یہاں پر تعدد جمع کا ذکر بھی مطلوب نہیں، گویا یوں فرمایا کہ ہم نے اپنے لیے رسالت کا جو دعویٰ کیا تھا اس کی دلیل لاتے ہیں۔

وَالسَّلٰمُ، لام، تعریف ماہیت کی ہے اور سلام بمعنے آفات ظاہرہ و باطنہ سے بچنا۔ یہاں پر السلام علیکم کہنا مراد ہے۔ اب معنٰے یہ ہوا کہ مسلسل تحیہ (جس میں سعادت دارین ہو) منجانب اللہ و ملائکہ اور خزنۃ الجنۃ و دیگر جملہ اہل اسلام ہو۔ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ۝ ان لوگوں پر جو ہدایت کا اتباع کرتے ہیں یعنے آیات الٰہیہ (جو حق کا راہ دکھاتی ہیں) کی تصدیق کرتے ہیں۔ اس معنے پر لام اپنے اصل پر ہے اور تبعہ و اتبعہ کا ایک معنٰے، یعنے کسی کے پیچھے لگنا، عام ہے خواہ جسم کے پیچھے لگنا یا اس کے نقش قدم پر چلنا یا اس کی فرمانبرداری کرنا جیسے آیت میں ہے :

فمن تبع هدای فلا خوف علیهم۔

ف : السلام کے بعد علیٰ واقع بمعنے لام ہے جیسے کبھی لام بمعنے علیٰ آتا ہے جیسے ولهم اللعنة بمعنے علیهم اللعنة ہے۔

ف : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ سلام بمعنے استسلم ہے اور اتبع الهدٰی سے انبیاء علیہم السلام کے لائے ہوئے احکام کی تابعداری مراد ہے۔

اِنَّا قَدْ اُوْحِیَ اِلَیْنَآ ہمارے پروردگار کی طرف سے ہمیں پیغام پہنچا ہے۔ الوحی بمعنے اشارہ سریعہ۔ یہ کبھی جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے پوشیدہ گفتگو سے ہوتی ہے اور کبھی الہام و منام سے۔ موسیٰ علیہ السلام کو جبریل کی وساطت سے اور ہارون علیہ السلام کو موسےٰ علیہ السلام کی وساطت سے اور جبریل علیہ السلام کی وساطت سے وحی ہوتی تھی۔ اَنَّ الْعَذَابَ تمام عذاب اس لیے کہ یہ السلام کے بالمقابل واقع ہے جیسے وہاں کل سلامتی مراد ہے یہاں بھی کل عذاب مراد ہے یعنے دنیوی و اخروی اور دائماً کیونکہ وہ عذاب جو متناہی ہو وہ نہ ہونے کے برابر ہے۔

ہماری اس تقریر سے وہ سوال زائل ہو گیا کہ کبھی عذاب غیر مکذبین کو بھی ہوا کرتا ہے حالانکہ تم کہتے ہو کہ عذاب صرف مکذبین کو ہوتا ہے۔

عَلٰی مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝ ان پر جنھوں نے تکذیب کی۔ یعنے آیات الٰہی کو جھٹلایا اور انبیاء علیہم السلام کے لائے ہوئے احکام کے ساتھ کفر کیا۔ کذب قول و فعل ہر دونوں کے لیے مستعمل ہوتا ہے۔ وتولی جب یہ لفظ عن سے متعدی ہے لفظاً یا تقدیراً تو بمعنے اعراض، ترک قرب مستعمل ہوتا ہے۔ اب معنٰے یہ ہوا کہ اس نے نفس کی تابعداری کر کے حق کو قبول نہ کیا۔

ف : اس میں وعید سنانے کی نرمی کی گئی ہے اس لیے کہ حلول عذاب کی تصریح نہیں فرمائی۔ ورنہ وہ اس کا مستحق تھا۔

صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا فقیر (حقی) کہتا ہے کہ مراسم شرعیہ اور حقائق کی تکذیب مطلقاً ذلت و عذاب کا موجب ہے چونکہ کفار مراسم شرعیہ اور حقائق کی تکذیب کرتے ہیں اسی لیے

انھیں جسمانی وروحانی ہر دونوں عذابوں میں مبتلا کیا جاتا ہے اور وہ لوگ جو حقیقت کا کفر کرتے ہیں وہ چونکہ آیات حقیقت کے ساتھ کفر کرتے ہیں اسی لیے انھیں معنوی ذلت سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ نعمت وعزت اطاعت واتباع اور فرمانبرداری میں ہے اور ذلت و خواری اور جہنم اس کے خلاف کرنے میں۔

حکایت حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ کو کسی سید صاحب نے دیکھا کہ بڑے کروفر کے ساتھ اپنے مریدین کے جھرمٹ میں کہیں جارہے تھے۔ سید صاحب نے فرمایا کہ لوگو! دیکھو سادات ذلت وخواری میں ہیں اور یہ عبداللہ بن مبارک کیسی ٹھاٹھ سے جارہا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حضرت سادات کرام نے جب اپنے داداجان علیہ السلام کی سنت کی پرواہ نہ کی تو ذلت کا منہ دیکھا اور عبداللہ بن مبارک نے چونکہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت کو اپنایا ہے اسی لیے اسے ایسی عزت وشان سے نوازا گیا۔

ف: فرعون کی عزت وشرافت، ذلت وخواری سے تبدیل ہوئی تو اس نے موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب اور ان کی دعوت دینی سے اعراض کیا اگرچہ بظاہر ہامان اس کے انکار کا سبب تھا لیکن درحقیقت اس میں قبول حق کی جبلۃً استعداد نہ تھی۔

سبق کسی کو ظاہری دنیوی عزت سے دھوکہ نہ ہو کہ وہ اس کے فریب میں آکر طاعت وانقیاد الٰہی سے محروم ہوجائے یہ آنی جانی شے ہے کبھی عزت ہوتی ہے تو کبھی دوسرے ایام میں ذلت وخواری مہمان ہوتی ہے اور یہ اکثر ہوتا رہتا ہے۔ اسی لیے انسان پر لازم ہے کہ وہ ناصح کی نصیحت پر عمل کرے اور اہل علم باعمل کی صحبت پر مداومت کرے اس لیے کہ جسے ازلاً قبول حق کی قابلیت نصیب ہے وہ ہر وقت اطاعت الٰہی میں سردھنتا ہے اگرچہ جملہ عالم اس کا مانع ہو۔

حبشہ کا نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیکھیے! حضرت نجاشی حبشہ کا والی، اس کی قسمت اچھی تھی جب اس نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نام پاک سنا تو وہیں پہ سر تسلیم خم کر دیا اور مرگیا تو ابدی نجات پاگیا۔

کراماتِ اولیاء دنیا میں انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا ظہور حق ہے تو اولیاء کرام کی کرامات کے صدور کو حق ماننا لازم ہے کیونکہ بوقت ضرورت ان کا بھی صدور ہوتا رہتا ہے اس لیے قدرتِ الٰہی کا صدور ہر دونوں میں یکساں ہے اور ہمارا عقیدہ ہونا چاہیئے کہ کرامات اولیاء بھی آیات الٰہیہ ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حضرات لاتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ واقعی وہ ولی اللہ ہو۔ (ورنہ بہت سے بہروپیے شریعت کے مخالف عجیب شعبدے دکھاتے ہیں ہم انھیں کرامت نہیں کہتے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی گمراہی کا پھندا ہے ان سے بچ کر رہنا ضروری ہے)[1]

کرامات کا انکار: اولیاء کرام کی کرامات کو قبول کرنا عالم حقیقت کے لیے رہبر ثابت ہوتا ہے اور جو ان کے انکار کی لعنت

---

[1]: اضافہ از اویسی غفرلہٗ

سے بچتا ہے وہ صوری و معنوی عذاب سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ معنوی عذاب سے اللہ تعالےٰ کا ہجر و فراق مراد ہے اور کرامات کا منکر بھی دائمی عذاب میں مبتلا ہو کر رہ جاتا ہے۔

منکرین انبیاؑ و اولیاء جب صاف ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام اللہ تعالےٰ کی رحمت ہیں اور ان سے بڑھ کر اور کوئی نعمت نہیں۔ پھر ان لوگوں پر تعجب ہے جو انکا انکار کرتے ہیں اور چند ایک محدود لوگ ان کی اتباع کرتے ہیں ورنہ اکثر ان کی اتباع و عقیدت سے محروم ہو جاتے ہیں بلکہ ان کے جاہ و جلال کے عرفان سے یکسر عاری ہوتے ہیں۔ تم نے دیکھا کہ گذشتہ زمانوں میں اکثر لوگ عذاب میں مبتلا ہوئے ان قدسی نفوس کے انکار سے۔

سبق اس سے انسان کو فکر کرنا چاہیئے اور پختہ یقین کے ساتھ انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام کی اتباع و عقیدت سے ہی عزت و وقار نصیب ہوتا ہے بالخصوص اس دور میں جہاں فسق و فجور اور دنیوی امور کے انہاک کا دور دورہ ہے اور لوگ طرح طرح کے مصائب و تکالیف میں مبتلا ہیں تو ان کے دکھوں کا واحد علاج اسی میں ہے کہ اللہ والوں کا دامن تھامیں اور ان کی صحبت و دوستی کو غنیمت سمجھ کر اس پر مداومت کریں۔ اور ہر مرید صادق پر لازم ہے کہ وہ اپنے شیخ کامل میں ایسا فنا ہو کہ اسے اپنے وجود کا تصور یکسر ختم ہو جائے اس طرح سے وہ عالم علین تک واصل ہو سکتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ مرید اپنے شیخ کی رضا اور محبت و عقیدت میں گم ہو۔

عبادت گذاروں کی اقسام: عبادت گذاروں کی اقسام مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) عبادت صرف عادت کے طور پر کرتا ہے لیکن اپنے سستی محسوس کرے۔

(۲) عبادت ثواب کی نیت سے کرتا ہے یہ طمع کی عبادت ہے۔

(۳) مشاہدہ حق کے انتظار میں عبادت کرتا ہے۔ یہی سچا عبادت گذار ہے یہ اپنے سے کم بلکہ ماسویٰ اللہ سے فارغ ہو کر عبادت کر رہا ہے۔ ایسی عبادت محبت و عشق الٰہی کے لیے موصل سمجھی جاتی ہے اسی سے دائمی عزت اور سعادت دارین نصیب ہوتی ہے۔ عاقل پر لازم ہے کہ وہ اس قسم کی عبادت کے لیے جد و جہد کرے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

جہد کن تا نور تو رخشاں شود
تا سلوک و خدمتت آسان شود
کودکان را می بری مکتب بزور
زانکہ ہستند از فوائد چشم کور
چون شود واقف بمکتب می رود
جانش از رفتن شگفتہ می شود

ترجمہ: (۱) عبادت میں جد و جہد کیجئے تاکہ تیرا باطنی نور چمک اٹھے اور راہ سلوک بھی آسان ہو گا۔

(۲) چھوٹے بچوں کو مدرسہ (درسگاہ سکول) میں جبراً بھیجا جاتا ہے کیونکہ وہ اپنے انجام اور تعلیم کے فوائد سے بے خبر ہیں۔
(۳) جب کسی بچے کو علمی فوائد کا علم ہوجاتا ہے تو وہ سکول (مدرسہ) میں جانے کے لیے فرحان و شادمان ہوتا ہے۔
واللہ المعین فی کل حین، اللہ ہی ہر وقت ہمارا امین و مددگار ہے۔

تفسیر عالمانہ **قَالَ**۔ کاشفی نے لکھا کہ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام بحکم الٰہی فرعون کے ہاں پہنچے۔ چونکہ مدت کے بعد ملاقات ہوئی اسی لیے جاتے ہی فرعون کو پیغام الٰہی پہنچا دیا اور فرمایا کہ ہم اللہ تعالےٰ کے رسول ہیں اور تیرے پاس اسی کا حکم لائے ہیں اور تجھے اللہ تعالےٰ کا حکم ہے کہ تم صرف اسی کی عبادت و اطاعت کرو۔ جب موسےٰ و ہارون علیہما السلام نے تلقین الٰہی سنائی تو فرعون نے کہا: **فَمَنْ رَّبُّكُمَا**۔ من استفہامیہ ہے۔ تو کون ہے تمہارا پروردگار۔

ف: بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں پر فاء ما سبق پر سوال کی ترتیب کے لیے آیا ہے یعنے گویا فرعون نے کہا کہ اگر تم اللہ تعالےٰ کے رسول ہو تو بتاؤ تمہارا رب کون ہے؟

سوال: فمن ربی کیوں نہ کہا جب کہ موسیٰ و ہارون علیہما السلام نے کہہ دیا تھا کہ ہم تیرے رب کے رسول ہیں؟

جواب (۱) یہ اس کی سرکشی اور تکبر کی دلیل ہے۔

جواب (۲) امام فخر الدین نے فرمایا کہ اس جواب سے وہ اپنی ربوبیت کو برقرار رکھنا چاہتا تھا اور اس نے یہ بھی کہا تھا: الم نربك فينا وليدا ؛ گویا اس کا یہ جواب ازراہ تعجب ہے کہ اے موسیٰ علیہ السلام جب میں تمہارا رب ہوں تو کیا میرے سوا بھی کوئی اور رب ہے، اگر ہے تو بتاؤ وہ کیوں ہے، تو پھر میری عبادت چھوڑ کر اس کی عبادت کیوں کرتے ہیں، **يٰمُوْسٰى** ۝ اے موسیٰ۔

سوال: پہلے دونوں کو پھر صرف موسیٰ علیہ السلام کو کیوں خطاب کیا؟

جواب: جب اسے یقین ہوگیا کہ اس معاملہ میں موسیٰ علیہ السلام اصل اور ہارون علیہ السلام اس کے وزیر و تابع ہیں۔ اسی لیے پہلے دونوں کو پھر بعد میں تنہا موسیٰ علیہ السلام کو خطاب کیا۔

قَالَ، موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ **رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ**۔ ربنا مبتدا اور الذی الخ اس کی خبر ہے یعنے اللہ تعالےٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے مخلوق کی ہر قسم کو عطا فرمائی۔ **خَلْقَهٗ** اس کی شکل و صورت جس کی وہ لائق تھی یعنے ہر شے کو جو اس کے ساتھ خاص اور اس میں نفع تھا، عطا فرمایا۔ اور الخلق سے مخلوق مراد ہے کیونکہ ربنا کی ضمیر جمع سے یہی معلوم ہوتا ہے جب اس میں موسیٰ و ہارون علیہما السلام اور فرعون وغیرہ سب داخل ہیں۔

سوال: موسیٰ علیہ السلام نے صرف ربنا کیوں نہ کہا آگے الذی اعطی الخ کا اضافہ کیوں؟

جواب: وصف کا ذکر فعل پر دلالت کرتا ہے اور فعل فاعل کے وجود پر۔ اس اعتبار سے موسیٰ علیہ السلام نے دعویٰ مع دلیل بیان فرمادیا۔

ثُمَّ هَدٰى ۝ پھر ان کی رہبری فرمائی، ان امور میں جو ان سے صادر ہوں گے یا جو ان کے لائق ہیں جیسے جمادات

میں بلا اختیار اور حیوانات میں اختیاراً، اور ہر ایک کو مخصوص ہیئت عطا فرمائی۔

ف: پہلے تخلیق پھر ہدایت کے مرکز میں مطلب واضح ہے کہ شئے کی پہلے ترکیب اور اس کے اجزا کی ترتیب ہوتی ہے بعدازاں ہدایت اور ان دونوں کے وقوع میں بھی ایک مدت کی ضرورت پڑتی ہے اسی لیے ان کے درمیان لفظ ثم لایا گیا۔

ف: ہر شئے میں حیات و روح ہوتی ہے صورۃً جیسے انسان و جن و ملک و دیگر مخلوق معنے جیسے جمادات و نباتات وغیرہ اسی لیے اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

وان من شئ الا یسبح بحمدہ۔

اس سے ثابت ہوا کہ مخلوق کے ہر فرد کو اللہ تعالےٰ کی معرفت حاصل ہے بقدر اس کے عقل و روح و عقل کے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ (عطی کل شئ خلقہ) یعنے ہر شئے کو جسے اللہ تعالےٰ جس استعداد کے لیے پیدا فرمایا ہے اسے وہی استعداد عطا فرمائی مثلاً مومن کو پیدا فرمایا تو قبول فیض ایمان کی استعداد عطا فرما کر پھر اسے دعوت انبیاء علیہم السلام کی دعوت قبول کرنے کی ہدایت بخشی اور کافر کو فیض قہر و خذلان و تمرد کی استعداد دے کر پیدا فرمایا اسی لیے انھوں نے انبیاء علیہم السلام کی مخالفت کی۔

حضرت مغربی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

یکے را بہر طاعت خلق کردند
یکے را بہر عصیان آفریدند
یکے را بہر مالک گشت موجود
یکے را بہر رضوان آفریدند

ترجمہ: کسی کو طاعت کے لیے اور کسی کو نافرمانی کے لیے پیدا فرمایا۔
ایک صرف مالک کی خدمت یعنے جہنم کے داخلہ کے لیے ایک کو رضوان جنت کے لیے۔

قَالَ فرعون نے کہا، **فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ۝** تو بتاؤں پہلے لوگوں کا کیا بنا۔ ما استفہامیہ ہے اور بال سے وہ حال مراد ہے جس پر انسان کا وقت بسر ہو، مثلاً کہا جاتا ہے: مابالیت بکذا میں نے ایسے وقت بسر کیا۔ اور عرف میں وہ حال جو انسان کے دل پر گذرے جیسے کہا جاتا ہے: ما خطر ببالی کذا یہ میرے دل پر بھی نہیں کھٹکا۔ القرن وہ لوگ جو ایک دوسرے کو مقترن ہوں۔ الاولیٰ۔ الاول کی تانیث ہے الکبریٰ۔ الاکبر کی تانیث ہے۔

اب مطلب یہ ہوا کہ اے موسیٰ علیہ السلام بتاؤ ان لوگوں کا کیا حال ہوا جو ہم سے پہلے گذرے ہیں جیسے قوم نوح و عاد و ثمود یعنے مرنے کے بعد ان پر کیا گذری۔

موسیٰ علیہ السلام نے تو فرعون کو سابقہ امم سے نہیں ڈرایا تھا انی اخاف علیکم مثل یوم الاحزاب...الخ تو اسی

مومن نے کہا جو فرعون کے ہاں رہتا تھا۔ اور یہاں موسیٰ علیہ السلام گفتگو فرما رہے ہیں۔ یہ سوال صاحب روح البیان نے مذکورہ بالا جواب پر اٹھایا جو موزوں ہے۔ مذکورہ بالا سوال کا جواب صحیح یہ ہے کہ فرعون نے جب موسےٰ علیہ السلام کے براہین و دلائل سنے تو اسے خطرہ ہوا کہ ممکن ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی مزید وضاحت سے قوم نہ بگڑ جائے اور اسے چھوڑ کر موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لاتے۔ اسی لیے موسےٰ علیہ السلام کے خیال کو دوسری طرف لگانا چاہا تاکہ وہ توحید پر دیگر مضامین بیان نہ کر سکیں۔ لیکن موسےٰ علیہ السلام نے فرعون کی بات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنی تقریر توحید کو جاری رکھا اور من وجہ فرعون کا جواب بھی دے دیا۔ چنانچہ فرمایا:

قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ، موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ ان کا علم میرے پروردگار کے ہاں ہے کیونکہ ان کے حالات از قبیل علوم غیبیہ ہیں اور علوم غیبیہ صرف اللہ تعالےٰ ہی جانتا ہے۔ اور نہ ہی ان کے حالات کے علم کو نبوت و رسالت سے کوئی تعلق ہے۔ اور میں ان کے حالات کو اس قدر جانتا ہوں جتنا میرے رب تعالےٰ نے مجھے عطا فرمایا ہے یعنے وہ جنھیں امور رسالت سے تعلق ہے۔

فِيْ كِتٰبٍ ۚ اور وہ علوم لوح محفوظ میں اپنی تفاصیل کے ساتھ ثبت ہیں۔ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى میرا پروردگار نہ بہکتا ہے نہ بھولتا ہے۔ الضلال بمعنے شے کی اصل جگہ سے آگے نکل جانا اور اس کے حصول کے لیے راہ نہ پانا۔ اور النسیان بمعنے شے سے ایسا غافل ہو جانا کہ اس کی طرف خیال تک نہ رہے۔ اور یہ دونوں امور ذات کے لیے محال ہیں جس کا علم ذاتی ہے۔

اب معنےٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالےٰ کے علم سے ابتدائً ہی یہ بات دور نہیں کیونکہ وہ کل معلومات کو ازلاً جانتا ہے اور نہ ہی اس بات سے اسے غفلت ہوتی ہے کیونکہ اس کے علم میں ہر شے ثابت ہے۔

اس میں اشارہ ہے کہ وہ امور لوح محفوظ میں مثبت ہیں تو اسی لیے نہیں کہ ان کی اللہ تعالےٰ کو ضرورت یا محتاجی ہے اسے نہ ابتداً لوح محفوظ میں اثبات کی ضرورت ہے نہ بقائً بلکہ اس نے لوح محفوظ میں اس لیے احکامات ثبت فرمائے تاکہ وہ امور ملائکہ کے سامنے ظاہر ہو سکیں اس سے ان کے استدلال میں اضافہ ہوتا ہے اور واضح ہوتا ہے کہ اس کا علم سہو و غفلت سے منزہ ہے۔

ے

برو علم یک ذرہ پوشیدہ نیست
کہ پیدا و پنہاں بنزدش یکست

ترجمہ: اس کے علم سے کوئی شے پوشیدہ نہیں۔ اسی لیے پیدا و پنہاں اس کے نزدیک برابر ہے۔

ربط: موسےٰ علیہ السلام فرعون کو جواب دے کر اب اللہ تعالےٰ کی مختلف شانیں بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ کہا:

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا، وہ اللہ تعالےٰ جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنایا۔

حل لغات امام راغب رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ المھد بمعنے وہ شے جو بچے کے لیے تیار کی جائے۔ المھاد و المھد وہ بچھی ہوئی جگہ جسے پاؤں سے روندا جائے۔ کما قال تعالےٰ:

الذی جعل لکم الارض مھدا۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو ایسا اچھا بچھایا جس پر تم بیٹھتے ہو اور اس پر گھر بناتے ہو۔

وَسَلَكَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا، اور تمہارے لیے اس میں راستے بنائے۔ سلک از السلوک بمعنے راستہ پہ چلنا۔ لازم و متعدی دونوں طور پر مستعمل ہے، مثلاً کہا جاتا ہے:

سلکت الشی فی الشی۔ میں نے اسے فلاں شے میں داخل کیا۔

السبل، سبیل کی جمع ہے۔ وہ راستہ جس پر عادتاً سفر طے کیا جاتا ہے۔

اب معنے یہ ہوا کہ میں نے یہ راستے صرف تمہارے لیے بنائے تمہارے غیروں کے لیے نہیں اگر وہ ان پر چلتے ہیں تو تمہارے طفیل، اور وہ راستے ہیں بھی ان گنت۔ ان کے درمیان پہاڑ بھی ہیں اور نہریں بھی اور جنگلات میں تم انھیں منزل بہ منزل طے کرتے ہو تاکہ انھیں طے کر کے اپنے مقاصد کو پہنچو اور اپنے منافع حاصل کرو۔

وَأَنْزَلَ، نزول سے ہے۔ بمعنے انحطاط عن علو یعنے اوپر سے نیچے آیا، مثلاً کہا جاتا ہے:

نزل عن دابتہ ونزل فی مکان کذا

ایسے ہی کہتے ہیں:

حط رحلہ فیہ۔ فلاں جگہ پر سامان اتارا۔

وانزل غیرہ، اور اپنے غیر کو اتارا۔

مِنَ السَّمَاءِ، آسمان یا بادل سے اتارا مَاءً هو جسم سیال الخ مَاءً وہ ایک بہنے والا جسم ہے جو زمین کو گھیر لیتا ہے یہاں پر بارش مراد ہے، اور بارش اجزاء مائیہ ہی ہیں کیونکہ یہ اجزا جب جمع ہو جاتے ہیں تو پانی کی طرح زمین کو گھیر لیتا ہے۔

اب معنے یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا۔

فَأَخْرَجْنَا بِهِ۔ خرج، خروجاً سے ہے بمعنے شے کا اپنی جگہ سے یا حال سے ظاہر ہونا اکثر اس کا استعمال اعیان میں ہوتا ہے یعنے ہم نے پانی کے سبب اگایا۔

ف: غیبت سے تکلم کی طرف عدول میں اشارہ ہے کہ وہ جملہ امور اللہ تعالیٰ کے ذاتی ہیں اور وہ امور ہیں بھی صرف اسی سے مخصوص، اور اسی سے ہی آتے ہیں اس کے سوا کوئی دوسرا ان پر قدرت رکھتا ہی نہیں۔

أَزْوَاجًا، مختلف قسمیں اور ان اقسام کو ازواج سے اس لیے تعبیر کیا گیا کہ وہ ایک دوسرے سے مقترن ہیں اور جو شے ایک دوسرے سے مقترن ہیں جو مماثل ہو یا متضاد اسے زوج سے تعبیر کرتے ہیں اسی لیے حیوانات کے نر مادہ کو زوج کہتے ہیں۔ حیوانات کے علاوہ دوسرے اقسام میں بھی مثلاً موزے جوتے کے جوڑے کو زوج کہا جاتا ہے۔ مِّن نَّبَاتٍ، ہر قسم کی انگوری یعنے وہ اشیاء جن کو غذا کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے اور جس سے حیوان نشو و نما پاتا ہے۔

ف: امام راغب نے کہا کہ النبت و النبات ہر وہ شے بڑھنے والی، جو زمین سے اگتی ہو، اس کا تنا ہو جیسے اشجار یا ترکاریاں۔

لیکن عرف میں لفظ نبات صرف ترکاریوں کے لیے استعمال ہوتا ہے بلکہ عوام تو نبات سمجھتے بھی اسے ہی ہیں جسے حیوانات کھائیں جب اس میں حقائق کا اعتبار کیا جائے گا تو ہر نامی شے کو نبات کہا جائے گا خواہ انگوریاں ہوں یا حیوان یا انسان۔

مِنْ بیانیہ ہے اس معنے پر شتی۔ نبات کی صفت ہے۔ اس لیے کہ یہ دراصل مصدر ہے اور مصدر واحد، جمع ہر دونوں کے لیے مستعمل ہے۔ شتی۔ شتیت کی جمع ہے بمعنے متفرق یعنے انگوریاں جو مختلف الانواع ہیں جن کے ذائقے بھی مختلف اور خوشبوئیں اور اشکال بھی مختلف اور منافع بھی جو بعض انسانوں کے لیے ہوتی ہیں تو بعض جانوروں کے لیے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ شتی اور من نبات دونوں نبات کی صفت ہیں لیکن شتی کی وجہ مؤخر کیا گیا ہے۔

کُلُوْا یہ بارادۂ قول فواصل اخرجنا کی ضمیر سے حال ہے۔ دراصل عبارت اخرجنا منها اصناف الخ تھی یعنی ہم نے قسم قسم کی انگوریاں زمین سے نکال کر کہہ رہے ہیں کہ کھاؤ ان کے پھل اور بیج وغیرہ۔ وَارْعَوْا۔ الرعی سے ہے بمعنے حیوان کی حفاظت یا بذریعہ غذا ہو کہ اس کی زندگی کی محافظ ہے یا اس سے دشمن کو دفع کر کے یعنے چراؤ۔ اَنْعَامَكُمْ، اپنے جانوروں کو۔ ان سے اونٹ، گائے، بھیڑیں اور بکریاں مراد ہیں یعنے ان سے بالذات یا بالواسطہ نفع اٹھاؤ۔ دراں حالیکہ ہم تمھیں ان سے نفع اٹھانے کی اجازت بخشتے اور مباح فرماتے ہیں کہ ان کے بعض کو کھاؤ اور بعض کو گھاس کے طور پر جانوروں کو کھلاؤ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ آسمان، پانی، انگوریاں اور جانور سب کے سب تمھارے لیے پیدا کیے گئے ہیں اگر تمھیں ان کی بلکہ جملہ مخلوق کی ضرورت نہ ہوتی تو میں انھیں پیدا نہ کرتا۔

حضرت مغربی قدس سرہ نے فرمایا ؎

غرض توئی ز وجود ہمہ جہاں ورنہ
لما تکون فی الکون کائن لولاکہ

ترجمہ: جملہ عالم کے وجود کا اصل سبب تم ہو۔ اگر تم نہ ہوتے تو کسی کا ہونا نہ ہوتا۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ ان جملہ مذکورہ شئون و افعال الٰہیہ مثلاً زمین کو بچھونا بنانے اور زمینی راستے تیار کرنے اور آسمان سے پانی برسانے اور انگوریوں کے مختلف اقسام اگانے میں، لَاٰیٰتٍ، البتہ بہت اور بڑی عظیم الشان اور واضح دلیلیں ہیں۔ اللہ تعالٰے کی صنعت و وحدت اور عظیم القدرت اور روشن حکمت پر۔ لِّاُولِی النُّهٰی ۝ النہی، نہمۃ کی جمع ہے اسے عقل کے لیے استعمال کرتے ہیں اس لیے کہ عقل اتباع باطل و ارتکاب افعال قبیحہ سے روکتی ہے۔ اسی لیے اسے عقل و حجر بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہ ذوی العقول کو اباطیل سے روکتا ہے منجملہ ان کے سرکشی کے اسباب بھی ہیں جنھیں سرکش اور باغی لوگ اپناتے ہیں۔

ف: عقل والوں کی تخصیص اسی لیے ہے کہ ان آیات سے صرف اہل عقول ہی نفع پاتے ہیں۔

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ۝ وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا
فَكَذَّبَ وَاَبٰى ۝ قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ۝ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ
فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ۝ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ
الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ۝ فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ۝ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى
وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ۝ فَتَنَازَعُوْٓا
اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ۝ قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ
مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ۝ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَ
قَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ۝ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ۝
قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ۝ فَاَوْجَسَ
فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ۝ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ۝ وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا
صَنَعُوْا ۭ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ۭ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى ۝ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا
قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ۝ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۭ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ
الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ
النَّخْلِ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى ۝ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَ
الَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ۭ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۭ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا
لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝ اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ
رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ۭ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۝ وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ
الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ۝ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا مَنْ تَزَكّٰى ۝

ترجمہ: ہم نے زمین سے تمھیں پیدا کیا اور اسی میں تمھیں پھر لوٹائیں گے اور اسی سے دوبارہ تمھیں نکالیں گے۔ اور بے شک ہم نے اسے اپنی تمام نشانیاں دکھائیں تو اس نے جھٹلایا اور نہ مانا۔ کہا کیا تم ہمارے ہاں اس لیے آئے ہو کہ اے موسیٰ (علیہ السلام) تم اپنے جادو سے ہمیں ہماری زمین سے نکال دو۔ تو ہم بھی ضرور تمھارے مقابلہ میں ویسا جادو لائیں گے تو ہم میں اور اپنے میں ایک وعدہ مقرر کریں جس کا ہم خلاف نہ کریں اور نہ تو (اور) ہموار جگہ ہو۔ کہا وعدہ گاہ میلے کا دن ہے اور یہ کہ لوگ دن چڑھے جمع کیے جائیں تو فرعون لوٹ گیا اور اپنے داؤں جمع کئے پھر آگیا۔ انھیں موسیٰ (علیہ السلام)

نے کہا کہ ارے تمہاری کمبختی اللہ تعالٰی پر جھوٹ نہ باندھو وہ تمہیں عذاب سے تباہ و برباد کر دے گا اور بے شک گھاٹے میں رہا جس نے جھوٹ باندھا۔ تو وہ اپنے معاملہ میں آپس میں مختلف ہو گئے اور چھپ کر مشورہ کیا۔ کہا بے شک یہ دونوں جادوگر ہیں چاہتے ہیں کہ تمہیں تمہاری زمین سے اپنے جادو سے نکال دیں اور تمہارا بہتر مذہب لے جائیں تو اپنا داؤں مضبوط کر لو پھر صفیں باندھ کر آؤ اور آج وہ کامیاب ہے جو غالب ہوا۔ کہا اے موسٰی (علیہ السلام) یا تم (عصا) ڈالو یا ہم پہلے ڈالیں کہا بلکہ تم ڈالو۔ تب ان کی رسیاں اور لاٹھیاں ان کے جادو سے دوڑتی ہوئی محسوس ہوئیں تو موسٰے علیہ السلام نے اپنے جی میں خوف محسوس کیا ہم نے کہا ڈرو مت بے شک تو ہی غالب ہوگا اور ڈال دے وہ جو تیرے داہنے ہاتھ میں ہے یہ ان کی بناوٹی کارروائی کو نگل جائے گا۔ یہ جادوگروں کا دھوکا ہے اور جادوگر کہیں بھی کامیاب نہیں ہوتا۔ تو تمام جادوگر سجدے میں گرائے گئے اور کہہ رہے تھے ہم ہارون و موسٰے (علیہما السلام) کے رب پر ایمان لائے۔ کہا میری اجازت سے پہلے ایمان لائے بے شک وہ تمہارا بڑا ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا تو مجھے قسم ہے کہ میں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف جانب سے کاٹوں گا اور تم سب کو کھجور کے تنے پر سولی چڑھاؤں گا اور تمہیں معلوم ہوگا کہ ہم میں کس کا عذاب سخت اور دیرپا ہے۔ انھوں نے کہا ہم تمہیں ترجیح نہ دیں گے ان دلائل پر جو ہمارے پاس آئے ہیں ہمیں اس ذات کی قسم جس نے ہمیں پیدا فرمایا تو جو کرنا چاہتا ہے کر لے تو اسی دنیاوی زندگی ہی میں کرے گا۔ بے شک ہم اپنے رب پر ایمان لائے تاکہ وہ ہماری خطائیں بخش دے اور وہ غلطی جو تو نے ہم سے جبراً کرائی جادو سے۔ اور اللہ بہتر اور زیادہ بقا والا ہے۔ بے شک وہ جو اپنے رب کے ہاں مجرم ہو کر آئے گا تو اس کے لیے جہنم ہے اس میں نہ مرے گا نہ جیئے گا۔ اور جو اس کے ہاں مؤمن ہو کر نیک کام کر کے حاضر ہوگا تو ان کے لیے بڑے بلند درجات ہیں۔ ہمیشہ رہنے کے باغات جن کے نیچے نہریں چلتی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ اس کا انعام ہے جو پاک ہوا۔[1]

(تفسیر آیات صفحہ گذشتہ)

تفسیر عالمانہ

مِنْهَا، زمین سے۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس سے وہ مٹی مراد ہے جو عزرائیل علیہ السلام نے بامر الٰہی آدم علیہ السلام کے لیے جملہ روئے زمین

---

[1] آیات کا ترجمہ از اویسی غفرلہ۔

سے اٹھائی تھی۔

خَلَقْنٰكُمْ تمہیں تمہارے باپ آدم علیہ السلام کی وساطت سے پیدا فرمایا۔ آدم و حوا علیہما السلام کے سوا باقی جملہ آدم زادے نطفے سے پیدا ہوئے۔

حل لغات: الخلق دراصل تقدیر مستقیم کو کہا جاتا ہے اور عرف میں شئے کو غیر اصل سے پیدا کرنے پر مستعمل ہے اللہ تعالے نے فرمایا ہے:

خلق السموات والارض

اور ایک شئے کو دوسری شئے سے پیدا کرنے کے لیے بھی آتا ہے جیسے آیت ہٰذا میں۔

وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ اور تمہیں موت کے بعد اسی زمین میں دفن کرائیں گے جہاں سے تمہارا خمیر لیا گیا اور لفظ فی استقرار پر دلالت کرتا ہے اور عودٌ یعنے شئے سے انصراف کے بعد پھر اس کی طرف رجوع کرنا، تین قسم کا ہے:

① بالذات

② بالقول

③ بالعزیمت

اور اعادۃ یعنے شئے کا تکرار جیسے بات وغیرہ کو دہرانا۔

وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ ○ اور قیامت میں تمہارے اجزاء کو جمع اور اجساد کو برابر اور روح کو حساب اور جزا و سزا کے لیے لوٹائیں گے۔ اور دوسری بار نکالنا یوں ہوگا کہ جیسے وہ زمین میں پڑے ہیں انھیں وہاں سے باہر کیا جائے گا۔ اس میں کسی قسم کی تجدید نہ ہوگی۔ تارۃ دراصل تُور تھا یعنے ایک بار جاری ہونا۔ اس کے بعد ہر نئے فعل پر مستعمل ہونے لگا جو دوبارہ ایک بار ہو کر ختم ہو جائے۔

حکیم فردوسی نے فرمایا ؎

بخاکت در آرد خداوند پاک

دگر رہ برون آرد از زیر خاک

بدان حال کائی بخاک اندرون

بدان کونہ از خاک آئی برون

اگر پاک در خاک گیری مقام

برآئی از و پاک و پاکیزہ نام

ترجمہ: (۱) تمہیں اللہ تعالے مٹی میں لائے گا پھر اس سے تمہیں اٹھائے گا۔

(۲) جس حال پر تم مٹی میں دفن ہو گے اسی طرح مٹی سے باہر آؤ گے۔
(۳) اگر پاک ہو کر مٹی میں جاؤ گے تو پھر پاکباز اور پاک نام ہو کر باہر نکلو گے۔

جبریل علیہ السلام نے قم باذن اللہ کہہ کر مردے زندہ کیے سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے مروی ہے کہ ایک دن سیدنا جبریل علیہ السلام حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوئے تو عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالےٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ آپ محزون و مغموم کیوں ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے اپنی امت کا غم ہے۔ عرض کی اہل اسلام کے لیے یا کافروں کے لیے آپ نے فرمایا اہلِ اسلام کے لیے۔ حضرت جبریل علیہ السلام آپ کو بنی سلمہ کے گورستان میں لے گئے اور دایاں پر مار کر ایک مردہ کو زندہ کیا وہ سفید چہرہ والا تھا۔ وہ کلمہ " لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ " (صلی اللہ علیہ وسلم) پڑھتا ہوا اٹھا۔ اسے جبریل علیہ السلام نے کہا کر واپس اپنی قبر میں چلے جاؤ۔ پھر بایاں پر مارا تو ایک سیاہ اور نیلی آنکھوں والا مردہ زندہ ہو کر قبر سے باہر ہائے ہائے کرتا ہوا اٹھا۔ جبریل ؑ نے اسے فرمایا واپس اپنی قبر میں چلا جا۔ اور حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو عرض کیا کہ اسی طرح قیامت میں مردے اٹھیں گے۔ اسی واقعہ کے بعد آپ نے فرمایا:

تموتون کما تعیشون و تبعثون کما تموتون۔ تم جس طرح زندگی بسر کرتے ہو ایسے ہی مرو گے اور جس حال میں مرو گے اسی حالت میں قیامت کے روز اٹھو گے۔

دنیوی زندگی سے پیار کیوں؟ حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا کہ انسان کو دنیوی زندگی سے کیوں پیار ہے؟ آپ نے فرمایا اس لیے کہ انسان کے لیے ضروری ہے کہ اس سے پیار کرے اس لیے کہ اس میں پیدا ہوا۔ اس معنے پر یہ اس کی ماں ہوئی اور پھر اسی میں زندگی بسر کرتا ہے اور اسی میں اسے رزق ملتا ہے اور اسی میں اسے حیات ملی ہے اور اسی میں ہی لوٹایا جائے گا، یہی اس کی کفایت کرنے والی اور اسی میں جنت کے حصول کے اسباب حاصل کرتا ہے۔ یہی دنیا اس کی سعادت کا مبداء، یہی صلحاء کی گذرگاہ ہے جس میں وہ اللہ تعالےٰ کے ہاں پہنچتے ہیں۔ ان وجوہ کے باوجود اسے انسان کو کیوں نہ پیار ہو جب کہ اسی سے اسے رب تعالےٰ کی ہمسائیگی نصیب ہوتی ہے۔

زمین کو اطمینان وسکون حاصل ہے کیونکہ اسے اپنے وجود میں کامیابی نصیب ہوئی باوجودیکہ نہایت سفل میں ہے کیونکہ اعلیٰ مراتب پر فائز ہے کیونکہ راضی برضاء اللہ اور تسلیم کے مقام پر ہے۔ اس کا دین اسلام ہے۔ اسی طرح دنیا میں انسان کامل حال ہے کہ اسے اللہ تعالےٰ نے قالب زمین سے اٹھا کر اپنا رنگ چڑھایا ہے یہ اگرچہ ترابی الاصل ہے لیکن اس میں اکسیر روح اعظم ڈالا گیا جب اس سے روح اڑ کر چلی جاتی ہے تو اس کا جسم اس کے رنگ میں ویسے ہی متاثر ہوتا ہے کیونکہ سونا خالص پگھلنے کے بعد بھی اپنی حقیقت پر رہتا ہے، اسی طرح کاملین اولیاء کو سمجھیے کہ وہ آزمائشوں میں مبتلا کئے جاتے ہیں تاکہ خالص سونے کی طرح اور زیادہ چمک پائیں۔

زمین افضل ہے یا آسمان؟ الاسئلۃ المقحمۃ میں ہے کہ اکثر علماء کا مذہب ہے کہ زمین آسمان سے افضل ہے

اس لیے کیونکہ انبیاء علیہم السلام زمین سے پیدا کیے گئے اور اسی میں عبادت میں مصروف رہے اور اس میں ہی مدفون ہوئے [1] زمین اللہ تعالٰی کے احکام کے اجزاء کا دار الخلافہ اور مزرعۃ الآخرۃ ہے۔ اور ان ساتوں زمینوں میں سے یہی پہلی زمین افضل ہے اس لیے کہ وحیٔ الٰہی کا نزول اسی پر ہوا اور انبیاء علیہم السلام کو مشاہدہ الٰہی بھی اسی زمین پر ہوا اور اس میں سے انھوں نے روحانی منافع بھی پائے اور ان کے خلفاء بھی اسی زمین میں ہوتے وغیرہ وغیرہ۔

صاحبِ روح البیان کی تحقیق فقیر (حقی) کہتا ہے کہ اگرچہ بظاہر آسمان افضل معلوم ہوتا ہے کیونکہ ارواح کی قرار ہے یہی وجہ ہے کہ مرنے کے بعد جسم زمین پر پڑا رہتا ہے لیکن روح آسمان میں۔ اور اگر حقیقت بین نگاہ سے دیکھا جائے تو زمین افضل معلوم ہوگی کیونکہ ارواح عالیہ کو عروج کی فضیلت کے اسباب سے میسر آتے اس لیے حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صلوٰۃ کو دنیوی قرار دیا۔ کما قال علیہ السلام:

"حبب الی من دنیاکم ثلاث الطیب والنساء وقرۃ عینی فی الصلوۃ"

مجھے تمھاری دنیا سے تین چیزیں محبوب ہیں، (۱) خوشبو

(۲) عورتیں

(۳) نماز (آنکھوں کی ٹھنڈک)

شرح الحدیث وجہ یہ ہے کہ نماز چند افعال و اذکار مجموعہ کا نام ہے اور وہ افعال و اذکار اجساد سے حاصل ہوتے ہیں اور وہ اجساد دنیوی اور عالم الملک سے ہیں اگرچہ قلب اور توجہ عالم ملکوت سے ہے۔ ہم اللہ تعالٰی سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں حقائق ارض کی تحقیق اور طول و عرض سے روگردانی کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

---

[1]: اس مسئلہ میں علماء کا اتفاق ہے کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم جس جگہ آرام فرما ہیں وہ جگہ کل کائنات کی جگہوں سے افضل ہے۔ یہاں تک کہ عرش و کرسی اور کعبہ معظمہ اور بیت المعمور سے بھی۔ اس کے بعد اس پر اتفاق ہے کہ کعبہ معظمہ کا شہر مدینہ طیبہ وغیرہ تمام امکنہ سے افضل ہے پھر اختلاف ہے کہ کیا مدینہ طیبہ افضل ہے یا مکہ معظمہ؟ بعض مکہ معظمہ کو افضل مانتے ہیں بعض مدینہ طیبہ کو۔ جن بعض علماء نے مکہ معظمہ کو افضل مانا ہے، انھیں اعلیٰحضرت نے کہا ہے

طیبہ نہ سہی افضل مکہ ہی بڑا زاہد
ہم عشق کے بندے ہیں کیوں بات بڑھائی ہے

اس مسئلہ کی تفصیل فقیر نے دوسری جگہ لکھ دی ہے۔

(مترجم - اویسی غفرلہٗ)

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا . آیات کی اضافت عہد یا شمول انواع کے لیے کلھا تاکید کے لیے ہے ۔ معنے یہ ہوا کہ بخدا ہم نے فرعون کو موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے جملہ آیات دکھائے مثلاً عصا کا سانپ بن جانا، ہاتھ کا نورانی ہوجانا وغیرہ وغیرہ، اور وہ بھی وقفہ دے کر ۔ یا اس کا یہ معنے ہے کہ ہم نے فرعون کو ان آیات کی پہچان عطا فرمائی یا یہ معنے ہے کہ ہم نے ان آیات پر وجہ دلالت واضح فرمائی ۔ فَكَذَّبَ، تو اس بدبخت نے فرط عناد سے بلا تردد و بلا تاخیر یعنے سوچے سمجھے بغیر ان آیات کی تکذیب کر دی ۔ اور سمجھا یہ کہ وہ سحر (جادو) ہیں ۔ وَاَبٰى ۝ اور اپنی سرکشی کی بنا پر ان کے قبول کرنے سے انکار کر دیا ۔ الاباء بمعنے شدت الامتناع ۔

ف : ہر اباء کو امتناع کہہ سکتے ہیں اور ہر امتناع کو اباء نہ کہا جائے گا ۔

قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ۝ فرعون نے کہا کہ اے موسیٰ علیہ السلام آپ ہمارے ہاں اسی لیے آئے ہیں تاکہ اپنے جادو سے ہمیں ہمارے ملک سے نکال دیں ۔ یہ جملہ مستانفہ ہے اس کی تکذیب و اباء کی کیفیت کی وضاحت اور ہمزہ انکار واقع کے لیے ہے اور اس کی قباحت کا اظہار مطلوب ہے اور دعویٰ کرنا ہے کہ یہ جو تم کہتے ہو محال ہے ۔

ف : المجیء (آنا) اپنے حقیقی معنے میں ہے یا بمعنے الاقبال علی الامر ہے یا بمعنے پیچھے لگنے کے ہے ۔ السحر بمعنے دھوکہ اور ایسے خیالات برپا کرنا جن کی کوئی حقیقت نہ ہو جیسے عام طور پر شعبدہ باز کرتے ہیں کہ چابکدستی سے اپنے ظاہر کردہ سے لوگوں کی آنکھیں پھیر دیتے ہیں ۔ یا کوئی ایسا حرف بولنا جو سننے والوں کو دہشت میں ڈال دے ۔

اب معنے یہ ہوا کہ اے موسیٰ علیہ السلام تم ہم سے چند سال باہر رہ کر ایسے امور لے کر آئے ہو جو سراسر جادو ہیں تاکہ ہم پر غلبہ پا کر ہمیں ملک مصر سے نکال دیں اور یہ کام دانشمندی کا نہیں جو تم کر رہے ہو کیونکہ یہ تو محالات سے ہے ۔

ف : کاشفی نے لکھا ہے کہ فرعون نے کہا کہ ہمیں معلوم ہے کہ تم جادوگر ہو اور چاہتے ہو کہ جادو کے ذریعے تم ہمیں مصر سے نکال کر بنی اسرائیل پر قبضہ کر کے ان پر شاہی کرو ۔

ف : بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ تحیر و تعلیل سے کہہ رہا تھا اسی لیے کہ اسے معلوم ہوگیا کہ موسیٰ علیہ السلام جو کہتے ہیں وہ حق ہے اسی لیے اسے خطرہ ہوگیا کہ اس سے اس کا ملک چھن جائے گا ورنہ اسے یقین تھا کہ جادوگر سے کسی بادشاہ کو اس کے ملک سے نہیں نکال سکتا ۔

ف : الارشاد میں ہے کہ فرعون نے یہ کلمات اپنی قوم کو اکسانے کے لیے کہے کہ اے قبطیو! موسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل کو لے جانے کا مطالبہ محض فریب ہے ۔ درحقیقت وہ تمھیں اپنے ملک سے نکالنا چاہتے ہیں اور پھر تمھارے ملک و مال پر قابض ہو کر مطلق العنان بادشاہ بن کر اپنے توابع کی کسی قسم کی پرواہ نہ کریں گے ۔ وہ اس لیے کہہ رہا تھا تاکہ وہ اس کے ساتھ ہو کر موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ و مدافعہ کریں ۔ اسی لیے اس نے موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو جادو سے تعبیر کیا تاکہ انھیں غیرت پیدا ہو کہ جادوگر ہو کر تمھارا ملک کیوں چھین جائے ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ فرعون نے یہ اس لیے کہا کہ وہ اہل بصر تھا اس لیے کہ اہل بصیرت کو یقین تھا کہ موسیٰ علیہ السلام تو آئے ہی اس لیے ہیں کہ ظلمات کفر سے نکال کر نور ایمان اور ظلمات بشریہ سے خارج کر کے

نور روحانیت اور ظلمات انسانیہ سے نکال کر نور ربانیہ کی طرف لے جائیں۔

مثنوی شریف میں ہے ۔

(۱) ہر کہ از دیدار برخوردار شد
این جہاں در چشم او مردار شد

(۲) ملک برہم زن تو ادہم وار زود
تا بیابی ہمچو او ملک خلود

ترجمہ: (۱) جو دیدار الٰہی سے بہرہ ور ہوا وہ اس جہان کو مردار کی طرح دیکھتا ہے۔

(۲) سارے ملک کو ادہم (رحمۃ اللہ تعالٰی) کی طرح چھوڑ دے تاکہ تمہیں دائمی ملک نصیب ہو۔

ربط: چونکہ فرعون نے معجزہ کو ظاہری آنکھ سے جادو سمجھا اسی لیے دعوٰی کیا کہ وہ موسٰے علیہ السلام کے مقابلہ کے لیے جادوگر لائے گا۔ چنانچہ کہا:

فَلَنَأْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهِ ۔ فاء مابعد کو ماقبل کے ساتھ ترتیب کے لیے ہے۔ اور 'لام' قسم محذوف کا جواب ہے گویا فرعون سے کہا گیا کہ جب حال اسی طرح ہے تو اب تم کیا کرو گے تو فرعون نے کہا کہ بخدا ہم موسٰے علیہ السلام کے جادو کی طرح جادو لائیں گے اس لیے وہ ہم پر غالب نہیں ہوسکتا یعنے اے موسٰیؑ! ہم تیرے مقابلے کے لیے تیرے جادو جیسا جادو لاتے ہیں تاکہ ہم تیرا مقابلہ ومعارضہ کریں گے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ تم پیغمبر نہیں بلکہ جادوگر ہو۔

فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا، تو ہمارے اور اپنے درمیان وعدہ مقرر کیجئے تاکہ تمھارے جادو کا پول کھول جائے۔

لَّا نُخْلِفُهُ ہم اس وعدہ کے خلاف نہ کریں۔ نَحْنُ وَلَا أَنتَ، نہ ہم اور نہ تم۔

حل لغات: اخلف وعدہ کہا جاتا ہے۔ اخلف زمانہ ومکانہ نہیں کہا جاتا۔

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہاں پر موعدا سے مراد وہ جگہ ہے جہاں پر تمھارا اور ہمارا اجتماع ہو۔ الوعد بمعنے کے وقوع سے پہلے اس کے پہنچانے کی خبر دینا۔ الخلف بمعنے وعدہ خلافی کرنا جیسے کہا جاتا ہے، وعدنی فاخلف یعنے اس نے میرے ساتھ وعدہ کر کے اس کے خلاف کیا۔

مَكَانًا سُوًى ○ یہاں پر فعل محذوف ہے جیسا کہ اس کا مصدر دلالت کرتا ہے۔

سوال: خود مصدر سے مکاناً منصوب کیوں نہ ہوا جب کہ مصدر بھی عامل ہے؟

جواب: چونکہ مصدر اس کی صفت واقع ہے اور صفت اپنے موصوف پر عمل نہیں کیا کرتی۔

ف: سوی کو بالکسر و بالضم ہر دونوں طرح پڑھنا جائز ہے بمعنے عدل ومساوات یعنے ایسا درمیانہ مقام پر ہمیں وعدہ دیجئے جو مسافت کے

لحاظ سے درمیان میں ہو جہاں ہماری اور تمہاری مسافت کے لحاظ سے برابر ہو، کوئی ایک طرف دوسری سے بڑھ نہ جائے۔ ایسی جگہ مقرر کیجئے جو آنکھوں سے اوجھل نہ ہو لیجئے نہ نہایت اونچا ہو نہ نیچا تاکہ لوگ اچھی طرح نظارہ کر سکیں ۔

ف: فرعون نے یہ معاملہ موسیٰ علیہ السلام کے سپرد کر کے ظاہر کرنا چاہا کہ وہ اس مقابلہ میں کمزور نہیں بلکہ پوری قوت وطاقت کے ساتھ تیار ہے مدت طویل ہو یا قصیر۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ فرعون نے مہلت اس لیے دی کہ اس کے گمان میں موسیٰ علیہ السلام جادوگر تھے اور جادو کی تیاری میں وقت چاہیئے حالانکہ آپ نے تو معجزہ ظاہر کرنا تھا اور معجزہ کے لیے کسی قسم کی مہلت کی ضرورت نہیں ہوتی ۔

قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ ، موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہارا اور ہمارا وعدہ عید کا دن ہے اور وہی قبطیوں کی زینت کا دن تھا کیونکہ عید میں ہی لوگ دور دور سے خود بخود آئیں گے اور اگر مشاہدہ کریں گے ۔ ممکن ہے کہ جادو کی مغلوبی اور معجزہ کے غلبہ سے متاثر ہو کر دولت ایمان سے بہرہ ور ہوں ۔

سوال: فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے مکان کے تعین کا کہا لیکن موسیٰ علیہ السلام نے یوم الزینۃ ہو آگا کہا، یہ تضاد کیوں ؟

جواب: چونکہ زمان مکانیت کو مستلزم ہے اسی لیے ایسے تضاد مقصد کے منافی نہیں اور آپ نے مطلق یوم بھی نہیں فرمایا بلکہ یوم عید متعین فرمایا اور ایسے ایام کے لیے مکانات مخصوصہ ہوتے ہیں ۔

عید کی اقسام

اسلام سے پہلے پانچ قسم کی عیدیں متعارف تھیں :

① ابراہیم علیہ السلام کی قوم کی عید کا دن۔ آپ نے ان کے بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کیا ۔

② فرعون کی قوم کی عید، جسے آیت ہٰذا میں یوم الزینۃ سے تعبیر کیا گیا ہے ۔

③ عیسیٰ علیہ السلام کی قوم کی عید، جس کا ذکر تفصیلی طور پر سورہ مائدہ میں گذرا ہے ۔

④ اہل مدینہ کی ایام جاہلیت میں دو عیدیں، عید الفطر اور

⑤ عید الاضحیٰ ۔ جنھیں اسلام نے عید الفطر اور عید الاضحیٰ سے متبدل فرمایا۔ اور قیامت تک کے لیے دونوں عیدیں قائم رہیں گی۔

حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

قربان شدن بتیغ جفائے تو عید ماست

جان میدہم بہر چنیں عید عمر ماست

ترجمہ: تیرے ظلم کی تلوار سے کٹ مرنا ہماری عید ہے اور ایسی عید کے لیے تو ہم کئی عمریں قربان کرنے کو تیار ہیں۔

وَأَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ○ اس کا عطف الیوم یا الزینہ پر ہے ۔ الحشر بمعنے جماعت کو قرارگاہوں سے نکال کر جنگ وغیرہ کی طرف لے جانا اور اس کا اطلاق جماعت کے لیے ہوتا ہے ۔ ضحی کا منصوب ہونا علی الظرفیہ ہے ۔ اب معنے یہ ہوا کہ لوگوں کو ضحی کے وقت جمع کیا جائے تاکہ کسی قسم کا شک و شبہ نہ رہے ۔

ف : الفرام السقط میں ہے کہ یوم کے پہلے وقت کا نام فجر اس کے بعد صباح اس کے بعد غداۃ اس کے بعد بکرۃ اس کے بعد ضحی اس کے بعد ضحوہ اس کے بعد ہجیرہ پھر ظہیرہ پھر روح پھر مسا پھر عصر پھر اصیل پھر عشاء اولی پھر عشاء آخیرہ یہ شفق کے غائب ہونے سے شروع ہوتی ہے ۔

بحر العلوم میں ہے کہ دن کے ان اول اوقات کو ضحی کہا جاتا ہے جب کہ سورج اونچا ہو کر اپنی کرنیں پھیلاتا ہے ۔

امام راغب علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ نہار کے انبساط و امتداد کا نام ضحٰی ہے اور ان اوقات کو ضحٰی سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔

کاشفی نے لکھا ہے کہ ضحٰی چاشت کا وقت، جو دن کے بہ نسبت دوسرے اوقات کے روشن تر ہوتا ہے ۔

فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ ، فرعون نے قرب ترک کیا یعنے اپنی مجلس سے اٹھا کر اپنے ملک کے شہروں کے جادوگروں کو جمع کرنے کا حکم دیا ۔ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ، تو اس نے تمام تدبیریں جمع کیں ۔ کید سے مراد وہ ادویہ اور تدبیریں ہیں جو جادوگر کام میں لائیں گے اور کید حیلے کی قسموں میں سے ایک قسم ہے ۔ ثُمَّ اَتٰى ○ پھر وہ اپنے وعدے کی جگہ پر اپنے جملہ تدابیر کے ساتھ آگیا ۔ لفظ میں اشارہ ہے کہ اس نے اس امر میں عجلت نہیں کی بلکہ مکمل تیاری کے بعد پہنچا ۔

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى ۔ یہاں گویا سوال پیدا ہوا کہ جب وہ جادوگر موسٰے علیہ السلام کے پاس پہنچے تو آپ نے انھیں کیا فرمایا ، اس کے جواب میں فرمایا کہ موسٰے علیہ السلام نے جادوگروں کو بطور نصیحت فرمایا ؛ وَيْلَكُمْ ، تم پر افسوس ہے ۔ یہ کلمہ دراصل بد دُعا کے لیے استعمال ہوتا ہے یعنے تمھارے اوپر اللہ تعالٰے تباہی چپکائے یعنے تم تباہ و برباد ہو جاؤ ۔ لیکن یہاں پر صرف زجر و بیخ مراد ہے بلکہ انھیں اس مقابلہ سے باز رہنے سے جھڑکا اور ترغیب دلائی کہ نبوت کا مقابلہ تمھارے لیے مفید نہیں ۔ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ، اللہ تعالٰے پر جھوٹا افترا نہ باندھو یعنے جو کچھ میں ظاہر کرتا ہوں اس کے لیے یوں نہ کہو کہ یہ جادو ہے یا یہ معنے ہے کہ اللہ تعالٰے کے ساتھ اور باطل معبودوں کو شریک نہ ٹھہراؤ ۔

حلِ لغات : افترا بمعنے عمداً جھوٹی بات بیان کرنا ۔

ف : تاویل میں ہے کہ موسٰے علیہ السلام نے جادوگروں کو فرمایا کہ تمھارے لیے افسوس، تم اللہ تعالٰے پر افترا نہ کرو یعنے معجزہ کا مقابلہ جادو لا کر ، یوں نہ کہو کہ یہ جادو بھی معجزہ کی طرح ہے یا جیسے اللہ تعالٰے نے انبیاء علیہم السلام کو معجزات دیئے تمھیں یہ جادو بھی اللہ تعالٰے سے عطا ہوئے ہیں ۔

فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ تو وہ تمھیں عذاب میں مبتلا کر کے تباہ و برباد کرے یعنے تمھاری جڑ کاٹ دے گا ۔

حلِ لغات : اسحت الشی اعدمہ واستاصلہ یعنے اسے مٹا دے اور جڑ سے اکھاڑ دے اور اتنی بڑی قدرت والا

ہے جس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔

وَقَدْ خَابَ ۔ الخیبۃ سے ہے بمعنے مقصد کا فوت ہونا یعنے بے بہرہ اور ناامید ہونا۔ مَنِ افْتَرٰی ۝ جس نے افترا کیا۔

فَتَنَازَعُوْا ، پس وہ جادوگر موسےٰ علیہ السلام کا کلام سن کر جھگڑ پڑے کیونکہ انھیں موسےٰ علیہ السلام کا کلام سخت لگا تو آپس میں موسیٰ علیہ السلام پر غلبہ پانے کے لیے مشورے کرنے لگ گئے ۔ بَیْنَهُمْ ، آپس میں غلبہ پانے کے دلائل سوچنے لگے لیکن مشورے میں الجھ گئے اور کوئی بات انھیں سمجھ میں نہ آ رہی تھی مختلف آرار پیش کر کے آپس میں جھگڑنے لگے۔

ف : المفردات میں ہے کہ تنازعوا کا مادہ نزع القوس عن کبدہ سے ہے تنازع و منازعۃ بمعنے مجاذبۃ ہے بمعنے مخاصمت و مجادلت۔

وَاَسَرُّوا النَّجْوٰی ۝ اور اپنے مشورہ کو موسیٰ علیہ السلام نے مخفی رکھنے کی کوشش کی تاکہ وہ ان کے مشورہ سے آگاہ ہو کر مدافعت نہ کریں۔

حل لغات النجوٰی پوشیدہ راز۔ دراصل مصدر ہے مثلاً کہا جاتا ہے "نا جیتہ بمعنے ساورتہ" یہ ارتحلوا بہ فی نجوۃ من الارض سے ہے اور نجوٰی اس اونچی جگہ کو کہا جاتا ہے جو اپنی اونچائی کی وجہ سے اپنے اردگرد کی زمین سے علیحدہ ہو۔ بعض نے کہا یہ نجاۃ سے ہے بمعنے کسی شے کے چھٹکارا کے لیے تعاون کرنا یا ان تنجو بسرك من ان یطلع علیہ سے ہے اور ان کے راز نہانی کا مضمون یہ تھا :

قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ ، انھوں نے کہا کہ بے شک یہ دونوں جادوگر ہیں ۔ اور یہ اَن مخففہ من الثقلہ ہے اور لام اس لیے لائی گئی ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ اَن مخففہ ہے نافیہ نہیں اور ھٰذان کے مشار الیہ حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام ہیں۔

اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ، یہ کہ وہ تمھیں تمھاری زمین سے باہر نکال دیں۔

ف : یہاں پر ارض سے ملک مصر مراد ہے یعنے وہ تم پر غلبہ و استیلاء پر تمھیں باہر نکال پھینکیں گے یہ خبر کے بعد دوسری خبر ہے۔

بِسِحْرِهِمَا ، اپنے اس جادو کے ذریعہ جو بھی ظاہر کیا ہے۔

وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ۝ المثلی ، امثل کی تانیث ہے بمعنے اشرف یعنے یہ دونوں تمھارا مذہب جو تمام مذاہب سے اشرف و اعلیٰ کو مٹا دیں گے کیونکہ جب ان کا مذہب غلبہ پائے گا تو لازماً تمھارا مذہب مٹ کر رہ جائے گا۔

ف : طریقۃ مثلیٰ سے فرعون کی قوم کا مذہب مراد ہے ۔ چنانچہ "انی اخاف ان یبدل دینکم" مجھے خوف ہے کہ وہ تمھارا دین تبدیل نہ کر دے ۔ اس سے طریقۃ السحر مراد نہیں کیونکہ وہ جادو کو مذہب نہیں سمجھتے تھے بلکہ وہ ایک فن ہے۔

ف : بحر العلوم میں لکھا ہے کہ انھوں نے اپنے مذہب کو افضل اس لیے کہا کہ وہ اپنے مذہب سے خوش و مسرور تھے اور اسی سے ان کے قلوب مطمئن تھے ۔ کما قال تعالےٰ :

کل حزب بما لدیھم فرحون۔ ہر گروہ اپنے مذہب پر خوش رہتا ہے ۔

ف : امام راغب نے فرمایا کہ الطریق سے ہر وہ راستہ مراد ہے جو پاؤں سے طے کیا جاتا ہے کما قال :

فاجعل لھم طریقا فی البحر یبسا۔ پس ان کے لیے دریاؤں میں خشک راستے بنائیے ۔

پھر استعارۃً ہر اس مسلک کو کہا جاتا ہے جس پر کسی فعل میں انسان گامزن ہو خواہ وہ محمود ہو یا مذموم جیسے و یذھبا بطریقتکم المثلیٰ اس میں المثلیٰ بمعنے وہ شے جو فضیلت کے زیادہ مشابہ ہو ۔

فَأَجْمِعُوا كَيْدَكُمْ. فاء فصیحیہ ہے اور اجمعو الاجماع سے ہے۔ کہا جاتا ہے : اجمع الامر یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی امر مستحکم کیا جائے اور اس کے عمل میں لانے کا پختہ ارادہ ہو اور اس کا حقیقی معنے ہے کہ مختلف آرا کا ایک معنے پر اکٹھا ہو جانا جیسے مشہور کلیہ ہے :

"اجمع المسلمون ؛"

یا کہتے ہیں :

اجتمعت اٰراؤھم علیہ ۔

ف : امام راغب نے فرمایا کہ یہ دراصل آراء کے مجموعہ کا نام ہے جن کے ذریعے تدبیر و فکرۃ کو حاصل کیا جا سکے ۔

اب معنے یہ ہوا کہ جب یقین ہے کہ موسیٰ و ہارون علیہما السلام جادوگر ہیں تو پھر ان دونوں بھائیوں کا منشا یہی ہے کہ وہ تمھیں اپنے شہر سے نکال کر اپنا قبضہ جمالیں تو پھر تم کسی ایک تدبیر پر جم جاؤ اور اس کے مقابلہ کے لیے پورا زور لگاؤ لیکن کسی ایک خاص اور اچھی تدبیر پر اتفاق کر لو کہ جس سے کسی کو مخالفت نہ ہو، ایسے کہ ایک ہی کمان سے سب کے تیر چھوٹ کر ایک ہی نشان پر لگیں ۔

ف : بعض قرأتوں میں فاجمعوا جمع مذکر ماضی کا صیغہ ہے یا فجمع کیدہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے یعنی ان سب نے اپنی تدبیر بنائی اور جادو کے جملہ کرتب اکٹھے کئے ۔

ثُمَّ ائْتُوا صَفًّا " پھر تم وعدے کی جگہ پر جمع ہو کر آؤ تاکہ موسیٰ علیہ السلام پر ہیبت طاری ہو اس طرح سے تمھارا کام مضبوط تر ہوگا۔ چنانچہ فرعون کے کہنے پر جماعتیں بنا کر جمع ہوتے ہر جماعت میں ہزار آدمی تھے اور کل ستر جماعتیں ہوئیں۔ اس معنے پر ستر ہزار جادوگر جمع کیے گئے ۔

الصف بمعنے شے کا خط استواء پر کھڑا ہونا جیسے لوگوں کا صف باندھنا اور درختوں کی قطار وغیرہ وغیرہ اور کبھی صف بمعنے صاف بھی آتا ہے ۔

ف : الارشاد میں ہے کہ وہ میدان بہت زیادہ وسیع تھا جہاں موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ جادوگروں کے ساتھ ہوا۔ وہاں پر تماشہ دیکھنے کے لیے ملک کے اطراف سے لوگ ٹوٹ پڑے ۔

الارشاد میں ہے کہ جب ایک کنارے سے آتے تو منتشر ہو گئے ، پھر فرعون نے حکم صادر کیا کہ درمیان میں سب مل کر آؤ ۔

وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ○ بے شک آج وہی کامیاب ہے جو غالب ہو گیا۔

حل لغات افلح کا مادہ الفلاح ہے بمعنے الظفر و ادراک البغیۃ کامیابی اور مطلب کو حاصل کر لینا۔ الاستعلاء کبھی طلب العلو المذموم کے لیے آتا ہے اور کبھی بمعنے طلب العلاء یعنے الرفعۃ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ آیت میں دونوں معانی محتمل سے ہیں یعنے جو غالب ہوا وہ مطلب پا گیا اور لوگوں میں عالی مرتبت سمجھا جائے گا۔

ف: الارشاد میں ہے کہ مطلوب حاصل کرنے سے فرعون کا وہ وعدہ ہے جو اس نے کامیابی پر جادوگروں کو اپنا مقرب بنانے کا کیا تھا اور انعام کثیر کا لالچ دیا تھا ان میں سے سارے غالب ہو جائیں یا بعض تاکہ وہ مقابلہ میں ایڑی چوٹی کا زور لگائیں۔

صاحبِ روح البیان کی تحقیق الارشاد میں ہے کہ وہ علوم و اسباب جن کا حصول منع ہے جیسے جادو وغیرہ۔ ایسے ہی وہ امور جن سے قرب دنیا اور اس کے منافع جمع کرنا مطلوب ہے اور بہشت اور اس کے انعامات مطلوب نہیں اور نہ ہی اللہ تعالےٰ کی رضا مد نظر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح

'ہر عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچتا ہے' جب اس عمل سے صرف دنیوی ضرورت مقصود ہے یا ان امور سے کہ جن سے شرع پاک نے روکا ہے درجات اخروی یا مراتب معنوی حاصل کرنا ہے تو ان امور و علوم و فنون کی سعی ضائع ہے اور نہ ہی اس میں فلاح اور اس میں محنت اور دکھ اٹھانے کے سوا کچھ حاصل نہ ہو گا۔

منکرین اولیاء ارباب تقلید یعنے منکرین اولیاء فرعون اور جادوگروں کے نقش قدم پر چل رہے ہیں کیونکہ وہ اہل تحقیق یعنے اولیاء کرام اور ان کے ماننے والوں کے متعلق کہتے ہیں کہ یہی لوگ ہیں جو عوام کو بلند مراتب دنیوی کے حصول سے روکتے ہیں اور عوام کی نظروں میں مقبول و مرغوب ہونے سے منع کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ عوام ان سے دور رہیں اور بادشاہوں اور امراء کے ہاں جانے سے بھی دور رکھنے کے درپے ہیں اور مالداروں کے تو یہ دشمن ہیں غرضیکہ ایسے لوگ اولیاء اللہ سے بدظن کرنے میں طرح طرح کے حیلے بہانے کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کے نور کو پھونک مار کر بجھا دیں حالانکہ اللہ تعالےٰ کا ارادہ ہے کہ اس کے پیاروں کے انوار تا قیامت چمکتے رہیں اگرچہ شرک خفی میں مبتلا ہونے والے نہ چاہیں۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

ہر کہ بر شمع خدا آرد پفو
شمع کے میرد بسوزد پوز او

ملہ کسی نے اس مضمون کی ترجمانی یوں کی ہے ؎

اگر گیتی سراسر باد گیرد
چراغ مقبولاں ہرگز نمیرد

ترجمہ : جو بھی اللہ تعالیٰ کی شمع کو بجھانے کے لیے اس پر پھونک مارتا ہے شمع نے کیا بجھنا ہے الٹا اس کی ناک جل جائے گی ۔

ف : سورج کو اللہ تعالیٰ نے بلندی پر بنایا اب کسے طاقت ہے کہ وہ اسے نیچے گرا سکے ۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے مٹی (زمین) کو سفلی بنایا ہے اب کون ہے جو اسے علوی بنا سکے ۔

مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

پستست قدر سفلہ اگر خود کلاہ جاہ
بر اوج سلطنت زند از گردش زمان

سفلیست خاک اگرچہ نہ بر مقتضائے طبع
ہمراہ گردباد کشد سر بر آسمان

ترجمہ : کمینے کا درجہ پست ہے اگرچہ اس کا مرتبہ آسمانوں سے اوپر چلا جاتے ۔ جیسے مٹی کا اصل مرتبہ تو نیچے کا ہے لیکن ہوا اسے گرد و غبار بنا کر آسمان کی طرف اڑا کر لے جاتی ہے ۔ (تو اس سے گرد کا مرتبہ بلند نہ سمجھا جاتے گا) ۔

ہم اللہ تعالیٰ سے التجا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اہل سعادت و اہل فلاح سے بنائے ۔

قَالُوْا ۔ اجماع اور اتیان (آنے) کے بعد جادوگروں نے کہا ۔

ف : کاشفی نے لکھا ہے کہ جادوگروں نے تیس ہزار رسیاں اور ڈنڈے درمیان سے کھوکھلا کرکے ان پر کالا تیل لگا کر لاتے لیکن ازراہِ ادب موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی :

يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ ۔ الاتقاء یعنے شے کو نیچے اس طرح گرانا کہ اسے دیکھا جا سکے ۔ اب ہر نیچے گرنے والی شے پر طرح "کا لفظ استعمال ہوتا ہے یعنے اے موسیٰ (علیہ السلام) آپ اپنا عصا زمین پر ڈالیں گے ۔ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ○ یا ہم اپنے ڈنڈے اور رسیاں ڈالیں ۔ ان اور ان ما بعد فعل مضمر سے منصوب ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہو کر مرفوع ہے ۔ پہلی ترکیب پر معنے ہوگا ۔ اے موسیٰ علیہ السلام اپنے عصا کو ڈالنے کو اختیار فرماتیے یا نہ ۔ دوسری ترکیب کا القاء آپ کا یا امر آپ کا یا ہمارا ۔

موسیٰ علیہ السلام کے ادب کا صلہ

اس میں اشارہ ہے کہ جب جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام تقدیم و اختیار کا کہہ کر اعزاز دیا تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے صدقے انہیں ایمان حقیقی عطا فرمایا ۔ اسی لیے انھوں نے نور ایمان سے موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دیکھا تو انھیں حقیقی ایمان نصیب ہوا ۔ ان کا تقلیدی ایمان نہیں تھا یہی حقیقت ہے قول حضور علیہ السلام کے ارشاد گرامی کی جب کہ حدیث قدسی میں فرمایا :

من تقرب الی شبرا تقربت الیه ذراعاً ۔ جو میرے پاس ایک بالشت قریب ہوتا ہے میں ایک ہاتھ قریب ہو جاتا ہوں ۔

ف : جب وہ اللہ تعالیٰ کے ایک نبی علیہ السلام کی عزت کر کے اللہ تعالیٰ کے قریب ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں ایمان حقیقی کے قرب سے نوازا۔

قَالَ موسے علیہ السلام نے فرمایا۔ بَلْ اَلْقُوْا بلکہ پہلے تم ڈالو۔

ف : اللہ تعالیٰ نے جادوگروں کے دلوں میں القاء فرمایا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کو اختیار کا عرض کریں اور موسےٰ علیہ السلام کو علم عطا فرما دیا کہ پہلے وہ ڈنڈے اور رسیاں ڈالیں تاکہ حق و باطل کا امتیاز ہو سکے وہ اس طرح سے کہ پہلے اپنا زور لگالے پھر حق آئے گا تو باطل مٹ جائے گا۔ اگر موسےٰ علیہ السلام پہلے سے ہی اپنا عصا ڈال کر اژدہا بناتے تو لوگ اس سے ڈر کے مارے بھاگ جاتے جیسا کہ بعد میں عصائے موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں کی رسیوں اور ڈنڈوں کو نگلا تو تمام لوگ بھاگ گئے تھے۔ اور یہ مقصد کے خلاف تھا۔

سوال : امام فخر الدین نے فرمایا کہ موسےٰ علیہ السلام نے انہیں حکم کیوں فرمایا جب کہ وہ کافر و ساحر تھے؟

جواب(۱) : جب آپ پر منکشف ہو گیا کہ شبہات کا ازالہ یوں ہو گا کہ پہلے وہی اپنا جادو دکھائیں اور ایسی ضرورت پر کافر و ساحر کو ایسا حکم کرنا جائز ہے۔

جواب(۲) : الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ یہ وہ امر نہیں جس سے کسی کی تعظیم و تکریم مطلوب ہو بلکہ یہ امر اہانت کے لیے ہوتا ہے اور وہ بھی اسی نیت سے تھا کہ حق کا اظہار اور باطل کا بطلان کھل کر سامنے آئے۔

فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ○ فاء فصیحیہ اور اذا مفاجائیہ ظرفیہ ہے۔ حبال۔ حبل کی جمع ہے بمعنے رسی اور عصی۔ عصا کی جمع ہے۔ یخیل تخییل سے ہے یعنے شئے کا تصور دل میں لایا اور تخیل بمعنے شئے کا تصور اور خیال صورت مجردہ جیسے وہ خواب جو نیند میں متصور ہو کر محسوس ہوتا ہے یا شیشے میں ایک صورت نظر آتی ہے یا شئے کے دیکھنے کے بعد اس کے غائب ہونے پر دل میں صورت متصور ہوتی ہے پھر ہر متصور شئے کے تصور پر استعمال ہونے لگا اور اس شخص رفیق پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جو بمنزلہ خیال کے دل متصور ہوتا ہے۔ انہا تسعی۔ یخیل کا نائب فعل ہے اور السعی بمعنے جلدی چلنا جو دوڑ لگانے سے کچھ مشابہ ہوتا ہے۔

اب معنٰی یہ ہوا کہ جب انھوں نے رسیاں اور ڈنڈے زمین پر ڈالے تو اچانک موسےٰ علیہ السلام کو خیال گذرا کہ یہ رسیاں اور ڈنڈے ان کے جادو کے اثر سے دوڑ رہے ہیں۔ دراصل وجہ یہ تھی کہ جادوگروں نے رسیوں اور ڈنڈوں پر کالا تیل لگایا ہوا تھا جب انھیں دھوپ لگی تو تیل کے پگھلنے پر محسوس ہوا کہ سانپ دوڑ رہے ہیں۔

فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ○

حل لغات : الوجس بمعنے دھیمی آواز اور التوجس بمعنے وہی دھیمی آواز سننا اور الایجاس اسی دھیمی آواز کا دل میں ہونا الخیفۃ بمعنے وہ کیفیت جو انسان کو خوف کے وقت طاری ہو اور یہ اوجس کا مفعول بہ ہے اور موسیٰ اس کا فاعل ہے۔

اب معنے یہ ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کو خوف محسوس ہوا جب انھوں نے اچانک دیکھا کہ یہ رسیاں اور ڈنڈے سانپ بن گئے اور یہ

بشریت کا فطری تقاضا ہے کہ وہ ایسی ضرر رساں اشیاء سے خوفزدہ ہو۔

[وہابیہ کا الزام اور اس کا جواب[1] وہابی دیوبندی کہہ دیتے ہیں کہ موسٰی علیہ السلام ان سانپوں سے ڈر گئے تھے فلہٰذا وہ بھی عام بشر تھے ورنہ ڈرنے کا کیا معنٰی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اوّلاً تو ان کا یہ خوف خیالی تھا جیسا کہ

فی نفسہٖ آیت کا کلمہ واضح دلیل ہے اور یہ وہ ڈر نہیں تھا کہ ہماری طرح سانپوں سے ڈر کر بھاگ گئے ہوں یا لرزہ براندام تھے یا اس خوف احساس ان سے ظاہر ہوا۔ یہاں تک کہ آپ کے اس خوف کو خطرات النفس سے تعبیر کیا گیا۔ مفسرین نے تو آپ کے قلب تک احساس احساس کے بھی قائل نہیں۔ چہ جائیکہ اسے عام بشروں جیسا خوف مانا جائے چنانچہ صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے تصریح فرمائی:

لانہ من خطرات النفس لا من القلب

اور یہ تو الٹا ان کی نبوی شجاعت کی دلیل ہے کہ باوجودیکہ اتنا سخت جملہ۔ موسٰی علیہ السلام آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں لیکن اسے دل میں نہیں بلکہ مضبوط چٹان بن کر نہایت اطمینان و سکون سے کھڑے ہیں۔

جواب[2]: آیت میں خوف کا ذکر تو ہے لیکن اس کا ذکر نہیں کہ آپ کے خوف کی علت اور سبب کیا تھا اپنی طرف سبب و علت بتانا قرآن مجید پر اضافہ ہے اور ایسے اضافے تحریف کے مترادف ہیں۔ البتہ مفسرین نے جس علت و سبب کو بتایا ہے وہ ماننا قرآن کی عین مراد ہے چنانچہ صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا:

وفی الحقیقۃ ان اللہ تعالیٰ البس السحر	درحقیقت اللہ تعالیٰ نے جادو کو اپنے قہر کا لباس پہنا کر
لباس القہر فخاف موسٰی من قہر اللہ	دیکھا تو موسٰی علیہ السلام قہر الٰہی سے ڈرے نہ کہ کسی اور
لا من غیرہٖ لانہ لا یأمن من مکر اللہ	شے سے قہر الٰہی سے فاسق نہیں ڈرتے اللہ والوں کو ہر وقت
الا القوم الفاسقون[2]	اس کا ڈر رہتا ہے۔]

فقیر (حقی) کہتا ہے ؎

چون خدا خواہد شود ہر برگ خار
رشتۂ باریک در چشم عین مار
برگ لرزاں آب ریزاں از الم!
چون نی ترسم ز قہر کردگار

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہر پتہ کانٹا ہو جاتے اور وہ باریک تاگہ ہو کر سانپ کی آنکھ میں ڈال دیتا ہے تو وہ

---

[1] وہابیہ کا الزام — اضافہ از اویسی۔

[2] روح البیان جلد ۵، صفحہ ۴۰۲۔

کچھ نہیں کر سکتا۔

پتے لرزتے ہیں پانی گرتا ہے تو درد سے ڈرتے ہیں تو پھر ہم قہر کردگار سے کیوں نہ ڈریں۔

قُلْنَا لَا تَخَفْ ہم نے کہا خوف نہ کیجئے اس سے جس کا آپ کو خیال ہے۔ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى○ اس لیے کہ آپ غالب وقاہر ہیں اور ہم آپ کے جملہ احوال میں ہم آپ کے ساتھ ہیں کیونکہ آپ کا مسبب پر سہارا ہے اور ان کا اسباب پر۔ نیز آپ کے پاس ہماری آیات کبریٰ ہیں اور درحقیقت آپ کی حفاظت کے لیے یہی حفاظت کافی ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ خوف بشریت جبلت انسانی میں مرکوز ہے اگرچہ نبی (علیہ السلام) ہو لیکن جب اللہ تعالےٰ اسے مٹا ڈالے اپنے قول ربانی سے۔ کما قال:

قلنا لاتخف انك انت الاعلی۔

تو وہ خوف سرے سے نبیؑ سے ختم ہو جاتا ہے اور موسیٰ علیہ السلام کو خطاب ہوا کہ آپ بلند ہیں یعنے آپ ایسے بلند مرتبہ ہیں کہ آپ سوائے خالق کے مخلوق سے نہیں ڈرتے۔

دوسری تقریر اس کا معنے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ مکونات سے نہیں ڈرتے بلکہ مکون یعنے خالق سے ڈرتے ہیں۔ یہ اس وقت ہوا جب آپ نے دیکھا کہ ان کا عصا سانپ بن کر جادوگروں کے ڈنڈوں اور رسیوں کو نگل رہا ہے تو آپ نے سمجھا کہ یہ اژدہا مظہر قہر یزدان ہے اسی لیے وہ اس قہر ربانی سے ڈر رہے تھے نہ تو سانپوں سے ڈرے اور نہ اژدہا سے۔ اسی لیے فرمایا:

"لا تخف انك انت الاعلی"

یعنے آپ میرے ہاں بہت بڑے مرتبہ والے ہیں اور یہ عصا آپ سے منسوب ہے آپ میرے رسول اور کلیم ہیں اور میں نے آپ کو صرف اپنے لیے منتخب کیا ہے اگرچہ یہ مظہر قہر ہے تو آپ میرے لطف وکرم کے مظہر ہیں اور قہر کے مظہر بھی ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ، اور اسے ڈال دیجئے جو آپ کے ہاتھ میں ہے۔ ما کا لفظ ابہام ہے اور یہ ابہام تفخیم شان کے لیے ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ یہ عصا دوسروں جیسا نہیں کیونکہ اس میں آثار عزیبہ ہیں۔ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا، تلقف کا مجزوم ہونا امر کے جواب کی وجہ سے ہے۔

حل لغات: یہ لقفہ سے ہے از باب سمع لقفاً بسکون القاف وفتحھا۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شئے کسی دوسری شئے کو نگل جائے اور جلدی سے اسے لقمہ بنا لے۔

ف: المفردات میں ہے:

لقفت الشی وتلقفته بمعنے تناولته بالحذف یعنے میں نے اسے جھٹکے سے لیا۔ یہ لینا منہ سے ہو یا ہاتھ سے۔ اور مؤنث کا صیغہ ما موصولہ کے لیے عصا کی طرف کی وجہ ہے۔

الصنع بمعنے فعل اچھا کر کے کرنا اس اعتبار سے ہر فعل کو صنع کہہ سکتے ہیں لیکن ہر صنع فعل نہیں کہا جا سکتا اور نہ ہی صنع کو

حیوانات وجمادات کی طرح اسناد کیا جاتا ہے بخلاف فعل کے کہ وہ ان کی ... ہے۔
اب معنے یہ ہوا کہ عصائے موسیٰ علیہ السلام نے نگل لیا ان کے ... اور ... کو جو انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں سانپ بنا کر دکھائے۔

ف: ان کے اس فعل کو صنع سے تعبیر کرنا ان کے اس فعل کی تحقیر مطلوب ہے اور واضح کرنا ہے کہ یہ کام ان کا بناوٹی اور مکر و فریب پر مبنی تھا یعنے انھوں نے جعل سازی اور دھوکہ بازی کی تھی۔

اِنَّمَا صَنَعُوْا۔ ما موصولہ یا موصوفہ ہے۔ پہلے کا معنے یہ ہے کہ بے شک وہ جو انھوں نے کیا۔ دوسرے کا معنے یہ ہے بیشک وہ ایک شئے ایسی تھی جو انھوں نے دکھلائی۔ كَيْدُ سٰحِرٍ انّ کی خبر ہے اور ان کی خبر ہے یعنے ساحر کے مکر وحیلہ کی جنس ہے اس کا نکرہ ہونا مضاف الیہ منکر کا وسیلہ ہے۔ تحقیراً ایسا لایا ہے۔ الکید حیلے کی ایک قسم ہے اور محمود بھی ہوتا ہے مذموم بھی۔ لیکن اکثر مذموم کے لیے مستعمل ہے۔ ایسے ہی استدراج ومکر وفریب کا حال ہے۔ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ اور ایسے جادوگر کبھی کامیابی نہیں پاتے۔ حَيْثُ اَتٰى ○ زمین کے جس حصے سے آئیں اور جس طرح کے جادو دکھائیں۔ یہ تفصیل کا تتمہ ہے۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ جو تیرے ہاتھ میں ہے وہ میرا بنایا ہوا اور میری تدبیر ہے کہ اور جو وہ لائے ہیں وہ ان کی صنعت اور تدبیر ہے اور میری صنعت وتدبیر مضبوط ہے اسی لیے جادوگر کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔

فلاح کی اقسام: فلاح دو قسم کی ہے:

① دنیوی یعنے وہ کامیابی جو سعادت پر مشتمل ہے جس سے دنیوی زندگی راحت وسرور سے بسر ہو یعنے بقاء، غنا، عزت۔

② اخروی، اور وہ چار قسم کی ہے:

○ بقا بلا فنا
○ غنا بلا فقر
○ عزت بلا ذلت
○ علم بلا جہل

اہل دنیا کی فلاح نہ ہونے کے برابر ہے کیونکہ اس کا انجام خیبتہ وخسران ہے مثلاً کوئی شاگرد استاد سے بات سن کر اس پر اعتراضاً کہے کہ ایسے کیوں؟ تو وہ مارا گیا ایسا شاگرد کبھی کامیاب نہ ہوگا۔ ہم نے بہت سے شاگردوں کو دیکھا ہے کہ بڑے عیش وآرام اور ٹھاٹھ باٹھ سے زندگی بسر کرتے رہے لیکن آخر میں بڑے خساروں اور نقصانات سے دوچار ہوئے۔ ایسے ہی دوسرے مخالفین ومنکرین کا حال ہے۔

مسئلہ: نصاب الاحتساب میں ہے کہ جادوگر اگر حاکم کے ہاں گرفتاری سے پہلے تائب ہو جائے تو اس کی توبہ قبول ہے اگر گرفتاری کے بعد توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول نہ کی جائے۔ (یعنے سزا دی جائے آخرت کا معاملہ اللہ تعالےٰ پر چھوڑا جائے اگر وہ سچے دل سے توبہ کرے گا

۔اللہ تعالےٰ بخش دے گا وہ غفور و رحیم ہے ۔

مسئلہ شیخ اکمل کی شرح مشارق الانوار میں ہے کہ محمد بن شجاع حضرت حسن بن زیاد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ جب معلوم ہو کہ فلاں جادوگر ہے اسے قتل کر دے اس کی توبہ کو نہ مانے ۔ (جب کہ قتل کرنے والا حاکم وقت ہو) اور نہ ہی اس کی سنے کہ میں اب جادو کا دھندا چھوڑ دوں گا اور نہ دل سے تائب ہوتا ہوں ۔

مسئلہ : جو شخص اپنے جادوگر ہونے کا اقرار کرے اسے قتل کر دینا جائز ہے (لیکن حاکم وقت کو) ۔

مسئلہ : جس پر دو معتبر گواہ گواہی دیں کہ فلاں جادوگر ہے ان گواہوں سے سوال کیا جائے کہ جادو کیا ہے وہ جادو کا طریقہ بھی بتا سکیں یعنے انھیں علم ہو کہ واقعی جادو یوں ہوتا ہے، تو ایسے شخص کو قتل کر جائے ۔ اگر توبہ کرے تو توبہ قبول نہ ہو گی یعنے تعزیر ضرور ہو گی ، اگر اللہ تعالےٰ اس کی توبہ قبول کر لے تو وہ مالک ہے لیکن ایسا شخص دنیوی سزا سے نہ بچ سکے گا ۔

مسئلہ : فتاویٰ قاری الہدایہ میں ہے کہ 'زندیق' وہ ہے جو دہر کی بقاء کا قائل ہو ۔ [یعنے دہریہ کمیونسٹ] اور نہ وہ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور نہ یہ مانتا ہے کہ اللہ تعالےٰ خالق ہے اور کہتا ہے کہ حلال و حرام کچھ نہیں، یہ دونوں برابر ہیں ۔

سحر کی تحقیق :

شرح الطریقہ میں ہے :

لغت میں سحر لطیف و دقیق شے کو کہا جاتا ہے اسی لیے صبح کاذب کو سحر سے تعبیر کیا جاتا ہے اور حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

ان من البیان لسحرا — بے شک بعض بیان میں سحر ہے ۔

از باب منع ۔ اور اصطلاح شرح میں باطل کو حق کی شکل و صورت میں دکھانا ۔ اور یہ امر ہمارے نزدیک ثابت ہے ۔ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

السحر حق و العین حق — جادو اور نظر بد حق ہے ۔

شرح الامالی میں ہے کہ سحر از سحر یسحر سحراً سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی سے دھوکا کرے اور اسے مدہوش و متحیر بنا دے یہ اس لیے ہے کہ جادوگر دوسرے کے ساتھ ایسا کام کرتا ہے جس کے ادراک سے وہ عاجز ہے ۔

ف : کتاب اختلاف الائمہ میں ہے کہ سحر اس جھاڑ منتر عزیمہ اور عقد کا نام ہے جو ابدان و قلوب پر اثر انداز ہو کر بیمار بنا دیں یا قتل کر ڈالیں اور عورت و مرد کے درمیان جدائی ڈالیں (طلاق ہو جائے) ۔ اور ہمارے ائمہ ثلاثہ رحمہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک اس کی حقیقت ثابت ہے ۔ اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں اور ایسے ہی ابوجعفر استرآبادی (شافعی المذہب) نے فرمایا ۔

ف : شرح المقاصد میں ہے کہ نفس شریرہ خبیثہ اعمال مخصوص کو عمل میں لا کر خارق للعادۃ امر کو ظاہر کرنے کا نام سحر ہے اور یہ تعلیم و تعلم سے حاصل ہوتا ہے اس قید کو معجزہ و کرامت کو جادو نہ کہا جائے گا کیونکہ وہ بھی اگرچہ خارقاً للعادۃ صادر ہوتے ہیں لیکن ان میں تعلیم و تعلم کو دخل نہیں ۔ جادو کے لیے دیگر شرائط بھی ہیں ۔ وہ یہ ہیں :

(۱) طلب کرنے پر ضروری نہیں کہ فوراً عمل میں لایا جاتے بخلاف کرامت و معجزہ کے کہ وہ صاحب کرامت و معجزہ سے حسب طلب صادر ہو جاتے ہیں۔

(۲) سحر زمانہ اور مکان خاص کا محتاج ہے لیکن کرامت و معجزہ کو زمان و مکاں کی ضرورت نہیں۔

(۳) دیگر چند اور شرائط جن کا جادو محتاج ہے، کا ہونا ضروری ہے کرامت و معجزات شرائط کے محتاج نہیں۔

(۴) جادو کا معارضہ ہو سکتا ہے کرامت و معجزہ کا کوئی تعارض نہیں کر سکتا۔

(۵) جادو کی مثل جد وجہد کرکے لائی جا سکتی ہے کرامت و معجزہ جد وجہد کا محتاج نہیں۔

(۶) جادوگر فسق و فجور کا ارتکاب کرتا ہے اور اسے علانیہ کرتا ہے بلکہ ظاہری باطنی نجس سے متنجس ہو تو حرج نہیں ایسے ہی اسے دنیوی و اخری رسوائی کا سامنا ہونا ممکن ہے بخلاف صاحبان کرامات اور معجزات کے کہ وہ ہمیشہ نیکی پر عامل اور ظاہراً و باطناً پاک وصاف رہتے اور دنیوی و اخروی رسوائی کی بجائے عزت و عظمت اور شان و شوکت پاتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

خلاصہ یہ کہ ہمارے نزدیک جادو کی ایک حقیقت ہے جو عقلاً و نقلاً ثابت ہے۔ ایسے نظر بد کی بھی ایک حقیقت ہے اور وہ بھی عقلاً و نقلاً ثابت ہے۔

معتزلہ کا مذہب اور اس کی تردید

معتزلہ کہتے ہیں کہ جادو کی کوئی حقیقت ہے تو وہ شعبدہ بازی کی طرح ہے، جادوگر ہاتھ کی صفائی یا معمولی دھوکہ و فریب سے دیکھنے والے کو حیران کن امر دکھاتا ہے۔

ان کے رد میں ہمارے پاس دلائل ہیں منجملہ ان کے دو یہ ہیں:

(۱) وہ فی نفسہ امر ممکن اور قدرت ایزدی کی تخلیق پر مشتمل ہے کیونکہ وہی ہر شے کا خالق ہے اور بندہ (ساحر) کو کاسب محض ہے اس کے وجود کے تمام فقہاء قائل ہیں صرف اس کے حکم میں مختلف ہیں۔

(۲) قرآن مجید میں اس کے وجود کی تصریح ہے کما قال:

یعلمون الناس السحر وما انزل علی الملکین ببابل هاروت و ماروت۔	وہ لوگوں کو جادو سکھاتے اور وہ جو بابل میں دو فرشتوں یعنے ہاروت اور ماروت پر نازل کیا گیا۔

اور فرمایا:

ویتعلمون منهما ما یفرقون به بین المرء وزوجه وما هم بضارین به من احد الا باذن الله	اور لوگ ان سے وہ باتیں سیکھتے تھے جو مرد اور عورت کے درمیان جدائی ڈالے۔

سوال: آیت یخیل الیه من سحرهم انها تسعی سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کا کوئی وجود نہیں وہ صرف ایک خیالی

بات تھی جس پر موسیٰ علیہ السلام کو آگاہ کیا گیا؟

جواب : یہی تو ہماری دلیل ہے اس لیے کہ یہی خیالی بات کا پیدا ہو جانا بھی ان کے جادو سے ہی تو تھا جس کی وجہ سے وہ خیال پیدا ہوا اور اس تخییل سے کب لازم آیا کہ اس کی کوئی حقیقت بھی نہیں۔

سحر کی اقسام : جادو کی پانچ مشہور اقسام یہ ہیں :

(۱) طلسم :

بعض نے کہا ہے کہ یہ مسلط کا مقلوب ہے جمیع آثار سماویہ مع عقاقیر الارض کو مسلط کرا جاتا ہے ان کے اجتماع سے عجائب و غرائب ظاہر ہوتے ہیں۔

(۲) نیرنج :

بعض نے کہا ہے کہ یہ نیرنگ کا معرب ہے بمعنے تمویہ و تخییل۔ بعض کہتے ہیں کہ زمین کے جواہر کے ایک دوسرے کے ملانے سے عجائب و غرائب ظاہر ہونے کا نام نیرنج ہے۔

(۳) رقیہ :

یعنے افسوں (منتر) اَب سوں کا معرب ہے یعنے پانی میں پھونک مارنا اور یہ اس نام سے اس لیے موسوم ہے کہ اس قسم کے لوگ پانی پر کوئی شے (غلط کلمات) دم کرکے پلاتے ہیں یا بیمار وغیرہ پر ڈالتے تھے اور اسے رقیہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ کلمات پھونک مارنے والے کے سینے سے نکلتے ہیں۔ بعض کلمات فہلویہ (ولی البعض قبطیہ) بعض بلا معنی تھے اور ان کا عقیدہ تھا کہ یہ کلمات انھوں نے جنات سے سیکھے ہیں یا انھیں خواب میں بتائے گئے ہیں۔

(اب کون سر پھرا ہوگا جو قرآنی آیات یا بزرگوں کے بتائے ہوئے ذومعنیٰ کلمات کے دم کرنے جھاڑ پھونک کو اس رقیہ میں شامل کرکے شرک کا فتویٰ لگا کر اپنا انجام برباد کرے گا)[1]

(۴) المقطرات :

یہ چند لکیروں کا نام ہے جن پر حروف و اشکال بنائے جاتے ہیں یعنے حلقے اور دائرے کھینچتے ہیں۔ اس میں ان کا عقیدہ تھا کہ انہی لکیروں اور دائروں میں تاثیریں ہیں۔

(تعویذات و عملیات کے دائرے اس میں شامل نہیں جا سکتے کیونکہ وہ تعویذات اور دائرے آیات قرآنی اور الفاظ مبارکہ پر مشتمل ہوتے ہیں یا ان کے اعداد، ابجد)[2]

---

[1] : اضافہ از اویسی نیز مزید تفصیل کے لیے مترجم کی کتاب "مجربات قرآنی" دیکھئے۔

[2] : مترجم۔

⑤ شعبذہ :

اسے شعوذہ بھی کہا جاتا ہے ستعباذہ کا معرب ہے۔ یہ ایک شخص کا نام ہے جس کی طرف یہ علم منسوب ہے یہ بھی چند خیالات پر مشتمل ہے کہ ہاتھ کی صفائی اور آنکھ کی گرفت سے اشیاء کی تقلیب پر صادر ہوتے ہیں۔

مسئلہ : ان امور کے صدور پر تاثیر منجانب اللہ ہوتی ہے کیونکہ جرائے عادت پر اللہ تعالٰے فعل کو پیدا فرماتا ہے اور اس کی حکمت صرف وہی جانتا ہے۔

ازالۂ وہم شیخ اکبر قدس سرہٗ نے فتوحات مکیہ شریف میں لکھا کہ وہ تاثیر جو حروف اور اسماء الٰہیہ سے پیدا ہوتی ہے وہ بھی کرامات سے ہے کیونکہ ایسی تاثیرات اللہ تعالٰے کے مخصوص بندوں سے ظاہر ہوسکتی ہیں ہر ایک کو قدرت حاصل نہیں کہ اشیاء کے خواص نکال سکے۔

(یہی ہم اہلسنت کہتے ہیں کہ اولیاء کرام و علمائے عظام کے تعویذات اور عملیات اور ان کے دم درود وغیرہ وغیرہ کے قائل ہیں اور اللہ تعالٰے اپنے فضل وکرم سے شفا دیتا ہے)[1]

فَاُلْقِیَ السَّحَرَۃُ۔ فاء فصیحہ ہے یعنے جب موسٰے علیہ السلام نے اپنا عصا ڈالا تو ہوا سو ہوا یعنے جادوگروں کے ڈنڈے اور رسیوں کو نگل گیا تو پھر جادوگر گر گئے در انحالیکہ سُجَّدًا سجدہ ریز تھے گویا وہ لکڑی کی طرح گر پڑے۔

ف : حضرت موسٰے علیہ السلام نے جب عصا زمین پر ڈالا تو وہ اژدہا بن گیا ورمنہ کھولا تو جادوگروں کے تمام ساز وسامان کو ہڑپ کر گیا جسے لوگ دیکھ کر خوفزدہ ہو کر دوڑے۔ موسٰی علیہ السلام نے اسے واپس لوٹایا تو وہ بدستور عصا تھا جادوگروں نے سمجھا کہ یہ جادو نہیں کیونکہ جادو کا دوسرے جادو پر اثر نہیں ہوسکتا فلہٰذا یقیناً یہ قدرت ایزدی ہے۔ موسٰی علیہ السلام کا معجزہ ہے اسی لیے فوراً سجدہ میں گر گئے۔

ف : ان کے اس گرنے کو القاء سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے تاکہ ان کا ان کے جادو کے اسباب کے گرنے سے مشاکلت ہو۔

ف : مروی ہے کہ جادوگروں کے بڑے نے کہا کہ ہم لوگوں پر جب غلبہ پاتے تو ہمارے ڈنڈے اور رسیاں بچ جاتی تھیں لیکن یہاں تو ہمارے بالمقابل کا اژدہا انھیں ہڑپ کر گیا اگر یہ جادو ہوتا تو ایسا نہ کرتا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اژدہا قدرت ایزدی کا کرشمہ اور موسٰے علیہ السلام کا معجزہ ہے فلہٰذا ہمیں اپنے مذہب سے تائب ہونا ہے چنانچہ یہ کہہ کر سب کے سب بارگاہ حق میں سجدہ ریز ہوئے۔

نکتہ : جار اللہ زمخشری نے لکھا کہ یہ عجیب بات ہے کہ رسیاں ڈنڈے ڈالے تھے تو کفر کی حالت میں لیکن خود گرے ایمان کی دولت سے نوازے جانے پر ان دنوں میں کتنا بڑا عظیم فرق ہے۔

قَالُوْٓا۔ یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے یعنے سجدے میں کہا : اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰی ○ ہم ہارون وموسی علیہما السلام

---

[1] : اضافہ از اویسی غفرلہٗ۔

کے رب پر ایمان لائے ہیں ۔

نکتے : ہارون کی تقدیم میں چند نکات ہیں :

① رعایت فواصل آیات ۔

② چونکہ فرعون نے موسٰے علیہ السلام کو پالا تھا اگر موسٰے علیہ السلام کا ذکر پہلے ہوتا تو پھر بھی وہم رہتا کہ یہ فرعون کے بارے میں کہہ رہے ہیں اور ہارون علیہ السلام کا نام موسیٰ علیہ السلام کی اتباع کی وجہ سے لے رہے ہیں ۔

ف : رب کی دونوں (موسٰے و ہارون علیہما السلام) کی طرف اس لیے ہے کہ وہ دونوں ہی بیک وقت داعی الی اللہ تھے اور اظہار معجزہ اگرچہ بظاہر موسٰے علیہ السلام کی طرف منسوب ہوتا ہے لیکن وہ درحقیقت ان دونوں کا تھا کیونکہ دونوں نبی (علیہما السلام) برحق تھے ۔

ف : بعض مشائخ رحمہم اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ جسے عالم غیب کی طرف دیکھنے کی استعداد نصیب ہوتی ہے لیکن نفس کی شرارتوں سے محجوب ہوتا ہے تو وہ استعداد اپنا کام نہیں کرتی لیکن وہ بندہ اپنے مالک کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اخلاص ویقین سے اپنے رب کو دیکھتا ہے اس پر اللہ تعالٰے اپنے حضور کے انوار اور قرب کا جذب مکشوف فرماتا ہے ۔ اسی معنے پر وہ جادوگر مجذوب مہتدی باللہ الی اللہ مؤمن بایمان تحقیقی سے موصوف ہوئے ان کا ایمان تقلیدی نہ تھا اور چونکہ فرعون نے برہان رب کو نہ دیکھ سکا اسی لیے دولت ایمان سے محروم رہا ۔

قَالَ فرعون نے جادوگروں کو جھڑکتے ہوئے کہا ۔ **اٰمَنْتُمْ لَهٗ** تم نے موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کر دی ۔ لام ، اتباع کے تضمین کی وجہ سے قرآن مجید میں جہاں بھی لام لفظ ایمان پر آتی ہے ہر جگہ بمعنے ایمان علی الغیر مراد ہوتا ہے ۔ لیکن بحر العلوم میں لکھا ہے کہ یہاں لام بمعنے با ہے اس لیے کہ معنے یہ ہے کہ تم موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے رب پر ایمان لائے ہو ۔ چنانچہ اگلی آیت قال اٰمنتم بہ قبل ان اٰذن لکم (سورہ اعراف) اس کی قطعی دلیل موجود ہے یعنے فرعون نے کہا کہ تم میری اجازت سے پہلے ایمان لائے ۔ اٰمنتم باللہ ۔ اس میں فرعون نے زجرًا و توبیخًا ان کے ایمان کی خبر دی ہے یعنے فرعون نے انھیں جھڑکا کہ تم مجھ سے اجازت لیے بغیر ایمان لے آئے اس معنے کی مثال یہ آیت ہے :

لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی   نہ میں نے تمھیں اجازت دی اور نہ میرا حکم تھا (تم نے اس کے خلاف کیوں کیا) ۔

اس کا معنے یہ نہیں کہ فرعون نے انھیں اس کے بعد ایمان کی اجازت دی یا اس کے اِذن کا امکان تھا ۔

حلِ لغات : الاذن بمعنے اجازت کا پتہ دینا ۔ اذنتہ بکذا و اٰذنتہ کا ایک معنے ہوتا ہے یعنے اس کے مجرد و مزید میں کوئی خاص فرق نہیں ۔

اِنَّهٗ بیشک وہ موسیٰ علیہ السلام ۔ **لَكَبِيْرُكُمُ** تمھارے فن کا بڑا استاذ یا بہت بڑا عالم ہے ۔ **الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ** جس نے تمھیں جادو سکھایا اور تم اس کے فن کے موافق ہو گئے ۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ موسیٰ علیہ السلام تمہارا استاد و معلم اور سردار ہے اور تم چاہتے ہو کہ مل کر مجھ سے ملک چھین لو اور فرعون نے یہ اس لیے کہا تاکہ قوم اس سے باغی ہو کر موسیٰ علیہ السلام کی اتباع نہ کرلے حالانکہ اسے یقین تھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے جادو نہیں سکھایا تھا یعنے فرعون نے قوم کے خیالات تبدیل کرنے کی غرض سے ایسے کہہ دیا اور انھیں متاثر کرا چاہا کہ ایمان لانے کے لیے بھی فرعون سے اجازت لینی پڑتی ہے اور جو ایمان اس کی اجازت کے بغیر ہوگا وہ غیر معتبر ہوگا اور مزید غلط تاثر یہ دیا تھا کہ یہ جادوگر موسیٰ علیہ السلام کے شاگرد ہیں اور ظاہر ہے کہ شاگردوں کی غلطی بھی استاذ کی غلطی سمجھی جاتی ہے فلہٰذا انھیں اے قبطیو ! اس سے کوئی غلط تاثر نہ ہو۔ دراصل اس سے اسے خطرہ لاحق ہوا کہ جادوگروں کے ایمان لانے پر ساری قوم موسیٰ علیہ السلام کی معتقد ہو جائے گی اسی لیے پینترا بدلا اور لگا ڈرانے دھمکانے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کا قول موکدہ بہ وعید بیان فرمایا :

فَلَاُقَطِّعَنَّ فرعون نے کہا بخدا میں ضرور بالضرور کاٹ ڈالوں گا۔ باب تفعیل تکثیر کے لیے ہے ایسے ہی آنے والے فعل کو سمجھئے۔

ف : القطع شے کا کاٹنا وہ مدرک بالبصر ہو جیسے اجسام یا مدرک بالبصیرۃ جیسے اشیاء معقولہ۔

اَیْدِیَکُمْ وَاَرْجُلَکُمْ مِّنْ خِلَافٍ ، تمہارے ہاتھ پاؤں خلاف ضد سے رحم ہے کیونکہ دو ضدین کا آپس میں مختلف ہونا ضروری ہے بخلاف اس کے کہ اس میں اختلاف ضروری نہیں۔

اب معنے یہ ہوا کہ تمہاری ہر جانب سے ایک ایک حصے کو مثلاً دایاں ہاتھ کاٹوں گا تو پاؤں بایاں ہوگا۔ اس کا من ابتدا غایت کے لیے ہے یعنے کاٹنے کی ابتدا ہر عضو کی مخالف سمت ہوگی۔ من اپنے مجرور سے مل کر جملہ جیز نصب میں جملہ سابق سے حال ہے۔ اصل عبارت یوں ہوگی :

"لاقطعن مختلفاً"

اس لیے کہ مخالف سمت دوسری سمت کے موافق نہ ہو مثلاً دایاں ہاتھ ہوگا تو بایاں پاؤں ایسے ہی برعکس۔ فرعون نے یہ تعیین ڈر اور خوف کی کیفیت میں ہیبت بڑھانے کے لیے بتائی۔

وَلَاُصَلِّبَنَّکُمْ فِیْ جُذُوْعِ النَّخْلِ : الصلب بمعنے قتل کے لیے کسی کو لٹکانا یعنے سولی پر چڑھانا۔ انسان کی سخت سے سخت سزا درخت سے لٹکا کر مارنے سے ہوتی ہے۔ اسی لیے فرعون نے کہا کہ میں تمھیں دریائے نیل کی کھجوروں کے تنوں سے لٹکا کر قتل کروں گا تاکہ تمام لوگ تمہارے حال سے عبرت حاصل کریں۔ لفظ فی میں اشارہ ہے کہ انھیں اس سزا میں ایک عرصہ تک مبتلا رکھا جائے گا۔

اعجوبہ : بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سولی پر لٹکانے کی سزا سب سے پہلے فرعون نے شروع کی۔

سوال : فرعون کی ایسی سختی کا اظہار عقل کے خلاف ہے کیونکہ وہ ابھی تو دیکھ چکا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس بڑی طاقت موجود ہے یعنے عصا سانپ بن کر بڑی بڑی چیزیں ہڑپ کر جاتا ہے۔ چنانچہ جب جادوگروں کے ڈنڈے اور رسیاں ہڑپ کر رہا تھا تو فرعون کے مس

تک باچھیں پھیلادیں پھر فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی تو اس کی جان بخشی ہوئی پھر اس کی کیا مجال تھی کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ استہزار کسی طرح بھی کر سکتا ۔

جواب : سخت خطرے اور دہشت میں تھا لیکن اپنی نمبرداری کو برقرار رکھنا چاہتا تھا اسی لیے ڈرایا دھمکایا ۔

وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَا ، تمہیں معلوم ہوگا کہ ہم میں یعنے میں اور موسیٰ علیہ السلام ۔ **اَشَدُّ عَذَابًا وَّ اَبْقٰى** عذاب کرنے میں سخت تر اور ہمیشہ کی شاہی کس کی ہے ۔ سب کو معلوم تھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے کیا کسی کو عذاب کرنا تھا ہاں فرعون عذاب کرنے میں مشہور تھا اسی لیے فرعون نے جادوگروں پر رعب ڈالنے کی غرض سے ایسے کہہ دیا اور پھر یہ بھی خیال کیا کہ شاید جادوگر موسیٰ علیہ السلام کے عصا کے اژدہا بن جانے سے ڈر کر ایمان لائے ہیں ۔

ف : بحرالعلوم کی تقریر سابق کے مطابق یہاں دینا میں فرعون اور رب موسیٰ علیہ السلام مراد ہے ۔

ف : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اشد و ابقی کہہ کر اپنا دنیوی عذاب سے ڈرایا لیکن اسے عذاب آخرت سے بے خبری تھی ورنہ وہ اپنے دنیوی عذاب کو اشد نہ کہتا ۔

قَالُوْا ، فرعون کے ڈرانے دھمکانے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے جادوگروں نے کہا ۔

ف : کاشفی نے فرمایا کہ چونکہ وہ جام جذبہ حقانی سے مست تھے اور ان کے قلوب انوار ملاطفات سے روشن ہو چکے تھے اسی لیے انھیں کسی کی پرواہ نہ تھی ؎

خوردہ یکجرعہ از کف ساقی
ہر چہ فانیست کردہ در باقی
دامن از فکر غیر افشاندہ !
لیس فی الدار غیرہ خواندہ

ترجمہ : جو ساقی کے ہاتھ سے ایک گھونٹ پی لے اور باقی ذات میں فانی ہو چکا ہو ، وہ غیر کے فکر سے دامن دھو چکا اس نے تو دنیا میں غیر کو سمجھا ہی نہیں ۔

پھر ایسے لوگوں کو فرعون کی کیا پرواہ !۔

لَنْ نُّؤْثِرَكَ ، ہم تمہیں ہرگز پسند نہیں کرتے ۔ **عَلٰى مَا جَآءَنَا** ۔ اس ایمان لانے پر جو موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہمارے ہاں لاتے ۔ **مِنَ الْبَيِّنٰتِ** ، معجزات میں سے کہ جن کی حقیقت میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہے اور انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کی حقانیت یوں سمجھی کہ اگر موسیٰ علیہ السلام جادوگر ہے تو پھر ہمارے جادو کی چیزیں کہاں گئیں ۔

صوفیانہ فائدہ : مشائخ فرماتے ہیں کہ وہ حضرات آیات الٰہیہ میں انوار ذات کا مشاہدہ کر چکے تھے ۔ اسی لیے اب انہیں بلیات سے کوئی خطرہ تھا اور جو ذات الٰہی کو چاہتا ہے اس کے سامنے بلیات و مصائب کچھ وقعت نہیں رکھتیں ۔

نسخہ روحانی بزرگ فرماتے ہیں کہ مصائب و بلیات کے نزول کے وقت گھبرانے کا کیا معنے! عجب کہ یقین ہو کہ ان میں مبتلا کرنے والا تو ہی کریم ہے جس کا میں بندہ ہوں۔

وَالَّذِیْ فَطَرَنَا، اور وہ ذات جس نے ہمیں پیدا کیا اور جملہ مخلوقات کو اس کا عطف ما جاءنا پر ہے اس کی تاخیر اس لیے ہے کہ اس میں عقلی اور نظری دلیل ہے اور اس سے پہلے جو فرعون نے دیکھا تھا وہ آیت حسیہ ظاہرہ تھی۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ قسم ہے اس کا جواب محذوف ہے جیسا کہ مضمون مذکور اس پر دلالت کرتا ہے۔ اب معنے یہ ہوا کہ اس ذات کی قسم جس نے ہمیں پیدا فرمایا ہم تجھے ہرگز ترجیح نہیں دے سکتے۔ لیکن یہاں پر جواب میں لفظ لن کو ماننا پڑے گا پھر یا تو اس کی تاویل کرنی پڑے گی یا شاذ کہنا پڑے گا۔

ف: تفسیر الفارسی میں ہے کہ ہمیں اس خدا کی قسم جس نے ہمیں پیدا فرمایا۔ اور تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہمیں اس خدا کی قسم جس نے ہمیں فطرت اسلام پر پیدا فرمایا۔

نکتہ: یہاں خلقنا کے بجائے فطرنا کہنے میں اشارہ ہے کہ انھوں نے فرعون کو نہ ماننے اور عدم ترجیح کو اپنے لیے واجب قرار دیا تھا۔

فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ، یہ لاقطعن کے جواب میں کہا یعنے جادوگروں نے فرعون کو دو ٹوک کہہ دیا کہ کرلے جو تیرا جی چاہے سولی یا ہاتھ کاٹنا ہمیں ان میں سے کسی ایک سے بھی خطرہ نہیں۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ انھوں نے کہا کہ اے فرعون! تو جو کچھ کرنا چاہے کرلے کیونکہ تیرا کرنا ہمارے لیے ازل سے لکھا جا چکا ہے، پھر ہمیں کس کا خوف ہے؟

اِنَّمَا تَقْضِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا○ بے شک تو اسی دنیا میں فیصلہ کرے گا یعنے تیرا فیصلہ تیرے نفسانی خواہشات کا آئینہ دار اور ایک دنیوی سزا ہوگی اور وہ بھی صرف ہماری زندگی تک محدود ہوگی لیکن اس کے بعد اس کا کوئی اثر نہ رہے گا اور پھر اگر ہم نہ رہیں گے تو تو بھی نہیں رہے گا۔ اسی لیے نہ ہمیں اس دنیوی زندگی کی رغبت اور نہ اس کے عذاب سے خطرہ۔ تو نے جو کرنا ہے کر گذر لیکن یاد رکھنا پھر قیامت میں تیرے لیے وہ ہوگا جو تیرے ذہن نارسا کو خیال تک نہ ہوگا۔

اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِیَغْفِرَ لَنَا خَطٰیٰنَا، بے شک ہم اپنے پروردگار پر ایمان لائے تاکہ وہ ہماری خطائیں معاف فرما دے یعنے وہ کفر و معاصی معاف ہو جائیں جن کا ہم قبل ازیں ارتکاب کیا اور ان کے ارتکاب پر آخرت میں ہمارا مواخذہ نہ فرمائے اور نہ ہی یہ توفیق دے کہ ہم تیرے عذاب کے خطرے سے دنیوی حیات کو پسند کریں۔

حل لغات المغفرۃ یعنے بندے کے گناہ معاف کرکے اس کے استحقاق عذاب کے باوجود اسے عذاب سے بچانا۔ الغفر سے ہے یعنے گرد و غبار سے بچانے پر شے کے اوپر کپڑا وغیرہ ڈالنا۔ الخطایا، خطیئۃ کی جمع ہے۔ سیئۃ اور خطیہ میں فرق یہ ہے کہ سیئۃ وہ ہے جس میں بالذات قصد ہو اور خطیئۃ جس میں بالفرض ارادہ ہے اس لیے کہ یہ الخطأ سے مشتق ہے۔

وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ؕ اور جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا یعنے جادو کرنے پر۔ اس کا عطف خطٰینا پر ہے یعنے اللہ تعالیٰ ہمارے وہ گناہ بخش دے جو ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں تیرے مجبور کرنے پر اور تیرے بلانے پر جادو کا ارتکاب کیا ہے۔

سوال: ان سے تو اور گناہ بھی سرزد ہوئے ہوں گے صرف مقابلۂ موسیٰ علیہ السلام جادو کے ذکر کی تخصیص کیوں؟

جواب: اس سے کلی طور پر نفرت اور مغفرت میں رغبت کے اظہار کے لیے۔

وَاللّٰهُ خَيْرٌ ؕ اور اللہ تعالیٰ بالذات خیر و بھلائی والا ہے۔ اس کا اشارہ الذی فطرنا کی طرف ہے۔ وَّاَبْقٰى اور سزا و جزا کا ہمیشہ کے لیے مالک ہے یا اس کا معنے یہ ہے کہ وہ ثواب دینے میں تجھ سے بہتر ہے اگر ہم اس کی اطاعت کریں اور وہ دائمی عذاب والا ہے اگر ہم اس کی نافرمانی کریں۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ واللہ خیر اور بہ نسبت تیرے اللہ تعالیٰ سے ثواب پہنچانے اور دفع شر میں بہتر ہے۔ وابقی اور اس کی بھلائی اور عذاب بہ نسبت تیرے جزا اور عذاب کے باقی رہنے والا ہے۔

ف: حضرت حسن رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی شان کی سب سے بڑے کافر اور کفر میں سخت تر گھرے ہونے کے باوجود آنکھ جھپکنے سے پہلے دولتِ ایمان سے نوازے گئے اور پھر اتنا پختگی کہ فرعون جیسے جابر و ظالم اور سرکش کو فاقض ما انت قاض، کہہ کر اپنی راسخ اعتقادی کا مظاہرہ کیا ورنہ آج کل تو یہ حالت ہے کہ ساٹھ سال کی عمر تک قرآن کی تعلیم پر عمل کے باوجود چند ٹکوں کی لالچ میں دین بیچ دیا جاتا ہے۔ (الامان والحفیظ)

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

زیان میکند مرد تفسیر دان
کہ علم ادب می فروشد بنان

کجا عقل با شرع فتوےٰ دھد
کہ اھل خرد دین بدنیا دھد

بدین اے فرومایہ دنیا مخر
بتو خرہا بانجیل عیسٰے مخر

ترجمہ: (۱) وہ عالم تفسیر دان اپنا سخت نقصان کرتا ہے جو روٹی کے بدلے اپنا علم و ادب بیچتا ہے۔

(۲) بھلا عقل و شرع کب فتویٰ دے سکتی ہے کہ دین دنیا کے بدلے بیچ دیا جائے۔

(۳) دین کے عوض دنیا نہ خریدیئے۔ بھلائی عیلے جیسا عظیم الشان نبی بیچ کر گدھا خریدتا ہے۔

اِنَّهٗ یہ ان کے دعویٰ واللہ خیر و ابقی کی تعلیل ہے کہ بے شک شان یہ ہے کہ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا

جو بھی اپنے پروردگار کے ہاں مجرم ہو کر آتا ہے یعنے اپنے جرائم و معاصی میں منہمک و مستغرق رہ کر بحالت کفر و معاصی مرتا ہے۔

سوال : تم نے 'مجرم' کے لفظ سے کفر کا معنے کہاں سے نکال لیا؟

جواب : اس کے بالمقابل مؤمن کا ذکر ہے اسی مناسبت سے یہاں کفر و معاصی ہر دونوں معانی موزونیت رکھتے ہیں۔

فَاِنَّ لَہٗ جَہَنَّمَ لَا یَمُوْتُ فِیْہَا، تو اس کیلئے جہنم ہے اور وہ اس کے اندر ہمیشہ رہے گا پھر اس پر موت آئے گی ہی نہیں۔ یہ ابقی کی علت ہے یعنے اللہ تعالےٰ کا عذاب دائمی ہے۔ وَ لَا یَحْیٰی ۝ اور نہ وہ ایسی زندگی پائے گا جس سے نفع پا سکے۔

وَ مَنْ یَّاْتِہٖ مُؤْمِنًا اور جو اس کے پاس مومن ہو کر آتا ہے یعنے اس کا اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول علیہ السلام کے لائے ہوئے احکام و معجزات پر ایمان رکھتا ہے جیسے ہم نے اپنے پیارے رسول سیدنا کلیم اللہ علیہ السلام کا معجزہ دیکھ کر ایمان کو قبول کیا۔ قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ، حالانکہ اس نے عمل صالح بھی کیے ہوں۔ صالحۃ کا لفظ حسنۃ کی طرح اسم کا حکم رکھتا ہے اسی لیے عموماً موصوف کے بغیر مذکور ہوتا ہے اس سے ہر وہ عمل مراد ہے جو شرعاً صحیح ہو جیسے عقلاً نقلاً سب کو معلوم ہے۔

فَاُولٰٓئِکَ لَہُمُ الدَّرَجٰتُ۔ اولئک کا اشارہ من کی طرف ہے اور یہ معنیً جمع ہے یعنے وہ مؤمن اور نیک عمل کرنے والے ایمان و اعمال صالحہ کی وجہ سے ان کے لیے جنت میں بہت بڑے اعلیٰ مراتب ہیں۔ العلیا، اعلیٰ کی تانیث ہے۔

ف : اس سے معلوم ہوا کہ خالی مؤمن اور مؤمن باعمل میں فرق ہے کیونکہ جس کے اعمال صالحہ ہوں گے اسے بلند درجات نصیب ہوں گے اور اعمال صالحہ سے خالی ہے تو وہ ان اعلیٰ درجات سے محروم ہوگا اگرچہ بہشت نصیب ہو بھی۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ۔ یہ الدرجات العلیا سے بدل ہے۔ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہَا الْاَنْہٰرُ، اس کے نیچے ہمیشہ نہریں جاری ہیں یعنے ان منازل کے نیچے یا بہشت کے اشجار مراد ہیں۔ خٰلِدِیْنَ فِیْہَا، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ لھم کی ضمیر سے حال ہے اور اس کا استقرار کا معنے یا اشارہ عامل ہے۔ وَ ذٰلِکَ۔ یہ اشارہ ثواب مذکور کی طرف ہے۔ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَکّٰی ۝ اس کی جزا ہے جو تزکیہ کرتا ہے۔ جزا بمعنے مافیہ الکفایۃ بمقابلہ عمل اگر نیک ہو تو جزا خیر ہوگی اگر عمل برا ہوگا تو سزا۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

جزیتہ کذا

اور اس کا صلہ باء بھی آتی ہے۔ جیسے:

جزیتہ بکذا۔

اجر و جزا کے مابین فرق

اجر: وہ ہے جو عقد یا عقد کے قائم مقام کے عوض دیا جائے اور اسے صرف نفع میں استعمال کیا جاتا ہے اور نقصان پہ مستعمل نہیں اور جزاء: عقد یا غیر عقد کے لیے مستعمل ہے اور نفع و نقصان دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

اب معنے یہ ہوا کہ وہ شخص جو کفر و معاصی کی گرد و غبار سے پاک ہو کر ایمان و اعمال صالحہ سے سرشار ہوتا ہے یہ اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کی جزا و ثواب باقی رہنے والا ہے ۔

حدیث شریف حدیث شریف میں ہے کہ بلند درجات والوں کو نیچے والے ایسے دیکھیں گے جیسے ہم اوپر چمکتے ستارے کو دیکھتے ہیں اور حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما انھیں میں سے ہیں یعنے انہی بلند درجات والوں میں سے ہیں ۔

ف : نہ قرآن میں ہے اور نہ ہی کسی اور روایت میں کہ ان اہل ایمان (جادوگر) جو موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے فرعون ان کا کچھ نہ بگاڑ سکا اور نہ ہی جس سزا سے ڈرایا دھمکایا اسے عمل میں لا سکا ۔

ف : تفسیر کبیر میں ہے کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے مروی ہے کہ وہ جادوگر صبح کو کافر تھے لیکن شام کو شہید تھے ۔

ف : بحر العلوم میں ہے کہ وہ صبح کو کافر تھے اور شام کو شہدا ر و ابرار تھے ۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) ساحران در عہد فرعون لعین !
چون مری کردند با موسیٰ بکین

(۲) لیک موسےٰ را مقدم داشتند
ساحران او را مکرم داشتند

(۳) زانکہ گفتندش کہ فرمان آن تست
گر تو می خواہی عصا بفکن نخست

(۴) گفت نی اوّل شما ای ساحران
افگنید آن مکر ہا را درمیان

(۵) این قدر تعظیم ایشان را خرید
و از مری آن دست و پاہاشان برید

(۶) ساحران چون قدر او نشناختند
دست و پا در جرم آن در باختند

ترجمہ : (۱) وہ جادوگر جو فرعون لعین کے زمانہ میں تھے وہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کینہ سے بالمقابل ہوئے ۔

(۲) لیکن بوقت مقابلہ موسیٰ علیہ السلام کو پہل کرنے کا کہا اس سے انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کی تعظیم کی ۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۳۴۶ پر)

وَلَقَدْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِي فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا لَا
تَخَافُ دَرَكًا وَلَا تَخْشَىٰ ۝ فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُودِهِ فَغَشِيَهُمْ مِنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ۝
وَأَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهُ وَمَا هَدَىٰ ۝ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ قَدْ أَنْجَيْنَاكُمْ مِنْ عَدُوِّكُمْ وَ
وَاعَدْنَاكُمْ جَانِبَ الطُّورِ الْأَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ ۝ كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا
رَزَقْنَاكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِي ۖ وَمَنْ يَحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِي فَقَدْ هَوَىٰ ۝
وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِمَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَىٰ ۝ وَمَا أَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ
يَا مُوسَىٰ ۝ قَالَ هُمْ أُولَاءِ عَلَىٰ أَثَرِي وَعَجِلْتُ إِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضَىٰ ۝ قَالَ فَإِنَّا قَدْ
فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ وَأَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ۝ فَرَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا
قَالَ يَا قَوْمِ أَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا أَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ أَمْ أَرَدْتُمْ
أَنْ يَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِنْ رَبِّكُمْ فَأَخْلَفْتُمْ مَوْعِدِي ۝ قَالُوا مَا أَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ
بِمَلْكِنَا وَلَٰكِنَّا حُمِّلْنَا أَوْزَارًا مِنْ زِينَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنَاهَا فَكَذَٰلِكَ أَلْقَى السَّامِرِيُّ ۝ فَأَخْرَجَ
لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَهُ خُوَارٌ فَقَالُوا هَٰذَا إِلَٰهُكُمْ وَإِلَٰهُ مُوسَىٰ فَنَسِيَ ۝ أَفَلَا يَرَوْنَ أَلَّا
يَرْجِعُ إِلَيْهِمْ قَوْلًا وَلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا ۝

ترجمہ: اور بے شک ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو وحی بھیجی کہ راتوں رات میرے بندوں کو لے جا تو (عصا مار کر) ان کے لیے دریا میں سوکھا راستہ بنا دے نہ تو تجھے کسی کے تعاقب کا خوف ہوگا اور نہ خطرہ۔ تو فرعون لشکر لے کر ان کے پیچھے ہولیا تو انھیں دریا نے ڈھانپ لیا جیسا ڈھانپنا ہے اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا اور اچھی راہ نہ دکھائی۔ اے اولاد یعقوب! ہم نے تمہارے دشمن سے تمھیں نجات بخشی اور تمھیں طور کی داہنی جانب کا وعدہ دیا اور تم پر من و سلویٰ اتارا کھاؤ وہ نفیس چیزیں جو ہم نے تمھیں عطا فرمائیں اور اس میں حد سے نہ بڑھو کہ تم پر میرا غضب واقع ہو اور جس پر میرا غضب واقع ہوتا ہے بے شک وہ تباہ ہوا اور بے شک میں بہت بخشنے والا ہوں اسے جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھا کام کیا پھر ہدایت پر رہا اور تو نے اپنی قوم سے کیوں جلدی کی اے موسیٰ؛ عرض کی کہ وہ یہ ہیں میرے پیچھے اور اے میرے رب! تیری طرف میں جلدی کر کے حاضر ہوا کہ تو راضی ہو۔ فرمایا؛ تو ہم نے تیرے آنے کے بعد تیری قوم کو آزمایا اور انھیں سامری نے گمراہ کر دیا تو موسیٰ اپنی قوم کی طرف پلٹا غصہ میں بھرا افسوس کرتے ہوئے کہا: اے میری قوم! کیا تم سے تمہارے رب نے اچھا وعدہ نہ کیا تھا، کیا تم پر مدت لمبی گذری یا تم نے چاہا کہ تم پر تمہارے رب کا غضب اترے تو تم نے میرا وعدہ خلاف کیا بولے ہم نے آپ کا وعدہ اپنے اختیار سے خلاف نہیں کیا لیکن ہم سے کچھ بوجھ اٹھوائے گئے

اس قوم کے کہنے کے توہم نے انھیں ڈال دیا پھر اسی طرح سامری نے ڈالا تو اس نے ان کے لیے ایک بچھڑا نکالا بے جان کا دھڑ گائے کی طرح بولتا تو بولے یہ ہے تمہارا معبود اور موسیٰ (علیہ السلام) کا معبود موسیٰ (علیہ السلام) تو بھول گئے تو کہا کہ نہیں دیکھتے کہ وہ انہیں کسی بات کا جواب نہیں دیتا اور ان کے کسی برے بھلے کا اختیار نہیں رکھتا۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۳۳۲)

(۳) چنانچہ کہا کہ جو آپ کا حکم۔ اگر آپ چاہیں تو آپ اپنا عصا پہلے ڈالیے۔

(۴) لیکن موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ نہیں پہلے تم ڈالو اور تم ہی اپنا داؤ چلالو۔

(۵) اتنی قدر و تعظیم سے ان کی عداوت کا فور ہوگئی اور گویا مقابلہ سے ہتھیار ڈال دیئے۔

(۶) لیکن چونکہ پہلی بار موسیٰ علیہ السلام کی شان سے بے خبری کی وجہ سے مقابلہ پہ تل آئے تھے اسی لیے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے گئے۔

نتیجہ: ان دلائل سے ثابت ہوا کہ وہ شہید ہوئے ورنہ فرعون کو سب سے پہلا سولی پہ چڑھانے والا کیسے کہا جاتا۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف مائل ہو اپنے آپ کو اخلاق ذمیمہ سے پاک وصاف رکھے اور افعال شیطانیہ سے دور رہے اور اخلاق ربانیہ روحانیہ سے مزین ہو اور روح و مال کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرے تاکہ اس سے اعلیٰ فتوح کو حاصل کرے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں سے بنائے جو اس سے دوستی کرتے ہیں اور وہ ہر آئی ہوئی مصیبت کو آسان سمجھتے ہیں۔ (آمین)

(تفسیر آیات صفحہ گذشتہ)

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى ۵ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْ، بخدا ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی یہ نو معجزات کے اظہار کے بعد کی بات ہے جسے درمیان میں بیس سال کا عرصہ گذرا۔ (کذا فی الارشاد)

فقیر (حقی) کہتا ہے کہ یہ بعض روایات مشہورہ کے خلاف ہے کیونکہ مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کی قوم کے لیے دعا فرمائی جس کا اثر چالیس سال کے بعد ظاہر ہوا یہ روایات مفسرین کی تفاسیر میں قد اجیب دعوتکما کے تحت ہے۔

اَنْ مفسرہ ہے بمعنے ای یا مصدریہ ہے۔ اصل عبارت یہ تھی:

'بان اسر لعبادی'

اور اسری کا مادہ سری اور یہ اسراء سے ہے بمعنے رات کو جانا یعنے اے موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو رات کے وقت

لے جائیے اور رات کو لے جانے کا حکم اسی لیے ہے تاکہ فرعون کے ملازمین آڑے نہ آئیں۔

فَاضْرِبْ لَهُمْ۔ اضرب بمعنے اجعل ہے ضرب له فی ماله سهما سے لیا گیا ہے بمعنے اس نے اپنے مال سے اس کا حصہ مقرر کیا یا اضرب بمعنے اتخذ وَاعمَل ہے ضرب اللبن سے ماخوذ ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب لے عمل میں لائے۔

ف: جلالین میں ہے کہ فاضرب لهم بعصاك آپ ان کے لیے اپنا عصا ماریئے۔

طَرِيقًا، ہر وہ جگہ جس پر انسان چلے۔ یہ عادت کے طور پر ہو یا عادت کے بغیر۔

ف: امام راغب نے فرمایا کہ وہ راستہ جس پر پاؤں سے چلا جائے۔

فِي الْبَحْرِ، دریا میں۔ ہر وہ جامع جگہ جہاں بہت زیادہ پانی ہو۔ یہاں پر بحر القلزم مراد ہے۔

ف: قاموس میں ہے کہ وہ ایک شہر ہے جو مصر و مکہ کے درمیان جبل طور کے قریب واقع ہے۔ اسی کی طرف بحر القلزم منسوب ہوتا ہے کیونکہ وہ اس کے کنارے واقع ہے یا اس میں جو داخل ہو وہ اسے نگل لیتا ہے۔ اس لیے کہ قلزم بمعنے ابتلاع ہے۔

يَبَسًا۔ طریقا کی صفت ہے۔ الیبس ہر وہ جگہ جہاں پانی ہو لیکن پھر سوکھ جائے۔

ف: الارشاد میں ہے کہ یبس بمعنے یابس ہے مبالغہ کے طور پر مصدر بمعنے فاعل لایا گیا ہے یعنے اس راستہ پر پہلے پانی ہو گا لیکن تمہارے جانے سے وہ خشک ہو جائے گا۔

لَا تَخٰفُ دَرَكًا۔ مامور سے حال مقدرہ ہے ماموں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام مراد ہیں۔ درک محرکہ بالسکون کی طرح ادراک کا اسم ہے۔ اب معنے یہ ہوا کہ درانحالیکہ تم دشمن کے پا لینے سے امن میں ہوگے۔ وَلَا تَخْشٰى ○ اور نہ ہی غرق ہونے سے خوفزدہ ہوؤ گے۔

فَاَتْبَعَهُمْ۔ فاء فصیحیہ ہے یعنے پس موسےٰ علیہ السلام نے کیا جس کا انہیں حکم تھا یعنے بنی اسرائیل کو رات کے وقت لے جانا اور راستہ بنانا پھر اس پر چلنا ان کے پیچھے فرعون لشکر سمیت دوڑا یہاں تک کہ اشراق کے وقت انہیں پا لیا۔ اشراق بمعنے سورج کا چمکنا۔ اتبعهم اور تبعهم کا ایک معنے ہے صرف فرق اتنا ہے کہ اتبعہ اس وقت بولتے ہیں جب ایک دوسرے کی طلب میں پیچھے لگے اور تبعہ اس وقت بولتے ہیں جب ایک دوسرے کے ساتھ اور اس کے پیچھے ہو کر چلے۔

فرعون اور موسےٰ علیہ السلام

مروی ہے کہ جب موسےٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو رات کے اول حصے میں لے کر چلے ان کی تعداد ستر ہزار چھ سو تھی اور فرعون کو جب معلوم ہوا تو اپنا لشکر جس کی تعداد سات لاکھ تھی اور فرعون ان کے آگے آگے چل رہا تھا جب فرعون کا لشکر موسیٰ علیہ السلام کے لشکر کے قریب ہوا تو موسیٰ علیہ السلام نے دریا میں عصا مارا تو اس میں بارہ راستے بن گئے ہر حصہ پہاڑ کی طرح تھا اور ہر راستہ کے اردگرد پانی برف کی طرح جم کر کھڑا ہو گیا۔ ان راستوں پر موسیٰ علیہ السلام اور آپ کا قافلہ صحیح سالم دریا کو عبور کر گیا۔

فَغَشِيَهُمْ، ان فرعونیوں کو پانی نے ڈھانپ لیا یعنے ان پر چڑھ گیا۔ مِّنَ الْيَمِّ دریائے قلزم سے۔ مَا غَشِيَهُمْ ○ وہ جو انھیں دریا کی سخت موجوں نے ڈھانپا وہ ایسی موجیں تھیں جن کی کنہ کو صرف اللہ تعالٰے ہی جانتا ہے۔

وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ، اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا یعنے انہیں ایسی راہ پر لگایا جو انھیں خیبۃ و خسران کی طرح لے گیا نہ وہ دین کے رہے نہ دنیا کے۔ یہاں تک کہ وہ کفر کی حالت میں سخت عذاب دنیوی میں مبتلا ہو کر مر گئے اور اخروی عذاب میں دائماً گرفتار رہیں گے۔ وَمَا هَدٰى ○ اور نہ ہی انھیں ہدایت دے سکا یعنے انہیں کوئی ایسا راستہ نہ دکھا سکا جو ان کے دینی و دنیوی مطالب کے حصول پر مبنی ہو۔ یہ اضلال کی تقریر و تاکید ہے یہ اس لیے کہ بہت سے مضل (گمراہ کنندگان) کبھی اپنے گمراہ کردہ انسان کو مطالب کے حصول کی راہ دکھاتا ہے۔ اور اس آیت :

"وما اهديكم الا سبيل الرشاد" (اور میں سیدھے راستے کی ہی رہبری کرتا ہوں)

میں ایک قسم کا تہکم ہے کیونکہ کسی سے گمراہ آدمی سے نت کی نفی میں اشارہ ہوتا ہے کہ وہ ایسا ہے کہ اس سے ہدایت متصور ہے لیکن اس تصور کا اظہار صرف تہکم کی بنا پر ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ موسیٰ اور اس کے لشکر میں روح مع اس کے قویٰ کی طرف اور فرعون لشکر سمیت میں نفس امارہ اور اس کے قویٰ کی طرف اور دریا بحر دنیا کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ اسے روح سفینۂ شریعت یا نور کشف الٰہی سے عبور کر لیتا ہے لیکن نفس امارہ اس میں غرق ہوتا ہے کیونکہ وہ خواہشات نفسانیہ میں مبتلا ہوتا ہے اسے نہ شریعت نصیب ہوتی ہے اور نہ ہی کشف۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو اہل ضلال اپنے نفوس امارہ کی اتباع کرتے ہیں وہ ظاہری و باطنی تباہی میں غرق ہو جاتے اور اہل ہدایت کی اقتدار سے دائمی نجات نصیب ہوتی ہے۔

زینہار از قرین بد زنہار

وقنا ربنا عذاب النار

ترجمہ: ، انھی بُرے سے خدا کی پناہ۔ اے پروردگار! ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔

ف: بہترین اتباع ایمان و توحید ہے کیونکہ جملہ انبیاء علیہم السلام اس پر متفق ہیں اور مؤمن ایک قلعہ میں محفوظ ہو جاتا ہے جس کی حفاظت اللہ تعالٰے کرتا ہے اور اس پر نہ ظاہری دشمن حملہ آور ہو سکتے ہیں اور نہ باطنی اور نہ ہی دنیا و آخرت میں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حجاج بدبخت کا قصہ

عبداللہ بن ثقفی کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو حجاج ظالم نے گرفتار کر کے کہا کہ میں آپ کو بُری طرح قتل کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرا عقیدہ ہوتا کہ تو حکم الٰہی کے بغیر مجھے قتل کر سکے گا، تو میں تیری عبادت کرتا۔ حجاج نے کہا وہ کیسے؟ حضرت انسؓ نے فرمایا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی دعا سکھا کر فرمایا کہ جو کوئی اسے صبح کو پڑھے گا تو کوئی اس کا کچھ نہ

بگاڑسکے گا اور وہ میں نے صبح کو پڑھ لی تھی۔ حجاج نے کہا کہ تُو مجھے بھی وہی دعا سکھا دے۔ آپ نے فرمایا! معاذ اللہ، تجھ ظالم کو وہ دعا سکھاؤں، یہ نہیں ہوسکتا۔ حجاج نے کہا کہ انھیں چھوڑ دو۔ لوگوں نے حجاج سے پوچھا کہ تُو نے انس رضی اللہ عنہ کو کیوں چھوڑا۔ جواب دیا کہ میں نے ان کے دونوں کندھوں پر دو بڑے شیروں کو دیکھا جو منہ کھولے ہوئے تھے۔ (اگر میں انھیں کچھ کہتا تو وہ مجھے پھاڑ کھاتے)۔

جب حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو خادم سے فرمایا کہ تیرا مجھ پر حق ہے فلہٰذا میں تجھے وہی دعا سکھاتا ہوں اور وہ دعا یہ ہے:

بسم الله خير الاسماء لا يضر مع اسمه شئ فى الارض ولا فى السماء۔

اللہ تعالٰی کے نام کے ساتھ شروع کرتا ہوں وہ تمام اسماء سے بہتر ہے اور اللہ تعالٰی کے نام کے ساتھ کوئی شے نقصان نہیں پہنچا سکتی نہ اسمان اور نہ زمین۔

ف: اس دعا کا دنیوی فائدہ تو مذکور ہوا اور آخرت کا فائدہ یہ ہے کہ یہ دعا پڑھنے والے کی دوزخ اور اس کے عذاب سے حفاظت کرے گی۔

ف: موسٰی علیہ السلام نے فرعون کو خیرخواہانہ پند و نصیحت فرمائی لیکن وہ نہ مانا اور نہ ہی اس نے موسٰی علیہ السلام کی قدر و منزلت پہچانی اسی لیے وہ واصل جہنم ہوا اور سخت قسم کے عذاب میں مبتلا ہو کر مرا۔

سبق: عاقل وہ ہے جو ناصح کی نصیحت کو سن کر اسے قبول کرے۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

امروز قدر پند عزیزان شناختم
یارب روان ناصح ما از تو شاد باد

ترجمہ: آج میں نے بزرگوں کی نصیحت کی قدر معلوم کی۔ یا اللہ ہمارے ناصح کو ہمیشہ شاد و آباد رکھ۔

شرح شعر حافظ "امروز" سے بڑھاپے کے ایّام مراد ہیں اس میں اشارہ ہے کہ جوانی بڑھاپے سے مختلف طور رکھتی ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جوانی میں وقت لہو و لعب میں ضائع کر دیتے ہیں اور وہ کسی کی بات تک سننا گوارا نہیں کرتے لیکن جسے اللہ تعالٰی ہدایت بخشتا ہے تو پھر اسے ناصح پیارا لگتا ہے تو اس کے لیے دعا کرتا ہے۔ نصیحت نصح سے ہے بمعنے سینا۔ چونکہ ناصح کے حروف اس کی غلطیوں کے پھاڑ سیتے ہیں۔

سبق سالک کے لیے مرشد اور مجاہدہ ضروری ہے مرشد ہو لیکن مجاہدہ نہ کرے تب بھی فضول ہے جب تک کہ اس کے نصائح پر عمل نہ کرے۔

دیکھئے فرعون نے موسٰی علیہ السلام کی حقانیت اور ان کے لائے ہوئے احکام کی حقیقت کا دل سے قائل تھا لیکن چونکہ ان پر کاربند نہ ہوا اسی لیے مارا گیا۔ لازم ہے کہ پہلے اعتقاد کو درست کیا جائے پھر اس کا زبان سے اقرار کرے اس کے بعد اس پر عمل کرنے میں کوشاں

ہو۔ اسی لیے بزرگوں کا فرمان ہے کہ جس طرح کشتی خشکی پر نہیں چل سکتی اسی طرح مجاہدہ کے بغیر کام نہیں بن سکتا۔ اور نفس کا کام ہے کہ وہ ضلالت وبطالت کی طرف لاتی ہے۔ اللہ تعالٰے نے فرمایا :

فانفروا خفافا و ثقالا۔

نتیجہ یہ نکلا کہ عبادت لازم ہے۔ یہاں تک کہ یقین نصیب ہو خواہ عبادت میں دل لگے یا نہ، راحت سے ہو یا بہ تکلیف۔ اور ایسا جہاد قیامت تک جاری رہے۔

حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

بے رنج کسے چون نبرد رہ بسر گنج
آن بہ کہ بکوشم بتمنا نہ نشینم ا

ترجمہ : کوئی بھی رنج وتکلیف کے بغیر خزانہ نہیں پاتا۔ بہتر ہے کہ ہم کوشش کریں نہ کہ صرف آرزو کرکے امید میں نہ ہی بیٹھے رہیں۔

ہم اللہ تعالٰے سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنی رضا کا راہ دکھاتے اور ہمیں اپنی بارگاہ تک پہنچنا نصیب فرمائے۔

تفسیر عالمانہ یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ، فرعون اور اس کے لشکر کے غرق ہوجانے اور بنی اسرائیل کے نجات پا جانے کے بعد ہم نے کہا کہ اے بنی اسرائیلو! قَدۡ اَنۡجَیۡنٰکُمۡ مِّنۡ عَدُوِّکُمۡ، ہم نے تمہیں تمہارے دشمن فرعون سے نجات بخشی کہ وہ تمہارے بچوں کو قتل کر ڈالتا تھا اور تمہاری لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا اور تم سے بڑی سخت قسم کی خدمتیں لیتا تھا اور مشقت بھرے امور میں لگاتا تھا۔

ف : لفظ عدو واحد اور جمع ہر دونوں کے لیے مستعمل ہے۔

وَوٰعَدۡنٰکُمۡ جَانِبَ الطُّوۡرِ الۡاَیۡمَنَ۔ الایمن منصوب ہے اِس لیے کہ مضاف کی صفت ہے یعنے جانب کے یعنے ہم نے تمہارے نبی علیہ السلام کے وسیلہ سے تمہارے ساتھ وعدہ کیا کہ تم طور کی جانب یمین کی طرف آؤ کیونکہ وہاں سے ہی شام کی طرف آسان راستہ ہے یہ ہم نے اس لیے کہا کہ پہاڑ کی اپنی خاص جانب نہیں۔ نہ یمینی نہ یسار اور وہ وعدہ موسیٰ علیہ السلام کے لیے طور میں مناجات اور تورات کے حصول کے لیے تھا۔

سوال : یہ وعدہ نبی اسرائیل کی طرف کیوں جب کہ یہ وعدہ تو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھا؟

جواب : ادنیٰ ملائمت کی وجہ سے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے متبوع تھے اور پھر اس کا نفع انہیں پہنچنا تھا۔

وَنَزَّلۡنَا عَلَیۡکُمُ الۡمَنَّ، وہ ایک شے تھی جس میں لذت اور حلاوت عجیب وغریب تھی۔ وہ درختوں پر اترتی تھی۔ اسے ترنجبین کہا جاتا ہے گزنگبین کا معرب ہے۔ وَالسَّلۡوٰی ○ ایک پرندہ جسے سمانی کہا جاتا ہے۔ ترنجبین برف کی طرح صبح سے طلوع شمس تک آسمان سے درختوں پر اترتی جو ہر فرد کو ایک صاع کے برابر نصیب ہوتی پھر اس کے ساتھ پرندہ اڑتا ہوا ان کے

پاس پہنچتا جسے ہر فرد ذبح کر کے کام میں لاتا۔ التیہ وہ جنگل جس میں چلنے والے کو کوئی راہ نہ ملے اور وہ اس میں حیران اور مارا مارا بھٹکتا پھرے۔ یہ اس وقت ہوا جب انھیں حکم ہوا کہ وہ جبا این کے شہر میں جا کر ان کا مقابلہ کریں لیکن انھوں نے انکار کر دیا۔ اس پر انھیں جنگل میں یہ سزا ملی کہ وہ حیران اور مارے مارے بھٹکتے پھرتے رہے اور اس سزا میں ان پر چالیس سال گذر گئے جیسا کہ اس کی تفصیل سورۂ مائدہ میں ہم نے بیان کر دی ہے۔

ف: یہ سزا ایسی ہے جیسے مشفق مہربان باپ اپنے نافرمان بیٹے سے کرتا ہے تاکہ وہ فرمانبردار ہو جاتے لیکن اس کی مروت و احسان اس سے منقطع نہیں ہوتا۔ یہ بھی جنگل کے عذاب میں مبتلا تو ہوئے لیکن ان پر رزق کا دروازہ بند نہ ہوا اور بغیر تکلیف کے روزانہ انھیں رزق مل جاتا ہے

اے کریمی کہ از خزانہ غیب
گبر و ترسا وظیفہ خور داری
دوستان را کجا کنی محروم
تو کہ با دشمنان نظر داری

ترجمہ: اے کریم خزانہ غیب سے تو کافر و بے دین کو تو روزانہ رزق دیتا ہے تو پھر دوستوں کو تو کب محروم کرے گا جبکہ تو دشمنوں سے بھی شفقت فرماتا ہے۔

كُلُوْا اور ہم نے تمھیں کہا، کھاؤ۔ **مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ**، لذائذ اور حلال اشیاء سے جو ہم نے تمھیں عطا فرمائیں۔

ف: امام راغب نے فرمایا کہ الطیب ہر وہ شے جس سے حواس ونفس لذت محسوس کریں اور وہ طعام حلال جس کا شرع نے ہمارے لیے مقرر فرمایا۔ جتنا ہمیں ضرورت ہو اور جہاں سے بھی حاصل ہو اور جب وہ ایسی شے ہو گی تو لازماً وہ طیب ہو گی وہ عاجلاً ہو یا آجلاً لیکن طیب اس وقت کہلائے گی جب ہضم ہو جائے اس کے آگے بڑھے اور بدہضمی پیدا کرے تو وہ حلال تو ہو گی لیکن طیب نہیں کہلائے گی۔ ایسے ہی وہ عاجلاً طیب تو ہو سکے گی لیکن آجلاً نہیں کیونکہ اس کا انجام اچھا نہیں۔

وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ۔ الطغیان نافرمانی میں حد سے بڑھنا یعنی جن چیزوں کو ہم نے تمھارے لیے حلال فرمایا ان کے استعمال میں حد سے نہ بڑھو مثلاً شکر نہ کرو یا فضول خرچی کرو یا متکبرانہ طور پر خرچ کرو یا مستحق کو اس کا حق نہ دو یا رات اور دن کی ضرورت سے زائد ذخیرہ کر کے رکھو۔ **فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ**، تو میرا غضب تم پر لازم ہو جائے گا۔ یہ نہی کا جواب ہے یعنی میرا عذاب تمھارے لیے لازم ہو جائے۔ یہ حل الدین یحل (بالکسر) سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب قرض کی ادائیگی واجب ہو جائے اور اگر بالضم یعنی از باب نصر ینصر ہو تو بمعنے نزول ہوتا ہے۔ الغضب بمعنے انتقام کے ارادہ پر قلب کا جوش مارنا جب اللہ تعالیٰ پر استعمال کیا جائے تو اس وقت مطلق انتقام مراد ہوتا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ۔

شکر منعم واجب آمد در خرد
ورنہ بکشاید در خشم ابد

ترجمہ: منعم کا شکر واجب ہے ورنہ وہ ہمیشہ تک ناراضگی کا دروازہ کھول دے گا ۔

وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِىْ فَقَدْ هَوٰى اور جس پر میرا غضب لازم ہوتا ہے تو وہ تباہ و برباد ہو جاتا ہے ۔

ھوی دراصل پہاڑ سے گر کر ہلاک ہو جانے کو کہا جاتا ہے ۔

ف: بلاغات الزمخشری میں ہے ،

من ارسل نفسه مع الهوی فقد هوی فی ابعد الهوی ۔ جس نے اپنی خواہشات نفسانی کو نہ چھوڑا وہ سخت تر تباہی و بربادی سے ہلاک ہوا ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ونزلنا علیکم المن اور ہم نے تم پر اپنے صفات والسلوٰی اور اخلاق اتارے ۔ کلوا من طیبٰت ما رزقنٰکم اور ہماری اچھی صفات سے موصوف اور ہمارے اچھے اخلاق سے متخلق ہو جاؤ ۔ یعنے اگر عنایت ربانیہ نہ ہوتی نہ روح نجات پاتی نہ اچھے قلب اور نہ ہی ان کے صفات شر فرعون یعنے نفس اور اس کے صفات سے چھٹکارا پاتے اور اگر تایید ایزدی نہ ہوتی تو وہ نہ صفات الٰہیہ سے موصوف ہوتے اور نہ ہی متخلق باخلاق اللہ ۔ پھر فرمایا ولا تطغوا یعنے جب تم صفات و اخلاق سے نکل کر میرے صفات و اخلاق سے متصف و متخلق ہو جاؤ تو پھر حد سے نہ بڑھو وہ اس طرح کہ پھر معبودیت و ربوبیت کا دعویٰ کرنے لگ جاؤ یا میرے نام سے موسوم ہونے لگو یا میرے صفات اپنے ساتھ لگا دو مثلاً انا الحق یا جیسے بعض نے سبحانی ما اعظم شانی کا دعویٰ کیا اور ایسے ہی دیگر وہ دعوے جو انسان طبعی طور پر ظاہر کرتا ہے کیونکہ انسان کی عادت ہے کہ جب مراتب پاتا ہے تو سرکشی کرتا ہے اور بعض بزرگوں کے ایسے دعاویٰ اگرچہ ان کے احوال سے تھے لیکن ایسے حالات مقامات کے لائق نہیں اور ایسے حالات غضب الٰہی کا موجب بنتے ہیں ۔ کما قال :

فیحل علیکم غضبی ومن یحلل علیه غضبی فقد هوٰی

یعنے ایسے ہی ان کے جملہ معاملات اڑتی ہوئی غبار کی طرح بیکار بنا دیئے جاتے ہیں ۔ اسی غضب سے بچنے کے لیے اللہ تعالےٰ نے بندوں کو ہدایت طلبی کا حکم فرمایا ۔

کما قال تعالےٰ :

اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم و لا الضالمین ۔ ہمیں سیدھا راہ دکھا ایسے نہ ہو کہ جن پر تیرا غضب نازل ہوتا ہے تو پھر وہ عبادت و طاعت کے بعد طغیان کا ارتکاب کرتا ہے ۔

تفسیر عالمانہ وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ اور بے شک میں انہیں بخشتا ہوں جو کفر و شرک اور معاصی سے تائب ہوتے ہیں منجملہ ان کے طغیان بھی ہے۔

ف : المفاتیح شرح المصابیح میں ہے کہ غفور و غفار میں فرق ہے اور وہ یہ کہ غفور بمعنے کثیر المغفرۃ اور مغفرت بمعنے بندے کے گناہوں سے تجاوز کرکے اسے استحقاق عذاب سے بچانا۔ غفر سے ہے بمعنے گرد و غبار سے بچانے کے لیے کسی شئے پر کپڑا وغیرہ ڈالنا۔ اور غفار، غفور کا مبالغہ ہے اس لیے کہ اس میں غفور سے ایک لفظ زائد ہے۔

ف : بعض نے کہا کہ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ غفار میں از جہۃ کیفیت اور غفور میں از جہۃ کمیت مبالغہ ہے۔

وَاٰمَنَ اور جن پر ایمان لانا واجب ہے اس پر ایمان لائے۔ وَعَمِلَ صَالِحًا اور نیک عمل کرے یعنے وہ عمل جو عقل و شرع کے لحاظ سے صحیح ہیں۔

ف : اس میں طغیان کے مرتکب کو ترغیب ہے کہ اگر کوئی ایسی غلطی ہو جائے تو اسے ایمان و عمل صالح اور توبہ کو عمل میں لانا چاہیئے۔

ثُمَّ اهْتَدٰى ○ پھر وہ ہدایت پر تادم زلیست قائم رہا۔

ف : اس میں اشارہ ہے کہ جو ان امور پر استمرار نہیں کرتا تو وہ غفران کا مستحق نہیں اور لفظ ثم، تراخی کے لیے ہے۔

ف : بحر العلوم میں ہے کہ ثم، تراخی الاستقامۃ علی الخیر عن الخیر کے لیے ہے کیونکہ خیر واقعی خیر ہے لیکن اس پر استقامت اعلیٰ و اجل ہے اس لیے کہ خیر کے جملہ فضائل اسی میں ہیں اور بہت سے لوگوں کے اقدام استقامت سے ڈگمگا جاتے ہیں۔

ف : حضرت ابن عطاء نے فرمایا کہ انی لغفار لمن تاب کا معنے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کے لیے غفار ہے جو طریقہ مخالفت سے تائب ہو کر طریقۂ موافقت کی طرف جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے وعدے پر پورا اترتا اور سنت کا اتباع کرتا ہے۔ ثم اهتدی پھر اسی پر ڈٹ جاتا ہے کہ ذاتِ حق کی راہ کے سوا کسی اور راہ کو چاہتا ہی نہیں۔

؎

راہ سنت روا کر خواہی طریق مستقیم
کز سنن راہی بود سوی رضای ذوالمنن

ہر مژدہ در چشم وی ہمچون سنانی باد تیز
کز سنان زندگی خواہد زمانی بی سنن

ترجمہ : اگر راہ مستقیم کے طالب ہو تو راہ سنت پر چلو اس لیے کہ سنن مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر چلنے سے رضائے الٰہی نصیب ہوتی ہے۔

ہر مژدہ بہار اس کے لیے کانٹے ہوتے ہیں اگر اس کی زندگی کے لمحات سنن کے بغیر بسر ہوں۔

تفسیر صوفیانہ : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ تاب بمعنے عباد الرحمٰن کے ذریعے طغیان سے رجوع کرے۔ وعمل صالحا

ربوبیت کے لیے عبودیت کا اظہار کرے۔ ثم اھتدی. پھر اس کے لیے متحقق ہو جاتے کہ بے شک حضرت ربوبیۃ اس وہم و خیال سے منزہ اور اس کی ربوبیت قائم اور عبودیت دائم ہے۔

ف : توبہ بمنزلہ صابون کے ہے جیسے صابون کپڑے وغیرہ کی میل کچیل دور کرتا ہے ایسے ہی توبہ اوساخ باطنی یعنے گناہوں کو صاف کرتی ہے۔

حکایت دینوری : حضرت دینوری رحمہ اللہ تعالےٰ سے کسی نے پوچھا کہ میں کیسا عمل کروں۔ آپ نے فرمایا، جب تم اپنے مولیٰ کے دروازے پر جاؤ تو چھوٹے بچے کی طرح ہو جاؤ جیسے وہ اپنی ماں کے سامنے ہوتا ہے کہ جب اسے مارتی ہے تو بجائے بھاگنے کے وہ الٹا ماں کے گلے میں چمٹتا ہے۔ ماں کتنا مارے لیکن وہ بار بار ماں کو لپٹتا ہے یہاں تک کہ ماں اسے گلے لگا لیتی ہے۔

توبہ کی اقسام : توبہ کی تین اقسام ہیں :

(۱) توبۂ عوام ——— ان کا گناہوں سے توبہ کرنا۔

(۲) توبۂ خواص ——— ان کا لغزشوں اور غفلتوں سے توبہ کرنا۔

(۳) توبۂ اکابر ——— ان کا اپنی نیکیوں کو نیکیاں دیکھنے اور طاعات کو خیال میں لانے سے توبہ کرنا۔

اور توبہ کی تین شرائط ہیں :

(۱) دل سے نادم ہونا۔

(۲) زبان سے عذر کرنا مثلاً گناہوں سے استغفار کرنا۔

(۳) اعضائے سے گناہوں کی جڑ اکھیڑنا۔

حدیث شریف : حدیث شریف میں ہے کہ زبان سے استغفار لیکن گناہوں پر اصرار یہ مذاق اڑانے والے کی طرح ہے۔

حضرت مولانا جامی قدس سرہ نے فرمایا ؎

۱۔ دارم جہان جہان گنہ ای شرم روی من
چون روی ازین جہاں بجہان دگر نہم

۲۔ یاران دواسپہ عازم ملک یقین شدند
تا کی عنان عقل بدست گمان دہم

۳۔ با خلق لاف توبہ و دل بر گنہ مصر
کس پے نمی برد کہ بدین گونہ کمر ہم

ترجمہ : (۱) میں دنیا میں بہت بڑے گناہ رکھتا ہوں۔ جب میں اس دنیا میں کسی دوسرے جہان کی طرف توجہ کرتا ہوں۔

(۲) تمام دوست تو ملک یقین کی طرف چلے گئے ہیں میں کب تک عقل کی باگ گمان کی طرف لاتا رہوں۔

(۳) مخلوق کے ساتھ تو توبہ کی لاف و گزاف لیکن حقیقت کے راستہ سے تاحال گمراہ ہوں۔

وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ۝ قوم سے عجلت کرکے تم کو کونسی سے پہلے لے آئی ہے۔ ماا عجلك مبتدا اور عن قومك اس کی خبر ہے یعنے ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا جب وعدہ مذکورہ کے مطابق میقات (کوہ طور) پر پہنچے تقومك وہ ستر نقباء ہیں جنھیں کوہ طور پر ساتھ لے گئے تھے اور موسیٰ علیہ السلام محض شوق ملاقات الٰہی میں تیز تیز قدم رکھتے ہوئے نقباء کو فرمایا کہ تم میرے پیچھے آ جانا۔ (کذا فی الجلالین) اسی لیے اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔

ف: العرائس میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی عجلت کی علت صرف ملاقات الٰہی تھی اور بس۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ فرعون کی ہلاکت و تباہی کے بعد نبی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی کہ ہمیں قواعد اسلام اور شریعت کے احکام چاہئیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالےٰ سے استدعا کی تو اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ آپ ستر آدمی منتخب فرماکر کوہ طور پر آجایئے تاکہ میں آپ کو احکام کی کتاب عطا فرماؤں۔ موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کو اپنا جانشین بنا کر قوم کے سربراہ ستر آدمی لے کر کوہ طور کی طرف چل پڑے اور فرمایا چالیس دنوں کے بعد کتاب لے کر آ جاؤں گا جب کوہ طور کے قریب پہنچے تو شوق ملاقات میں جلدی کرتے ہوئے ان ستر سربراہوں سے فرمایا کہ تم میرے پیچھے چلے آؤ جب کوہ طور پر چڑھنے لگے تو وہاں سے آواز آئی: وما اعجلك عن قومك الخ یعنے کونسا سبب پیش آیا جو تجھے قوم سے پہلے لے آئی۔

ازالۂ وہم جب اللہ تعالےٰ جانتا تھا تو پھر سوال کیوں اس کے جواب میں میں (حقی) کہتا ہوں کہ یہ وما تلك بيمينك يموسیٰ کی طرح انبساطی سوال ہے انکار کا سوال نہیں جیسا کہ بعض اکابر مفسرین نے سمجھا۔

قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِيْ، غرض کہ وہ میرے پیچھے آرہے ہیں یکے بعد دیگرے پہنچ جائیں گے۔ وَعَجِلْتُ اور میں ان سے سبقت کرکے عجلت کی۔ اِلَيْكَ، تیرے ہاں۔ رَبِّ، اے میرے پروردگار! لِتَرْضٰى ۝ تاکہ تیری فرمانبرداری اور تیرے وعدہ کے ایفاء میں جلد بازی سے تو راضی ہو۔

آیات کے فوائد دونوں آیتیں مذکورہ میں مختلف معانی کی طرف اشارہ ہے۔

(۱) سیر الی اللہ میں جلد بازی کرنی چاہیئے۔ اس معاملہ میں سستی اچھی نہیں اور یقین کرے کہ سیر الی اللہ میں عجلت بہتر امر ہے اور دین میں عجلت ممدوح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وسارعوا الی مغفرة من ربكم (اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت کی طرف جلد بازی کرو)۔

،سل ہیں طلب الٰہی میں عجلت ضروری ہے۔

مثنوی شریف میں ہے:

۱۔ گر گران و گر شتابندہ بود
آنکہ جوئیندہ است یابندہ بود

۲۔ در طلب زن دائماً تو ہر دو دست
کہ طلب در راہ نیکو رہبر است

ترجمہ: (۱) اگرچہ آہستہ چلنے والا ہے یا تیز دوڑنے والے بالآخر طلب کنندہ مقصد حاصل کر لیتا ہے۔
(۲) طلب میں ہاتھ پاؤں مارنے چاہئیں اس لیے کہ طلب بہترین رہبر ہے۔

اور وارد ہے کہ جملہ امور اپنے اوقات سے وابستہ ہیں۔ اسی لیے فرمایا ؎

چو صبح وصل او خواہد دمیدن عاقبت جامی
مخور غم گر شب ہجران بپایان دیر می آید

ترجمہ: اے جامی جب اس کے وصال کی صبح چمکنی ہے تو غم نہ کھا اگر شب ہجر انتہا کو پہنچ گئی ہے۔

(۲) سیر الی اللہ میں کسی وجہ سے نہ رکے۔ دیکھئے موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کا انتظار کیے بغیر جلدی سے کوہ طور پر پہنچ گئے۔

حکایت مجنوں: منقول ہے کہ مجنوں عامری نے اونٹنی کو راستہ میں چھوڑ دیا جب دیکھا کہ وہ لیلیٰ تک پہنچنے میں دیر کر رہی ہے اور منہ کے بل چلنے لگا۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

۱۔ راہ نزدیک و بماندم سخت دیر
سیر گشتم زین سواری سیر سیر

۲۔ سرنگوں خود را ز اشتر در فگند
گفت سو زیدم ز غم تا چند چند

۳۔ تنگ شد بروی بیابان فراخ
خویشتن افگند اندر سنگلاخ

۴۔ چون چنان افگند خود را سوی پست
از قضا آن لحظہ پایش ہم شکست

۵۔ پاے را بربست و گفتا گو شوم
در خم چوگان غلطان می روم

۶ - عشق مولیٰ کی کم از لیلیٰ بود
گوی گشتن بہر او اولیٰ بود

۷ - گوی شو می گرد بر پہلوی صدق
غلط غلطاں در خم چوگان عشق

ترجمہ : (۱) نزدیکی راہ کے باوجود تا حال میں اپنے محبوب کے ہاں نہیں پہنچ سکا اتنی دیر میری سواری نے لگا دی ۔

(۲) سر کے بل گر پڑے اور اونٹنی کو چھوڑ دیا اور کہا کہ غم ہجر میں کب تک جلتا رہوں گا ۔

(۳) اس پر بیابان سخت تنگ ہوگیا اگرچہ فراخ تھا اسی لیے اپنے آپ کو زمین پہ دے مارا ۔

(۴) جب اس نے اپنے آپ کو نیچے گرایا تو اس کا پاؤں بھی ٹوٹ گیا ۔

(۵) پاؤں پر پٹی باندھ کر کہا کہ مجھے مایوس ہوکر بیٹھنے کی بجائے جلدی سے جانا چاہیئے ۔

(۶) مولیٰ کا عشق لیلیٰ سے کیا کم ہے ۔ اس کی گلی کا چکر لگانا بہتر ہے ۔

(۷) اس کی گلی میں صدق دل سے چکر لگانے چاہئیں جیسے گیند ڈنڈے کے ہاتھ سے غلطاں ہوتی ہے ہمیں بھی عشق کے ڈنڈے میں ایسے ہی گھومنا چاہیئے ۔

(۳) سیر الی اللہ میں نیت خالص ہو اور صرف اسی کی طلب کا ارادہ ہو غیر کا تصور بھی ہو جیسے موسیٰ علیہ السلام نے کہا : عجلت الی ربی
اس سے واضح ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کا ارادہ صرف ذاتِ الٰہی کا تھا ۔

حضرت کمال خجندی نے فرمایا ؎

سالک پاک رو نخوانندش
آنکہ از ماسوی منزہ نیست

ترجمہ : اسے پاک باز سالک نہیں جا سکتا جو ماسوی سے بچا ہوا نہیں ۔

(۴) سالک پر لازم ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب ہو اسے اپنی نفسانیت کا مطلقاً تصور نہ ہو ۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے کہا : (لترضیٰ) (کذا فی التاویلات النجمیہ) ۔

تفسیر عالمانہ قَالَ ۔ یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ تو ہم نے تمہارے بعد تمہاری قوم کو آزمائش میں ڈال دیا ہے یعنے جب تم اپنے شہر سے نکلے تو تمہاری برادری کو ہم نے ایمان کے بارے میں آزمایا وہ اس طرح کہ ہم نے بچھڑا پیدا کیا تو وہ اس کو پوجنے لگ گئے ۔

ف : موسیٰ علیہ السلام جاتے وقت ساحل دریا پر ہارون علیہ السلام کے ماتحت چھ لاکھ بنی اسرائیل کو چھوڑ آئے تھے یہ سب بچھڑے کی پوجا میں مبتلا ہوئے صرف ان میں سے بارہ ہزار بچ گئے ۔

ف : موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جاتے وقت تم نے ہارون علیہ السلام سے کہا ، اخلفنی فی قومی ، کیا مجھے بھول گئے کہ بجائے میرے ہارون علیہ السلام پر اعتماد کیا[1]

ف : اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کے امور میں آزمائش ہی آزمائش ہے ۔ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

ان البلاء موکل بالانبیاء الامثل فالامثل — بے شک آزمائش انبیاء علیہم السلام کے لیے مقرر ہے ۔ اس کے بعد جتنا قرب ہوگا اتنا ہی آزمائش ہوگی ۔

نکتہ : اللہ والوں کے لیے آزمائش ایسے ہے جیسے سونے کے لیے آگ ۔

ف : آزمائش نبی علیہ السلام کے اس امتی یا شیخ کے اس مرید سے ہوتی ہے جنھیں ان حضرات سے قرب حاصل ہوگا لیکن اس وقت جب وہ ان کی صحبت سے دور رہوں جیسے فانا قد فتنا قومك من بعدك سے معلوم ہوتا ہے یعنے اے موسیٰ علیہ السلام ہم نے ان کو آزمائش میں اس وقت ڈالا جب آپ ان کو چھوڑ کر آئے اس لیے کہ مسافر جب قافلہ سے دور ہو تو پھر تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے بلکہ بسا اوقات ڈاکوں کا شکار ہو جاتا ہے ۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

قطع این مرحلہ بے ہمرہیٔ خضر مکن
ظلماتست بترس از خطر گمراہی

ترجمہ : اس منزل کا طے کرنا رہبر کے بغیر خیال میں نہ لا کیونکہ یہاں بڑے خطرے ہیں اسی لیے گم ہو جانے کے خطرے سے ڈرو ۔

بنی اسرائیل کی غلط فہمی

بنی اسرائیل کو موسیٰ علیہ السلام نے چالیس ایام کے بعد واپسی کا وعدہ کر کے تشریف لے گئے تو بنی اسرائیل دن رات کو ملا کر بیسویں دن سمجھے کہ وعدہ ختم ہو گیا لیکن موسیٰ علیہ السلام کی واپسی کا نام ونشان تک نہیں اس سے سامری کو گمراہ کرنے کا موقعہ مل گیا ۔ چنانچہ فرمایا :

وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ۝ انھیں سامری نے گمراہ کیا کیونکہ اسی آزمائش اور بچھڑے کی پرستش کا اصلی محرک وموجب یہی تھا ۔

نکتہ : اضلال کو سامری کی طرف اور فتنہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے میں اشارہ ہے کہ ان کی گمراہی کا سبب سامری کو دعوت وتقریر تھی اور فعل کا صدور قدرت وارادۂ وتخلیق حق سے تھا اسی لیے افعال کو کبھی اسباب کی طرف اور کبھی مسببات کی طرف منسوب کیا

---

[1] : یہ انبیاء علیہم السلام کی ترقی قرب کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے ظاہری اسباب پر سہارا بھی گوارہ نہیں فرمایا ۔ ورنہ ظاہری اسباب کو عمل میں لانا عین اسلام ہے لیکن خاص لوگوں کے لیے یہ بھی جائز نہیں ، سچ ہے کہ حسنات الابرار سیئات المقربین ۔ (اویسی غفرلہ)

جاتا ہے ۔

سوال : اللہ تعالٰی نے ان کی آزمائش کو موسٰی علیہ السلام کے فوراً بعد جانے کو کیسے بیان فرمایا جب کہ اس کا وقوع تو بیس[۲۰] روز بعد ہوا تھا جیسے ابھی گذرا ؟

جواب[۱] : اللہ تعالٰی نے اپنے علم و مشیت کی بنا پر فرمایا جو شئے عنقریب وقوع پذیر ہونے والی تھی موسٰی علیہ السلام کو اس کی خبر قبل از وقت دے دی تھی ۔

جواب[۲] : سامری نے اس فتنے کا آغاز موسٰی علیہ السلام کے تشریف لے جانے کے فوراً بعد کر دیا تھا اسی معنے پر فتنہ و آزمائش خبر دینے کے وقت گویا واقع ہوگئی ۔

سامری کا تعارف سامری عظمائے بنی اسرائیل سے ایک شخص تھا از قبیلہ سامرہ یا اہل کرمان میں سے تھا۔ جو گائے پرست تھے وہ بنی اسرائیل میں آکر مسلمان ہوگیا لیکن اس کے دل میں گائے پرستی کی محبت بدستور تھی۔ اسی لیے بنی اسرائیل گائے پرستی میں مبتلا ہوئے ۔ اور گائے (بچھڑے) میں آواز کا سبب جبریل علیہ السلام کی گھوڑی بنام حیزوم کے کھروں کے نیچے کی مٹی لی جسے اس نے پگھلے ہوئے سونے میں ڈالا تو وہ بچھڑا بولنے لگا اور یہ کارروائی اسے شیطان نے بتائی ۔

جبریل علیہ السلام کی گھوڑی کے کھروں کی مٹی کا واقعہ کاشفی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ صحیح تر یہ ہے کہ سامری بھی بنی اسرائیل کا ایک فرد تھا اس لیے کہ جب فرعون بنی اسرائیل کے لڑکوں کو ذبح کر ڈالتا تھا یہ اسی سال پیدا ہوا لیکن اس کی ماں نے اسے دریائے نیل کے ایک جزیرہ میں ڈال دیا۔ اللہ تعالٰی نے جبرئیل کو فرمایا کہ اس کی حفاظت کریں۔ جوان ہوگیا اور ہارون علیہ السلام کے ہاں حاضر ہوا۔ جب موسٰی علیہ السلام کوہ طور پر تشریف لے گئے اور آکر کہا کہ قوم ایک غلطی میں مبتلا ہے جو شرعاً ناجائز ہے وہ یہ ہے کہ وہ زیورات جو فرعونیوں سے لیے گئے تھے اس کی خرید و فروخت کر رہے ہیں۔ لازم ہے کہ ان سے زیورات لے کر انھیں جلا کر ایک گڑھے میں محفوظ کر لیے جائیں۔ چنانچہ زیورات جلائے گئے۔ چونکہ سامری ایک چالاک شخص تھا اس نے اس پگھلے ہوئے سونے سے بچھڑا تیار کر لیا۔ پھر جبریل علیہ السلام کی گھوڑی (جو فرس الحیاۃ ہے) کے پاؤں کے نیچے سے تھوڑی سی مٹی لے کر اس بچھڑے پر ڈالی تو وہ فوراً زندہ ہوگیا۔ اس پر گوشت پوست بھی پیدا ہوا اور وہ آواز نکالنے لگا۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ زندہ نہ ہوا صرف اس سے ایک قسم کی آواز نکلتی تھی۔ چنانچہ بنی اسرائیل چار سو آئے اور بچھڑے کو سجدہ کرنے لگے ۔ اللہ تعالٰی نے موسٰی علیہ السلام کو اطلاع دی کہ تمھارے گھر سے نکلنے کے بعد تمھاری قوم بچھڑے کی پرستش میں مبتلا ہوگئی ۔

فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ ، موسٰی علیہ السلام اپنی قوم کی طرف لوٹے جب آپ کے چالیس دن پورے ہوگئے وہ ذوقعدہ کا مکمل ماہ اور ذوالحج کے دس روز تھے ۔ اور وہ تختیاں بھی ساتھ لائے جن میں تورات لکھی ہوئی تھی۔ اس کی ایک ہزار سورتیں اور ہر ایک سورت ایک ہزار آیت پر مشتمل تھی جس کا بوجھ ستر اونٹ اٹھاتے تھے ۔ غَضْبَانَ ۔ درآنحالیکہ خشمناک اور پریشان ۔ اَسِفًا ہ ان کے کردار سے غمگین یعنے ان کے اس غلط عمل سے موسٰی علیہ السلام کو سخت غم لاحق ہوا یا سخت غضبناک ہوئے ۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اچانک موت کے بارے میں فرمایا :

رحمۃ للمومنین واسیف للکفرین — یہ اہلِ ایمان کے لیے رحمت اور کفار کے لیے سخت ترین غضب الٰہی ہے ۔

حدیث شریف مذکورہ میں اسیف اسی اسف سے ہے ۔

امام راغب رحمہ اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ حزن وغضب ہر دونوں کے یک وقت کے وقوع کو اسف کہتے ہیں اور کبھی ہر ایک کے لیے علیحدہ علیحدہ مستعمل ہے ۔

ف : حضرت کاشفی نے لکھا کہ جب موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ہاں تشریف لائے تو انہیں دیکھا کہ وہ بچھڑے کے اردگرد دف بجاتے اور رقص کرتے تھے آپ نے غصے سے انھیں جھڑکتے ہوئے کہا :

قَالَ فرمایا ، یٰقَوْمِ اے میری قوم ، اَلَمْ یَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ؕ کیا تمہارے پروردگار نے تمہارے ساتھ اچھا وعدہ نہیں کیا تھا یعنے اس نے فرمایا کہ میں تمہیں تورات عطا کروں گا جس میں نور و ہدایت ہے اور یہ اس کا ایسا سچا وعدہ تھا کہ جس سے تمہیں انکار ہو ہی نہیں سکتا ۔

ف : بحر العلوم میں لکھا ہے کہ وعدا حسنا یعنے حسن میں انتہا کو پہنچنے والا وعدہ کیونکہ بنی اسرائیل سے وعدہ کیا کہ میں تمہیں تورات عطا فرماؤں گا جس میں نور وہدایت ہے اور یہ ایسا وعدہ ہے کہ اس سے احسن و اجمل اور کوئی وعدہ نہیں ہو سکتا ۔

ف : اس میں اشارہ ہے کہ بسا اوقات وعدۂ الٰہی آزمائش و فتنہ کا سبب بن جاتا ہے جیسے بنی اسرائیل سے وعدہ فرمایا کہ انھیں تورات عطا فرمائے گا جس میں ہدایت و نور ہوگا لیکن ایفائے عہد کے بعد انھیں گمراہی اور گوسالہ پرستی میں مبتلا فرما دیا ۔ ہاں کے جس میں حسن کی صفت ہو اس سے یقین ہوگا کہ اس کا انجام نیک ہوگا ۔ چنانچہ بنی اسرائیل کو بالآخر توبہ ، نجات اور رفع درجات نصیب ہوئے ۔

اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ ۔ فا مقدر پر عطف کی وجہ سے ہے اور ہمزہ معطوف کے انکار کے لیے ہے اور اس سے معطوف کی نفی مقصود ہے ۔ دراصل عبارت یوں ہے :

اوعدکم ذالک فطال ... الخ یعنے کیا اللہ تعالٰے نے تمہارے ساتھ اس کا وعدہ کیا تو کیا ایفائے عہد کا زمانہ طویل ہو گیا تھا جس کی وجہ سے تم غلطی کا شکار ہو گئے ۔

ف : جلالین شریف میں ہے کہ اس سے موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سے اپنی مفارقت کی مدت کے متعلق فرما رہے ہیں مثلاً اہلِ عرب کہتے ہیں "طال عہدی بک "

اس سے یہ مراد ہوتی ہے :

طال زمانی بسبب مفارقتی رہبری ، فاقت سے مدت طویل ہو گئی) ۔

اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ ، یا تمہارا ارادہ تھا کہ لازم ہو جائے ۔ یحل بمعنے یجب ہے ۔ جیسے ہم نے پہلے لکھا ہے ۔

عَلَيْكُمْ غَضَبٌ، تمھارے اوپر غضب یعنے بڑا عذاب اور انتقام شدید۔ مِّنْ رَّبِّكُمْ تمھارے پروردگار سے یعنے تمھارے جملہ امور کے مالک علی الاطلاق کی طرف سے بسبب اس کے پرستش میں مبتلا ہونے کے جو غباوۃ وحماقت میں ضرب المثل ہے یعنے بچھڑا۔ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ ○ تم نے میرے وعدے کے خلاف کیا جب کہ تمھارا میرے ساتھ معاہدہ تھا کہ تم میری واپسی تک میرے فرمان پر ثابت قدم رہو گے۔

ف : موعدی میں مصدر اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے اور فاء اپنے مابعد کی ترتیب کے لیے ہے کہ وہ ہر دونوں کی علی سبیل البدل تردید فرما رہے ہیں گویا فرمایا کیا تم نے میری مدت کی مفارقت سے وعدہ کو بھلا بیٹھے۔ اسی لیے خلاف کا ارتکاب کر کے خطا کار ہوتے یا پھر تمھارا یہی ارادہ تھا کہ تم پر غضب الٰہی واجب ہو جاتے اسی لیے تم نے عمداً اس کا ارتکاب کیا۔

قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ انھوں نے کہا کہ ہم نے آپ کے وعدہ یعنے حکم پر ثابت قدمی کا خلاف نہیں کیا بِمَلْكِنَا، اپنی قدرت اور اختیارات سے لیکن ہم پر سامری کا داؤ وفریب اور اس کی دھوکہ سازی سے کیونکہ انسان جب کسی فتنہ و آزمائش میں مبتلا ہوتا ہے تو وہ اپنے اختیار میں نہیں رہتا بلکہ وہ مغلوب ہو کر غلطی کر لیتا ہے۔ ملك بمعنے قدرت۔ وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ۔ الوزر (بالکسر) بمعنے سخت بوجھ اس سے قبطیوں کے وہ زیورات مراد ہیں جو انھوں نے گھروں سے نکلتے وقت قبطیوں سے شادی پر جانے کے لیے استعارۃً لیے تھے۔ فَقَذَفْنٰهَا، ہم نے انھیں آگ میں پھینک دیا تاکہ غیر کی ملک کے تصرف کے گناہ سے بچ جائیں۔ فَكَذٰلِكَ، اسی ڈالنے پر۔ اَلْقَى السَّامِرِيُّ ○ سامری نے بھی عاریتہً زیورات آگ میں پھینک دیئے تاکہ سب کو یقین ہو کہ وہ بھی ان کی طرح بیگانے زیورات آگ میں ڈال رہا ہے حالانکہ اس نے تو وہ مٹی آگ میں پھینکی تھی جو جبریل علیہ السلام کی گھوڑی کے پاؤں کے نیچے سے اٹھائی تھی اور مٹی کی تاثیر تھی کہ اسے جب آگ میں ڈالا جاتا تھا تو وہ اس کی ہیبت تبدیل کر دیتی تھی اور یہ ایک کرامت تھی جو اللہ تعالےٰ نے روح القدس کو عطا فرمائی تھی۔

فَاَخْرَجَ لَهُمْ، تو سامری نے اس مٹی کے سبب سے بنی اسرائیل کے لیے نکالا۔ عِجْلًا، بچھڑا یعنے ان پگھلے ہوئے زیورات سے۔ جَسَدًا یہ عجلًا سے بدل ہے یعنے ایک جسم مطلق یا وہ جسم جس میں خون اور گوشت تھا یا وہ سونے کا بچھڑا جس میں روح نہ تھی۔

ف : گمراہ سے ایسا امر صادر ہونا ممتنع نہیں بلکہ اسے استدراج سے تعبیر کیا جائے گا۔

لَّهٗ خُوَارٌ۔ عجلا کی صفت ہے اور یہ خار العمل خواراً سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب بچھڑا کچھ آوازیں نکلے جونہی بنی اسرائیل نے بچھڑے سے ایسی آواز سنی تو سجدے میں گر گئے۔ فَقَالُوْا هٰذَآ سامری اور اس کے ساتھ وہ بنی اسرائیل جنھوں نے بچھڑے کی سب سے پہلے یہی کیفیت دیکھی تو کہا۔ هٰذَآ یہ بچھڑا۔ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۥ فَنَسِيَ تمھارا اور موسیٰ علیہ السلام کا معبود ہے لیکن وہ اس کو بھول گیا کہ تو یہاں ہے اور وہ اسے کوہ طور پر ڈھونڈنے چلا گیا۔ اس میں اللہ تعالےٰ نے سامری کی گمراہ کی حکایت کا نتیجہ قولاً وفعلاً بیان فرمایا تاکہ اس کے مضمون میں تقریر کی تاکید ہو اس کے بعد اس پر انکار کو مرتب فرمائے گا

اور یہ قائلین کی طرف سے نہیں ورنہ فاجرج لنا ہوتا۔

ف: اس میں شک نہیں کہ اسے اللہ تعالےٰ نے ان سے آزمائش و ابتلار کے طور پر بچھڑے کو پیدا فرمایا تاکہ سچے پکے اور کمزور کے درمیان امتیاز ہو اور اس سے عجیب تر ابلیس کی تخلیق ہے کہ دنیا بھر کے سچے اور کچے انسانوں کی آزمائش کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

اَفَلَا يَـرَوْنَ۔ فاء مقدر فعل پر عطف کے لیے ہے اور مقام کا تقاضا یونہی ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی:
الا يتفكرون فلا يعلمون (تفکر نہیں کرتے تو اسی لیے وہ کچھ نہیں جانتے)۔
ان مخففہ من المثقلہ ہے۔

اَلَّا يَرْجِعُ بے شک یہ بچھڑا انہیں لوٹاتا۔ **اِلَيْهِمْ** ان کی طرف۔ **قَوْلًا** کوئی بات اور نہ ہی انھیں کسی سوال کا جواب دیتا ہے یعنے یہ جب اس کے ساتھ بات کرتے ہیں تو وہ انھیں کوئی جواب نہیں دیتا پھر انھیں کیسے وہم ہوا کہ یہ معبود ہے۔ لا يرجع الرجع سے ہے بمعنے اعادہ۔ یہ رجوع سے نہیں کیونکہ رجوع فعل لازم ہے بمعنے العود۔ **وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّ نَفْعًا** ○ اور نہ وہ قدرت رکھتا ہے کہ وہ ان سے نقصان دور کرے یا انھیں نفع پہنچائے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ جب اللہ تعالےٰ کسی شے کے متعلق قضا و قدر لازم کرتا ہے تو باوجودیکہ مشاہدۂ آیات و معائنہ معجزات سے سرفراز ہو چکے ہوتے ہیں لیکن ان سے وہ قوت سلب ہو جاتی ہے عقول ختم اور آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں۔ اسی لیے فرمایا: افلا یرون کیا وہ بچھڑے اور اس کے عجز کو نہ دیکھ رہے تھے۔ ان لا یرجع الیھم قولاً انھیں کسی بات کا جواب نہ دیتا تھا۔ و لا یملک لھم ضرا و لا نفعا اور نہ ہی ان سے نفع دور کر سکتا تھا اور نہ ہی کسی قسم کا نقصان دے سکتا تھا۔

فوائد: آیات سے چند فوائد حاصل ہوئے:

(۱) اللہ تعالےٰ کے لیے ناراض ہونا، انسان کامل کی فطری عادت ہے کیونکہ وہ حضرت الٰہیہ کا آئینہ ہوتا ہے اور حضرت الٰہیہ میں غضب بھی ہے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم اپنی ذات کے لیے کبھی ناراض نہ ہوتے اور جب کسی پر ناراض ہوتے تو وہ غضب و عذاب الٰہی سے بچ کر نہ نکلتا تھا۔

ف: بعض بزرگانِ خدا ایسے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ ان کے ناراض ہونے پر ناراض ہوتا ہے اور ان کی خوشی سے خوش ہوتا ہے اور ان نفوس قدسی کا غضب عین غضب حق اور ان کی رضا عین رضائے الٰہی ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ کسی بندۂ خدا کا غضب اللہ تعالےٰ کے غضب کا مظہر ہوتا ہے کیونکہ یہی حضرات اللہ تعالےٰ کے صفات کے مظاہر ہیں جملہ اسماء و صفات کا ظہور ان سے ہی ہوتا ہے اسی لیے ان کا غضب عام انسانوں جیسا نہیں ہوتا۔

ف: حضرت عبد اللہ الرضی نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کا ناراض ہونا ہماری طرح نہیں بلکہ اس کی ناراضگی اور رضا اولیاء اللہ کی ناراضگی و رضا

سے ظاہر ہوتی ہے کیونکہ ان کا غضب و رضا عین غضب و رضائے حق ہے۔ اس کی تائید حدیث قدسی سے ہوتی ہے:

من اھان لی ولیا فقد بارزنی فی المحاربۃ ۔ جو میرے کسی ولی کی اہانت کرتا ہے وہ جنگ کے لیے میرے بالمقابل ہوتا ہے۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ انبیاء عظام و اولیاء کرام وعلی نبینا علیہم السلام کے طریقے کو اپنائے کہ جب بھی کوئی بُرا امر دیکھے تو اللہ کے لیے ناراض ہو۔ ؎

کرت نہی منکر بر آید ز دست
نشاید بجوبی دست و پایان نشست
چو دست و زبان را نماند مجال
بہمت نمایند مردے رجال

ترجمہ: (۱) جب تجھ سے گناہ سرزد ہو تو لنگڑا لولا ہو کر مت بیٹھ۔
(۲) جب ہاتھ اور زبان کی طاقت جواب دے جائے تو پھر اللہ والے دعا سے کام لیتے ہیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب وعدہ خلافی و نقض عہدی ہے طالب حق پر لازم ہے کہ وہ استقامت و ثبات پر التزام کرے۔ ؎

از دم صبح ازل تا آخر شام ابد
دوستی و مہر بریک عہد ویک میثاق بود

ترجمہ: صبح ازل سے شام ابد تک دوستی اور محبت ایک ہی عہد و میثاق پر ہو۔

ف: وصایا الفتوحات میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ جو تمہارے ہاں امید لے کر آئے اسے ناامید نہ کرنا اور جو تم سے پناہ مانگے اسے پناہ دینا۔

حکایت موسیٰ علیہ السلام کہیں جا رہے تھے کہ آپ کے کاندھے پر کبوتر پناہ گزیں ہوا اس کے پکڑنے کے لیے آپ کے دوسرے کاندھے پر باز بھی پہنچ گیا۔ کبوتر آپ کی آستین میں داخل ہو کر پناہ چاہتا تھا اور باز کو اللہ تعالیٰ نے بولنے کی طاقت دی۔ اس نے عرض کی کہ اے ابن عمران میں آپ سے بے مراد نہ جاؤں گا اور آپ میرے رزق کے درمیان حائل نہ ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے دل میں سوچا کہ اس میں میرا امتحان ہے اسی لیے باز سے کہا کہ مجھ سے کبوتر نے پناہ مانگی ہے اس سے وعدہ پورا کرنا ہے۔ اس لیے معاف کیجئے۔ ہاں! اگر واقعی گوشت کی ضرورت ہے تو لیجئے کہ یہ میری ران ہے اس سے گوشت لیجئے۔ باز اور کبوتر دونوں بول پڑے اور کہا کہ اے ابن عمران جلدی نہ کیجئے ہم دونوں اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں آپ کی آزمائش کے لیے آئے تھے۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۳۵۳ پر)

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَ
اَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ۝ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ۝ قَالَ يٰهٰرُوْنُ
مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ۝ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ۭ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ۝ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ
وَلَا بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ۝ قَالَ
فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ۝ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ
فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ۝ قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ
وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ۭ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ
لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ۝ اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ
عِلْمًا ۝ كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ۝
مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ۭ وَسَاۗءَ لَهُمْ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ۝ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَىِٕذٍ زُرْقًا ۝ يَّتَخَافَتُوْنَ
بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ۝ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ
لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ۝

ترجمہ: اور بے شک انھیں اس سے پہلے ہارون (علیہ السلام) نے کہا کہ اے میری قوم! بے شک تم اس سبب سے فتنے میں پھنس گئے اور بے شک تمھارا رب رحمٰن ہے تو میری پیروی کرو اور میرا حکم مانو۔ انھوں نے کہا کہ ہم تو اس کی عبادت پر برابر جمے بیٹھے رہیں گے یہاں تک کہ ہمارے ہاں موسےٰ (علیہ السلام) واپس آئیں۔ کہا اے ہارون! (علیہ السلام) جب تو نے انھیں گمراہ ہوتے دیکھا تو تمھیں کس بات نے میری تابعداری سے روکا تو کیا تو نے میرا فرمان نہ مانا۔ کہا، اے میری ماں کے بیٹے! میری ڈاڑھی نہ پکڑ اور نہ میرے سر کے بال۔ مجھے خطرہ ہے کہ تم کہو کہ میں نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈالا ہے اور میں نے تیری بات کا انتظار نہ کیا۔ کہا، اے سامری! اب بتا تیرا کیا حال ہے۔ کہا، میں نے وہ چیز دیکھی جسے دوسروں نے نہ دیکھا۔ تو میں نے رسول (فرشتے) کے نشان سے ایک مٹھی بھر لی پھر میں نے اسے ڈال دیا۔ اور ایسے ہی میرے جی میں بھلا لگا۔ کہا کہ تو جا، دنیوی زندگی میں تیری سزا یہ ہے کہ تو کہا کرے کہ ہاتھ مت لگاؤ اور بے شک تیرے لیے ایک وقت مقرر ہے جس کے خلاف نہ ہوگا۔ اور اپنے معبودِ باطل کو دیکھ جس پر (عبادت کے لیے) جما بیٹھا تھا۔ قسم ہے ہم اسے ضرور جلائیں گے پھر اس کی راکھ کو ریزہ ریزہ کر کے دریا میں بہا دیں گے بے شک تمھارا معبود تو وہی اللہ ہے جس کے سوا اور کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہر شئے کو اس کا علم محیط ہے۔ اسی طرح ہم تمھیں گذشتہ خبریں بیان کرتے ہیں اور بے شک ہم نے تمھیں اپنی

طرف سے ایک ذکر عطا کیا جو اس سے روگردانی کرے تو بے شک وہ قیامت میں ایک بوجھ اٹھائے گا۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور قیامت کے دن ان کے لیے یہ کیسا ہی برا بوجھ ہو گا جس دن صور پھونکا جائے اور اس دن ہم مجرموں کو نیلی آنکھوں والا کر کے اٹھائیں گے۔ وہ آپس میں آہستہ کہیں گے کہ تم (دنیا میں) صرف دس راتیں ٹھہرے تھے، جو باتیں وہ کہیں گے ہم انہیں خوب جانتے ہیں جب کہ ان میں بہتر رائے والا کہے گا کہ تم نہیں ٹھہرے مگر ایک دن۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۳۵۱)

ایا سامعا لیس السماع بنافع

اذا انت لم تفعل فما انت سامع

اذا کنت فی الدنیا من الخیر عاجزا

فما انت فی یوم القیامۃ صانع

ترجمہ: اے سننے والے تجھے سننا فائدہ نہ دے گا جب تو عمل نہیں کرتا تو اس سننے کا کیا فائدہ۔ جب تو دنیا میں کچھ نہیں کر سکتا تو پھر قیامت میں کیا کر سکے گا۔

(۳) متاع دنیا غرور و فساد و ہلاکت کا سامان ہے فرعون کو دیکھئے وہ کیسے دنیا کے ساز و سامان کے دھوکے سے ہلاک و تباہ ہوا اور سامری سے نصیحت حاصل کیجئے کہ وہ کیسے زیورات کے فریب سے اپنے آپ کو ذلیل و خوار کر بیٹھا ایسے ہی بنی اسرائیل اگر زیورات مصر سے نہ لاتے تو وہ بچھڑے کی پرستش میں مبتلا نہ ہوتے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے التجا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنی جناب سے کسی کامل ہدایت عطا فرمائے اور اپنے دروازے سے ہمیں محروم نہ فرمائے اور نہ ہی ہمیں عذاب کے اسباب میں مبتلا فرمائے۔ (آمین)

(تفسیر الآیات صفحہ گذشتہ)

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ ۔ بخدا ہارون علیہ السلام نے نصیحت فرمائی اور حقیقت امر سے انہیں آگاہ کیا کہ موسیٰ علیہ السلام کا انتظار کرو چنانچہ ان کے خطابات سنئے فرمایا يٰقَوْمِ اے میری قوم ۔ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۔ بے شک تم بچھڑے کی عبادت سے آزمائش کیے جا رہے ہو اور یہی تمہاری گمراہی کی بیّن دلیل ہے۔ ہم نے حصر لفظ انما سے سمجھا ہے جب کہ قوم نے اپنے دعویٰ میں اپنی ہدایت پر حصر کی اس سے کسی اور دلیل کو حصر کے لیے نہیں بتایا جا سکتا۔ اس کا مفہوم ہو گا کہ تم بچھڑے کی پرستش میں محصور نہیں

ہو گئے بلکہ تمھاری ہدایت ممکن ہے اور تمھارا گمراہ ہونا صرف بچھڑے کی پرستش میں محصور نہیں بلکہ تمھارا گمراہ ہونا دوسری وجہ سے بھی ہوسکتا ہے۔ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ، بے شک عبادت کا مستحق صرف رب رحمٰن ہی ہے کیونکہ وہی جملہ نعمتوں کا منعم ہے یہ بچھڑا پرستش کے لائق ہے بھی نہیں۔ لفظ رحمٰن میں اشارہ فرمایا کہ اگر تم اس غلطی سے توبہ کرلو تو وہ تمھاری توبہ بھی قبول کرے گا۔ اے میری قوم! جب معاملہ یونہی ہے تو فَاتَّبِعُوْنِیْ تو دین کے معاملہ میں میری اتباع کرو۔ وَاَطِیْعُوْٓا اَمْرِیْ اور میرے حکم کی اطاعت کرو اور بچھڑے کی پرستش چھوڑ دو۔

ف: ہارون علیہ السلام کی پند و نصیحت میں کیسی بہترین ترتیب ہے کہ پہلے باطل سے اجتناب کے لیے انما فتنتم۔الخ سے زجر و توبیخ فرمائی۔ اور اس سے ان کے شبہات کا ازالہ فرمایا یہ ایسے ہے کہ جیسے پہلے راستے سے کانٹے وغیرہ دور کیے جاتے ہیں پھر راستہ آسانی سے طے کیا جاتا ہے ایسے ہی ہارون علیہ السلام نے کیا ان کے دل کے کانٹے دور کرکے پھر دعوت حق پیش کی اور عرفانِ الٰہی سے آگاہ فرمایا۔

کما قال:

وان ربکم الرحمٰن فاتبعونی

پھر انھیں احکام شریعت کا پیغام دیا:

واطیعوا امری۔

ف: اس وعظ ہارون میں ان کی آپ اپنی ذات کے لیے بھی شفقت ہے اور قوم کے لیے بھی اپنے لیے تو بایں معنی ہے کہ وہ جو اللہ تعالےٰ سے امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر مامور تھے بجا لایا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نیابت "اخلفنی فی قومی واصلح ولا تتبع سبیل المفسدین" پہ صحیح اترے اگر وہ یہ حکم بجا نہ لاتے تو اللہ تعالےٰ اور موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت ہوتی اور وہ ناجائز ہے۔

یوشع علیہ السلام کی وحی اللہ تعالےٰ نے یوشع علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ میں تیری قوم سے نیک لوگوں کی چالیس ہزار کی جماعت کو تباہ و برباد کرنے والا ہوں اور ساٹھ ہزار بُرے لوگ بھی برباد اور تباہ ہوں گے یوشع علیہ السلام نے عرض کی کہ بُرے لوگ تو سزا و عذاب کے مستحق ہوتے ہیں ان کی تباہی و بربادی بجا، لیکن نیک لوگوں کی تباہی و بربادی کیوں؟ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ وہ اس لیے کہ نیک لوگ میری وجہ سے بُروں سے ناراض نہ ہوئے۔

حدیث شریف: محبت و شفقت اور رحم دلی اور پیار میں مسلمان آپس میں ایک جسم کی طرح ہیں جب جسم کا ایک عضو دکھ محسوس کرتا ہے تو سارا جسم ساری رات بے قرار اور بے آرام رہتا ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا

بنی آدم اعضائے یکدیگر ند
کہ در آفرینش زیک گوہرند
چوں عضوے بدرد آورد روزگار
دگر عضوہا را نماند قرار
تو کز محنت دیگراں بے غمے
نشاید کہ نامت نہند آدمی

ترجمہ : (۱) بنی آدم آپس میں ایک دوسرے کے اعضاء ہیں اس لیے کہ تخلیق میں ایک جوہر ہے ۔
(۲) جب زمانہ کی گرفت سے کسی عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو دوسرے اعضا کو قرار نہیں رہتا ۔
(۳) جب کہ تو دوسروں کی تکلیف سے بے غم ہے پھر تجھے آدمی نہیں کہنا چاہیئے ۔

ہارون علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ لوگ جہنم کے کنارے کھڑے ہیں تو پھر انھیں حق کی بات صاف صاف بتادی نہ تو ان کی کثرت سے خائف ہوتے اور نہ ہی ان کی نفرت سے ۔

ے

بگوی آنچہ دانی سخن سودمند
دگر ہیچ کس را نیاید پسند
کہ فردا پشیماں بر آرد خروش
کہ آوخ چرا حق نکردم بگوش

ترجمہ : (۱) جو بات تجھے حق نظر آتی ہے اسے کہہ ڈال اگرچہ کسی کو پسند نہ ہو ۔
(۲) کل قیامت سے پریشان حال فریاد کرے گا کہ افسوس کہ میں نے اچھی بات کو قبول نہ کیا ۔

[ردِّ رافضہ] شیعہ پارٹی ، "انت منی بمنزلۃ ھٰرونَ من موسٰی ، اے علی رضی اللہ عنہ تم میرے لیے ایسے ہیں جیسے ہارون علیہ السلام موسٰی علیہ السلام کے لیے" ، کو بڑے زور دار دلائل سے سمجھتے ہیں حالانکہ اسی روایت سے ان کی تردید ہوتی ہے وہ اس طرح کہ ہارون علیہ السلام نے تو تقیہ نہ کیا بلکہ بھرے مجمع میں منبر پر حق کو کھلم کھلا بیان کر دیا اور فرمایا کہ اس وقت تمھیں صرف میری متابعت ضروری ہے ۔ ایسے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ لوگ گمراہی میں جا رہے ہیں کہ وہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی اتباع کر رہے ہیں تو ان کا فرض تھا کہ کھلم کھلا کہہ دیتے کہ لوگو ! تمھیں میری متابعت ضروری ہے ان کا اس موقعہ پر تقیہ کرنا مناسب نہ تھا لیکن وہ حضرت ابوبکر ، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کی خلافت کے دوران میں خاموش رہے تو معلوم ہوا کہ وہ ان کی خلافت کو حق سمجھتے تھے ۔ (مترجم)]

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان بے دینوں کو قتل کر دیا جنھوں نے
دوسرا ردّ آپ کے لیے الوہیت کا دعویٰ کیا اگر تقیہ جائز سمجھتے ہوتے تو وہاں بھی خاموشی اختیار کرتے ورنہ پھر
ماننا پڑے گا کہ خلافت اصحابِ ثلاثہ ان کے نزدیک باطل نہیں بلکہ حق تھی ورنہ ان کے ساتھ بھی جنگ کرتے۔[1]

قَالُوْا ، بنی اسرائیل نے ہارون علیہ السلام کے جواب میں کہا کہ لَنْ نَّبْرَحَ ہم بچھڑے کو اور اس کی
پرستش کو ہرگز نہیں چھوڑیں گے۔ عٰكِفِيْنَ ، اس کی پرستش پر ہم ہمیشہ قائم رہیں گے۔

ف : امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ العکوف علی سبیل التعظیم کسی شے کی طرف متوجہ ہونا اور
اس کے ساتھ مقیم رہنا۔

ف : تفسیر کبیر میں ہے کہ یہ بنی اسرائیل پر خاص رحمت تھی کہ انھیں فرعون کے عذاب سے نجات دلائی اور پھر اپنی جہالت
سے تقلیداً گویا اللہ تعالیٰ کا مقابلہ کیا۔ چنانچہ کہا : لن نبرح علیہ عٰکفین۔

حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ○ یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام واپس تشریف لائیں اے ہارون !
ہمیں آپ کی دلیل قبول نہیں ہاں موسیٰ علیہ السلام واپس تشریف لا کر اگر مانع ہوئے تو ہم ان کی بات مان جائیں گے۔

ف : الارشاد میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی واپسی کو بچھڑے پر عکوف کی غایت بتائی لیکن وہ بھی بطریق وعدہ نہیں
بلکہ بطریق تعلل وتسویف تھا یعنے انھیں ان کو گمان تھا کہ موسیٰ علیہ السلام واپس ہو کر سامری کے خلاف نہیں کریں گے
اسی لیے ہارون علیہ السلام کی بات کاٹ کر موسیٰ علیہ السلام کی واپسی تک بچھڑا پرستی کا کہا۔

ہارون علیہ السلام کا بائیکاٹ کرنا جب ہارون علیہ السلام نے دیکھا کہ بنی اسرائیل ان کا فرمان نہیں مانتے تو
وہ اپنے ماننے والوں کو علیٰحدہ کر کے عبادتِ حق میں مشغول ہو گئے اور وہ بارہ ہزار
افراد تھے جنھوں نے بچھڑا پرستی نہ کی۔

ف : جب موسیٰ علیہ السلام واپس تشریف لائے تو صبح کے وقت بچھڑے اور بنی اسرائیل کا اس کے ارد گرد رقص کرنے کی آواز سنی
تو اپنے ستّر ساتھیوں سے فرمایا کہ یہ فتنہ و شرارت کی آواز معلوم ہوتی ہے، چنانچہ انھیں بلایا یا انھوں نے۔ وہی کیا جو پہلے
بیان ہوا۔

ف : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ بنی اسرائیل نے ہارون علیہ السلام کا فرمان سنا بھی نہ۔ وہ اس لیے کہ ان میں سمع حقیقی مفقود تھی
اسی لیے کہہ دیا : لن نبرح .... الخ

فائدہ صوفیانہ : اس سے معلوم ہوا کہ مرید جب کسی شیخ کامل واصل کی خدمت میں رہنے کی سعادت سے مشرف ہوا اور اس

---

[1] : رد رافضہ اضافہ از اویسی غفرلہٗ۔

کی صحبت کے فیوض و برکات سے مالامال ہو پھر اس کے ارشادات اور اوامر و نواہی کے مطابق پورا اترتا ہے تو اس کی ولایت کی برکت سے وہ مرید سمیع و بصیر ہو جاتا ہے یعنے شیخ کے نور ولایت کی وجہ سے وہ اسرار و معانی کو دیکھتا سنتا ہے حالانکہ اس سے قبل وہ ان اسرار و رموز سے بالکل ناآشنا تھا اس کے بعد اگر وہ شیخ کی صحبت سے قبل از تکمیل جدا ہو جاتا ہے تو پھر نور ولایت سے محرومی کی وجہ سے پہلے کی طرح بدستور اندھا اور بہرا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ پھر اسے شیخ کی صحبت نصیب ہو تو اس کے نور ولایت سے منور ہو کر اسرار و معانی کو دیکھے سنے گا۔

قَالَ ۔ یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے گویا کسی نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام نے واپسی پر ہارون علیہ السلام کو کیا فرمایا تو اس کے جواب میں کہا کہ موسیٰ علیہ السلام نے جب قوم کو بگڑا ہوا دیکھا اور ہارون علیہ السلام بھی قوم سے جواب انکار سن کر خاموش ہو رہے تو موسیٰ علیہ السلام نے غصے سے ہارون علیہ السلام کو ڈاڑھی اور سر کے بالوں سے پکڑا ۔ (اس لیے کہ ہارون علیہ السلام لمبے بالوں والے تھے) اور فرمایا: یٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ۝

اے ہارون! جب تو نے دیکھا کہ وہ بچھڑے کی پرستش سے سیدھے راستے سے بھٹک کر طریقۂ عبودیت الٰہی سے دور ہو گئے اور تیرے سامنے مکابرہ اور بڑے مقابلے کے مرتکب ہوئے ۔

اَلَّا تَتَّبِعَنِ ط لا زائدہ اور منع کا مفعول ثانی اور اذ کا عامل ہے۔ اب معنٰے یہ ہوا کہ جب تو انھیں گمراہی میں پھنستا دیکھ رہا تھا تو پھر تجھے کس شے نے میری تابعداری سے روکا کیا تمھیں معلوم تھا کہ ان کا یہ ارتکاب غضب الٰہی کا موجب ہے اور یہ بھی تمھیں معلوم تھا کہ ان کا یہ عمل کفر ہے اور کافروں سے جنگ کرنا ہمارا فرض ہے جس وقت یہ بچھڑے کی پرستش میں مبتلا ہوئے تو اگر تمھیں مقابلہ کی طاقت نہ تھی تو کم از کم مجھے آکر اطلاع کرتے تو فوراً واپس آجاتا اور انھیں سمجھاتا اور اس طرح یہ ایسی بدبختی سے بچ جاتے ۔

ف: تقریر مذکورہ میں لا زائدہ ہے ۔ بعض مفسرین کے نزدیک لا زائدہ نہیں ۔

اب منعك مجازاً بمعنے دعاك ہے ۔

اب معنے یہ ہوا کہ تمھیں کس شے نے ابھارہ کر تو نے میری اتباع نہ کی، تمھیں غضب الٰہی یاد نہ رہا اور نہ ہی تمھیں دینی حمیت کا تصور رہا۔

جیسے مَامنعك الا تسجد... الخ میں لا زائدہ و غیر زائدہ کی دو تقریریں ہیں۔ یہاں بھی ایسے ہی ہے ۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر پہنچ کر بحر شواہد حق میں مستغرق ہوئے تو انھیں غیر حق نظر بھی نہیں آتا تھا۔ اس کے درمیان میں حجابات و وسائط بالکل اٹھ گئے تھے، اسی لیے انھیں اللہ تعالےٰ نے انا قد فتنا قومك من بعدك واضلهم السامری فرما کر وسائط کی طرف متوجہ فرمایا اور چونکہ وہ اس وقت قریب حق میں تھے انھیں سوائے اسی کے اور کچھ مدنظر نہ تھا اسی لیے کہہ دیا:

ان ھی الا فتنتک ۔

یہاں آزمائش و ابتلاء کو ذات حق کی طرف منسوب فرمایا اس لیے کہ حقیقت کی حقانیت و غایت ضروری تھی لیکن یہ نور حقیقت شریعت کے نقش قدم پر چلنے سے میسر آتا ہے اسی لیے ہارون علیہ السلام کو فرمایا :

اَفَعَصَيْتَ اَمْرِیْ ○ باوجودیکہ میں امر دین کو پختہ اور مضبوط کر گیا تھا اور گویا اس پر مضبوط دیوار کھینچ گیا لیکن تو نے قوم کی طرح میرے خلاف کیا اور اللہ تعالٰی کے حکم کی پاسداری بھی نہ کی ۔

اخلفنی میں امر الٰہی و امر موسٰی ہر دونوں کو متضمن ہے اس لیے کہ خلیفہ وہی ہو سکتا ہے جو مستخلف کے جملہ امور کو پورے طور پر ادا کر سکے ۔ ہمزہ انکار توبیخ کے لیے ہے اور فاء عاطفہ ہے اس کا عطف فعل مقدر پر ہے جیسا کہ مقام موضوع کا تقاضا ہے یعنے تو نے میری مخالفت کر کے میری نافرمانی کر ڈالی ۔

قَالَ يَبْنَؤُمَّ ۔ ام رب کے بالمقابل ہوتی ہے یعنے والدہ جس سے یہ پیدا ہو لیکن عام اطلاق ام قریبہ کے لیے ہوتا ہے ورنہ ام بعیدہ کو بھی ام کہا جاتا ہے یعنے نانی کو بھی اُم کہنا جائز ہے ، ویسے ہر اس شے کو اُم کہا جا سکتا ہے جس سے کوئی شے کا وجود ہو تربیت کنندہ بھی ، ایسے ہی اصلاح کرنے والی کو یا شے کے ابتدا کرنے والے کو بھی اُم کہا جاتا ہے ۔ اور یہاں پر دراصل یا ابن امی تھا ۔ یاء کو الف سے تبدیل کیا گیا ہے یا ابن اما ہوا ۔ الف کو حذف کر کے بفتح المیم پڑھا گیا یہ بوجہ کثرت استعمال اور لفظ کو طوالت سے بچانے کے لیے کیا گیا ہے ویسے اصلی حالت پر رہتا تو اس میں تضعیف کی ثقالت بھی ہوتی ۔

ف : کو حذف کر کے میم کی کسرہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے ۔

نکتہ : ماں کی طرف منسوب کرنے میں ماں کے حقوق کی عظمت کا اظہار اور ماں کے نام سے موسٰی علیہ السلام کے دل کو نرم کرنا مطلوب ہے اور یہ بھی ظاہر کرنا تھا کہ وہ ایک ماں کے بیٹے تھے ۔ اور باپ بھی ایک تھا یہی جمہور کا مذہب ہے ۔

فائدہ صوفیانہ : بعض مشائخ نے فرمایا کہ ہارون علیہ السلام کی نبوت حضرت رحمت سے تھی ۔
کما قال تعالٰی :

ووھبنالہ من رحمتنا اخاہ ھارون نبیا ۔

اسی لیے ہارون علیہ السلام نے ماں کے واسطے سے ندا دی کیونکہ ماں کی رحمت بہ نسبت باپ کے زائد ہوتی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ماں تربیت اولاد میں دلچسپی لیتی ہے ۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جب ہارون علیہ السلام نے دیکھا کہ موسٰی علیہ السلام حضرت حق سے ذوق و شوق میں بھرپور ہیں اور نخوت قربت و اصطفاء و مکالمہ میں سرشار ہو کر آئے ہیں اسی لیے تواضع و انکسار سے کام لیتے ہوئے کہا :

یاابن ام — لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاسِيْ ؕ نہ میری ڈاڑھی نوچیے اور نہ ہی سر کے بال -

ابن امّ کی دو وجہ ہیں :

(۱) صلہ رحمی کا خیال آئے گا تو نرم پڑ جائیں گے -

(۲) موسیٰ علیہ السلام نے رویت حق کی طلب کی اور پھر ان پر تجلّی رب پڑی اس لیے بیہوش ہو کر گر سے۔ ان کی بیہوشی پر ملائکہ آئے اور ان کے سر کے بالوں سے پکڑا اور کہا کہ اے حیض والی اولاد اور مٹھی بھر کہاں تم کہاں وہ رب الارباب - تم بھی اس کی زیارت چاہتے ہو -

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

برو ایں دام بر مرغ دگر نہ
کہ عنقا را بلند است آشیانہ

ترجمہ: یہ دام کسی دوسرے مرغ کے دانے پر ڈال اسی لیے کہ عنقا کا آشیانہ بہت دور ہے -

؎

عنقا شکار کس نبود دام باز چنیں
کانجا ہمیشہ باد بدست است دام را

ترجمہ: عنقا کا شکار مشکل ہے اور نہ ہی ایسے کو کسی پھانسی پکڑ سکتی ہے جب کہ دام ہر وقت اس کی زد میں لگا ہے -

ف: مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کے سر کے بالوں کو دائیں ہاتھ سے اور داڑھی کو بائیں ہاتھ سے پکڑا۔ اس وقت آپ سخت غضب میں تھے اور ویسے بھی آپ غضب ناک اور سخت گیر تھے۔ اب جب کہ قوم کو بچھڑے کی پرستش کرتے دیکھا تو آپے سے باہر ہو کر وہی کیا جو ابھی معلوم ہوا لیکن یہ سب کچھ قوم کے سامنے ہو رہا تھا اور آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ ہارون علیہ السلام کے ساتھ کیا ہو رہا ہے اسی لیے ہارون علیہ السلام نے کہا :

اِنِّیْ خَشِیْتُ ، مجھے خوف ہے کہ یہ ایک دوسرے سے لڑیں گے اور ان کی جمعیت تفرقہ میں بدل جائے گی۔ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ ، تم کہو گے کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا ہے بتفریق سے ان کا جنگ و جدال سے آپس میں کٹ مرنا مراد ہے جب کہ اس وقت ایسی فضا نہ تھی۔

ف: جلالین میں ہے کہ مجھے خطرہ ہے کہ یہ آپس میں دو گروہ ہو کر مختلف طریقے سے لڑیں گے جن کا سنبھالنا مشکل ہو جائے گا پھر تم کہو گے کہ تونے اختلاف کھڑا کیا ہے -

وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ○ اور تو نے میرے امر کی حفاظت ، اصلاح اور نہ کوشش کی جیسا کہ میں تجھے

کہہ کر گیا تھا کہ

"اخلفنی فی قومی و اصلح"

اصلاح بمعنے منتشر لوگوں کو جمع رکھنا اور ان کی جماعتوں کی پوری نگرانی کرنا اور ان کی خاطر مدارات کا خیال رکھنا یہاں تک کہ میں واپس آؤں گا اور ہارون علیہ السلام نے جدوجہد میں کمی نہیں کی ان کی غلطی کا تدارک موسیٰ علیہ السلام ہی کر سکتے تھے ہارون علیہ السلام ان سے لڑ نہیں سکتے تھے کیونکہ وہ تعداد میں زیادہ اور یہ قلیل تھے۔ جیسا کہ آیت ذیل سے معلوم ہوتا ہے :

ان القوم استضعفونی و کادوا یقتلوننی ۔

ف : العیون میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے ہارون (علیہ السلام)، تو نے میرے امر کی نگرانی نہ کی یا تو نے میرے آنے کا انتظار نہ کیا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہارون علیہ السلام نے کہا کہ مجھے آپ کے امر کی نگرانی میں ایک رکاوٹ تھی اور آپ کے امر پر عمل کرنے کا عذر معقول تھا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں نے آپ کے حکم کی نافرمانی کی ہے ۔

ف : یہ ہارون علیہ السلام سے معذرت تھی اور معقول عذر انسان کی غلطیوں کو مٹا دیتا ہے ۔

عذر کے اقسام : عذر کے مندرجہ ذیل تین اقسام ہیں :

(۱) میں نے یہ کام کیا ہی نہیں ۔

(۲) کیا ہے لیکن فلاں وجہ درپیش تھی اور اس وجہ سے بندہ کا ارتکاب فعل معاف ہو جاتا ہے ۔

(۳) غلطی کی ہے لیکن آئندہ ایسی غلطی نہیں کروں گا ۔

اس تیسری کسی کی غلطی کا دوسرا نام توبہ ہے ۔

ف : توبہ کو عذر کہا جا سکتا ہے لیکن ہر عذر توبہ نہیں ہو سکتی ۔

ف : ہارون علیہ السلام حلیم اور رقیق القلب تھے ۔ اسی لیے بنی اسرائیل کو ان سے زیادہ محبت تھی ۔

نکتہ : سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

احسن الکنوز محبۃ القلوب — دلوں کی محبت بہترین خزانہ ہے ۔

حسن خلق اور بدخلق سقراط نے کہا کہ جس کا خلق اچھا وہ عیش کی زندگی بسر کرے گا اور ہمیشہ سلامتی و عافیت کے ساتھ رہے گا اور دلوں میں اس کی محبت ہو گی اور جس کا خلق بُرا ہے اس کا عیش مکدر اور بغض و عداوت

میں گھر جائے گا اور لوگوں کے دل بھی اس سے متنفر ہوں گے ؎

اری الحلم فی بعض المواضع ذلۃ
وفی بعضہا عزالیسوہ فاعلۃ

ترجمہ: بعض اوقات حلم ذلت کا سبب بنتا ہے لیکن بسا اوقات اس کا عامل عزت پاتا ہے اور لوگوں کے دلوں پر بادشاہی کرتا ہے۔

ارسطو کے اقوال

ارسطو نے کہا ہے ○ سچ گوئی انسان کی قدر و منزلت بڑھاتی ہے۔

○ تواضع دلوں کو موہ لیتی ہے۔

○ حلم دوستوں کی تعداد میں اضافہ کرتا ہے۔

○ نرمی قلوب پر شاہی کرتی ہے۔

○ وفا، اخوت زیادہ کرتی ہے۔

حدیث شریف: حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نرمی اور شفقت میں اعتدال سے کام لیتے اسی لیے اللہ تعالےٰ نے آپ کو اس طرح موصوف فرمایا:

"بالمومنین روف رحیم"

مثنوی شریف میں ہے ؎

۱ - بندگان حق رحیم و بردبار
خوی حق دارند در اصلاح کار

۲ - مہربان بے رشوتاں یاری گراں
در مقام سخت و در روز گراں

۳ - ہین بجو این قوم را اے مبتلا
ہین غنیمت دارشان پیش از بلا

ترجمہ: ۱ - بندگان حق، رحیم و بردبار ہوتے ہیں، اصلاح کار ہیں خوئے حق رکھتے ہیں۔

۲ - بلا رشوت کام کرتے ہیں مہربان ہوتے ہیں دوستوں کی مدد کرتے ہیں سخت اور مشکل اوقات میں کام آتے ہیں۔

۳ - اے مشکل میں پھنسنے والو! ایسے لوگوں کی تلاش میں رہو اس لیے کہ بلا کے آنے سے پہلے ایسے لوگوں کا حصول غنیمت سمجھ۔

قَالَ ، یہ ایک سوال کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ جب قوم اور ہارون علیہ السلام ایسی غلطی سے بری ثابت ہوئے اور ساری خرابی کا سرچشمہ سامری ثابت ہوا تو پھر موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے کیا فرمایا تو اس کے جواب میں فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ۝ الخطب لغت میں اس بہت بڑے کام کو کہا جاتا ہے جس میں تخاطب کی کثرت ہو یہ خبط سے مقلب ہے گویا ایسا آدمی بہت بڑے خبط میں مبتلا ہوتا ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے سامری! تیرا کیا معاملہ ہے اور اس غلط کاری سے تیرا مطلب کیا ہے اور کونسی بات نے تجھے اس کام پہ ابھارا۔ موسیٰ علیہ السلام نے سامری کے ساتھ اس لیے گفتگو فرمائی تاکہ عوام کو اس کی شرارت اور فتنہ و فساد اور مکر و فریب کا علم ہو جائے اور وہ اعتراف کرے کہ یہ میری غلطی ہے پھر اسے جب سزا دی جاتے تو قوم کو یہ کہنے کا موقعہ بھی نہ ملے کہ اس پر ظلم ہوا اور آنے والی نسلوں میں ایسے فتنہ ساز سر نہ اٹھا سکیں۔

ف : بعض مشائخ نے فرمایا کہ تو نے دشمن سے مل کر ہماری قوم کے لیے یہ فتنہ کیسے برپا کیا کہ بچھڑا بنا کر پرستش شروع کرا دی اور اموال کی بچھڑے میں شکل بنا ڈالی اور اموال میں ہی لوگوں کے دلوں کی بندش ہے۔ اسی لیے عیسٰے علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ اے بنی اسرائیل لوگوں کے دل اموال میں ہوتے ہیں اسی لیے اموال کو آسمان پر رکھا کرو تاکہ تمہارے قلوب آسمان پر ہوں یعنے اموال کو اللہ تعالےٰ کی راہ میں خرچ کیا کرو تاکہ تمہارا ثواب آسمان پر جاوے اور وہ دائمی اور باقی ہے۔

لطیفہ ، مال کو اسی لیے مال کہا جاتا ہے کہ اس کی ذات کی طرف قلوب کا میلان ہوتا ہے اور اسی سے مقاصد کا حصول اور حوائج پورے ہوتے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

مال دنیا دام مرغان ضعیف
ملک عقبیٰ دام مرغان شریف
ہین مشو گر عارفی مملوک ملک
مالک الملک آنکہ بجہید او زہلک

ترجمہ : مال دنیا کمزور پرندوں کی پھانسی ہے اور آخرت کا ملک شریف پرندوں کی۔
خبردار اگر تو عارف ہے کہ اس دنیا کے ملک کے قابو نہ آنا مالک الملک کی طرف جانے کی کوشش کرو تاکہ ہلاکت اور تباہی سے بچاؤ ہو جائے۔

قَالَ ، سامری نے موسیٰ علیہ السلام کے سوال کے جواب میں کہا۔ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ

حل لغات : قاموس میں ہے کہ بصر از باب کرم و فرح اس کا مصدر بصرا و بصارۃ بکسر یعنے وہ دیکھنے والا ہو گیا۔

ف : المفردات میں ہے کہ بصرت حاسہ سے دیکھنے کو کہا جاتا ہے۔ اسے قلب سے دیکھنے کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اب معنے یہ ہوا کہ میں نے وہ شے دیکھی جو دوسرے نہ دیکھ سکے۔

جبریل علیہ السلام کی گھوڑی میں حیات

سامری نے دیکھا کہ جبریل علیہ السلام جس سواری پر سوار ہیں وہ جہاں قدم رکھتی ہے تو وہاں سوکھا گھاس سبز ہو جاتا ہے اس سے میں نے سمجھا کہ اس کی کوئی تاثیر ضرور ہوگی، اسی لیے اس کے قدموں کے نیچے سے چٹکی بھر مٹی اٹھالی۔

تفسیر الکبیر میں ہے یہ اس نے اس وقت دیکھا جب دریا کو موسیٰ علیہ السلام عبور کر گئے اس کے بعد فرعون کی باری تھی تو فرعون کے گھوڑے کے آگے جبریل علیہ السلام گھوڑی لائے اور دریا میں داخل ہو گئے (اس کے جانے سے فرعون کا گھوڑا فرعون کے قابو میں نہ رہا اور وہ دریا میں کود ا۔ اس سے فرعون اور اس کی تمام قوم ڈوب کر مر گئی)۔

دوسری تفاسیر میں ہے کہ سامری نے یہ کیفیت دیکھی جب جبریل علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور کی جانب لے گئے اور جلالین شریف میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے ماجرا پوچھا تو اس نے کہا کہ میں نے جبریل علیہ السلام کو فرس الحیاۃ پر دیکھا تو میرے دل میں خیال گذرا کہ میں اس کے پاؤں سے مٹی کی چٹکی اٹھا لوں۔ چنانچہ میں نے جب بھی اس چٹکی میں سے کچھ مٹی کو جس شے پر بھی ڈالا تو اس پر گوشت پیدا ہو گیا اور اس کو روح مل گئی۔ میں نے جب بنی اسرائیل کو دیکھا کہ وہ آپ سے بچھڑا کو معبود بنانے کی استدعا کر چکے ہیں تو میں نے آپ کی عدم موجودگی میں ان کے لیے بچھڑا تیار کر کے ان کو پرستش کی دعوت دی۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ اس کے متعلق فرماتا ہے :

فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ، تو میں نے رسول کے قدموں کے نیچے سے ایک چٹکی بھر مٹی اٹھائی۔

یعنے اس فرشتے کی گھوڑی کے قدموں کے نیچے سے جو آپ کے پاس پیغام الٰہی لاتا ہے۔ اس سے فرس الحیاۃ مراد ہے جو جبریل علیہ السلام کو سواری کے لیے دی گئی تھی۔ اور یہاں نہ جبریل کہا اور نہ روح القدس اس لیے کہ وہ جبریل علیہ السلام سے متعارف نہ تھا۔

ف : قبضۃ ایک بار مٹھی بھر لینا یعنے کسی شے کی ایک بار مٹھی بھرنا۔ کبھی قبضۃ بمعنے مقبوض بھی ہوتا ہے۔

فَنَبَذْتُهَا :

حل لغات : النبذ بمعنے کسی شے کو غیر معتبر سمجھ کر نیچے پھینکنا۔

میں نے اسی مٹی کو پگھلے ہوئے زیورات یا بناوٹی بچھڑے کے منہ میں ڈالا۔ پھر لونہی ہو گیا جیسا کہ آپ اب دیکھ رہے ہیں۔

ف : العرائس میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام سے سامری نے سنا تھا کہ قدسیوں میں ایسی تاثیر ہوتی ہے کہ وہ بے جان میں جان ڈال دیتے ہیں[1] اسی لیے اس نے قدسی فرشتے کی سواری کے قدموں سے مٹی اٹھا کر بچھڑے میں ڈال دی جسے اللہ تعالےٰ نے اپنے نور قدرت سے اسے زندہ بنایا۔

[یہی ہمارا عقیدہ ہے کہ مُردوں میں روح اللہ تعالےٰ ڈالتا ہے اور اللہ والوں کی دُعا سبب بنتی ہے جیسے غوث جیلانی قدس سرہٗ نے بڑھیا کا بیڑا ترایا۔ تفصیل رسالہ " احیا الموتی بعد السنین " میں دیکھئے مصنف اویسی غفرلہٗ][2]

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ بصیرت یعنے میں نے دیکھا کہ اسے کرامت سے نوازا گیا ہے جب کہ اس گھوڑی کے قدموں کے نیچے کا سوکھا گھاس سبز ہو جاتا ہے اور یہ میرا الہامی تصور تھا کہ اللہ تعالےٰ نے ان میں کسی ایک کو کرامت عطا فرمائی ہے۔ فقبضت قبضة من اثر الرسول۔ اس سے ثابت ہوا کہ اہل کرامت کے لیے کرامت کرامت بن جاتی ہے اور اہل غرامت کے لیے فتنہ۔ آزمائش اور استدراج۔ ان میں فرق یہ ہے کہ اہل کرامت اسے حق کے اثبات میں تصرف کرتے ہیں اور اہل بطلان کے لیے باطل اور نفسانیت کے لیے جیسا کہ سامری نے خود اعتراف کیا کہ وکذالک سولت لی نفسی۔

تفسیر عالمانہ وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ۝ اور ایسے ہی مجھے میرے نفس نے بنا سنوار کر دکھایا۔ یعنے میری شقاوت اور محنت کو میرے نفس نے بنا سنوار کر دکھایا۔

حل لغات : التسویل بمعنے نفس کا اپنی پسندیدہ شے کو سنگار کر دکھانا اور قبیح شے کو حسین وشکیل خیال میں ڈالنا۔

دراصل عبارت سولت لی نفسی تسویلا کائنا مثل ذالک التسویل۔ مثل التسویل مصدر محذوف کی صفت ہے اور ذالک کا اشارہ اس فعل کی طرف ہے جو بعد میں مذکور ہوگا۔ اسے فعل پر مقدم کرنا قصر وحصر کے ارادہ پر ہے اور کاف ، زائد ہے یہ تاکید کا فائدہ دیتا ہے جیسے ذالک فخامت کا اس معنے پر مصدر مؤکد ہے صفت نہیں ہے۔

اب معنے یہ ہوا کہ یہ تزئین عجیب ہے جسے میرے نفس نے مجھے افعال (قبض ۔ بند) سنگار کر دکھائے اور یہ تزئین کوئی معمولی شے نہیں۔ اس سے آپ اندازہ لگائیے کہ میں نے کیونکر ایسے کیا۔

سامری کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ تزئین میرے نفس امارہ کی شرارت سے ہوئی اس کا کوئی اور موجب اور سبب نہیں اور نہ ہو سکتا ہے نہ برہان عقلی سے نہ ہی الہام الٰہی سے۔

ف : کاشفی نے لکھا ہے کہ لباب میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ندا دی کہ

---

[1] : ہم اہلسنت کو یہ عقیدہ انبیاء علیہم السلام سے ورثہ میں ملا ہے۔ (اویسی)

[2] : اضافہ از اویسی غفرلہٗ۔

اسے قتل نہ کیجیے کیونکہ اس کی سخاوت کی عادت ہے چونکہ اس کی سخاوت سے میری مخلوق کو فائدہ پہنچا اس لیے ہم بھی اسے چند روز زندہ چھوڑتے ہیں تاکہ چند روز اور زندگی سے فائدہ اٹھالے ۔ اما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض، کا راز اس سے کھلا ۔

ہر نہالے کہ برگ دار دو بر
باد ز آب حیات تازہ و تر
و آنچہ بے میوہ باشد و سایہ
بہ کہ گردد تنور را مایہ

ترجمہ : وہ درخت جس کے پتے بھی ہوں اور پھل بھی خدا کرے آبِ حیات سے ہمیشہ تازہ و تر ہو۔ اور وہ درخت جس کا نہ میوہ ہے نہ سایہ۔ اسے تنور میں ڈال کر آگ لگا دینی چاہیے ۔

قَالَ، موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے فرمایا کہ چونکہ تیرے قتل سے مجھے باری تعالیٰ نے منع فرمایا ہے ۔ فَاذْهَبْ تو لوگوں میں رہ میرے ہاں سے چلا جا۔ فَاِنَّ لَكَ فِی الْحَیٰوةِ تیرے لیے تا دمِ زلیست سزا یہ ہے کہ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ، کنارہ لَامِسَاس ۔

ف : المفردات میں ہے کہ مس اور لمس کا معنٰی ایک ہی ہے فرق یہ ہے کہ لمس کبھی شے کی طلب کے لیے استعمال ہوتا ہے اگرچہ وہ شے موجود نہ ہو اور مس وہ جو پائی جائے اور اس کا حاسۂ لمس سے ادراک کیا جا سکے ۔

ف : قاموس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں ہے لامساس بالکسر بمعنٰے لا امس و لا امسنی۔ التماس کا بھی یہی معنٰی ہے۔ اسی سے ہے ان یتماسا یعنے نہ میں کسی کو ہاتھ لگاؤں گا اور نہ کوئی مجھے ہاتھ لگائے اس خوف سے کہ کہیں بخار نہ گھیر لے ۔

سامری کی سزا مروی ہے کہ سامری جس مرد یا عورت کو ہاتھ لگاتا تو وہ خود بھی اور جسے ہاتھ وہ بھی دونوں بخار کا شکار ہو جاتے اسی لیے وہ لوگوں کے ہاتھ لگانے سے بچتا تھا اور لوگ اس سے، اور وہ زور زور سے چیختا پھرتا رہتا تھا ۔

لامساس، لوگوں کے ساتھ ملنا جلنا، بولنا، اٹھنا، بیٹھنا، بیع و شرا اور دیگر معاملات سے محروم ہوگیا ۔ اور دُور جنگلوں میں جانوروں اور وحشیوں کے ساتھ زندگی بسر کرتا تھا ۔

اعجوبہ : بعض تفاسیر میں ہے کہ اس سامری کی اولاد آج بھی دنیا کے بعض علاقوں میں ہے جو بھڑے کی لوچھا کہتے ہیں اور ان کی زندگی کا بھی وہی حال ہے جو سامری کا تھا۔

تردید: فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ اولاد کا ہونا از دواج (نکاح کرنا) پر موقوف ہے اور اس سے یہ صورت ناممکن تھی۔ پھر اس کے لیے یہ دعویٰ کیسا؟

نکتہ: الارشاد میں ہے کہ سامری کو اس عذاب میں مبتلا کرنے میں ایک راز یہ ہے کہ اس نے چونکہ ایک بے جان میں جان ڈالنے کا سبب بنایا تو اسے ایسی سزا میں مبتلا کیا گیا جو زندگی کے لیے موت کا سبب بنے یعنے بخار کیونکہ اکثر بخار موت کا سبب ہے۔ اسی لیے اسے اس میں مبتلا کیا گیا۔

فائدہ صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ جو بھی نفس امارہ کی خواہشات کی اتباع کرتا ہے اسے ایسی سزا میں مبتلا کیا جاتا ہے کہ دنیا میں بے یار و مددگار اور لوگوں سے بیزاری وغیرہ کی سزا پاتا ہے۔

؎

چوں عاقبت زصحبت یاراں بریدنست
پیوند باکسے نکند آنکہ عاقلست

ترجمہ: جب دوستوں سے دور ہی ہونا ہے تو عاقل وہ ہے جو کسی سے دوستی نہیں کرتا۔

ف: اتصال کے بعد انقطاع سے سخت ترین تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بخلاف انقطاع اصلی کے کہ اس سے الٹا فرحت و سرور نصیب ہوتا ہے ؎

الفت مگیر ہمچو الف ہیچ باکسے
تابستہ الم نشوی وقت انقطاع

ترجمہ: الف کی طرح کسی سے الفت نہ کرتا کہ انقطاع کے وقت تجھے دکھ اور درد نہ ہو۔

وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا، اور بے شک تیرے شرک و فساد پر تجھے آخرت میں عذاب کا وعدہ ہے۔ لَّنْ تُخْلَفَهٗ، اور اللہ تعالیٰ تیرے اس وعدہ کے خلاف نہ کرے گا بلکہ اسے ضرور پورا کرے گا جیسے تجھے دنیا کی سزا میں مبتلا کیا۔

ف: الخلف والاخلاف، بمعنے وعدہ خلافی۔ جیسے کہا جاتا ہے:

وعدنی فاخلفنی (اس نے میرے ساتھ وعدہ کرکے خلاف کیا)۔

وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ اور اپنے مزعومہ معبود کو دیکھئے! الَّذِىْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا، ظلت دراصل ظللت تھا، تخفیفاً پہلی لام، حذف کر دی گئی ہے۔

ف: المفردات میں ہے کہ یہاں ایک' لام، محذوف ہے وہ فعل جسے دن میں کیا جائے۔ اور صورت کے قائم مقام ہے۔ اب معنے یہ ہوا کہ وہ جس پر عبادت کے لیے کمربستہ تھا یعنے دائماً اس کی عبادت میں مشغول تھا۔

لَنُحَرِّقَنَّهٗ، قسم محذوف کا جواب ہے یعنے بخدا میں اسے آگ میں جلاؤں گا۔

ف : لتحرقنه ۔ احراق سے ہے بمعنے کسی شے میں شعلہ والی آگ جلانا۔ بخلاف الحرق کے کہ اس کا معنے ہے کہ کسی شے میں گرمی ڈالنا اس میں شعلہ کی قید نہیں جیسے کپڑے کو گرم کرنا۔

ف : کاشفی نے لکھا ہے کہ یہ اس قول پر ہے جو کہتا ہے کہ بچھڑے میں گوشت پوست اور خون تھا یا لفظ 'مبرد' بمعنے سوہان محذوف ہے۔ اس سے جلانے کے معنے میں مبالغہ مطلوب ہے کیونکہ کسی شے کو خوب جلایا جائے تو پھر اسے ٹھنڈا کرنا پڑتا ہے یہ بھی اس کے سخت ٹھنڈا ہونے کی دلیل ہوتی ہے مثلاً کہا جاتا ہے :

بردت الحدید بالمبرد (میں نے لوہا سوہان سے ٹھنڈا کیا۔

براد ہ اسی سے مشتق ہے وہ زنگ جو لوہے سے گرتی ہے۔

ف : کاشفی نے لکھا ہے کہ یہ معنٰی اس قول پر صحیح ہو سکتا ہے جو کہتے ہیں کہ وہ بچھڑا بے حیات تھا۔

ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهُ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ۝ پھر ہم اسے خاک بنا کر دریا میں بہا دیں گے یا اسے برادہ بنا کر دریا میں ڈال دیں گے ۔ یہ تسفت الریح التراب سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب ہوا مٹی کو زمین سے اکھیڑ کر ذرہ ذرہ کر کے اڑا دے ۔ نسف بمعنے کھیتی کو اکھیڑنا اور اسے لے جانا۔ (کذا فی التہذیب)۔

ف : الذر بمعنے ہوا میں اڑا دینا اور ہوا کا کسی شے کو لے جانا ۔

ف : کاشفی نے لکھا ہے کہ ہم اس کی راکھ کو دریا میں ڈال دیں گے ۔

إِنَّمَا إِلٰهُكُمُ بے شک تمہارا معبود یعنے عبادت کا مستحق . اللّٰهُ الَّذِي لَا إِلٰهَ وہ اللہ ہے وجود میں کوئی شے نہیں ۔ إِلَّا هُوَ ۔ سوائے اس کے اور وہ واحد لا شریک لہٗ ہے۔ کوئی شے بھی کسی وجہ سے اس کی شریک نہیں اور منجملہ اس کے احکام الوہیت ہے ۔

ف : بحر العلوم میں لکھا ہے کہ الذی لا الہ الا ھو یہ اختصاص الالہیۃ کی تقریر ہے۔ اس کی مثال یہ مقولہ ہو سکتا ہے جیسے ہم کہتے ہیں :

القبلۃ الکعبۃ لا قبلۃ الا ھی،

یعنے قبلہ وہ کعبہ ہے جس کے سوا اور کوئی قبلہ نہیں ہے ۔

وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۝ اللہ تعالٰی کا علم ماکان و مایکون کو محیط ہے ۔ یہ صلہ ہے بدل ہے یعنے اللہ تعالٰی وہ ہے جس کا علم ہر شے کو محیط ہے منجملہ ان کے بچھڑا بھی ہے کیونکہ وہ بھی ایک شے ہے ۔

ف : کاشفی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالٰی نے اپنی یہ صفت کیوں بتائی تاکہ معلوم ہو کہ عبادت کا مستحق تو وہ ہے جس کا علم ہر شے کو محیط ہے اور بچھڑا تو ایک جماد محض ہے اور اگر وہ واقعی حیات بھی رکھتا تب بھی اسے علم کی صفت تو کجا وہ تو الٹا غبارت و حماقت اور نادانی و بے وقوفی مشہور ہے ۔

ف : مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس بچھڑے کو ذبح کرکے آگ میں جلاکر اس کی راکھ دریا میں ذرہ ذرہ کرکے بہا دی تاکہ سامری کی سزا میں اضافہ ہو اور اس کی محنت رائیگاں ہو اور اس کے پرستاروں کی غباوت ظاہر ہو۔

؎

با دست موسوی چہ زند سحر سامری

ترجمہ : موسیٰ علیہ السلام سے سحر سامری کا مقابلہ کیسا ؟

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

سحر با معجزہ پہلو نزند ایمن باش
سامری کیست کہ دست از ید بیضا ببرد

ترجمہ : جادو کا معجزہ کے ساتھ مقابلہ کیسا۔ سامری کون ہوتا ہے کہ وہ ید بیضا کا معارضہ کرے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ نفس و ہویٰ کے بچھڑے کی پرستش کرنے والے جہنم کا ایندھن ہیں اور انھیں جلاکر دریائے قہر میں ذرہ ذرہ کرکے ڈالا جائے گا اور وہ ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہیں گے انھیں اس عذاب سے کبھی چھٹکارا نہ ہوگا۔

انما الٰھکم اللہ الذی لا الٰہ الا ھو ۔ اس میں اشارہ ہے کہ جو غیر اللہ کی پرستش کرے گا اسے جدائی اور مفارقت ذات اور ہجر حق تعالیٰ کی آگ میں جلاکر ہمیشہ کے لیے بحر قہر میں عذاب میں مبتلا رہے گا۔ وسع کل شیء علماء اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر بندے کو جانتا ہے کہ لطف کا مستحق کون ہے اور قہر کا مستحق کون۔

ف : جب آدم و حوا علیہما السلام کا نکاح ہوا تو ان سے نوع بشر پیدا ہوا اور جب ابلیس نے دنیا سے نکاح کیا تو اس سے خواہشات نفسانیہ پیدا ہوئے۔ جمیع اخلاق مذمومہ اور ادیان باطلہ انہی خواہشات نفسانیہ کی تاثیر سے ہے۔ اسی لیے اللہ والے کہتے ہیں کہ معصیت کے ضرر سے بدعت اور خواہشات نفسانیہ کا ضرر زیادہ ہے اسی لیے صاحب البدعۃ (سیئہ) اپنی غلطی کو غلطی نہیں سمجھتا۔ اسی لیے نہ وہ توبہ کرتا نہ استغفار۔ اور صاحب معصیۃ تو اپنی غلطی اور خطا کا نہ صرف معترف ہے بلکہ وہ اس سے توبہ بھی کرتا ہے اور استغفار بھی۔

ف : ہر فرعون کا موسیٰ ہوتا ہے اور اہل باطل کے لیے حق ظاہر کرنے والا ہوتا ہے۔ فرعون نے زمین پر کفر و تکذیب اور ظلم و معاصی کا جال بچھایا تو موسیٰ علیہ السلام نے ایمان و تصدیق اور عدل و طاعات سے اصلاح فرمائی پھر سامری نے چاہا کہ دین کے آئینہ کو زنگ آلود کرے تو موسیٰ علیہ السلام نے اسے زائل کیا اور قیامت تک یہی حال رہے گا۔ اصل مقصد یہ ہے کہ قلب کی اصلاح کی جائے اور اسے اخلاق رذیلہ سے پاک کیا جائے اور خواہشات نفسانی سے روکا جائے اور حتی المقدور ان سے خرابی دفع کی جائے جیسے انبیاء علیہم السلام اور ان کے وارثین اولیاء کرام نے کیا کیونکہ غیرت بھی ایمان کی نشانی ہے

اور اللہ تعالٰی غیور ہے اور اس کا بندہ اس کی غیرت میں ہوتا ہے۔
حضرت سعد رضی اللہ عنہ غیور ہیں اور میں سعد سے زیادہ غیرت مند ہوں اور میرا اللہ تعالٰی مجھ سے زیادہ غیور ہے اللہ تعالٰی کی غیرت یہ ہے کہ ظاہری و باطنی فواحش حرام ہوں۔ (حدیث)
مثنوی شریف میں ہے ؎

جملہ عالم زان غیور آمد کہ حق
برد در غیرت بریں عالم سبق

غیرت حق بر مثل گندم بود
کاہ خرمن غیرت مردم بود

اصل غیرتہا بدانید از الہ
آن خلقان فرع حق بی اشتباہ

ترجمہ: ۱ - یہ جہان اس لیے غیور ہے کہ اللہ تعالٰی نے اس عالم سے پہلے غیرت کا حکم فرمایا۔
۲ - غیرت حق گندم کی مانند ہے کاہ خرمن بھی غیرت سے ہے۔
۳ - غیرت کی اصل اللہ سے سیکھو۔ یہ تمام مخلوق اس کی فرع ہے۔
كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ ایسے ہی ہم تمہیں سابقہ خبروں سے ایک قصہ بیان کرتے ہیں۔ اس میں موسٰی علیہ السلام کے قصہ کی طرح اشارہ ہے۔
القص بمعنی تتبع الاثر نشان کے پیچھے لگنا اور قصص سے اخبار متتبعہ مراد ہیں۔ من انباء ....الخ اپنے مضمون کے اعتبار سے۔ نقص کا مفعول یہ ہے النباء وہ خبر جس میں بہت بڑا فائدہ ہو جس سے علم یا غالب گمان حاصل ہو اور یہ مطلق خبر کے لیے استعمال نہیں کی جاتی اور نباء ان تینوں کا ہونا ضروری ہے یعنے:

۱ - خبر ۲ - فائدہ ۳ - علم یا ظن غالب

اور نباء وہ حق خبر ہے جو کذب سے خالی ہو جیسے خبر متواتر اور خبر اللہ اور خبر النبی صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم۔
اب معنے یہ ہوا کہ اسی قصہ عجیب کی طرح جو تم نے ابھی سنا ہم ایسے ہی اے محبوب! صلی اللہ علیہ وسلم ہم تمہیں گذشتہ امتوں کے بعض واقعات بیان کرتے ہیں اور وہ قصہ بھی کامل ہے ناقص نہیں، اس سے تمہیں حالات پر تبصرہ کرنے کا موقعہ ملے گا علم کی توقیر میں اضافہ ہوگا اور معجزات کی تکثیر ہوگی اور امت کے لوگوں میں سے جنہیں رہبری کی طلب ہوگی انہیں نصیحت حاصل ہو۔ اس میں وعدہ ہے کہ جو لوگ پہلے گذرے ہیں ان کے واقعات میں سے کچھ باتیں بیان ہوں گی۔
وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ۚ یہ اتینا، کے متعلق ہے یعنے ہم نے اپنی طرف سے تمہیں عطا کیا گیا۔

تو گویا کسی نے پوچھا کہ کن کے لیے۔ اس کے جواب میں فرمایا، لھم۔

سوال: یوم القیمۃ کا تکرار کیوں۔

جواب: تنزیر و تاکید اور معاملہ کو زیادہ مہیب و خطرناک ظاہر کرنے کے لیے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ جو بھی ذکر حقیقی (کہ جس سے حقیقت ایمان و ایقان و عرفان قائم ہے) سے روگردانی کرتا ہے تو قیامت میں ان پر کفر و نفاق اور شرک و جہل و عمی و شقاوت و قساوت قلبی اور اس پر مہر لگانے اور اخلاق ذمیمہ اور بعد و حسرت و ندامت کا بوجھ ڈالا جائے گا اور حقیقت عبودیت اور دوام ذکر و مراقبہ قلب اور فیض الٰہی کی قبولیت کے لیے سچی توجہ سے محروم رہ کر دائمی خسارہ میں مبتلا ہوگا اور فیض الٰہی کی قبولیت کے لیے سچی توجہ ہی ذکر کی حقیقت ہے کہ جس کا اول ایمان اور اوسط ایقان و آخر عرفان ہے۔

ف: ذکر ایمانی اعراض عن الدنیا و اقبال الی الآخرۃ کا وارث بنایا ہے۔ اسی کی وجہ سے معاصی کا ترک و طاعات کا اشتغال نصیب ہوتا ہے اور ذکر ایقانی دنیا اور اس کے نقش و نگار حلال ہوں یا حرام کا ترک اور آخرت اور اس کے درجات کی طلب کا وارث بناتا ہے اور ذکر عرفانی تعلقات کونین سے تسطع شواہد المشہود[1] کے حصول میں بذل وجود کر کے سعادت دارین کی طرف سعی عمل فرماتا ہے۔

ف: ذکر کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ذاکر مذکور میں اپنے ذکر کو ایسا فنا کرے کہ اس کے اپنے نفس و وجود کا نام و نشان بھی مٹ جاتے۔

حکایت بغداد میں زنا و فسق عام ہوگیا اللہ تعالیٰ سے غیبی ندا آئی کہ اگر شبلی کا ذکر (اللہ اللہ کرنا) نہ ہوتا تو ہم اس شہر کو جلا کر رکھ دیتے۔ شہر کے ذاکرین (اللہ اللہ کرنے والے) نے حضرت شبلی قدس سرہٗ سے پوچھا کہ ہم بھی اللہ اللہ کرتے ہیں لیکن ہمارا نام نہیں لیا گیا اور آپ کی خصوصیت کیوں؛ آپ نے فرمایا کہ تم لوگ اپنی نفسانیت سے ذکر کرتے ہو اور میں اللہ تعالیٰ کی ذات میں گم ہو کر اللہ اللہ کرتا ہوں۔

ف: توحید افضل العبادات اور ذکر الٰہی اقرب القربات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر عبادت کا ایک وقت مقرر فرمایا ہے لیکن ذکر الٰہی کے لیے وقت کی کوئی قید نہیں۔

حدیث شریف: حضور نبی کریم سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے قلب کے جلا کا نسخہ پوچھا تو آپ نے فرمایا: ذکر الٰہی اور تلاوت قرآن مجید اور میرا درود۔

حضرت مغربی قدس سرہ نے فرمایا ؎

اگرچہ آئینہ داری از برائے رخش
دلی چہ سود کہ داری ہمیشہ آئینہ تار
بیا تصیقل توحید ز آئینہ بزداری
غبار شرک کہ تا پاک گردد از ژنگار

---

[1] شہود کے شواہد کی روشنی۔

ترجمہ: اگر تو اپنے چہرے کے لیے شیشہ رکھتا ہے تو کیا فائدہ جب کہ تیرا حقیقی آئینہ تو سیاہ ہے۔
آئیے توحید کے صیقل سے دل کے شرک کا غبار دور کیجئے تاکہ قلب کا آئینہ روشن ہو۔

حکایت موسیٰ علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی یا الٰہ العٰلمین مجھے خصوصی ذکر بتائیے تاکہ خاص وقت میں میں آپ کو یاد کروں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کہو:

"لا الٰہ الا اللہ"

عرض کی کہ یا اللہ یہ تو ہر بندہ کہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ (علیہ السلام) اگر چودہ طبق ایک پلڑے میں ہوں اور دوسرے پلڑے میں یہی کلمہ ہو تو وہ پلڑا بھاری ہوگا جس میں یہ کلمہ ہوگا۔

فقیر (حقی) کہتا ہے ؎

گر تو خواہی شوی ز حق آگاہ
دم علی لا الٰہ الا اللہ
افضل ذکر باشد این کلمہ
یکثر الذکر کل من یھواہ

ترجمہ: اگر تم آگاہی حق چاہتے ہو تو لا الٰہ الا اللہ پر مداومت کیجئے۔ یہ کلمہ افضل الذکر ہے اور جسے جس سے محبت ہوتی ہے وہ اسے بہت زیادہ یاد کرتا ہے۔

تفسیر عالمانہ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ۔ یہ یوم القسمۃ سے بدل اور فعل اذکر محذوف سے منصوب ہے۔ اب معنی یہ ہوگا کہ اے محبوب محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم آپ اپنی قوم قریش کو یاد دلائیے کہ جب اسرافیل علیہ السلام اسی قرن کو پھونکیں گے جو انھوں نے پھونکنے کے لیے اسے اپنے منہ میں رکھا ہوا۔ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ اور ہم اسی دن ان لوگوں کو قبروں سے نکال کر جمع کریں گے جو جرائم و معاصی میں دنیا میں سے بڑے اور منہمک رہے۔ ان سے کفار و مشرکین مراد ہیں۔ نفخ صور کے ذکر کی تصریح صرف اسی لیے ہے کہ اس کا مہیب و ہولناک تصور ذہنوں میں ہو اور نہ حشر کے ذکر بعد اس کی تصریح کی ضرورت نہ تھی کیونکہ حشر ہوگا بھی نفخ صور پر۔ زُرْقًا ہ ازرق کی جمع ہے ازقۃ سے ہے۔ آنکھ کا بہت برا اور گندا رنگ اگرچہ اہل عرب سمجھتے تو یہی ہیں کہ رومی ان کے سب سے بڑے دشمن تھے اور ان کی آنکھیں زرق یعنی نیلی تھیں۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ آنکھ کا نیلاپن اور روسیاہی جہنمیوں کی علامت ہے اور فرمایا کہ حدیث شریف میں ایسے ہی ہے۔

ف: المفردات میں امام راغب نے فرمایا کہ یومئذ زرقا یعنی ان کی آنکھیں اندھی ہوں گی، ان میں نور نہ ہوگا اس لیے کہ اندھے کی آنکھیں نیلی ہو جاتی ہیں یعنے جب آنکھوں سے نور نکل جاتا ہے تو آنکھوں کا رنگ نیلا ہو جاتا ہے۔

يَتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ۔ یہ جملہ مستانفہ ہے۔ آپس میں چپکے چپکے باتیں کریں گے۔

ف: التخافت یعنے آہستگی سے بولنا اور کلام کو چھپا چھپا کر کہنا یعنے ایک دوسرے سے بات ایسی آہستگی سے کریں گے جس میں آواز بالکل نہ ہو گی۔ اس لیے کہ خوف اور ذلت کی وجہ سے ان کے سینے بند ہوں گے یا ان پر ضعف اور کمزوری غالب ہو گی۔

اِنْ لَّبِثْتُمْ۔ لبث یعنے کسی جگہ ٹھہرنا یعنے تم دنیا یا قبر میں نہیں ٹھہرے۔ اِلَّا عَشْرًا ۝ دس راتیں یا دس گھڑیاں یعنے ان کے وہاں معمولی مدت، ٹھہرنے کی، ظاہر کرنا مطلوب ہے۔ کیونکہ ایسے ایام جلد تر زائل ہو جائیں گے۔ ویسے بھی راحت کے ایام تھوڑے محسوس ہوتے ہیں۔ اور وہ گھڑیاں بادلوں کی طرح جلد تر گذر جاتی ہیں۔

ف: جلالین میں ہے کہ وہ لوگ آپس میں کہیں گے کہ تم تو قبور یا دنیا میں صرف دس راتیں گذار کے آئے ہو۔ اس سے ان کے مابین النفختین کی درمیانی مدت مراد ہو گی یعنے نفخ صور اول اور نفخ ثانی کی درمیانی مدت چالیس سال ہو گی اور اس مدت میں کفار و مشرکین سے عذاب اٹھا لیا جائے گا تاکہ وہ آخرت کے عذاب میں جب مبتلا ہوں تو انھیں وہ عذاب سخت سے سخت تر محسوس ہو۔ یہی قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔

ف: بحر العلوم میں ہے کہ یہ قول ضعیف ہے۔

نَحْنُ ہم ہی ہیں خداوند اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ان کی باتوں کو خوب جانتے ہیں یعنے مجھے معلوم ہے کہ ان کی ٹھہرنے کی مدت کتنی ہے۔ اِذْ يَقُوْلُ جب کہیں گے۔ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً ان کے افضل ترین طریقے والے یعنے ان سے رای وعقل میں اکمل ترین۔

ف: المفردات میں ہے کہ امثل وہ ہے جو افاضل کے مشابہ اور اقرب الی الخیر ہو۔ اماثل القوم قوم کے برگزیدہ لوگوں کو کہا جاتا ہے اسی استعمال میں سے ہے۔

قولِ باری تعالیٰ ہے :

"اذ يقول امثلهم طريقة"

اِنْ نافیہ ہے یعنے لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ۝ تم نہیں ٹھہرے مگر ایک دن۔

اس قول کی نسبت ان کے امثل کی طرف منسوب کرنا اللہ تعالٰے کی طرف سے ان کے صدق ظاہر کرنے پر ہے لیکن وہ صدق، مبنی بر صدق نہ ہو گا بلکہ بوجہ ہول اور خوف سے کہیں گے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ نفخ ثانیہ کے بعد جب قیامت میں اہل جفا و بلا کو اٹھایا جائے گا اسی دن جب کہ نوجوانوں کو بوڑھا کر دیا جائے اسی دن زمین تبدیل ہو جائے اور اللہ تعالٰے اس دن ایسا غضبناک ہو گا کہ نہ اس سے پہلے کبھی ناراض ہوا ہو گا نہ بعد میں ہو گا۔ جب وہ قیامت کا عذاب دیکھیں گے تو وہ قبور کے عذاب کو بھول جائیں گے اور سمجھیں گے کہ ہم تو قبور میں چند روز ٹھہرے ہیں۔ پھر اللہ تعالٰے نے فرمایا: نحن اعلم

بما یقولون، ہمیں خوب معلوم ہے جو کچھ وہ عظمتِ بلا دیکھ کر کہیں گے اور ہمیں وہ بھی معلوم ہے جو ان کے اعلیٰ وافضل لوگ کہیں گے کہ تم تو صرف ایک یوم گذار کر آئے ہو۔ وہ اس بڑی مدت کو صرف ایک دن سے اس لیے تعبیر کریں گے کہ باقی دنوں کی شدت اس ایک دن کی شدت کے برابر ہوگی۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے

الا انما الدنیا کظل سحابۃ

اظلتک یوما ثم عنک اضمحلت

فلا تک فرحانا بھا حین اقبلت

و لا تک جزعانا اذا ھی ولت

ترجمہ: خبردار! دنیا بادل کے سایہ کی مانند ہے کہ کبھی سایہ فگن ہوتی ہے تو کبھی دور چلی جاتی ہے۔ جب (دنیا) ہو تو خوشی نہیں کرنی چاہیے اور جب نہ ہو تو بھی غم نہ کھانا چاہیئے۔

حضرت منصور رحمہ اللہ تعالٰی کا ملفوظ: حضرت منصور رحمہ اللہ تعالٰی بوقت وصال فرمارہے تھے کہ ہم نے آخرت خوابِ غفلت سے ضائع کردی۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے

نگہ دار فرصت کہ عالم دمیست

دمے پیش دانا بہ از عالمیست

مکن عمر ضائع بافسوس و حیف

کہ فرصت عزیزاست والوقت سیف

ترجمہ: فرصت کو غنیمت سمجھ کہ جہان صرف ایک لمحہ ہے۔ دانا کے نزدیک جملہ عالم سے ایک لمحہ بہتر ہے۔ افسوس وحیف سے عمر ضائع نہ کیجئے۔ اس لیے کہ فرصت قیمتی شے ہے اور وقت بمنزلۂ تلوار کے ہے۔

حضرت السلطان ولد نے فرمایا ہے

بگذار جہاں را کہ جہان آن تو نیست

دین دم کہ ہمی زنی بفرمان تو نیست

گر مال جہان جمع کنی شاد مشو

ور تکیہ بجان کنی جان آن تو نیست

ترجمہ: اس جہان کا خیال وتصور بھی چھوڑ دے کیونکہ یہ تیرا نہیں اور یہ سانس جو تیرے پاس ہے وہ بھی تیرے زیرِ فرمان

نہیں۔ اگر جہان کا تمام مال بھی جمع کر لو تب بھی خوش نہ ہو اگر جان پر سہارا کرو گے تو بے فائدہ کیونکہ یہ جان تیری ہے بھی نہیں۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ وہ دنیا و مافیہا اور اس کے شہوات میں تضیع اوقات نہ کرے اس لیے کہ وقت نقد بیش بہا اور جوہر لطیف اور بازی اشہب ہے اسے حقیر شئے کے عوض ضائع نہ کیجئے اور اس سے ایسا شکار نہ کرنا چاہیے جو نہ موٹا ہوتا ہے اور نہ ہی بھوک کی تاب لاسکتا ہے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ دنیا کا عیش چند روزہ لیکن بہت زیادہ خطرناک ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو اس کی مکھی کے پر کے برابر بھی قدر و قیمت نہیں جو اسے عظیم المرتبت سمجھتا ہے وہ مکھی کے پر سے بھی کمتر ہے ؎

بر مرد ہشیار دنیا خس است
کہ ہر مدتے جائے دیگر کس است

ترجمہ: ہوشیار آدمی کی نظروں میں یہ دنیا خس کے برابر ہے اس لیے کہ ہر مدت میں یہ دوسرے کی جگہ ہے۔

حکایت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حواریوں نے کہا کہ آپ کے لیے ایک مکان ضروری ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ دنیا بمنزلہ دریا کی موج کے ہے۔ اب تم بتاؤ کہ تم میں سے کون ہے جو دریا کی موج میں مکان بنا سکے۔ تمہیں لازم ہے کہ دنیا کو قرارگاہ نہ بناؤ اس لیے کہ دنیا صرف ایک ساعت ہے، اسے طاعت میں صرف کرو اور اہل طاعت کے لیے ایک ساعت، قیامت میں، ہزار برس کا بدلہ بنے گی کیونکہ ان کا ہر لحظہ راحت میں بسر ہو گا بخلاف اہل معصیت کے کہ ان کی ہر گھڑی ہزار برس کے برابر ہو گی لیکن دکھ تکلیف میں اور توحید اور یقین کامل اور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع تمام طاعات و عبادات میں افضل طاعت و عبادت ہے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"تم سب بہشت میں داخل ہو گے سوائے اس کے جس نے انکار کیا؛ عرض کی گئی اس منکر سے کون مراد ہے۔ آپ نے فرمایا: منکر وہ ہے جس نے 'لا الٰہ الا اللہ' نہ کہا۔ اس لیے تم پر لازم ہے کہ 'لا الٰہ الا اللہ' بکثرت کہا کرو، قبل اس کے کہ تم پر موت آئے۔ کیونکہ یہی کلمۂ توحید اور عروۂ وثقیٰ اور بہشت کا ثمن ہے۔ یعنی جنۃ الصورۃ والمعنی کا ثمن کلمہ شریف ہے اور صورت و معنی سے قلب و روح مراد ہے اسی میں ازہار انوار و ثمرات الاسرار ہیں اور یہ ظاہری جنت سے کہیں بلند و بالا اور اولیٰ و اعلیٰ ہے کیونکہ ہر کمال معنی کی تاثیر اور اس کی تجلیات سے ہے جو اپنے باطن کی اصلاح کرتا ہے اس کے ظاہر کی اصلاح خود بخود ہو جاتی ہے جیسے درخت کہ اگر اس کی جڑیں صحیح سالم اور مضبوط ہوں تو پھر اس پر شاخیں اور پھل وغیرہ بھی پیدا ہوتا ہے، ورنہ سوکھ جاتا ہے۔

ہم اللہ سے نارِ عشق و محبت میں جلنا اور دریائے توحید کا استغراق اور دائمی دیدار کی کامیابی کا سوال کرتے ہیں۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۳۷۶ پر)

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ۝ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۝ لَّا تَرٰى
فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ۝ يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ
لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ۝ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ
وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ۝ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ
عِلْمًا ۝ وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ۭ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ
مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ۝ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا
عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ۝
فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ؗ
وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ۝ وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ
لَهٗ عَزْمًا ۝ ع

ترجمہ : اورتم سے پہاڑوں کے متعلق سوال کرتے ہیں تو فرمائیے کہ انھیں میرا رب ریزہ ریزہ کرکے اڑا دے گا تو پھر زمین ایک ہموار میدان کرکے چھوڑ دے گا جس میں نہ تو نیچا دیکھے گا نہ اونچا۔ اس دن بلانے والے کے پیچھے ہولیں گے جس میں کوئی ٹیڑھا پن نہ ہوگا۔ اور رحمٰن کے لیے تمام آوازیں پست ہوجائیں گی تو تو نہ سنے گا مگر آہستہ آواز۔ اس دن کسی کی شفاعت فائدہ نہ دے گی مگر جسے رحمٰن نے اجازت دی اور اس کے بولنے سے راضی ہوا۔ وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے۔ اور ان کا علم اسے احاطہ نہیں کرسکتا۔ زندہ قائم رکھنے والے کے سامنے تمام منہ جھک جائیں گے اور بے شک گھاٹے میں رہا وہ جس نے ظلم کا بوجھ اٹھایا۔ اور جو مؤمن ہوکر نیک عمل کرتا ہے تو وہ نہ زیادتی کا خوف کرے گا اور نہ کمی کا۔ اور ایسے ہی ہم نے عربی قرآن نازل فرمایا اور اس میں کئی طرح کی وعیدیں بیان کیں تاکہ وہ ڈریں یا ان کے لیے کوئی سمجھ پیدا کرے تو سب سے بلند ہے اللہ وہ سچا بادشاہ ہے۔ اور قرآن میں جلدی نہ کیجئے اس سے پہلے کہ تجھ پر وحی پوری ہو اور عرض کرو کہ اے میرے پروردگار! مجھے زیادہ علم عطا فرما۔ اور بے شک ہم نے اس سے قبل آدم (علیہ السلام) کو ایک تاکیدی حکم دیا تھا تو پھر وہ بھول گیا اور ہم نے اس کا قصد نہ پایا۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

چنانچہ اس نے خود فرمایا کہ ایسے لوگوں کے لیے ہمارے ہاں زیادہ احسان و کرم ہے۔ کما قال فی القرآن المجید :

للذین احسنوا الحسنیٰ و زیادۃ -

(تفسیر آیات صفحہ گذشتہ)

تفسیر عالمانہ: وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ۔

حل لغات: معرفت یا وہ شے جو معرفت کا سبب بنے اسے طلب کرنے کو سوال کہتے ہیں۔ اس کا جواب زبان سے یا ہاتھ سے ہوتا ہے اور ہاتھ زبان کا خلیفہ ہے اور ہاتھ کی نیابت کتابت سے ہوگی یا اشارہ ہے ایسے ہی مال یا اس کے قائم مقام کسی شے کی طلب کو بھی سوال کہا جاتا ہے اس کا جواب ہاتھ سے ہوتا ہے اس کی نیابت زبان بھی کرتی ہے اور زبان کا جواب یا وعدہ یا اس کے رد کرنے سے ہوتا ہے۔

ف: کبھی سوال لاعلمی دور کرنے کے لیے ہوتا ہے اور کبھی مخالفت کو خاموش کرانے کے لیے اور کبھی مسئول سے متعارف کرنے کے لیے اور کبھی اس پر تنبیہ مطلوب ہوتی ہے تاکہ مخاطب کو معلوم ہو اور اس سے مطلع ہوسکے۔

جب متعارف کرانے کے لیے ہو تو متعدی الی المفعول الثانی کبھی بلا واسطہ ہوگا اور کبھی حرف جارہ سے جیسے کہا جاتا ہے

سألتہ کذا وسألتہ عن کذا وبکذا۔

لفظ عن سے زیادہ متعدی ہوتا ہے جیسے آیت ہٰذا میں ہے۔ اور اس سے مال کی استدعا مطلوب ہو تو بلا واسطہ متعدی ہوگا یا حرف من کے ساتھ ہوگا جیسے:

واذا سألتموھن متاعاً فاسئلوھن من وراء حجاب۔

ف: الجبال، جبل کی جمع ہے ہر وہ عظیم وطویل شے جو زمین میں گاڑ دی جائے اور پھر بطور استعارہ معنے کی مناسبت سے مختلف اشیاء میں مستعمل ہے مثلاً فلان جبل - ہر وہ شخص جو اپنے ارادے کا پختہ ہو اور ایسے ہی جس فعل میں ثبات و دوام ہو، اس پر بھی اس کا استعمال ہوتا ہے مثلاً:

"جبلہ علی کذا"

یہ اس شخص کے لیے بولتے ہیں جس طبیعت پر اس کی تخلیق ہوئی ہو اور وہ اس میں ایسی راسخ ہو کر اس سے اس کا ازالہ ناممکن ہو، اس سے اس کی عظمت ملحوظ ہو۔ اسی لیے بہت بڑی جماعت کو بھی جبل کہا جاتا ہے۔ کما قال تعالٰی:

ولقد اضل منکم جبلاً کثیراً۔

جبلاً بمعنے جماعت اور اسے کثرت کی وجہ سے جبل سے تشبیہ دی گئی ہے۔

ف: دنیا میں کل چھ ہزار چھ سو تہتر پہاڑ ہیں لیکن ان سے بڑے بڑے پہاڑ مراد ہیں۔ بڑے بڑے ٹیلے اور چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں مراد نہیں ہیں۔

اب معنٰے یہ ہوا کہ آپ سے پہاڑوں کے انجام کے متعلق سوال کرتے ہیں۔

شان نزول: یہ سوال ثقیف قبیلہ کے کسی شخص نے کیا تھا کہ یا رسول اللہ قیامت میں اللہ تعالٰے ان پہاڑوں کے ساتھ کیا کرے گا۔

فَقُلْ۔ فاء، سائلین کے الزام کی مسارعۃ کے لیے ہے۔ کاشفی نے لکھا ہے کہ آپ انھیں جواب میں فرمائیے کہ **يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا** میرا پروردگار اپنی قدرت سے انھیں ریزہ ریزہ کر دے گا۔

نسفت الریح الشی سے ہے یعنے ہوا نے فلاں شے کو جڑ سے اکھاڑا۔ اور کہتے ہیں کہ نسف البناء یعنے اس نے اپنی بنار کو جڑ سے اکھاڑ ڈالا۔ اور ایسے ہی اللہ تعالٰے قیامت میں تمام پہاڑوں کو جڑ سے اکھیڑ ڈالے گا۔

ف: القاموس میں ہے کہ انھیں جڑ سے اکھیڑ کر اڑتی غبار کی طرح بنا دے گا۔

ف: الارشاد میں ہے کہ انھیں ریت کی طرح ریزہ ریزہ کر دے گا پھر ان ذرات کو ہوا اڑا کرلے جائے گی۔

ف: تفسیر کبیر میں ہے کہ ممکن ہے کہ بعض کفار نے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا ہو کہ تم دعویٰ کرتے ہو کہ یہ دنیا فانی ہے تو پھر کسی شے کا ابتدا و انتہا ثابت ہونا، حالانکہ پہاڑ جب سے کھڑے ہیں ان میں معمولی سی کمی بھی واقع نہیں ہوئی جیسے تھے ویسے ہی ہیں۔ اسی لیے جالینوس آسمانوں کے قدیم ہونے کا قائل ہوتے ہوتے اس پر پہاڑوں کی مثال دیتا ہے۔ اس کا ازالہ یوں کیا جائے کہ شے کا بطلان کبھی ذبولی ہوتا ہے یعنے اسے نقصان مقدر ہو چکا ہے اور پھر یک وقت اس کا ظہور ہوگا۔ اللہ تعالٰے ان اشیائے عالم جسمانی کو اپنی مشیت و ارادہ میں مٹانا مقدر کر چکا ہے۔ پھر جب انھیں مٹایا جائے گا تو یہ یک وقت مٹ جائیں گے۔ دنیا اور اس کے پہاڑوں کی مثال اس نوجوان کی سی ہے کہ جس کا بظاہر جسم قوی اور مضبوط ہے لیکن جب اچانک موت کا شکار ہوتا ہے تو اس کے مضبوط اور قوی جسم کو مٹا دیا جاتا ہے۔ دیکھئے جب وہ نوجوان اچانک فوت ہوا تو اس کے لیے پہلے مرض کا ہونا ضروری نہ تھا۔ ایسے ہی یہ دنیا اچانک مٹے گی۔ اس لیے ضروری نہیں کہ اس کے مٹنے کے اسباب پہلے ظاہر ہوں ؎

دیدی آن قہقہۂ کبک خرامان حافظ
کہ ز سر پنجۂ شاہین قضا غافل بود

ترجمہ: اے حافظ! کبک خراماں کے قہقہہ کو دیکھ کر تعجب کیجئے کہ وہ کس طرح شاہین قضاء کے پنجہ سے غافل ہے۔

سوال: الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ یہاں ویسئلونک عن الجبال فقل۔ فاء کے ساتھ جواب دیا اور یسئلونک عن الیتامٰی قل اصلاح میں فاء کے بغیر یہ کیوں؟ حالانکہ مضمون ایک ہی طرح کا ہے اور ایک جگہ فاء کے ساتھ تو دوسری جگہ فاء کے بغیر۔

جواب: دراصل یہاں پر اِن حرف شرط محذوف ہے۔ دراصل عبارت ان سئلوک ... الخ ہے۔ اس معنے پر اس آیت

میں سوال کیا نہیں تھا بلکہ ان کے سوال کو مشروط بہ شرط فرمایا اور دوسری آیت میں کفار سوال کر چکے تھے۔ ان کے سوال کے جواب میں فاء کی ضرورت نہ تھی۔ اس کی مثال دوسری آیت و یسئلونک عن المحیض .... الخ ہے۔ ایسے ہی دیگر مقامات میں بھی ایسے ہی ہے کہ سوال ہو چکا تو اس کے جواب میں فاء نہیں لائی گئی۔

فائدہ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم اگر آپ سے پہاڑوں کے بارے میں سوال کریں کہ قیامت میں اللہ تعالے ان سے کیا کرے گا تو آپ انہیں فرمایئے کہ میرا پروردگار انہیں اپنی قہاریت کی صفت سے ریزہ ریزہ کر دے گا۔ جیسے صفت ربوبیت سے کوہ طور کو سرمہ سا بنا دیا۔

فَيَذَرُهَا :

حل لغات : اہل لغت کہتے ہیں : فلا یذر الشیء یعنے فلاں شے کو غیر معتبر سمجھ کر پھینک دیتا ہے۔ اس کی ماضی مستعمل نہیں ہوتی۔ اسی لیے و ذر کلام عرب میں نہیں آتا۔

اب معنے یہ ہوا کہ اللہ تعالے زمین ٹھکانے۔ اور اس کے مراکز چھوڑ دے گا۔

قَاعًا، خالی مکان۔ یہ دراصل قوع تھا۔

ف : القاموس میں ہے کہ القاع وہ نرم اور پکی زمین جس سے پہاڑ اور ٹیلے پھوٹ نکلیں۔

صَفْصَفًا○ برابر، ایسے معلوم ہوگا جیسے اس کے اجزاء ہر طرف سے گویا ایک صف میں ہیں۔

لَّا تَرٰى جملہ مستانفہ ہے۔ قاع، صفصف کے انواع کی کیفیت بیان کرنے کے لیے ہے اور یہ خطاب ہر شخص کو ہے جسے رویت حاصل ہو یعنے اس وقت نہ رؤیت بصر سے اور نہ رؤیت بصیرت سے پہاڑوں کی قرارگاہوں کو دیکھ سکو گے۔ عِوَجًا (بالکسر) کسی قسم کا ٹیڑھا پن بوجہ اس کے مخفی ہونے سے یہ معانی کے مخفی ہونے کے قبیل سے ہے کیونکہ عوج بالکسر معانی سے مخصوص ہے۔

ف : المفردات میں ہے کہ سیدھے حال سے ٹیڑھا ہونا ہے۔ العوج ان اشیاء کو کہا جاتا ہے جن کا بصر سے ادراک کیا جائے جیسے سیدھی کھڑی لکڑی کا ٹیڑھا پن۔ اور عوج (بالکسر) وہ ٹیڑھا پن جس کا ادراک فکر و بصیرت سے کیا جائے جیسے بسیط زمین اور دین اور معاش وغیرہ۔

وَّلَآ اَمْتًا○ اور نہ ہی تھوڑی سی اونچائی۔

حل لغات : زمخشری نے کہا کہ الامت بمعنے النتوّ الیسیر یعنے تھوڑی سی اونچائی۔

ف : القاموس میں ہے کہ الامت بمعنے المکان المرتفع اور چھوٹے چھوٹے ٹیلے یعنے اس وقت زمین پر نہ نیچائی دیکھو گے اور نہ ہی اونچائی۔

ف : المناسبات میں لکھا ہے کہ اس وقت زمین پر اونچائی اور نیچائی کا کوئی فرق نہ دیکھو گے۔

ف : جلالین میں ہے کہ اس میں نہ انخفاض (نچائی) دیکھو گے نہ ارتفاع (اونچائی) ۔

ف : تفسیر الفارسی میں ہے کہ ھبوطاً پستی درمنارہ یعنے منارہ کی اونچائی ۔ ولا امتا اور نہ بلندی واونچائی ۔

یَوْمَئِذٍ جس دن کہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے یوم وقت النسف کی طرف مضاف اور یَتَّبِعُوْنَ کی ظرف ہے یعنے اس وقت لوگ پیچھے لگیں گے ۔ الدَّاعِیَ اس پکارنے والے ، جو محشر و موقف کی طرف بلائے گا ۔ اس سے حضرت اسرافیل علیہ السلام مراد ہیں ۔ وہ نفخ ثانیہ کے وقت صخرۂ بیت المقدس پر کھڑے ہو کر لوگوں کو یوں ندا دے کر بلائیں گے :

ایتھا العظام البالیۃ والاوصال المتفرقۃ — اے بوسیدہ ہڈیو ! اے متفرق جوڑو ! اور اے گوشت

واللحوم المتمزقۃ قوموا الی عرض — کے ٹکڑو ! اٹھو ! رحمٰن کے پیش ہو جاؤ ۔

الرحمٰن ۔

یہ سن کر ہر طرف سے لوگ اٹھیں گے اور اس کی آواز کی طرف چل پڑیں گے لَا عِوَجَ لَهٗ کوئی بھی اس پکار سے ہٹ کر نہ جائے گا سیدھے اسی کی طرف چلیں گے جہاں سے بلانے والا بلا رہا ہو گا کیونکہ زمین کا کوئی حصہ بھی اونچا نیچا نہ ہو گا اس لیے سیدھے اسرافیل علیہ السلام کی آواز کی طرف چلے جائیں گے ۔ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ اور گھبراہٹ کی شدت اور رب تعالیٰ کی ہیبت سے آوازیں پست ہو جائیں گی ۔

حل لغات : الخشوع والخضوع بمعنے التواضع والسکون یا خشوع استعمال صوت وبصر میں اور خضوع بدن میں ہوتا ہے ۔

ف : المفردات میں ہے کہ الخشوع بمعنے الضراعۃ ، خشوع کا اکثر استعمال اس پر ہوتا ہے جو اعضاء میں پایا جاتا ہے اور ضراعۃ وہ جو قلب میں ہو ۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ اگر قلب خاشع ہو تو لازماً اعضاء بھی خاشع ہوتے ہیں ۔

ف : الصوت دو جسموں کے تصادم سے جو ہوا متموج ہو اسے آواز کہتے ہیں ۔ اور وہ عام ہے انسان اور غیر انسان سب کے لیے ۔ لیکن حرف وضعاً صرف انسان سے مخصوص ہے ۔

فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ۝ تو نہ پاؤ گے مگر ہلکی سی آواز بھی حروف مھموسہ کا اصل یہی ھمسا ہے ۔ اہل عرب کہتے ہیں :

ھمس الاقدام (قدموں کے چلنے کی وہ ہلکی آواز جو آہستگی سے سب سے مخفی ہو سکے) ۔

ف : کاشفی نے لکھا ہے کہ اس وقت نہ سنو گے مگر نرم آواز یعنے محشر میں چلتے وقت قدم اتنا آہستہ اٹھائیں گے کہ ان کی آواز نہایت زیادہ پست ہو گی ۔

محشر کا نقشہ حضرت امام غزالی قدس سرہٗ "الدرۃ الفاخرۃ" میں لکھتے ہیں کہ جب اسرافیل علیہ السلام پہلا صور پھونکیں گے تو پہاڑ اڑتے ہوئے نظر آئیں گے اور دنیا کی تمام نہریں اور دریا آپس میں مل جائیں گے ۔ پھر اس وقت زمین پر

پانی ہی پانی اور ہوا ہوگی اور ستارے جھڑ جائیں گے اور زمین و آسمان متغیر ہو جائیں گے۔
جملہ عوالم کا ہر فرد موت کا شکار ہو جائے گا زمین و آسمان میں کوئی بھی نہ رہے گا پھر اللہ تعالیٰ دوزخ کا ایک حصہ کھولے گا تو پھر اس سے شعلے بھڑ اٹھیں گے جو دریاؤں کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گے وہ شعلے زمین سے پانی چوس لیں گے زمین کالی سیاہ ہو جائے گی اور آسمان سیاہ تیل کی طرح اور ایسے محسوس ہوں گے گویا تانبہ پگھلا ہوا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ عرش کے خزانوں سے وہ خزانہ کھولے گا جس میں بحر الحیات ہے وہ زمین پر بارش کی طرح برسے گا جس سے انسان کی منی کی طرح کے قطرات نیچے زمین پر ٹپکیں گے تو ان قطرات سے انسانوں کے اجسام نکلیں گے بچے، بوڑھے اور جوان جس ہیئت میں مرے تھے، اسی ہیئت میں اٹھیں گے پھر عرش کے نیچے سے ایک لطیف اور نرم ہوا چلے گی اس سے زمین صاف ہوگی جس پر نہ پہاڑ ہوں گے اور نہ اونچائی نہ نیچائی۔ پھر اللہ تعالیٰ اسرافیل علیہ السلام کو زندہ فرمائے گا۔ وہ صخرۂ بیت المقدس نفخ صور فرمائیں گے۔ ان کے صور کے سوراخ سے روح نکل کر اپنے اجسام میں داخل ہوں گے یہاں تک کہ انسانوں کے علاوہ وحوش، طیور وغیرہ اس طرح سب زمین کے ساہرہ یعنے اس کے اوپر پھیل جائیں گے۔ جب کہ اس سے قبل وہ سب زمین کے اندر پڑے ہوئے تھے۔ بعض نے کہا کہ ساہرہ، جہنم کے کنارے پر ایک جنگل کا نام ہے۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ''ساہرہ'' ایک ایسی زمین ہے جو سفید چاندی کی طرح صاف و شفاف ہے جب سے اسے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا اس پر کبھی معصیت کا ارتکاب نہیں ہوا۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ لا تری فیھا عوجا، اس میں صفائی کی وجہ سے ٹیڑھا پن نہ دیکھو گے۔ ولا امتا اور نہ ہی اس میں اونچائی نیچائی۔

یومئذ یتبعون الداعی اس دن اس داعی کی اتباع کریں گے جس کی دعوت کو دنیا میں قبول کیا ہوگا۔ لا عوج لہ۔ اس میں کسی قسم کا ٹیڑھا پن نہ ہوگا یعنے جب دنیا میں اس کی اتباع میں زندگی بسر کی تو پھر آج آخرت میں اس کی ندا پر کسی قسم کا ٹیڑھا پن نہ کریں گے اور وہ داعی بھی اپنی جبلت انسانیہ کے مطابق اپنے داعیٔ حق تعالیٰ کی دعوت کے مطابق ہوگا کیونکہ حقیقی داعی و مجیب وہی اللہ ہے۔ کما قال:

''واللہ یدعوا الی دار السلام ویھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔''

اس سے ثابت ہوا کہ وہی داعی ہے اور مجیب بالہدایۃ بھی ہے کہ لسان مشیت سے انسان کی اجابت فرماتا ہے۔ (اسے اچھی طرح سمجھ لو) یہی وجہ ہر دور میں ہر قسم کے داعی باطل کی دعوت کرنے والی بہت سی مخلوق پائی جاتی ہے لیکن داعی حق کے تبعین ہمیشہ قلیل تعداد میں ہوتے ہیں یعنے حقیقی متبعین جنھیں اہل اللہ کہا جاتا ہے۔

ف: داعی ہویٰ و دنیا و شیطان و ملک و نبی، جنت و قربت کی دعوت ہر زمانہ میں جاری رہے گی اگرچہ ان کے مراتب و طبقات مختلف ہوتے ہیں۔

وخشعت الاصوات للرحمٰن یہ داعیٔ اللہ کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ جب کسی بندہ خدا کو رحمانیۃ کی صفت سے دعوت دیتا ہے تو اس کی آواز پست اور نہایت ہی ضعیف ہوتی ہے ۔ فلا تسمع الا ھمسا اس کی دعوت کے بعد ان کے متبعین کے قدموں کی آواز نہایت ہلکی ہوتی ہے جب کہ وہ ان کی دعوت کو قبول کرنے کے لیے ان کے ہاں حاضری دیتے ہیں۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ داعیٔ حق کی اتباع کرے کیونکہ ماسوی الحق کے، باقی ہر شئے باطل ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

۱ - در روی جز تو شد غل کلو
کل شیء ما سوے اللہ باطل

۲ - باطلند و مینمایندم رشد
زانکہ باطل باطلاں را می کشد

---

۳ - اشتر گوری مہار تومتین
تو کوشش می بین مہارت را مبین

۴ - گر شدی محسوس جذاب و مہار
پس نماندی این جہان دار الفرار

۵ - کیر دیدی کوپے سک می رود
سخرۂ دیو ستنبہ مے شود

۶ - درپی او کی شدی مانند حیز
پاسے خود را واکشیدی کیر تیز

۷ - گاؤ گر واقف ز قصاباں بدی
کی پے ایشاں بدان دکان شدی

۸ - یا بخوردے از کف ایشان سپوس
یا بدادے شیر شان از چاپلوس

۹ - ور بخوردے کی علف ہضمش شدی
گر ز مقصود علف واقف بدی

۱۰ - تو بجد کارے کہ بگرفتی بدست !
عیش این دم بر تو پوشیدہ شدست

۱۱ - بر تو گر پیدا شدی زان عیب و شین
زاں رمیدی جانت بعد المشرقین

۱۲ - حال کاخر زان پشیمان مے شوی
گر بود این حالت اوّل کی دوی

ترجمہ : ۱ - یہ جز کل کا پابند ہے اس لیے کہ سوائے اللہ کے ہر شے باطل ہے -

۲ - یہ باطل ہیں بظاہر ہمیں اچھے لگتے ہیں اس لیے کہ باطل باطل کو کھینچتا ہے -

۳ - اونٹ کی مہار تیرے ہاتھ میں ہے تم کشش کو دیکھو مہار کو مت دیکھو -

۴ - اگر جذاب و مہار محسوس ہوتے تو پھر یہ جہان دار القرار نہ ہوتا -

۵ - بوڑھا جو تیز رو کے ساتھ دوڑے سمجھو کہ وہ دیوار کے ساتھ مذاق کر رہا تھا -

۶ - اس کے پیچھے نامرد کی طرح ہو سکتا ہے جو کہ بوڑھا بڑے بڑے پاؤں اٹھاتا ہے -

۷ - گائے اگر قصاب کی واقف ہوتی تو ان کے دوکان کا نام کب نہ لیتی -

۸ - تو نہ اس سے کھل کھاتی اور نہ انھیں دودھ پلاتی -

۹ - اور نہ گھاس ہضم ہوتا جب سمجھتی کہ گھاس کھلانے کی غرض کیا ہے -

۱۰ - تو نے بھی جو کام ہاتھ میں لیا ہوا ہے اس عیش کا انجام بھی تجھ سے پوشیدہ ہے -

۱۱ - اگر تجھے اس کا عیب و نقص معلوم ہو جائے تو تم اسے اپنے آپ سے بہت دور پھینک دیتے -

۱۲ - بالآخر تو اس سے پشیمان ہوگا - اگر پہلے سے علم ہوتا تو اس کے پیچھے نہ ڈورتا -

يَوْمَئِذٍ آج کے دن یعنے جب کہ وہ مذکورہ ہیبت ناک امور واقع ہوں گے - لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ کسی بھی سفارشی کی سفارش کسی کو نفع نہ دے گی -

ف : المفردات میں ہے کہ امام راغب قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ الشفاعۃ بمعنے کسی دوسرے کا امدادی ہو کر اور اس کی طرف سائل ہو کر اس سے ملنا - اس کا اکثر استعمال اعلیٰ کا ادنیٰ کے ساتھ مدد و سوال کے ملنے کے لیے ہوتا ہے - قیامت میں شفاعت کا معنے اسی سے ہے -

إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ مگر جسے رب رحمٰن نے اجازت بخشی ہوگی کہ وہ کسی کے لیے شفاعت کرے - الاذن بمعنے الاعلام باجازتہ کسی کو اپنی اجازت کی خبر دینا اور کہنا اس کام کی تمہیں رخصت ہے - وَرَضِيَ لَهُ

قَوْلًا ○ اور بات کہنے کے لیے اس سے راضی ہو یعنے اس کے لیے اس کے متعلق شافع سے راضی ہو۔ اس کے سوا باقی کسی عام انسانوں کی سفارش کسی کو فائدہ نہ دے گی بفرض محال اگر کسی کو اجازت بھی ہو اور وہ مجرموں کی سفارش کریں بھی تب بھی قبول نہ ہو۔

کما قال تعالے :

فما تنفعهم شفاعة الشافعين انھیں سفارش کرنے والوں کی سفارش نفع نہ دے گی۔

آیت میں اعم المفاعیل سے استثنا رہے۔

يَعْلَمُ اللہ تعالے جانتا ہے۔ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ ان کے وہ حالات جو پہلے گذر سے ہیں۔ وَ مَا خَلْفَهُمْ اور گذشتہ امور سے ان کے بعد والوں سے سرزد ہوئے اور ضمیر داعی کے متبعین کی طرف راجع ہے

ف : کاشفی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالے جانتا ہے ان امور کو جو انسانوں کو آخرت میں پیش آئیں گے اور ان کے وہ امور بھی جانتا ہے جو آخرت سے پہلے دنیا میں ان سے سرزد ہوئے۔

ف : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اپنے بندوں کے وہ مختلف احوال جانتا ہے جو ان کے آغاز تخلیق میں لکھے گئے تھے اور ان کے اختلاف احوال الی الابد کو بھی۔

وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ○ اور جہت علم و دانش جملہ عالم اللہ تعالے کے علم کو محیط نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ قدیم ذات ہے اور مخلوق کا علم قدیم کو محیط نہیں ہو سکتا۔

ف : اس میں اشارہ ہے کہ اس کی معرفت کی کُنہ سے کل عالم عاجز ہے۔

ے

کجا دریابد او را عقل چالاک
کہ بیرونست از سرحد ادراک
تماشا می کن اسما و صفاتش
کہ آگہ نیست کس از کنہ ذاتش

ترجمہ : ① عقل چالاک اسے نہیں پا سکتا۔ اس لیے ادراک کی سرحد سے وہ خارج ہے۔

② اس کے اسماء وصفات کا تماشا کیجئے کیونکہ اس کی ذات کی کنہ سے کوئی بھی آگاہ نہیں۔

صوفیانہ فائدہ اس کی ذات کے سوا اس کو کوئی نہیں جانتا ہے اور نہ اس کے سوا اس کا کوئی ذکر کر سکتا ہے۔ درحقیقت عالم بھی وہی ہے ذاکر بھی وہی کیونکہ مخلوق حادث اور فانی الوجود اور وہ قدیم باقی الوجود ہے اور باقی کا فانی کو ادراک نہیں ہو سکتا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ باقی کو صرف باقی پا سکتا ہے بلکہ اس کے ازلی کمال کے ایک ذرہ کو کوئی بھی نہیں پا سکتا۔

اس لیے من کل الوجوہ اس کے وجود کو نہ صفاتاً پایا جاسکتا ہے اور نہ ذاتاً اور نہ سرًا اور نہ حقیقتاً۔

ف: حضرت واسطی رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ اس کی ذات کے احاطہ کے لیے راہ ملے بھی کیسے اور علمی لحاظ سے اس کا احاطہ بھی نہیں ہوسکتا، اور آسمان کو بھی کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔ جس کا جوہر محسوس ہو رہا ہے پھر وہ ذات کس طرح احاطہ میں آسکتی ہے جس کی کُنہ میں عقول و افہام عاجز ہیں۔

ف: المفردات میں ہے کہ احاطۃ الشیء بمعنے شے کا وجود وجنس وکیفیت اور اس کی غرض معلوم کرنا جس کے لیے وہ شے پیدا ہوئی اور دیگر اس کے متعلقات جو اس کی غرض سے متعلق ہیں اور یہ صرف اللہ تعالےٰ کا علم ہے۔

فائدہ صوفیانہ: انوار المشارق میں ہے کہ طریقہ صوفیہ کرام میں ہے کہ جن امور کی کنہ میں ادراک عاجز ہے ان کی طلب بھی جائز ہے ہاں ان امور کی طلب ناجائز ہے جن کا وجود عقلاً محال ہے۔

اس سے وہ اعتراض رفع ہوگیا جو کہا جاتا ہے کہ عقول بشریہ کو ذات الٰہیہ کا ملنا کب ممکن ہے جب کہ اس کی ذات کی کُنہ عقول عاجز ہیں کہاں سورج کہاں چمگاڈر کی آنکھ۔

مسئلہ الشیخ محمد پارسا قدس سرہٗ نے فصل الخطاب میں لکھا ہے کہ جو شے عقلاً محال ہے اس کا ولایت کی کرامت سے صدور ناجائز ہے ہاں جس امر کے ادراک سے عقل قاصر ہے اس کا صدور ولایت کی کرامت سے جائز ہے۔ جو شخص استحالہ وقصر عقل کا فرق نہیں سمجھتا وہ بے عقل (جاہل) ہے۔

مسئلہ الشیخ عزالدین ذات حق اور اس کے صفات عقول کی نظر سے پوشیدہ ہیں۔ عارفین کی معرفت کی انتہا یہ ہے کہ وہ یقین کریں کہ معرفت ذات حق کی حقیقت غیر اللہ کو منکشف ہونا محال ہے ہاں عارفین اللہ بایں معنی ہیں کہ انہیں اللہ تعالےٰ کے اسماء وصفات کی معرفت نصیب ہوتی ہے جتنی معلومات باری تعالیٰ اور اس کے عجائب مقدورات اور دُنیا و آخرت کی عجیب وغریب منکشف ہوتی ہیں اسی قدر اسے معرفت الٰہیہ نصیب ہوتی ہے پھر آخرت میں درجات کی کمی وبیشی اسی معرفت کی وجہ سے ہوگی۔

وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ط حیّ وقیوم کے سامنے سب کے چہرے جھک جائیں گے۔

حل لغات: عنوت فیھم عنوا وعناء سے ہے بمعنے صرت اسیرا، میں قیدی ہوگیا۔ عنیت وخصعت کا ایک ہی معنی ہے۔ (کذافی القاموس)۔

سوال: واقعہ تو قیامت میں ہوگا پھر اسے ماضی سے تعبیر کیوں کیا۔ یہاں تو تعنو کہنا چاہیے تھا؟

جواب: تاکہ تحقیق وثبوت کا یقین ہو۔ (کذافی البحر العلوم)

الوجوہ کی لام جنس کی ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہاں ہر چہرہ مراد ہے، مومن ہو یا کافر، نیک ہو یا بد، یا عہد کا ہے۔ اس سے صرف عاصیوں کے چہرے مراد ہیں۔ کما قال تعالےٰ:

سیئت وجوہ الذین کفروا :
مکلفین کے بجائے وجوہ کہنے میں اشارہ ہے کہ عاجزی کا ظہور چہروں میں ہوتا ہے ۔ (کذا فی الکبیر)
اب معنٰے یہ ہوا کہ قیامت میں حی وقیوم کے سامنے چہرے عاجز ہو جائیں گے اور ایسے ذلیل وکمزور ہوں گے جیسے قیدی جابر و قہری حاکم کے سامنے ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وجوہ مکونات حی وقیوم کے لیے جھک جائیں گے کیونکہ ان کا زندہ ہونا اس کی حیات کی وجہ سے ہے اور وہ اپنے قیام و قوام میں اسی کے محتاج ہیں اضطراراً یا اختیاراً ، ہر طرح سے اس کی ذات کے سوا کسی کو چارہ کار نہیں ۔

ف : العرائس میں ہے کہ عرف میں صاحب وجہ وہ ہے جو جملہ ذو وجاہت سے وجیہ تر ہو ۔ اس معنی پر حقیقی وجیہ انبیاءٔ ومرسلین اور اولیاء مقربین ہیں اور لوگ وجوہ الحور اور حسین چہروں کو ذو وجاہت سمجھتے ہیں یہ ان کی غلطی ہے ۔

ف : جملہ عالم کے حسین وجمیل ہونا اللہ تعالٰے کے حسن وجمال اور جلال کا کرشمہ ہے ۔ اگرچہ جملہ عالم کا ہر فرد یوسفؑ کے حسن وجمال کا آئینہ دار ہو تب بھی اللہ تعالٰے کے حسن وجمال کے آگے لاشے ہے بلکہ جب وہ اپنے حسن ازلی سے حجاب اٹھائے گا تو تمام عالم اپنے حسن وجمال کو بھول کر اس کے آگے سر تسلیم خم ہو جائے گا ۔

مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

آہنگ جمال جاودانی آرم
حسنی کہ نہ جاودان ازان بیزارم

ترجمہ : وہ جمال جو دائمی ہے مجھے اسی سے پیار ہے اور حسن فانی سے میں بیزار ہوں ۔

اسم اعظم : حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالٰے عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورعالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسم اعظم کو ان تین سورتوں میں تلاش کرو :

(۱) بقرۃ (۲) آل عمران (۳) طٰہٰ

ف : راوی نے فرمایا کہ وہ تینوں آیتیں " لا الہ الاھو الحی القیوم " ان میں مشترک ہیں ۔

تفسیر عالمانہ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ○ اور بے شک خسارے میں ہے وہ جس نے ظلم سر پہ اٹھایا یعنے جس نے شرک کیا لیکن تائب ہو کر نہ مرا ، بے بہرہ اور محروم رہا ۔

ف : امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ الحنیفۃ وہ شے جو مطلب کے اوپر (بمنزلہ پردے کے) ہو ۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ ۔ باعتبار مضمون من یعمل کا مفعول اور من تبعیضیہ ہے یعنے وہ جو بعض نیک عمل کرتا ہے ۔ وَهُوَ مُؤْمِنٌ ، حالانکہ وہ مومن ایمان کی شرط صحت طاعات وقبول حسنات کے لیے ہے ۔ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا

وَّلَا هَضْمًا۝ تو وہ نہ ثواب کے نہ ملنے کا خوف کرے گا اور نہ اس کی کمی کا کیونکہ جس کا وہ مستحق ہے اس کا اسے اللہ تعالیٰ سے وعدہ ہو چکا ہے اور اللہ تعالیٰ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔

حل لغات : ھضم الطعام اسی سے ہے۔ امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ھضم بمعنے وہ ٹوٹنا جس میں نرمی ہو۔ اہل عرب کہتے ہیں :

ھضمتہ فانھضم (میں نے اسے آہستگی سے توڑا تو وہ ٹوٹ پڑا)

ھضم الدواء الطعام یعنے معدہ میں پھنسے ہوئے طعام کو دوا نے توڑا۔ الھاضوم وہ دوا جو طعام کو ہضم کرے۔ ونخل طلعھا ھضیم وہ کھجور جس کا گابھا نرم و نازک ہے۔ اس کے بعض اجزا بعض میں داخل یعنے شدخ کی طرح ہیں۔

ف : جناب کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ اس دن ستم و بیداد سے نہ ڈرے گا جیسے زیادتی سیئات سے مجرم کو ڈر ہوگا اور نہ ہی حسنات کے ثواب میں کمی اور نقصان سے خوفزدہ ہوگا یعنی مومن کی حسنات میں کمی نہ کی جائے گی اور نہ اس کی برائیوں میں زیادتی۔

سبق : اعمال صالحہ پر التزام اور برائیوں سے بچنا لازم ہے کیونکہ قیامت میں ہر شخص کو اپنے اعمال کے اشجار کا ثمر ملے گا اور اعمال صالحہ سے ہی نیک انجام پائے گا اور سب سے افضل اعمال فرائض کی ادائیگی اور محارم سے اجتناب ہے۔

سبق سلیمان بن عبدالملک نے ابوحازم کو فرمایا کہ مجھے نصیحت فرمایئے لیکن اختصار کو مدنظر رکھنا۔ حضرت ابوحازم نے فرمایا کہ اے سلیمان بن عبدالملک اللہ تعالیٰ کو منزہ و مقدس جاننا اور ان امور سے بچنا جن سے اس نے روکا ہے جب کہ یہ تصور ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت دیکھ رہا ہے اور جن امور کا اس نے حکم کیا ہے ان کی ادائیگی میں ہر وقت کمربستہ رہنا۔

سبق بعض مشائخ نے فرمایا کہ خواہشات نفسانی کی اتباع کی ایک علامت یہ ہے کہ نفلی عبادات میں تو کمی اور ناغہ نہ کیا جائے لیکن فرائض کی ادائیگی میں سستی کی جائے۔ اور عام لوگوں کا حال یہی ہے، ہاں جسے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ کیا نہیں دیکھتے کہ خام خیال صوفی اوراد و وظائف اور نوافل پڑھتے ہیں اور سخت سے سخت عبادات کی مشغولی رکھتے ہیں لیکن فرائض کی اولاً تو ادائیگی کرتے ہی نہیں اگر کچھ کرتے ہیں تو لاپرواہی سے۔ ایسے لوگ اصول دین کو ضائع کرنے کی وجہ سے وصول الی اللہ سے محروم ہیں۔

حکایت حضرت ابومحمد مرتعش رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے شرعی اصول کی پابندی اور تصوف کے قانون قدم تجرید کے مطابق متعدد حج پڑھے۔ ایک روز میری ماں نے رات کے وقت پانی مانگا تو مجھے رات کو اٹھنا ناگوار گذرا اس سے میں نے سمجھا کہ میرے وہ تمام حج مبنی بر اخلاص نہیں تھے، ان میں میرے نفس کی شرارت اور حظ نفسانی کی ملاوٹ تھی کیونکہ اگر ان میں ایسی خرابی نہ ہوتی تو آج مجھے پانی پلانے کے لیے طبیعت میں ناگواری کا تصور نہ آتا حالانکہ ان جملہ مناسک حج سے اس حق شرع یعنے ماں کی خدمت کو فوقیت ہے۔

مرشد کامل کی ضرورت : نیک اعمال سے بندہ صرف عابد ہو سکتا ہے لیکن معارف الٰہیہ اور وصول الی الدرجات العالیات

کے لیے مرشد کامل کی ضرورت ہے اس کے بغیر ان کا حصول ناممکن ہے یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے مشائخ اولیار مقربین و ابرار کی صحبت کے لیے دُور دُور سفر کیے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

من بسر منزل عنقا نہ بخود بردم راہ
قطع ایں مرحلہ با مرغ سلیمان کردم

ترجمہ: میں عنقا کی منزل تک نہ پہنچ سکا۔ یہ منازل میں نے مرغ سلیمان کے ساتھ طے کیے۔

تفسیر عالمانہ وَكَذٰلِكَ۔ یہ اشارہ ان آیات سابقہ کی طرف ہے جن میں وعیدیں بیان کی گئی اور بتایا گیا کہ کل قیامت میں ایسے ہولناک واقعات ہوں گے۔ اب معنے یہ ہوا کہ سابقہ آیات کے انزال کی طرح۔ اَنْزَلْنٰهُ یعنی نازل کیا جملہ قرآن۔

سوال: لفظ قرآن کو مذکور نہیں اور پھر اس کی طرف ضمیر کیسے راجع ہوسکتی ہے؟

جواب: چونکہ اس کا تصور جملہ اذہان میں راسخ ہے اسی لیے اس کی تصریح کی ضرورت ہی نہیں اور بحر العلوم میں ہے کہ یہ بھی ممکن ہے کہ ضمیر انزلنٰہ کے مصدر انزال کی طرح راجع ہو یعنے اس انزال بیّن کی طرح ہم نے قرآن کو نازل کیا۔ درآں حالیکہ وہ: قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا قرآن عربی ہے یعنے وہ عرب پر نازل ہوا تاکہ عرب کے لوگ اس کے اعجاز کو سمجھیں اور انھیں یقین ہو کہ یہ کلام بشر کی حد سے باہر ہے۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جیسے ہم نے آدم علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام پر صحائف و کتب ان کی زبانوں اور لغتوں میں نازل فرمائیں ایسے ہی ہم نے آپ پر لغت عرب میں قرآن اتارا۔ اور اللہ تعالٰی کا حقیقی کلام تو وہ ہے جو اس کی صفت اور اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور وہ مختلف حروف و اصوات سے منزہ ہے کیونکہ حروف و اصوات مخلوق ہیں اور انھیں مختلف لغات اور مختلف زبانوں سے تعلق ہے۔

وَصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ:

حل لغات: الصرف بمعنے ایک شے کو ایک حالت سے دوسری حالت پر پھیرنا یا اسے غیر کے ساتھ بدلنا۔ التصریف بھی یہی معنٰے ہے لیکن اس میں تکثیر مطلوب ہوتی ہے اور اکثر صرف کا اطلاق ایک شے کو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف یا ایک امر کو دوسرے امر کی طرف ہوتا ہے۔ تصریف الریاح کا یہی مطلب ہے کہ انھیں ایک حال سے دوسرے حال کی طرح پھیرا جاتا ہے۔ الوعید بمعنے تہدید بمعنے خوف اور ڈر دکھانا۔

اب معنی یہ ہوا کہ ہم نے قرآن مجید میں بعض وعیدیں بار بار بیان کیں۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ جیسے ذکر طوفان اور رجفہ وصیحہ اور خسف و مسخ۔

ف : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہم نے آپ کی قوم کو ان مختلف عقوبات سے ڈرایا جن میں سابقہ امتیں مبتلا ہوئیں اور پھر بار بار انھیں دہرایا تاکہ عبرت حاصل کریں۔

ف : تفسیر الکبیر میں ہے کہ ان میں فرائض امحارم بھی داخل ہیں کیونکہ یہ بھی وعیدات پر مشتمل ہیں۔

لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ تاکہ وہ بالفعل کفر و معاصی سے بچ جائیں۔ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ۝ اور انھیں نیا ذکر پیدا کرے یعنی قرآن مجید ان کے لیے الفاظ و اعتبار کی تجدید کرے تاکہ یہ پہلے لوگوں کے حالات کی ہلاکتیں اور تباہیاں سن کر اپنی آخرت سنواریں اور متقی اور پرہیزگار بن جائیں۔

ف : الاحداث الشی بمعنے ایجاد۔ اور الحدوث بمعنے سے کامعدوم کے بعد موجود ہونا، وہ عرض ہو یا جوہر۔

فَتَعٰلَى اللّٰهُ۔ تعالیٰ کا مادہ علو ہے یعنے ہر اونچے سے اونچا اور بزرگ سے بزرگتر مرتبہ سے اللہ تعالیٰ کا مرتبہ بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے کیونکہ وہی مؤثر و واجب الذات ہے اور اس کا ماسویٰ اس کے اثرات اور کل کائنات ممکن اور یہ واجب۔ اور واجب و ممکن کے مابین مماثلت کیسی ؟

ف : الارشاد میں ہے کہ اس میں اللہ تعالےٰ کی عظمت کا بیان ہے اور ان شئون کو ظاہر کرنا ہے کہ جن سے وہ اپنے بندوں پر امامر و نواہی کا تصرف کرتا ہے اور وعید و وعدہ سُناتا ہے اور اپنی ذات و صفات و افعال و احوال میں مخلوق کی مماثلت سے منزہ و مقدس ہے۔

الْمَلِكُ وہی حقیقی بادشاہ اور اسی کی حقیقی نہی و امر نافذ ہے بایں طور صرف اسی کے وعدہ کی امید اور صرف اسی کی وعید سے خوف رکھنا چاہیے۔ الْحَقُّ ج ملکوت میں اسی کی سلطنت ثابت ہے الوہیت حقیقی اسی کی ہے اور ہر شے اس کی ذاتی ملک ہے۔ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ اور قرآن مجید کے نزول سے پہلے جلدی نہ کیجیے۔ قبل اس کے کہ آپ تک پہنچایا جائے اور سننے سے فراغت نہ پائی جائے قضی بمعنے فرغ آتا ہے۔

کما قال تعالےٰ :

لقضی الیھم اجلھم — ان کی مدتِ مقررہ اوران کے اجل سے فارغ ہوا۔

وَحْيُهٗ۔ وحی یعنے القائے الٰہی اور اس کی قرأت سے۔

شانِ نزول جب قرآن لے کر حضرت جبریل علیہ السلام حضور علیہ السلام کے سامنے پڑھتے تو حضور علیہ السلام ان کے پیچھے پڑھتے تو حضور علیہ السلام اس کے یاد کرنے میں جد و جہد کرتے۔ آپ کو اس طرز سے روکا گیا کیونکہ بہت سے ایسے مواقع بھی آتے ہیں کہ پہلے کلمے پڑھنے اور اس کے تتبع پر آنے والا کلمہ رہ جاتا ہے۔

اب معنے یہ ہوا کہ اے حبیب کریم صلے اللہ علیہ وسلم آپ خوف نسیان اور کسی حرف کے رہ جانے کی فراغت و تکمیل سے پہلے عجلت نہ کیجیے جب وہ پڑھ کر فارغ ہو پھر پڑھیں۔

تاویلات نجمیہ کی بہترین توجیہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاموشی سے سننے اور اس میں تدبیر کا حکم ہوا تاکہ آپ کو اس کے انوار و اسرار سے نور حاصل اور حقائق کا کشف نصیب ہو۔ اسی لیے اس کے بعد فرمایا :

وَقُلْ اور اپنے دل میں کہئے۔ **رَّبِّ** اے میرے پروردگار ! **زِدْنِیْ** بڑھا مجھے **عِلْمًا** ○ علم میں اور اس کے حقائق کے ادراک میں کیونکہ وہ غیر متناہی ہیں اور مجھے اس کے انوار سے نور بخش اور اس کے احکام کے مطابق بنا۔

ف : بعض مشائخ نے فرمایا کہ اس سے علم القرآن مراد ہے کیونکہ جونہی قرآن مجید کا نزول ہوتا تو اس سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں اضافہ ہو جاتا۔

ف : محمد بن الفضل نے فرمایا کہ اس سے علم النفس مراد ہے یعنے مجھے اپنے نفس اور اس کے پوشیدہ شرور کا علم دے کیونکہ اس کا شر دھوکا اور مکر و فریب ایسا ہے کہ جیسے تو ہی جانتا ہے جب معلوم ہوگا تو میں اس کی مدد سے اس کی شرارتوں، مکر و فریب اور دھوکے سے بچ جاؤں گا۔

مسئلہ : حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ جب اس کو پڑھتے تو اس کے بعد یہ دعا مانگتے :

اللھم زدنی ایمانا و یقیناھك اے اللہ ! مجھے ایمان اور اپنی ذات کے یقین میں اضافہ عطا فرما۔

یہی اجل و ادق تفسیر ہے یعنے انھوں نے ایمان و یقین کو ذات سے متعلق کیا اور غیر سے بیزاری کا اظہار۔ اور یہی اصعب الامور ہے۔ فقیر حقی نے اپنے شیخ و مرشد قدس سرہ سے ایسے ہی سنا۔

قاعدہ : بعض مفسرین نے فرمایا کہ جہاں بھی اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے طلب زیادتی کا کہا وہاں علم کا اضافہ مراد ہے۔

نکتہ : کاشفی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے زیادتی علم کی دعا کی تو اللہ تعالےٰ نے انھیں خضر علیہ السلام کے حوالے کر دیا لیکن محبوب علیہ السلام کے مانگے بغیر خود علم عطا فرمایا کسی دوسرے کا آپ کو محتاج نہیں بنایا تاکہ معلوم ہو کہ جس ذات کو ادبنی ربی کا مکتب اور قل رب زدنی علما کا سبق نصیب ہو اور جس نے درسگاہ علمك مالم تکن تعلم سے، علمت علم الاولین والآخرین کا نکتہ سیکھا ہو اس کے حقائق علوم و اسرار تک پہنچنا کس کی مجال ہے

علم ہائے انبیاء و اولیاء
در دلش رخشندہ چون شمس الضحیٰ
عالمی کاموز کارش حق بود !
علم او بس کامل مطلق بود

ترجمہ: حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر میں انبیاء و اولیاء کا علم سورج کی طرح چمکتا ہے۔

وہ عالم جس نے علم اللہ تعالٰے سے سیکھا ہو تو اس کا علم کامل ہوگا۔

حکایت ابراہیم ہروی نے کہا کہ میں حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ کی محفل میں بیٹھا تھا۔ کسی نے کہا کہ فلاں فلاں کا شاگرد ہے۔ حضرت ابویزید قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ان مسکینوں نے مردوں سے علم حاصل کیا اور ہمارا علم تو اس ذات سے حاصل کردہ ہے جسے ہمیشہ دوام اور بقا ہے۔

کرامت حضرت ابوبکر کتانی نے کہا کہ مجھے خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں صنعا کی مسجد میں تھا، تمام لوگ عبدالرزاق سے حدیث شریف کا درس سن رہے تھے لیکن ایک نوجوان مسجد کے ایک کونہ میں مراقب بیٹھا تھا۔ میں نے کہا کہ اے نوجوان! تم عبدالرزاق کی باتیں نہیں سنتے۔ اس نے کہا کہ میں خود رزاق کی باتیں سُن رہا ہوں مجھے عبدالرزاق سے کیا کام؟ میں نے اسے کہا کہ یہ واقعی ایسے ہے تو بتایئے کہ میں کون ہوں؟ اس نے فرمایا کہ آپ خضر علیہ السلام ہیں۔

آیت میں علم کی شرافت اور بزرگی کا بیان ہے۔ سیدنا الشیخ الاکبر قدس سرہٗ نے فرمایا کہ علم اللہ تعالٰے کا نور ہے جس کو اللہ علم عطا کرنا چاہتا ہے تو اس کے دل میں وہی نور ڈال دیتا ہے اور وہ علم اس دل میں قائم ہوتا ہے جو شخص جس شے کو جاننا چاہتا ہے تو وہی نور حقائق اشیاء سے ایسے آگاہی پاتا ہے جیسے ہم آنکھوں سے دیکھ کر شے کو جانتے ہیں علم بصیرت کے لیے ایسے ہے جیسے آنکھ بصر کے لیے بلکہ اس سے بھی زیادہ

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صحابہ کرام نے عرض کیا کہ کونسا عمل سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا:

"العلم باللہ"

صحابہ کرام نے عرض کیا کہ ہم نے عمل کا پوچھا ہے، آپ علم بتاتے ہیں۔ تو پھر بھی آپ نے فرمایا: العلم باللہ، صحابہ کرام نے پھر اسی طرح عرض کی تو آپ نے فرمایا:

قلیل العمل ینفع مع العلم وان کثیر العمل لا ینفع مع الجھل۔ — تھوڑا عمل علم سے ہو وہ نافع ہے لیکن بہت عمل جہل سے چنداں نافع نہیں۔

ف: اور معتبر علم نافع ہے ورنہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے علم غیر نافع سے پناہ مانگی۔ کما قال علیہ السلام:

اللھم انی اعوذبک من علم لا ینفع۔ — اے اللہ! میں علم غیر نافع سے پناہ مانگتا ہوں۔

ف: علم تصفیہ قلب کے بغیر ناممکن ہے اور تصفیہ قلوب اللہ تعالٰے کے اعلیٰ قربات و افضل طاعات سے ہے اسی اکابر مشائخ کا مطمع نظر اصلاح قلوب اور باطن کی اصلاح تھی۔

پاک و صافی شو و از چاہ طبیعت بدرآی
کہ صفائی ندہد آب تراب آلودہ

ترجمہ : چاہ طبیعت سے باہر آ اور پاک وصاف ہو اس لیے کہ جس پانی میں مٹی کی ملاوٹ ہو وہ کبھی پاک وصاف نہ ہوگا۔

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ

حل لغات : عہد فلان الی فلان بعہد بمعنے القی العہد الیہ ...الخ یعنے فلاں نے اس کے ساتھ عہد کیا اور اس کی حفاظت کے لیے اسے وصیت کی۔ اور العہد بمعنے حفظ الشیٔ ومراعاتہ حالًا بعد حال۔ ہر حالت میں شے کی حفاظت اور نگرانی کرنا اور وہ پختہ امر جس کی نگرانی لازم ہو۔ اسے عہد سے بھی سے اسی لیے تعبیر کرتے ہیں اور اللہ تعالٰی کا ایک عہد تو وہی ہے جو ہمارے عقول میں مرکوز ہے اور کبھی اس کا اطلاق اس پر بھی ہوتا ہے جس کی ہم کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ سے مامور ہیں اور اس امر کو بھی عہد کہا جاتا ہے جو شرعًا تو ہمارے لیے لازم نہیں لیکن ہم نے اوپر خواہ مخواہ لازم کر دیا جیسے نذر اور دیگر امور۔ آدم سیدنا ابو البشر علیہ السلام کا اسم گرامی ہے۔ وہ اس نام سے اس لیے موسوم ہوئے کہ ان کا جسم اطہر ادیم الارض سے تیار ہوا یا اس لیے کہ رنگ گندمی تھا۔ ادمۃ سے مشتق کیا گیا جیسے کہا جاتا ہے رجل آدم بمعنے اسمر یعنے گندمی رنگ والا۔

ف : بعض نے کہا ہے کہ اس نام سے اس لیے موسوم ہوئے کہ مختلف عناصر اور متفرق قوٰی سے ان کی ترکیب ہوئی مثلاً کہا جاتا ہے :

جعلت فلانا

بعض نے کہا کہ وہ روح منفوخ فیہ سے اطیب ہوتے اور انھیں عقل وفہم اور رؤیت سے نوازا گیا ان امور سے وہ جملہ دیگر تمام مخلوق سے افضل ہو گیا۔ اسی لیے سالن کو عربی میں ' ادام ' کہا جاتا ہے کہ اس کی وجہ سے طعام لذیذ ہو جاتا ہے۔ اور بعض نے کہا کہ یہ عجمی لفظ ہے اسے عربی کے مادہ سے تعلق نہیں اور یہی زیادہ موزوں ہے۔

اب معنے یہ ہوا کہ بخدا ہم نے آدم علیہ السلام کو حکم فرمایا اور تاکید فرمائی کہ درخت کو نہ کھانا اور یہ خاص درخت تھا جس کا ذکر ابھی آتا ہے)۔

مِنْ قَبْلُ اس زمانے سے پہلے ۔ فَنَسِیَ تو وہ عہد کو بھول گئے اور اس کے ایفا کا اہتمام نہ کیا یہاں تک کہ اس سے غافل ہو گئے۔

نسیان کی تحقیق

نسیان بمعنے شے کا یاد نہ رہنا یا بھلائی ہوئی شے کا ترک۔
امام راغب نے فرمایا کہ انسان کا اس شے کو ترک کرنا جس کا ضبط اس میں بطور امانت رکھا گیا اس کا

سبب یا تو ضعف قلب یا غفلت یا عمداً اس سے لاپرواہی کی جائے کہ دل میں اس کا تصور اور خیال نہ رہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے جس نسیان کی مذمت کی ہے اس سے وہ نسیان مراد ہے جو عمداً ہو اور جس نسیان میں عذر ہو جیسے حدیث شریف میں ہے کہ میری امت سے خطا و نسیان مرفوع یعنی معاف ہے تو وہ نسیان ہے جس کا سبب انسان کی طرف سے نہ ہو۔

وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ۝ اور ہم نے اس کا عزم نہیں پایا۔ اگر اس سے وجود علمی مراد ہو تو لہ اور عزما اس کے دو مفعول ہیں اور لہ عزما سے اس لیے مقدم ہے کہ لہٗ ظرف ہے۔ اگر اس سے وجود عدم کا بالمقابل مراد ہے اور یہی زیادہ موزوں ہے کیونکہ اسی معنے سے ہی فائدہ شرعی مرتب ہو سکتا ہے اور عزما اس کا مفعول ہے فلہ فعل کے متعلق ہے۔

حل لغات: العزم فعل پر نفس کو پختہ کرنا اور اس کے اجزاء پر قلب کو مضبوط رکھنا:

اب معنے یہ ہوا کہ ہم نے آدم علیہ السلام کو گندم کا دانہ کھانے پر پختہ ارادہ نہیں پایا یا اس کا معنے یہ ہے کہ جس معاہدہ پر مامور ہوئے تھے اس پر ثابت قدم نہ پایا ورنہ انھیں شیطان نہ ڈگمگاتا اور نہ ہی دھوکہ کرتا اور یہ آدم علیہ السلام کی ابتدائی زندگی میں ہوا اور ایسے دور میں تجربہ کاری اور پختہ رائے بہت کم ہوتی ہے۔ اسی لیے اگر انھوں نے گندم کا دانہ کھا لیا تو قابل مذمت نہیں، یہ نہیں کہا جا سکتا کہ، معاذ اللہ، انھوں نے کمیٔ عقل کی وجہ سے ایسے کیا۔ بلکہ ایسا کہنا خود کم عقلی کی دلیل ہے کیونکہ وہ تو ہم سب سے زیادہ عقیل و فہیم اور صائب الرای تھے۔ اسی لیے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لو وزنت احلام بنی ادم لرجح حلمہ۔ اگر جملہ بنی آدم کے عقول و افہام ایک پلڑے اور حضرت آدم علیہ السلام کی عقل و فہم دوسرے پلڑے میں ہو تو آدمؑ کے عقل و فہم کا پلڑا بڑھ جائے گا۔

خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ولم نجد لہ عزما۔

ف: غور کیجئے کہ ایسے بلند مراتب ہونے کے باوجود جب آدم علیہ السلام پر شیطان کے وسوسہ کا اثر ہوا تو پھر ہم کس باغ کی مولی ہیں؟

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

دام سخت است مگر لطف خدا یار شود

ورنہ آدم نبرد صرفہ ز شیطان رجیم

ترجمہ: دام سخت ہے ہاں اگر اللہ تعالیٰ کا لطف شامل حال ہو جائے تو پھر آسان ہے ورنہ آدم علیہ السلام بھی شیطان رجیم سے گھڑی نہ سنبھال سکے۔

ف: یہ اس وقت کی بات ہے جب انسان سے نسیان پر بھی مواخذہ ہوتا تھا یہ تو ہمارے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان و کرم ہے کہ ہمارے نسیان و خطاء کو معاف کرا دیا۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے ولقد عهدنا الی ادم من قبل یعنے ہم نے آدم علیہ السلام سے اس وقت وعدہ لیا جب کہ وہ اس وعدہ میں پہلا تھا اور ہمارے بغیر سے اس کا تعلق نہ ہوا تھا اور ہمارے ماسوا کسی کی اتباع میں تھا پھر جب وہ بہشت میں داخل ہوا فنسی تو وہ ہمارے وعدہ کو بھول کر شجرہ سے متعلق اور ابلیس کا منقاد ہوا۔ ولم نجد له عزما اور ہم نے اس کا ارادہ نہ پایا۔ اس میں اشارہ ہے کہ جب اللہ تعالےٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور اپنے جمیع صفات کے ساتھ اس پر متجلی ہوا تو ان کی فطری صفات مغلوب انوار صفات ربوبیت کے سطوات تجلیات سے مستور ہو گئے ان میں غیر اللہ کے ساتھ کا تعلق اور ماسوائے اللہ کے انقیاد کے ظلمات مٹ گئے پھر جب بشریہ حیوانیہ کے دواعی متحرک ہوئے اور شہوات نفسانیہ انسانیہ ابھرے اور حظوظ نفسانیہ کی ادائیگی میں مشغول ہوئے تو حقوق الٰہیہ کی ادائیگی کو بھول گئے اسی لیے انسان کو " ناس " سے تعبیر کیا گیا کیونکہ اس میں نسیان کا مادہ ہے۔ انہی اسباب سے اس میں بے شمار ظلمات پیدا ہوئے اور آدمی ان کے گھیرے میں پھنس گیا یہاں تک کہ وہ ظلمات شموس المعارف بادل اور اقمار عوارف پردے بن گئے تو عہود و مواثیق الٰہیہ بھول گئے اور شجرہ منہی عنہ کے درخت ہو گئے۔

ف: علامہ (زمخشری) نے کہا کہ یا انسان عادتك النسیان " اے بیکار انسان! تیری فطرت ہی نسیان ہے " اذکر الناس (انسان بھولنے والا ہے) کو یاد کر۔ ارق القلوب قاس " تمام قلوب سے بے کار وہ قلب ہے جس پر قسوۃ کا غلبہ ہو "

ف: ابوالفتح البستی نے بعض رؤسا کو اپنے نسیان کی معذرت کرتے ہوئے لکھا ہے

یا اکثر الناس احسانا الی الناس

یا احسن الخلق اعراضا عن الباس

نسیت وعدك و النسیان مغتفر

فاغفر فاول ناس اول الناس

ترجمہ: (۱) اے لوگوں پر بکثرت احسان کرنے والے اور اچھے خلق والے اور غلطیوں سے چشم پوشی کرنے والے۔

(۲) میں تیرا وعدہ بھول گیا اور بھول معاف ہے فلہٰذا مجھے معاف فرمائیے اور سب سے پہلا انسان بھی بھول گیا۔

نسیان کے موجبات

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ نسیان کے موجبات و اسباب دس ہیں:

(۱) ہم و غم۔

(۲) نقرہ بہ حجامۃ۔

(۳) کھڑے پانی میں پیشاب کرنا۔

(۴) کھٹی نفاخ کھانا۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۳۹۹ پر)

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى ○ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ
اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ○ اِنَّ لَكَ اَلَّا
تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ○ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ○ فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ
الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ○ فَاَكَلَا مِنْهَا
فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؗ وَعَصٰٓى اٰدَمُ
رَبَّهٗ فَغَوٰى ○ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ○ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا
جَمِيْعًا ۢ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ
فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ○ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ○ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ○ قَالَ كَذٰلِكَ
اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ○ وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ
يُؤْمِنْۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ○ اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا
قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ○

ترجمہ : اور جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ آدم (علیہ السلام) کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے انکار کیا تو ہم نے فرمایا کہ اے آدم (علیہ السلام) بے شک یہ تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے تو وہ تمھیں بہشت سے نکال دے پھر تو مشقت میں پڑے بے شک تیرے لیے جنت میں یہ ہے کہ تو نہ بھوکا ہوگا اور نہ ننگا اور یہ کہ تجھے نہ اس میں پیاس لگے گی اور نہ دھوپ۔ پس شیطان نے اسے وسوسہ دیا۔ کہا کہ اے آدم (علیہ السلام) میں تمھیں ایسے درخت کا پتہ نہ دوں جو ہمیشہ رہنے کا ہے اور ایسی شاہی کہ پرانی نہ ہو تو ان دونوں نے اس میں سے کھا لیا تو ان کی شرمگاہیں ظاہر ہوئیں اور وہ بہشت کے پتے اپنے اوپر چپکانے لگے اور آدم (علیہ السلام) سے اپنے رب کے حکم میں لغزش ہوئی تو جس راہ کا طالب تھا اس کی راہ نہ پائی پھر اسے اس کے رب نے چن لیا تو اس پر اپنی رحمت سے توجہ فرمائی اور اپنے قرب خاص کی راہ دکھائی فرمایا تم دونوں بہشت سے اکٹھے اترو اور تم میں ایک دوسرے کا دشمن ہے پھر اگر تم سب کے ہاں میری ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کی اتباع کرے گا وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ بدبخت ہوگا۔ اور جس نے میرے ذکر سے روگردانی کی تو بے شک اس کے لیے زندگی تنگ ہوگی اور ہم اسے قیامت میں اندھا اٹھائیں گے۔ عرض کرے گا کہ اے میرے پروردگار! مجھے تو نے اندھا کیوں اٹھایا میں تو (دنیا میں) انکھیارا تھا۔ فرمایا ایسے ہی تیرے ہاں ہماری آیات آئیں تو تو نے انھیں بھلایا اور اسی طرح آج تو بھلایا جائے گا اور ایسے ہی ہم اسے سزا

دیتے ہیں جو حد سے بڑھ جائے اور اپنے رب کی آیات پر ایمان نہ لائے۔ اور آخرت کا عذاب سخت تر اور زیادہ دیر باقی رہنے والا ہے۔ تو کیا انھیں اس سے ہدایت نہ ملی کہ ہم نے ان سے پہلے کئی گروہ تباہ و برباد کیے وہ اپنے گھروں میں چلتے پھرتے تھے۔ بے شک اس میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں ۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۳۹۴)

⑤ کزبرہ کھانا ۔

⑥ چوہے کا پس خوردہ کھانا پینا ۔

⑦ قبور کے کتبے پڑھنا ۔

⑧ سولی چڑھے ہوئے کو دیکھنا ۔

⑨ دو اونٹوں کی قطار میں چلنا ۔

⑩ جوئیں زندہ چھوڑنا ۔ (کذا فی روضۃ الخطیب)

مسئلہ: قاضی خان نے لکھا ہے کہ جوئیں زندہ چھوڑنا جائز ہے لیکن انھیں مارنا مستحب ہے ۔ المقاصد الحسنہ میں اضافہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مردوں کا مساگ استعمال کرنا اگر بیماری سے نہ ہو مثلاً منہ کا مرض بخر (بدبوئی) دور کرنا ہو تو جائز ہے ۔

مسئلہ عورت کو مساگ مارنا جائز ہے بشرطیکہ روزہ نہ ہو کیونکہ مساگ عورت کے لیے بمنزلہ مسواک کے ہے بلکہ ان کو مساگ استعمال کرنا زیادہ ضروری ہے کیونکہ ان کے دانت بہ نسبت مردوں کے زیادہ کمزور ہوتے ہیں بلکہ ان کا ہر عضو کمزور ہے اسی لیے مسواک کے استعمال سے الٹا ان کے دانت گر جانے کا خطرہ ہے ۔

فائدہ طبیہ: مساگ مسواک کی طرح مسوڑھوں اور دانتوں کو مضبوط کرتا ہے ۔

ف: نسیان کا سب سے بڑا سبب گناہ ہے ہم اللہ تعالیٰ سے اس سے بچنے اور محفوظ رہنے کا سوال کرتے ہیں ۔

(تفسیر آیات صفحہ نمبر ۲۹۵)

تفسیر عالمانہ وَاِذْ قُلْنَا اور اے محبوب محمد صلے اللہ علیہ وسلم! ہماری گفتگو کے وقت کو یاد کیجیے جب کہ ہم نے کہا؛ لِلْمَلٰٓئِكَةِ کل فرشتوں کو آسمان اور زمین والوں سب کو۔ اس کی تحقیق گذری ہے؛ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ آدم علیہ السلام کو تحیہ و تکریم و تعظیم کا سجدہ کرو ۔

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم! آدم علیہ السلام کے اس حال کو یاد کیجیے تاکہ واضح ہو کہ وہ عزیمت و ثبات والے نہ تھے ۔

سجودِ آدم کے استحقاق کے موجبات : حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کا استحقاق چند وجوہ سے تھا :

(۱) آدم علیہ السلام کی تخلیق ایک عظیم الشان امر کے لیے ہوئی یعنے خلافت الٰہیہ کے لیے اس اعتبار سے وہ سجدہ کے مستحق تھے ۔

(۲) آدم علیہ السلام کو عالم خلق و امر اور ملک و ملکوت اور دنیا و آخرت کا جامع پیدا فرمایا بلکہ آپ کے جسم میں جملہ عوالم کے ہر فرد کا نمونہ رکھا گیا عالم امر و آخرت کی کوئی ایسی شئے نہیں جس کے حقائق آدم علیہ السلام کی روح میں نہ ہو غرضیکہ آدم علیہ السلام جملہ کائنات علوی سفلی اور ظاہری باطنی کا خلاصہ ہیں اور ملائکہ کرام کی تخلیق صرف عالم امر و ملکوت سے ہوئی انھیں عالم خلق و ملک سے کوئی تعلق نہیں ۔ اسی نسبتِ کمال کی وجہ سے سجدہ کے مستحق ہوئے اور ملائکہ کو یہ کمال حاصل نہیں بلکہ وہ عالم خلق و ملک سے غیر متعلق ہونے کی وجہ سے نقص کے حامل ہوئے اسی وجہ سے وہ آدم علیہ السلام کے ہم مرتبہ نہیں ۔

(۳) تمام ارواح ملکیہ وغیرہ کی بہ نسبت آدم علیہ السلام کی روح احسن تقویم اور ان کی صورت احسن صورۃ یعنے صورتِ رحمٰن پر پیدا ہوئی اور ملائکہ اگرچہ حسن ملکی روحانی میں پیدا ہوئے لیکن صورتِ رحمٰن ان کو نصیب نہیں ۔ اس معنے پر ہر دونوں حالتوں یعنے روحانی اور جسمانی لحاظ سے وہ ملائکہ سے افضل ہے اسی لیے وہ سجدہ میں گرے تاکہ معلوم ہو کہ آدم علیہ السلام ان سے افضل و اعلیٰ ہیں ۔

(۴) آدم علیہ السلام کو یہ شرف نصیب ہے کہ ان کے جسم کی تیاری کے لیے ان کے گارے کو اللہ تعالےٰ نے اپنی قدرت کے ہاتھ سے چالیس روز گوندھا و خلقت بیدی ان کے لیے فرمایا ، اور ان کی روح کو جسم سے متعلق کرنے کی کرامت سے نوازا ونفخت فیہ من روحی کی شان بخشی اسی کرامت پر نہیں سجدہ کا حکم ہوا ۔ فقعوا لہ سٰجدین اور استحقاق سجدہ کا اظہار ابلیس کو ملعون بنانے کے لیے فرمایا بلکہ اسے سجدہ نہ کرنے پر جھڑکا ۔

کما قال :

یا ابلیس ما منعک ان تسجد لما خلقت بیدی ۔

(۵) علم اسمآ کلھا ء سے بھی آدم مخصوص ہوئے اور ملائکہ ان اسماء کے اخبار کے محتاج ہوئے ۔

کما قال تعالےٰ :

یا اٰدم انبئھم باسمائھم ۔ جب آدم علیہ السلام نے انھیں اسماء کی خبر سے مطلع فرمایا تو اس کے لائق ٹھہرے کہ وہ ان کو سجدہ کرے ۔

(۶) جب آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ان پر جمیع صفات کے ساتھ تجلی ڈالی تو اس پر ملائکہ کو حکم ہوا کہ وہ انھیں سجدہ کریں تاکہ ان کی تعظیم و تکریم اور ان کا اعزاز و اجلال کا مظاہرہ ہو کیونکہ وہ جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے اور وہی فیصلہ کرتا جو اس کا ارادہ ہوتا ہے۔

فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰی ۝ یعنی جملہ ملائکہ نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے کہ اسی نے سجدہ نہ کیا۔

شیطان کے انکار سجدہ کی وجہ دراصل وجہ یہ ہوئی کہ جب اللہ تعالٰے نے اعلان فرمایا کہ انی جاعل فی الارض خلیفۃ (میں زمین پر خلیفہ بناتا ہوں)، تو فرشتوں نے کہا :

اتجعل فیھا من یفسد فیھا الی ان قال و نحن نسبح ونقدس لك ۔ کیا تو فسادیوں اور خون ریزوں کو پیدا کر رہا ہے جب کہ ہم تیری تسبیح و تقدیس کرتے ہیں ۔

چونکہ ملائکہ کا یہ کلام اعتراضی پہلو رکھتا تھا اور ان کی اپنی فضیلت کا اظہار ہے تو اللہ تعالٰے نے انھیں جواب میں فرمایا :

انی اعلم مالا تعلمون میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے ۔

کیونکہ میں نے اس میں علم الاسماء و استعداد خلافۃ کی امانت رکھی ہے جس کا تمھیں علم نہیں، اس معنے پر تم سے افضل ہیں۔ اب تم اپنے اعتراض کے کفارہ میں سجدہ کرو اور اس کی توہین پر استغفار پڑھو اور اپنی انکساری و عاجزی کا اعتراف کرو۔ چنانچہ ملائکہ نے اپنی غلطی کا اعتراف اور خطا کا اقرار کیا اور تائب ہو کر احکام الٰہیہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اسی لیے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا مگر ابلیس اعتراض پر ڈٹا رہا اور ان کی غیبت پر اور عجب و تکبر پر مصر رہا اور اللہ تعالٰے کے احکام نہ مانے بلکہ اعتراض و غیبت و عجب میں بڑھا۔ چنانچہ کہا :

انا خیر منہ خلقتنی من نار و خلقتہ من طین ۔

اور سجدے سے انکار کر دیا ۔ (کذا فی التاویلات)

فسجدوا۔ اللہ تعالٰے کے حکم تعظیم اور اس کے حکم کی تعمیل میں جملہ ملائکہ نے سجدہ کیا ۔ الا ابلیس سوائے ابلیس کے۔ نہ ہی اس نے سجدہ کیا اور نہ ہی اپنے سے تکبر کی چادر ہٹائی اور نہ ہی عجز و تواضع کی ۔

مثنوی رومی میں ہے ؎

آنکہ آدم را بدن دید او رمید
و انکہ نور مؤتمن دید او خمید

ترجمہ : جس نے صرف آدم علیہ السلام کا جسم دیکھا تو وہ بھاگا اور جس نے انھیں نور کا امانتدار دیکھا تو وہ جھک گیا ۔

حل لغات : ابلس بمعنے یئس و تحیر ہے اس سے ابلیس مشتق ہے ۔ بعض نے کہا کہ یہ عجمی ہے ۔ (کذا فی القاموس)

یہ سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ گویا کسی نے پوچھا کہ اس نے سجدہ نہ کیا تو اس کا کیا حال ہوا، تو اس کے جواب میں فرمایا: اَبٰی کہ ابلیس نے سجدہ سے انکار کر دیا اور رک گیا۔

ف: المفردات میں ہے کہ الاباء بمعنی شدۃ الامتناع ہر اباء امتناع ہے لیکن ہر امتناع اباء نہیں۔

فَقُلْنَا اس کے بعد ہم نے آدم علیہ السلام کو نصیحت کی کہ یٰاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا، یہ حقیر جس نے آپ کے ساتھ یہ ناشائستہ حرکت کی ہے، عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ وہ تمہارا اور تمہاری اہلیہ حوا کا دشمن ہے۔ الزوج فرد کے لیے استعمال ہوتا ہے بشرطیکہ اس کے ساتھ اس کی اور جنس ہو مذکر ہو یا مؤنث۔

ابلیس کی عداوت کے وجوہ: ابلیس کی عداوت کے وجوہ مندرجہ ذیل ہیں:

① حاسد تھا، جب آدم علیہ السلام پر نعم الٰہیہ دیکھیں تو ان پر حسد کیا اس لیے ان کا دشمن بن گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو کوئی کسی پر حسد کرتا ہے تو وہ اس کا دشمن بھی ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ ہلاک و برباد ہو بلکہ وہ ہر وقت اس کے (فساد حال) کے درپے رہتا ہے۔

② آدم علیہ السلام نوجوان عالم تھے اور ابلیس بوڑھا جاہل تھا اسی لیے اللہ تعالٰی نے آدم علیہ السلام کو اسکی فضیلت ثابت کر کے دکھائی اور ابلیس کی جہالت ظاہر فرمائی اور بوڑھا جاہل ہمیشہ نوجوان عالم دین سے عداوت رکھتا ہے۔

زد شیخ شہر طعنہ بر اسرار اہلِ دل

المرا لا یزال عدوا لما جھل

ترجمہ: شیخ شہر نے اسرار اہل دل پر طعن و تشنیع کی۔ اور قاعدہ ہے کہ ہر شخص جس شے سے بے خبر ہوتا ہے اس کا دشمن ہوتا ہے۔

③ ابلیس کی تخلیق نار سے اور آدم علیہ السلام کی پانی اور مٹی سے ہوئی۔ اس لیے ان دونوں کی آپس میں ابدی عداوت ہے۔ اسی وجہ سے آدم اور ابلیس کے درمیان عداوت ہوئی اور رہے گی۔

يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ تو وہ تم کو بہشت سے نکالنے کا سبب نہ بنے۔ یہ اسناد الفعل الی السبب کے قبیل ہے۔ ورنہ بہشت سے حقیقتاً نکالنے والا تو اللہ تعالٰی ہے اور نکالنے کی نہی بظاہر ابلیس کو ہے لیکن درحقیقت یہ نہی آدم و حوا علیہما السلام ہر دونوں کو ہے تاکہ وہ شیطان کے سبب بننے سے بچیں اسے طریقہ برہانی سے تعبیر کیا جاتا ہے فَتَشْقٰى ○ یہ نہی کا جواب ہے۔

سوال: پہلے خطاب آدم و حوا علیہما السلام ہر دونوں کو تھا۔ اب صرف آدم علیہ السلام کو ہے اس کی وجہ؟

جواب (۱): صرف رعایت فواصل مطلوب ہے۔

جواب (۲): ہر امر میں اصل آدم علیہ السلام اور بی بی حوا اس کی فرع ہیں اصل کے ذکر کے بعد فرع کی ضرورت نہیں رہتی۔

حل لغات: شقاوت، سعادت کی نقیض ہے۔ اور سعادت دو قسم کی ہے:

(۱) دنیوی

(۲) اُخروی

پھر سعادت دنیوی تین قسم کی ہے:

(۱) نفسیہ

(۲) بدنیہ

(۳) خارجیہ

ایسے ہی شقاوت کے یہی اقسام سمجھئے۔ شقاوت اخروی کے لیے اللہ نے فرمایا:

فمن اتبع ھدای فلا یضل ولا یشقٰی۔

اور شقاوت اخروی کے متعلق اللہ تعالےٰ نے فرمایا: فلا یخرجنکما من الجنۃ فتشقٰی۔ شقاوت بمعنے مشقت ومحنت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے: شقیت فی کذا۔ (کذا فی القاموس) الشقا بمعنے شدت اور عسر دائمی۔

اب معنے یہ ہوگا کہ اے آدم علیہ السلام اسباب خروج کا ارتکاب نہ کیجئے ورنہ دنیوی محنت ومشقت میں پڑ جاؤ گے جیسے کھیتی باڑی پھر اس کاٹنا، اسے صاف کرنا پھر کھانے کے لیے پیسنا اور گوندھنا اور روٹی پکانا جیسے امر معاش میں اب ہم سب محنت ومشقت میں مبتلا ہیں۔ اس معنے کی تائید آنے والی آیت سے ہوتی ہے۔ (جس نے اس آیت میں آدم علیہ السلام کے لیے شقاوتِ معروفہ کا معنے مراد لیا وہ درحقیقت خود شقی ہے)[1]

ف: کاشفی نے اس کا معنے لکھا کہ فتشقٰی یعنے رنج اور مشقت میں مبتلا ہو جاؤ گے یعنے جب بہشت سے نکل کر دنیا میں قدم رکھو گے تو کسب معاش کی مشقت وتکلیف اٹھاؤ گے۔

ف: حضرت سعید ابن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو کھیتی باڑی کے لیے سُرخ بیل عطا فرمایا۔ آپ اس سے زراعت کا کام لیتے اور کام کی شدت سے پسینہ پونچھتے تھے۔ یہی ان کی شقاء تھی۔

فقیر (حقی) کہتا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ شیطان اپنی عداوت کے سبب سے ایک ناجائز فعل پر آدم علیہ السلام کو ابھارتا ہے جو ان کے بہشت سے نکلنے کا سبب بنا۔ تو یہ شقاء درحقیقت منہی عنہ کے امر کے ارتکاب سے ہوئی۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ شقاء سے حضرت الہیہ سے بعد مراد ہے۔ جو شخص توبہ واستغفار کر کے جوار حق میں اپنے قرب کے مقام پر نہ لوٹا تو وہ شقی ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ عصیاں اور امتثال شیطان جنت قلب سے نکالے جانے اور ارض بشریہ پر پڑھنے اور اسے عبور کرنے کے بعد اس کی طرف اترنے کا موجب ہے۔

---

[1] از مترجم

تفسیر عالمانہ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا۔ لك، انّ کی خبر مقدم ان لا تجوع محلاً منصوب ان کا اسم ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے کہا کہ اے آدم (علیہ السلام) تیرا حال یہ ہے کہ جب تک تو بہشت میں ہوگا تجھے بھوک نہ ہوگی کیونکہ وہاں ہر طرح کی نعمتیں ہر وقت حاضر کی جائیں گی۔ وَلَا تَعْرٰى ○ اور نہ تو کپڑوں سے ننگا ہوگا کیونکہ تمام ملبوسات جنت میں موجود ہوں گے۔ العری چمڑے کا ان چیزوں سے خالی ہونا جو اسے چھپائیں۔

وَاِنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا، اور بے شک تو اس میں پیاسہ نہ ہوگا کیونکہ وہاں ہمیشہ چشمے اور نہریں جاری ہوں گی۔

حل لغات : الظمئ وہ حالت جو دو پینوں کے درمیان واقع ہو۔ الظماء پیاس کی وہ حالت جو اس سے عارض ہو۔

وَلَا تَضْحٰى ○ اور تجھے بہشت میں دھوپ نہ لگے گی کیونکہ وہاں سورج نہ ہوگا اور بہشتی لوگ دراز سایہ میں ہوں گے۔

حل لغات : ضحی الرجل للشمس (بکسر الحاء) یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی سورج کے سامنے ظاہر اور عارض ہوا اور اَنّ (بالفتح) کا اپنے اسم و خبر سے مل کر ان لا تجوع پر عطف ہے درمیان میں الظماء کو لایا گیا ہے تاکہ یہ وہم دفع ہو کر ان دونوں کی نفی ایک نعمت ہے یہی عری و ضحوۃ کا جمع ہونے کا حال ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ جنت سے جوار حق مراد ہے اور وہ جنت نفس بہیمیہ حیوانیہ کی چراگاہ ہے اور اس کے ماکولات و مشروبات و ملبوسات و منکوحات سے متمتع ہوگا جیسے دنیوی فانی اشیاء سے متمتع ہوتا تھا ایسے ہی یہاں۔

تفسیر عالمانہ فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ، شیطان کا وسوسہ آدم علیہ السلام تک پہنچا اور خوب پہنچا۔ الیٰ سے اس کا متعدی ہونا اس لیے ہے کہ یہ انہاء و ابلاغ کے معنی کو متضمن ہے اور جب وسوس لہ کہا جائے گا تو وہ لام سببیہ ہوگی۔ الوسوسہ بمعنے صوت خفی زیورات کی آواز کو بھی اسی لیے وسواس سے تعبیر کیا جاتا ہے کیونکہ وہ آواز خفی ہوتی ہے اور لازم فعل ہے۔

ف : حضرت کاشفی نے لکھا ہے کہ شیطان نے آدم علیہ السلام پر وسواس ڈالا جب وہ بہشت میں تھے اور انھوں نے بی بی حوا کو دیکھا اور پھر موت سے خوفزدہ ہوئے بی بی صاحبہ نے آدم علیہ السلام کو موت کا کہا اور وہ خود بھی موت سے خوفزدہ تھیں ہر دو دل کو موت کا بہت خطرہ تھا۔ ابلیس نے موقعہ کو غنیمت سمجھا اور بوڑھے انسان کی صورت میں آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور نہایت عجز و نیاز سے عرض کی کہ میں آپ کو موت سے بچنے کا علاج بتاؤں ؛

قَالَ، وسوس سے بدل ہے یا جملہ مستانفہ ہے سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ گویا کسی نے کہا کہ شیطان نے اپنے وسوسہ میں آدم علیہ السلام کو کیا کہا تو اس کے جواب میں فرمایا کہ ابلیس نے کہا : "يٰۤاٰدَمُ" اے آدم علیہ السلام موت کے مرض کا علاج یہ ہے کہ شجرۂ خلد کا میوہ کھائیے۔ هَلْ اَدُلُّكَ، کیا میں آپ کی رہبری کروں۔ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ، ایسے درخت کی جو اسے کھاتا ہے وہ ہمیشہ رہتا ہے، اس پر موت نہیں آتی خواہ وہ اسی حالت میں

رہے یا وہ فرشتہ بن جائے۔ خلد کی طرف شجرہ کی اضافت اس لیے کہ ابلیس نے اپنے گمان پر اسے خلود کا سبب سمجھا جیسے حیزوم (گھوڑے) کو فرس الحیاۃ کہا جاتا ہے وہ اس لیے کہ وہ حیات کا سبب ہے اسی سبب کی وجہ سے حیات کی نسبت اسی کی طرف ہوتی ہے۔

حل لغات حضرت امام راغب نے فرمایا کہ الخلود یعنے شئے کا فساد کے عارضہ سے بیزار ہونا اور اس کا اسی حالت پر باقی رہنا جس پر وہ ہے اور بہشت میں اشیاء کے خلود کا بھی یہی معنیٰ ہے کہ وہ اشیاء اپنی اسی حالت میں ہوں گی جس پر وہ ہیں ان پر خرابی و فساد کا گذر نہ ہوگا۔

وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى اور ایسا ملک جو نہ زائل ہوگا اور کسی وجہ سے اس میں خلل اور نقصان واقع ہوگا یعنے وہ کہنہ نہ ہوگا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا تو مجھے دکھایئے وہ دوا۔ ابلیس نے کہا کہ میرے ساتھ چلئے۔ آدم و حوّا علیہما السلام کو اسی منہی عنہ (روکے ہوئے) درخت تک لے گیا۔

فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا، تو انھوں نے اس درخت سے کچھ کھایا تو ظاہر ہوگیا ان کا ستر وغیرہ۔

حل لغات بدا الشیئ بدوا وبدوّا یعنے ظہر ظہورا بنیًا یعنے وہ طور پر ظاہر ہوگیا اور سوءۃ سے فرج مراد ہے کیونکہ اس کے کھلنے سے بندہ باحیاء کو شرم محسوس ہوتی ہے یعنے اس کا کھلنا باحیاء انسان کو مغموم ومحزون کرتا ہے۔

ف: ① کاشفی نے لکھا ہے کہ ان سے بہشت کا لباس اتارا گیا تو وہ ننگے ہوگئے۔

② حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ان سے وہ نور واپس لیا گیا جو انھیں بہشت میں پہنایا گیا تھا اس کے اترنے پر ان کا ستر کھل گیا۔

③ بعض مفسرین نے فرمایا کہ بہشت میں ان کا لباس ناخنوں کی طرح تھا۔ جب انھوں نے درخت سے کچھ کھایا تو وہ لباس اتار لیا گیا، نمونہ کے طور پر یہی ناخن جو انگلیوں کے اطراف پر ہیں باقی رکھے گئے۔

④ بعض نے کہا کہ لباس سے حُلّہ مراد ہے۔

حدیث شریف ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تمہارے ابّا آدم علیہ السلام سیدھی اور لمبی کھجور کی طرح طویل القامۃ اور بہت بالوں والے اور ستر چھپانے والے جوان تھے۔ جب لغزش ہوئی اور ستر کھلا تو بہشت سے بھاگ کر نکلنے لگے تو آپ کی پیشانی کو ایک درخت نے پکڑ کر نیچے بٹھا دیا۔ اللہ تعالےٰ کی طرف سے ندا آئی، اے آدم! مجھ سے بھاگتے ہو۔ عرض کی: نہیں، یارب! مجھے تجھ سے شرم آئی اسی شرم کے مارے بھاگا جا رہا تھا۔

نکتہ: عسیری نے فرمایا: بدت لهما میں اشارہ ہے کہ وہ ستر صرف ان تک محدود تھا کسی غیر کی نگاہ نہیں پڑی تھی تاکہ کسی کو معلوم نہ ہو کہ آدم علیہ السلام کو کسی جرم کی سزا مل رہی ہے۔ ہاں اگر غیر کی نگاہ پڑتی تو بدت منهما فرماتا۔

وَطَفِقَا یعنے شرعًا یعنے شروع ہوئے۔

حل لغات: طفق یفعل کذا یعنے اخذ و شرع اس کا استعمال اثبات میں ہوتا ہے نفی میں کبھی مستعمل نہیں ہوا اسی لیے ما طفق نہیں کہا جاتا۔

يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ:

حل لغات: قاموس میں ہے: خصف النعل یخصفها یعنی خرزها، اس نے جوتا سیا یعنے آدم و حوا علیہما السلام نے اپنے بدن پر پتے چپاتے تھے تاکہ ستر نہ کھلنے پائے۔ یہاں پر انجیر کے پتے مراد ہیں۔ بعض نے کہا کہ وہ چوڑے پتے تھے، دونوں ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیاں کے نیچے کی شکل اسی طرح کی بنائی گئی ہے۔

وَعَصٰى اٰدَمُ رَبَّهٗ، آدم علیہ السلام نے درخت سے کچھ کھا کر حکم الٰہی کی خلاف ورزی کی۔

حل لغات عصی عصیانا یعنے خرج عن الطاعة فلاں طاعت سے نکل گیا، اس کا اصل معنی ہے۔ اپنے عصا سے رک جانا۔ (کذا فی المفردات)

فَغَوٰى تو اپنے مطلوب سے چوک گیا یعنے بہشت کے خلود یا مامور بہ سے یعنے اسے حکم تھا کہ وہ درخت سے دور رہیں جیسا کہ ارشاد گرامی ہے:

"ولا تقربا هذه الشجرة"

یا رشد سے ہے کہ دشمن کی بات سے دھوکہ کھا بیٹھے کیونکہ غیّ رشد کی نقیض ہے۔

عصمت انبیاء علیہم السلام کی تحقیق معصیت، عصیان (نافرمانی) ایک حرام فعل ہے لیکن اس کا صدور قصد سے ہوتا ہے اگر قصداً نہ ہو تو وہ زلّہ ہوتی ہے اور زلّہ کو معصیت نہیں کہا جاتا کیونکہ وہ ایسا فعل ہے جس کا صدور قصداً نہیں ہوا بلکہ اس کا قصد فعل مباح تھا جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کا قصد ایک درخت کے کھانے کا اباحۃ کا تھا تو اس اعتبار پر آدم علیہ السلام کے لیے عصیان یعنے اباحۃ مجازاً ہے۔ اس لیے کہ اہلسنت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کبائر و صغائر سے معصوم ہوتے ہیں اور ہم ان سے زلّہ (لغزش) کے صدور کے قائل ہیں اگرچہ بعض اشاعرہ کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام صغائر سے معصوم نہیں اور یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ ان کی زلّہ (لغزش) کا یہ مطلب نہیں کہ وہ معاذ اللہ حق سے نکل کر باطل کی طرف چلے جاتے ہیں ہاں یوں کہا جا سکتا ہے کہ وہ افضل کو چھوڑ کر مفضول کا ارتکاب کرتے ہیں اور پھر ان کو اس پر عتاب الٰہی ہوتا ہے تو بھی ان کی قدر و منزلت کی عظمت شان کی دلیل ہے۔

ف: ابن الشیخ نے اپنے حواشی میں لکھا ہے کہ عصیان یعنے ترک الامر اور منهی عنہ کا ارتکاب، اگر وہ عمداً ہو تو اس کا نام

ذنب (گناہ) ہے اور اگر خطا ہو تو اسے زلّۃ (لغزش) کہا جاتا ہے۔ اور آیت دلالت کرتی ہے کہ آدم علیہ السلام سے معصیت کا صدور ہوا جسے مصنف نے زلّۃ سے تعبیر کیا ہے۔

سوال: جب یہ زلّۃ (لغزش) تھی اور وہ بھی معمولی اس لیے کہ ایک درخت سے کچھ لیا مباح فعل تھا تو پھر اسے عصیاں غوایت سے تعبیر کرنے کا کیا معنیٰ؟

جواب: تاکہ آدم علیہ السلام کی اولاد کو تنبیہ ہو کہ جب اللہ تعالےٰ نے ایک معمولی سی لغزش پر ہمارے بابا کو اتنا زیادہ دھمکایا تو پھر ہم کون ہوتے ہیں، اگر غلطی کا ارتکاب کیا تو ہم بھی سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

ف: اس سے ثابت ہوا کہ آپ نے فعل مباح کا ارتکاب کیا اور وہ بھی ایک اجتہاد تھا ورنہ ایک اعلیٰ مرتبہ نبی مسجود ملائکہ سے عمداً خدا کی نافرمانی کا صدور کیسا جب کہ ایک ولی اللہ بھی اتنی جرات نہیں کر سکتا اور ان کے اجتہاد کا پہلو یوں نکلتا ہے کہ آپ نے اس نہی کو نہی تنزیہ پر محمول فرمایا ان کے نزدیک یہ نہی تحریمی نہیں تھی اور ایسے ہی اور "ھٰذہ الشجرۃ" میں بھی معین درخت مراد لیا جب کہ اللہ تعالےٰ نے اس درخت کی ہر قسم کی جنس مراد لی۔ علاوہ ازیں یہ واقعہ ہے بھی نبوت سے پہلے کا۔ اس لحاظ سے عصمت نبوت پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔

سوال: الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ جب تم نے ثابت کیا کہ یہ آدم علیہ السلام کا اجتہاد تھا اور شرعی قاعدہ ہے کہ جو اجتہاد میں خطا کرے اس پر سزا نہیں لیکن یہاں آدم علیہ السلام سے مواخذہ ہو رہا ہے؟

جواب: یہ اجتہاد کا مقام نہیں جب آپ پر وحی متواتر نازل ہوتی اور آپ اجتہاد کرتے تو کوتاہی ہوتی جب اس وقت وحی کا نزول شروع ہی نہ ہوا اور آپ نے اجتہاد کیا اسی بنا پر آپ پر عتاب ہوا۔

سوال: آپ پر وحی کیوں نازل نہ ہوئی تاکہ آپ سے لغزش کا وقوع نہ ہوتا؟

جواب: اللہ تعالےٰ نے وحی نہیں فرمائی تاکہ اپنی تقدیر کا اجراء فرمائے اس کی مثال حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی انقطاع وحی کا موقعۂ افک بر عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا ہے کہ اٹھارہ روز نزول وحی نہ ہوا تاکہ تقدیر کا اجراء ہو۔

سوال: تفسیر کبیر میں ہے کہ اس سے تو آدم علیہ السلام کا گناہ کبیرہ کے صدور کا پتہ چلتا ہے اس لیے کہ لفظ عصیان، عاصی، معصیت، مذمت پر بولے جاتے ہیں اور جس سے کبیرہ کا صدور ہو اسے عاصی کہا جاتا ہے اور ایسے ہی لفظ غوایۃ ضلالۃ کا مترادف اور رشد کی نقیض ہے اور ایسے الفاظ منہمک فی الفق کے لیے مستعمل ہوتے ہیں؟

جواب: معصیت و عصیان کا حقیقی استعمال خلاف الامر پر ہوتا ہے اور کبھی امر مندوب کے لیے بھی آتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے:

"امرتہ بشرب الدواء فعصانی" (میں نے اسے دوا پینے کے لیے کہا تو اس نے میری نافرمانی کی)

تو ممکن ہے کہ یہی اطلاق آدم علیہ السلام پر ہو اور یوں کہا جائے کہ انھوں نے واجب کا ترک نہیں کیا بلکہ امر مندوب کے خلاف کیا اور وہ قابل مذمت نہیں۔

آدم علیہ السّلام کی برات کے دلائل : تفسیر کبیر میں ہے کہ کسی کے لیے لائق نہیں کہ آدم علیہ السلام کو عاصی و غاوی کہے۔ اس کے چند وجوہ ہیں:

① القفبی نے کہا مثلاً ایک شخص کے لیے کہا جائے : قطع ثوبا وخاطه (اس نے کپڑا کاٹا اور اسے سیا)۔ اس فعل کے استعمال کے بعد ضروری ہے اسے خائط یا خیاط کہا جائے، ہاں اگر بار بار وہ فعل کا ارتکاب کرے یا وہ کام اس کا پیشہ بن جائے۔ اور آدم علیہ السلام کی زلّہ (لغزش) اسی قبیل سے ہے کہ آپ سے ایک بار سرزد ہوئی نہ کہ بار بار فلہذا ایک بار کے ارتکاب پر اسے اس فعل کا پیشہ ور نہیں کہا جائے گا۔

② زلّہ (لغزش) اگر نبوت سے سرزد ہوئی تو نبوت سے مشرف ہونے کے بعد اللہ تعالےٰ نے اس صفت سے یاد نہیں فرمایا۔ ایسے ہی اگر نبوت کے بعد سرزد ہوئی لیکن جب انھوں نے توبہ کی تو پھر بھی اس صفت سے موصوف نہ کیا جائے گا جیسے ایک عام آدمی جب گناہوں یا کفر سے تائب ہو تو توبہ کے بعد اسے کافر، زانی اور شرابی وغیرہ نہ کہا جائے گا اگرچہ توبہ سے پہلے اس سے ایسے جرائم صادر ہوئے تو اب اسے مومن کہا جائے گا نہ کہ کافر۔

③ ہم جب بھی کسی کو عاصی و غاوی کہتے ہیں تو اس سے حامل عن معرفۃ اللہ مراد ہوتا ہے حالانکہ اس قصہ میں بالاتفاق حضرت آدم علیہ السلام کے لیے یہ معنی مراد نہیں اسی لیے اس وہم فاسد کے ازالہ کے لیے یہ صفات آدم علیہ السلام پر اطلاق نہ کیا جائے گا۔

④ اگرچہ اللہ تعالےٰ نے یہ صفات آدم علیہ السلام کے لیے استعمال کی ہیں تو وہ مالک ہے جو جس طرح جس بندے کو کہے لیکن ہمیں لائق نہیں کہ ہم بھی وہی صفات استعمال کریں جیسے سردار اپنے نوکر یا باپ اپنے بیٹے یا استاد اپنے شاگرد یا مرشد اپنے مرید کو جو چاہے کہے اگرچہ وہ غلطی کا ارتکاب کر چکے ہیں تب بھی دوسروں کو کہنا ناموزوں ہوتا ہے بالخصوص جب کہنے والے ان سے مراتب میں کم ہوں۔ ہمارا حال اس سے کچھ اور ہے کہ ہم اولاد اور وہ آبا اور ہم عاصی اور وہ نبی، پیغمبر اور خلیفۃ اللہ اور مسجود ملائکہ ہیں۔

ف : حضرت حسن (بصری) رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بخدا آدم علیہ السلام سے یہ لغزش نسیاناً ہوئی۔

ف : حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جنان اور اس کی نعمتوں کی طرف جھانکنے والے کو قیامت تک اعلان ہوتا رہتا ہے:

وعصی اٰدم ‘‘

اور اگر اس کے اندر قلب سے جھانکتا ہے تو یہی ندا آتی ہے کہ تو دائمی طور پر ہجر و فراق میں رہے گا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے : وعصی اٰدم ربه ، طلب شہوات نفس میں محبت الٰہی کو صرف کر دیا۔ فغوی، طلب خلود و ملک البقاء فی الجنۃ میں فنا کر دی۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

چیست توحید خدا آموختن
خویشتن را پیش واحد سوختن
گر ہمی خواہی کہ بفروزی چو روز
ہستی ہمچون شب خود را بسوز
ہستیت در ہست آں ہستی نواز
ہمچو مس در کیمیا اندر گداز

ترجمہ: (۱) توحید از خدا سے سیکھنے کا یہ معنی ہے کہ اپنے آپ کو اللہ تعالٰی واحد کے سامنے جلا دینا۔
(۲) اگر تم روز روشن کی طرح چمکنا چاہتے ہو تو اپنی ہستی کو ایسے جلا دے جیسے رات دن کے آگے۔
(۳) تیری ہستی اس ہست نواز کے آگے ایسے ہے جیسے تانبا کیمیا گر کے سامنے۔

حضرت ابن عطا سے سوال ہوا کہ آدم علیہ السلام سے صرف ایک لغزش ہوئی تو اسے پکار پکار کر ظاہر کیا اور ان کی اولاد کے کروڑوں گناہ چھپا دیئے جاتے ہیں تو اس کے جواب میں فرمایا کہ چونکہ آدم علیہ السلام کی لغزش قربت کے مقام اور بالکل جوارِ حق میں ہوئی اور ان کی اولاد کی غلطیاں دارِ محنت میں ہوئیں اسی لیے آدم علیہ السلام کی لغزش اکبر و اعظم ہے۔

تفسیر عالمانہ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ، پھر انھیں اپنے رب تعالٰی نے چن لیا یعنے توبہ کی توفیق دے کر پھر اپنے قریب کر دیا۔

حل لغات: یہ اجتبی الشی بمعنے جباہ لنفسہ سے ہے بمعنے جمعہ اس سے اسے جمع کیا۔

فَتَابَ عَلَيْهِ جب آدم علیہ السلام نے توبہ کی تو اللہ تعالٰی نے ان کی توبہ قبول کر لی اور ساتھ ہی ان کی زوجہ کی بھی، جب دونوں نے کہا: ربنا ظلمنا انفسنا.... الخ

وَهَدٰى ○ اور اثبات علی التوبہ اور تمسک باسباب العصمۃ کی ہدایت بخشی۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ جس نے اپنے آپ کو اپنے نفس اور اس کی عادت طبعی کی طرف سپرد کیا تو اسے نہ توبہ کی توفیق نصیب ہوتی ہے اور نہ رجوع الی اللہ حاصل ہوتا ہے لیکن اللہ تعالٰی جسے اپنے کرم و فضل سے چن لے اور جذبۂ الٰہیہ سے نوازے اور حضرت ربوبیۃ کی طرف راہ دکھائے وہ اس کی نوازش ہے۔

حدیث شریف اگر دنیا بھر کے آنسو جمع کر کے داؤد علیہ السلام کے آنسوؤں کے مقابلہ میں لائے جائیں تو داؤد علیہ السلام کے آنسو بڑھ جائیں گے پھر داؤد علیہ السلام کے آنسو نوح علیہ السلام کے آنسوؤں کے مقابلہ میں ہوں تو نوح علیہ السلام کے آنسو زیادہ ہوں گے اور نوح علیہ السلام کے آنسو آدم علیہ السلام کے آنسوؤں سے کم ہوں گے۔

ف: نوح علیہ السلام کا نام نوحہ (رونے اور گریہ کرنے) کی وجہ سے نوح رکھا تھا۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) خاک غم را سرمہ سازم بہر چشم
تا ز گوھر پر شود دو بحر چشم
اشک کان از بہر او بارند خلق
گوہر ست و اشک پندارند خلق

---

(۲) تو کہ یوسف نیستی یعقوب باش
ہمچو او با گریہ و آشوب باش
پیش یوسف نازش و خوبی مکن
جز نیاز و آہ یعقوبی مکن

---

(۳) آخر ہر گریہ آخر خندہ ایست
مرد آخر بین مبارک بندہ ایست

ترجمہ: (۱) غم کی خاک کا سرمہ آنکھ کے لیے بناتا ہوں تاکہ آنکھ کا دریا موتیوں سے پُر ہو۔ مخلوق جو آنسو حق کے لیے بہاتی ہے وہ موتی ہیں اگرچہ انھیں آنسو سمجھتے ہیں۔

(۲) اگر تم یوسف نہیں تو یعقوب ہو جاؤ ان کی طرح گریہ میں رہو اور آنسو بہاؤ۔ یوسف کے آگے ناز و محبوبی نہ دکھا۔ اس کے سامنے نیاز اور آہ اور غلامی ظاہر کر۔

(۳) ہر گریہ کا انجام ہنسنا ہے اور مبارک مرد وہ ہے جس کی نگاہ انجام پر ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے توبہ کے وقت کونسی دعا پڑھی؟

حضرت وہب نے فرمایا کہ جب آدم علیہ السلام کا گریہ حد سے بڑھ گیا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں فرمایا کہ مندرجہ ذیل دعا پڑھو:

لا الٰہ الا انت سبحانک و بحمدک عملت سوء وظلمت نفسی فاغفرلی انک خیر الغافرین۔	تیرے سوا کوئی معبود نہیں تیری پاکی اور تیری حمد اور میں نے بُرا عمل کیا اور اپنے نفس پر ظلم کیا تو مجھے بخش دے کیونکہ تو خیر الغافرین ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ دعا پڑھو:

سبحانك لا الہ الا انت عملت سوءً وظلمت نفسی فتب علی انك انت التواب ۔

تیرے لیے پاکی ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں میں نے بُرا عمل کیا اور اپنے نفس پر ظلم کیا تو تو میری توبہ قبول کر۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ دعا کے وہ کلمات تھے جو اللہ تعالٰے نے خود آدم علیہ السلام کے دل میں القاء فرمائے۔ (خدا معلوم وہ کونسے کلمات تھے)۔

نہ آدم یافتے توبہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آدم علیہ السلام نے اپنی لغزش کا اعتراف کیا تو عرض کی اے پروردگارِ من! میں تجھ سے اپنی بخشش مانگتا ہوں حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنا کر۔ اللہ تعالٰے نے فرمایا:

یا آدم کیف عرفت محمدًا

(اے آدم علیہ السلام! تونے (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے جانا؟

حالانکہ میں نے تو انھیں تا حال پیدا بھی نہیں کیا۔ عرض کی:

لانك لما خلقتنی بیدك ونفخت فی من روحك رفعت راسی فرأیت علی قوائم العرش مکتوبا لا الہ الا الله محمد رسول الله (صلی الله علیه وآله وسلم) فعرفت انك لم تضف الی اسمك الا اسم احب الخلق الیك ۔

جب تونے مجھے اپنے قدرت کے ہاتھ سے پیدا کر کے مجھ میں اپنی روح پھونکی تو میں نے سر اٹھا کر عرش کے ہر پائے پر لکھا دیکھا: " لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" (صلے اللہ علیہ وسلم)۔ اس سے میں نے سمجھ لیا کہ جس نام مبارک کو اللہ تعالٰے نے اپنے ساتھ ملایا ہے یہی اسے محبوب تر ہوگا۔

اللہ تعالٰے نے فرمایا:

صدقت یا آدم انه لاحب الخلق الی فغفرت لك ولو لا محمد ما خلقتك ۔ (رواه البیهقی فی دلائله)

اے آدم! (علیہ السلام) تونے سچ کہا کہ واقعی وہ مجھے محبوب ترین ہے، میں نے تجھے بخش دیا لیکن یاد رکھیے کہ اگر محمد نہ ہوتے تو تم بھی نہ ہوتے۔

ف: بعض مشائخ نے فرمایا کہ آدم علیہ السلام پر لطف وفضل خاص تھا کہ انھیں لغزش پر دنیا میں مختلف مصائب وتکالیف میں مبتلا فرمایا اور ہم سے دنیا میں غلطیاں ہوئیں تو آخرت میں سزا دی جائے گی اور دنیا کی سزا بہ نسبت آخرت کے نرم ہے۔

نکتہ: آدم علیہ السلام کے لیے شیطان بمنزلہ اس سانپ کے نظر آیا جو خزانہ کے اوپر براجمان ہوتا ہے کہ جب اسے مارا جائے تو اس کے نیچے سے مخفی خزانہ دستیاب ہوتا ہے اور دشمن بھی مارا جاتا ہے گویا دو بڑی عظیم نعمتیں حاصل ہو جاتی ہیں ایسے آدم علیہ السلام

کا حال سمجھیے کہ اس ملعون ابلیس نے آدم علیہ السلام سے عداوت کی لیکن درحقیقت انھیں خزانۂ ربوبیت کا راستہ دکھایا اگرچہ اس کی غرض آدم علیہ السلام سے دشمنی کرنا تھی لیکن آدم علیہ السلام کو اصطفائیہ ازلیہ کے بعد اجتبائیہ ابدیہ نصیب ہوئی اور وہ بدبخت ابلیس ازلی ابدی لعنت کا طوق پہن گیا۔

نکتہ: اگر لفظ عصیان مذموم ہے آدم علیہ السلام کو بسبب اصطفاء و اجتباء کی صفات نصیب ہوئیں تو پھر ان کے لیے یہ مذمت کالعدم ہوگئی۔

موسٰی و آدم علیہما السلام کا مناظرہ

حدیث شریف میں ہے:

احتج آدم و موسیٰ۔ — موسٰی و آدم علیہما السلام کی ایک خصوصی گفتگو ہوئی۔

شرح: یہ گفتگو عالم ارواح میں تھی یا عالم اجساد میں یہی صحیح ہے اس لیے کہ اللہ تعالٰی قادر ہے اس نے ان دونوں کو زندہ کرکے گفتگو کے لیے جمع فرمایا اس کی نظیر حدیث معراج ہے کہ اس میں حضور سرورعالم صلے اللہ علیہ وسلم جملہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ملاقی ہوئے اور امام بن کر انھیں نماز پڑھائی۔

فقال موسٰی یا آدم انت ابونا الذی خیبتنا۔ — تو موسٰی علیہ السلام نے کہا کہ آپ ہی ہمارے والد گرامی ہیں جنھوں نے ہماری بہشت کی سکونت چھڑا کر ہمیں خائب و خاسر کیا۔

شرح: یعنی آپ ہمارے خروجِ جنت کا سبب بنے جس سے ہمیں خسارہ و خیبہ نصیب ہوئی۔

و اخرجتنا من الجنۃ بخطیئتک التی خرجت بھا منھا۔ — آپ نے ہمیں اپنی لغزش سے بہشت سے نکالا جس سے آپ بھی وہاں سے نکلے۔

شرح: حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

من ملک بودم و فردوس بریں جایم بود
آدم آورد درین دیر خراب آبادم

ترجمہ: میں بادشاہ تھا اور فردوس اعلٰی میری رہائش گاہ تھی لیکن آدم علیہ السلام مجھے اس ویران حویلی میں لائے۔

فقال لہ آدم انت موسی اصطفاک اللہ بکلام۔ — آدم علیہ السلام نے موسٰی علیہ السلام کو جواب دیا کہ آپ ہی وہ موسٰی (علیہ السلام) ہیں جنھیں اللہ تعالٰی نے اپنی ہمکلامی سے سرفراز فرمایا۔

شرح: یعنے آپ کو اپنا کلیم بنایا۔

وخط لك التوراة بيده اتلومنى۔ اور آپ کے لیے اپنے قدرت کے ہاتھ سے تورات لکھی تو کیا آپ بھی مجھے ملامت کرتے ہیں۔

شرح : ہمزہ استفہام انکاری کا ہے۔

على امر قدره الله على۔ ایسے امر پر جسے اللہ تعالٰی نے میرے لیے مقدر فرمایا۔

شرح : یعنے میرے لیے یہ امر لوح محفوظ میں لکھ دیا تھا۔

قبل ان يخلقنى باربعين سنة۔ میری پیدائش سے چالیس سال پہلے۔

شرح : یہاں چالیس سال سے تکثیر مراد ہے یعنے صرف چالیس مراد نہیں بلکہ یہ مطلب ہوا کہ عرصہ دراز پہلے۔

سوال : آدم علیہ السلام تو یہاں معصیتہ سے انکار فرما رہے ہیں حالانکہ ان سے اس کا صدور ہوا اگر بجائے علی امر کے کہنے کے علی معصية قدرها الله على کہتے تو واقعہ کے مطابق ہوتا ؟

جواب[1] : یہ انکار توبہ کے بعد کا ہے جب کہ آپ معافی کا پیغام حاصل کر چکے تھے اسی لیے اتلومنى (مجھے ملامت کرتے ہو) فرمایا ورنہ أألام (بصیغہ مجہول) فرماتے۔

جواب[2] : معصیتہ پر ملامت اس وقت مناسب ہے جب ور تکلیف میں ہو بلکہ اس میں نہ صرف ملامت بلکہ زجر و توبیخ بھی ساتھ کیجاتی ہے اور جب یہ ارتکاب دار التکلیف میں نہیں تو ملامت کیوں۔

فحج آدم موسىٰ فحج آدم موسىٰ۔ اس گفتگو میں آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام پر غالب ہوئے۔

شرح : جملہ کا تکرار تاکید کے لیے ہے حج بمعنے غلب ہے یعنے آدم علیہ السلام دلیل میں موسیٰ علیہ السلام پر غالب ہوئے کیونکہ اپنا معاملہ اللہ تعالٰی کے سپرد علم کیا اور متنبہ فرمایا کہ موسےٰ علیہ السلام اصل سے چشم پوشی فرما رہے ہیں جب کہ یہ امر تقدیر میں پہلے لکھا جا چکا تھا۔ اور ایسے ہی ان کی نگاہ فرع پر رہی یعنے سبب لاحق جو آدم علیہ السلام سے صادر ہوا۔

ایک اور روایت میں ہے :

قال آدم بكم وجدت الله كتب الله لك التوراة قبل ان اخلق قال موسىٰ اربعين عاما قال آدم فهل وجدت فيها وعصى رسول الله صلى الله عليه وسلم فحج آدم موسىٰ۔

آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ اے موسیٰ علیہ السلام آپ نے اپنی تورات میں لکھا دیکھا تھا کیا اس میں نہیں تھا کہ میری تخلیق سے چالیس سال پہلے یہ امر مقدر تھا کہ اللہ تعالٰی کا ایک رسول اللہ تعالٰی کے حکم سے ہٹ جائے گا۔ اس دلیل سے آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام پر غالب ہوئے۔

شرح : حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

عیب رندان مکن ای زاہد پاکیزہ سرشت
کہ گناہ دگراں بر تو نخواہند نوشت
من اگر نیکم وگر بدتو برو خود را باش
ہر کسی آن درود عاقبت کار کہ گشت

ترجمہ : ۱ - اے پاکیزہ سرشت زاہد! رندوں کو ملامت نہ کر کیونکہ دوسروں کے گناہ تجھ پر نہیں لکھے جائیں گے۔
۲ - اگر میں نیک ہوں یا بد تم جاؤ اپنا کام کرو کیونکہ جو کچھ کوئی بوئے گا کھیتی سے وہی اٹھائے گا۔

اور فرمایا ؎

درین چمن نکنم سرزنش بخود روئے
چنانکہ پرورشم میدہند میرویم

ترجمہ : اس دنیا میں اپنی روش پر طعن نہیں کرتا۔ کیونکہ مجھے تربیت دی گئی ہے میں نے ویسے ہی کیا۔

اور فرمایا ؎

نقش مستوری ومستی نہ بدست من و تست
آنچہ سلطان ازل گفت بکن آن کردم

ترجمہ : نقش مستوری و مستی میرے ہاتھ میں نہیں کیونکہ مجھے سلطان ازل نے جیسے کہا میں نے ویسے ہی کیا۔

اور فرمایا ؎

عیبم مکن ز رندی و بدنامی اے حکیم!
کین بود سرشت ز دیوان قسمتم!

ترجمہ : میری رندی اور بدنامی سے اے حکیم میرا عیب نہ بیان کر کیونکہ دیوان قسمت میں میرا لکھا یونہی تھا۔

اور فرمایا ؎

من ارچہ عاشقم و رند و مست و نامہ سیاہ
ہزار شکر کہ یاران شہر بے گنہند

ترجمہ : میں اگرچہ عاشق و رند و مست و نامہ سیاہ ہوں لیکن یہ شکر ہے کہ یاران شہر تو بے گناہ ہیں۔

تفسیر عالمانہ قَالَ۔ اللہ تعالےٰ نے آدم علیہ السلام و حوّا کو صدور زلّہ کے بعد فرمایا۔ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا تم سارے زمین سے بہشت کی طرف چلے جاؤ بظاہر یہ خطاب عتاب و ملامت کا ہے لیکن درحقیقت تکمیل و

تذلیل کا ہے۔

حل لغات: ھبط ھبوطاً بمعنے نزل (نیچے اترا)۔

امام راغب نے فرمایا کہ الھبوط دھکے سے کسی شے کا نیچے اترنا، جیسے پتھر کا نیچے گرنا۔

کما قال تعالےٰ:

وان منھا لما یھبط من خشیۃ اللہ۔ بعض وہ پتھر ہیں جو اللہ تعالےٰ کے خوف سے گرتے ہیں۔

جب اسے انسان کے لیے استعمال کیا جائے تو اس کی تحقیر مطلوب ہوتی ہے بخلاف انزال کے کہ اس کا اطلاق شرافت و بزرگی کے لیے ہوتا ہے جیسے نزال القرآن والملائکہ والمطر وغیرہ یہاں پر ھبوط لبعض کے معنی پر متنبہ کرنے کے لیے ہے۔

کما قال:

وقلنا اھبطوا بعضکم لبعض عدو۔

اور فرمایا:

فاھبط منھا فما یکون لک ان تتکبر فیھا۔

بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ، امر معاش میں تمہاری اولاد ایک دوسرے کی دشمن ہوگی جیسے ہم آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ امر معاش میں لوگ ایک دوسرے کے ساتھ کیسی کھینچا تانی اور جنگ و جدال میں ہیں۔ یہ آیت اس کی نظیر ہے:

"فلما اتاھما صالحا جعلا لہ شرکاء"

یعنے بعضکم لبعض عدو کا معنے یہ نہیں کہ آدم و حوّا کی آپس میں دشمنی ہوگی بلکہ ان کی اولاد کی عداوت مراد ہے جیسے آیت ھٰذا میں جعلا لہ شرکاء کا معنے یہ نہیں کہ ان دونوں نے شرک کیا بلکہ ان کی اولاد نے شرکیہ افعال کا ارتکاب کیا۔ اور ان دونوں کو خطاب اس لیے کہ یہ اولاد و ذرّیۃ کی اصل ہیں۔

اب معنے یہ ہوا کہ اے آدم و حوّا کی اولاد تم ایک دوسرے کے دشمن ہوگے۔

صوفیانہ نکتہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ان کی آپس میں عداوت ڈالی تاکہ سوائے اس کے اور کسی کو محبوب نہ بنائیں جیسا ابراہیم علیہ السلام کے لیے فرمایا: فانھم عدو لی الا رب العالمین (بے شک وہ سب میرے دشمن سوائے رب العالمین کے)۔

ربط: چونکہ آدم علیہ السلام کو اجتباء و اصطفاء سے نوازا اور انھیں آزمائشی امتحان کے لیے زمین پر اتارا اسی لیے ان کے ساتھ اہتداء کا وعدہ فرمایا کہ:

فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ، اے آدم و حوا علیہم السلام کی اولاد اگر تمھارے ہاں آئے۔ مِّنِّیْ هُدًى ڈمیری جانب سے ہدایت یعنے کتاب و رسول۔

حل لغات : یہ دراصل ان یا سنکو تھا ما زائدہ ہے معنی شرط کی تاکید کے لیے ہے یا ما افعال پر اسی طرح تاکیدی ہے جیسے لام افعال پر قسم کی تاکید کے لیے داخل ہوتی ہے ۔ ان شرط شک کے لیے آتا ہے ۔

اس میں اشارہ ہے کہ رسول وکتاب سے ہدایت دینا قطعی الوقوع نہیں بلکہ یہ اللہ تعالے کی مشیت پر موقوف ہے چاہے ہدایت دے چاہے نہ دے ، اس پر کوئی شے واجب نہیں پھر وہم ہوتا تھا کہ رسول وکتاب کا ہدایت کے ساتھ آنا قطعی الوقوع نہیں تو پھر ان سے ہدایت کی امید کیسی؟ اس کے ازالہ کے لیے نون ثقیلہ وحرف شرط لایا گیا تاکہ یقین ہو کہ ان سے ہدایت کا وقوع وتحقیق راجح ہے ۔

فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ ، پس جو کتاب پر ایمان لائے اور رسول کی تصدیق کرے ۔ فَلَا یَضِلُّ تو وہ دم زیست دین قویم کے راستہ سے دنیا میں نہیں ہٹے گا ۔ وَلَا یَشْقٰی ۝ اور نہ آخرت کے عذاب میں مبتلا ہو کر رنج اٹھائے گا ۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِکْرِیْ اور جس نے میرے ذکر کے التزام اور میری تابعداری کی ہدایت میں جب اس کے پاس آئی سے روگردانی کی ۔ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْکًا تو اس کی معاش تنگ ہوگی یعنے اس کے قلب پر حجابات اور فیض کے باب کے انسداد کا ہے کیونکہ یہ ذکر مفتاح القلوب ہے اور اس سے روگردانی ورفیض کے انسداد کا موجب ہے ۔

ذکر حق مفتاح باشد ای سعید
تا بکشایی در جان بے کلید
چون ملک ذکر خدا را کن غذا
این بود دائم معاش اولیاً

ترجمہ : اے سعید ذکر حق چابی ہے تاکہ روح کا دروازہ چابی کے بغیر نہ کھول سکو ۔ ملائکہ کی طرح ذکر حق اپنی غذا بنا لے ۔ اولیاً کی یہی دائمی معاش ہے ۔

وَنَحْشُرُهٗ اور روگردانی کرنے والے کو ہم اٹھائیں گے ۔

ف : بحر العلوم میں ہے کہ الحشر بمعنے البعث والجمع کے معنے میں آتا ہے ۔ یہاں پہلا معنی مراد ہے ۔

یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰی ۝ قیامت میں اندھا ۔ اعمی بمعنے فاقد البصر ہے جیسے اللہ تعالے کے ارشاد گرامی میں ہے :

ونحشرهم یوم القیٰمة علی وجوههم عمیاً وبکماً وصماً ۔

فائدہ صوفیانہ عرائس البقل میں ہے کہ اعمی کا معنی ہے ، وجود حق سے جاہل یعنے جیسے وہ دنیا میں وجود کے عرفان سے جاہل تھا ایسے ہی قیامت میں جاہل ہوگا ۔

حضرت علی رضی اللہ تعالے عنہ نے فرمایا کہ جس نے اللہ تعالے کو دنیا میں نہ پہچانا وہ آخرت میں بھی نہیں پہچانے گا ۔

قَالَ ، یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے ۔ رَبِّ ، اسے میرے پروردگار ! لِمَ حَشَرْتَنِیْٓ اَعْمٰی وَقَدْ کُنْتُ بَصِیْرًا ○ تونے مجھے اندھا کیوں کیا، یا دنیا میں تو میں انکھیارہ تھا ۔

قَالَ کَذٰلِکَ ، فرمایا تونے بھی ایسے ہی کیا ۔ اس کلمہ کی تفسیر میں فرمایا ، اَتَتْکَ اٰیٰتُنَا ، تیرے ہاں ہماری آیات یعنے آیات یا دلائل قدرت و علامات وحدہ واضحہ نیرہ جو کسی سے پوشیدہ نہ تھے آئے ، فَنَسِیْتَهَا ، تو نے انھیں بھلایا یعنے تو ان سے اندھا رہا اور انھیں ترک کر دیا گویا وہ کسی طرح بھی تیرے ہاں مذکور نہیں ہوئیں ۔ وَکَذٰلِکَ الْیَوْمَ اور ایسے ہی یعنے جیسے تو دنیا میں غفلت اور بھول میں تھا ۔ (الْیَوْمَ ، تُنْسٰی ○ آج بھلایا جائے گا یعنے اندھے پن اور عذاب میں رہے گا ، یہ اسی دنیوی عمل کی مکمل سزا ہے لیکن ابداً نہیں بلکہ جو اللہ تعالےٰ چاہے گا پھر اسے اللہ تعالیٰ زائل فرمائے گا یہ اس لیے ہوگا تا کہ قیامت کی ہولناکیوں کو دیکھے اور جہنم میں اپنی رہائش گاہ اپنی آنکھوں سے دیکھے یہ اس لیے دہرا عذاب ہوگا اسی طرح اس کا بہرہ پن ، گونگا ہونا بھی ۔ اس سے تھوڑی مدت کے لیے بہرے اور گونگے پن کو زایل کرے گا تا کہ اسے موعودہ عذاب سنائے اور دکھائے ۔

وَکَذٰلِکَ اور اس جزار موافق کردار کے ۔ نَجْزِیْ مَنْ اَسْرَفَ ، ہم اس کو سزا دیتے ہیں جو حد سے بڑھتا ہے ۔

حل لغات : الاسراف یعنے ہر وہ کام جو انسان کرتا ہے اس کی حد سے آگے بڑھنا اگر یہ انفاق میں زیادہ مشہور ہے ۔

وَلَمْ یُؤْمِنْ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ ، اور وہ اللہ تعالےٰ کے آیات یعنے قرآن اور باقی تمام معجزات پر ایمان نہیں لایا بلکہ ان کی تکذیب بھی کی اور ان سے منہ موڑا ۔ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ ، اور آخرت کا علی الاطلاق یا جہنم کا عذاب ۔ اَشَدُّ ، اس سے زیادہ سخت ہوگا جو ہم انھیں دنیا میں دیا کرتے تھے مثلاً روزی کی تنگی وغیرہ ۔ وَاَبْقٰی ○ اور بہت زیادہ اور باقی رہنے والا اور دائمی ہے کیونکہ وہ منقطع نہیں ہوگا پس جو اللہ تعالےٰ سے بخشش چاہے اور اس سے جزا و ثواب چاہے تو اس پر لازم ہے کہ دنیا میں طاعت الٰہی پر صبر کرے اور معاصی اور شہوات دنیا سے اجتناب کرے اس لیے کہ جنت کو تکالیف اور دوزخ کو شہوات گھیرے ہوئے ہیں ۔

حدیث شریف : حدیث شریف میں وارد ہے :

" اللہ تعالےٰ نے جبریل علیہ السلام کو بہشت کے معائنہ کا حکم فرمایا کہ اس کی زیب و زینت اور اس کے اندر کی نعمتوں کو دیکھیں جب جبریل علیہ السلام نے اسے غور سے دیکھا تو واپس آ کر عرض کیا کہ یا اللہ ! جو بھی اس کے متعلق سنے گا اس میں ضرور داخل ہوگا اس کے بعد اس کے اردگرد تکالیف کی چار دیواری کھڑی کر دی گئی ۔ پھر فرمایا کہ اسے جبریل ! (علیہ السلام) اب جا کر بہشت کو دیکھئے ۔ جبریل علیہ السلام نے اس دیوار کو دیکھ کر عرض کی کہ یا الٰہ العالمین اب کسی کے داخل ہونے کا امکان نظر نہیں آتا ۔ اس کے بعد دوزخ کے معائنہ کا فرمایا ۔ جب جبریل علیہ السلام نے دوزخ اور اس کے اندر عذاب کی اشیاء دیکھیں تو عرض کی ، یا الٰہ العالمین ! جو اس کا نام

سنے گا، کوسوں دور بھاگے گا۔ کوئی بھی اس دوزخ میں جانے کا نام نہ لے گا۔ اس کے بعد دوزخ کو شہوات سے گھیرا گیا۔ پھر اللہ تعالےٰ نے جبریل علیہ السلام کو فرمایا کہ دوبارہ جاکر دوزخ کو دیکھئے جب جبریل علیہ السلام نے دوبارہ دیکھا تو عرض کی کہ یا الہ العالمین! اب تو ہر کوئی اس میں داخل ہو جائے گا۔

دوزخ کی سزا کا نمونہ مروی ہے کہ جب دوزخیوں کو دوزخ کی طرف روانہ کیا جائے گا تو ان کا استقبال زبانیہ (فرشتے) سلاسل واغلال سے کریں گے ایک زنجیر دوزخی کے منہ میں ڈال کر اس کی بر دسے نکالا جائے گا ۔ بایاں ہاتھ گردن سے باندھا جائے گا اور دایاں ہاتھ اس کے منہ میں داخل کرکے اس کے دونوں کاندھوں کے درمیان سے نکالا جائے گا پھر اسے بیڑیوں سے جکڑ کر اس کے ساتھ ایک شیطان ملاکر جہنم کی طرف کھینچ کر لایا جائے گا اور فرشتے اسے لوہے کے چابک سے مار مار کر دوزخ میں دھکیلیں گے۔ (معاذ اللہ)

حدیث شریف : دوزخ کا ادنےٰ عذاب یہ ہے کہ اسے آگ کے جوتے پہنائے جائیں گے جن کی گرمی کی شدت سے اس کا دماغ ابلے گا۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ وہ عذاب کے اسباب اور آخرت میں اندھے پن کے موجبات سے بچے اور کوشش کرے کہ وہ قیامت میں اندھا نہ ہو۔ اور اشد العذاب سے بچے۔ اس سے اللہ تعالےٰ کا ہجر و فراق مراد ہے۔

بعد حق باشد عذاب مستہین
از نعیم قرب عشرت سازہین
ہر کہ نابینا شود از ای ہو
ماند در تاریک مردمہاے او

ترجمہ : ۱ - عذاب مہین ہے فراقِ الٰہی - اور ایسے ہی عشرت ساز کی ذلت ہے قرب حق کی دوری ۔

۲ - جو اللہ تعالیٰ کی آیات سے اندھا ہے وہ ہمیشہ آنکھ کی بینائی سے اندھیرے میں رہے گا۔

اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ ۔ ہمزہ انکار توبیخی کا اور فاء عطف مقدر کے لیے ہے۔ الھدایۃ بمعنے التبیین ہے اس کا مفعول محذوف ہے اور اس کا فاعل جملہ کا مضمون ومعنی ہے اور لھم کی ضمیر مشرکین کی طرف راجع ہے اور مشرکین سے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے معاصرین کفار مراد ہیں۔ القرون، قرن کی جمع ہے وہ قوم جو زمانہ کے لحاظ سے ایک دوسرے کے مقترن ہے ۔

اب معنے یہ ہوا کہ کیا وہ غافل ہیں اور انھیں اپنے امور کا انجام واضح نہیں ہوا وہ غور کریں کہ ہم نے قرون اولیٰ کے کتنے لوگ تباہ وبرباد کیے ہیں یا اس کا فاعل ضمیر ہے جس کا مرجع اللہ تعالےٰ ہے ۔ اب یہ ہوگا کہ کیا اللہ تعالےٰ نے ان کے لیے

ہدایت نہیں کی۔ اھلکنا بطریق التفات اسی ہدایت کا بیان ہے۔ اور من القرون محلاً منصوب لفظ کم کے ممیز صفت ہے اب عبارت یوں ہوگی:

کم قرنا کائنا من القرون۔

یَمْشُوْنَ فِیْ مَسٰکِنِهِمْ، یہ القرون سے حال ہے یعنے درآنحالیکہ اپنے گھروں میں امن اور چین کے ساتھ چلتے پھرتے تھے یا یہ لھم کی ضمیر سے مؤکد ہے اور انکار کے لیے ہے۔

اب معنے یہ ہوا کہ کیا انھیں اس سے بھی ہدایت نہ ہوئی کہ ہم نے قرون سالفہ میں کئی قرون تباہ و برباد کر ڈالے جیسے اصحاب الحجر واصحاب ثمود اور قوم لوط کی بستیاں۔ درآنحالیکہ وہ اپنے گھروں میں چلتے پھرتے اور یہ ان سے شام کی طرف جاتے ہوئے وہاں سے گذرتے اور ان کی تباہی و بربادی کو آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور یہ ایسے اسباب ہیں کہ جن سے بہ جلد تر ہدایت پائیں اور عبرت پکڑیں کہ کہیں یہ بھی ان کی طرح عذاب کی لپیٹ میں نہ آجائیں۔

حل لغات: امام راغب رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ المشی بمعنے ارادۃً ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا۔ السکون بمعنے تحریک کے بعد شئے کا ثابت ہونا اور کہیں وطن بنانے کو بھی کہا جاتا ہے جیسے سکن فلان مکان کذا یعنے فلان ایسی جگہ ٹھہرا مسکن اسم ظرف اور مساکن اس کی جمع ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ، بے شک اس عذاب میں ہلاک کرنے میں لَاٰیٰتٍ، نشانات کثیرہ اور واضح الھدایۃ اور ظاہر الدلالۃ علی الحق ہیں کہ وہی ہادی اور کیسا ہادی ہے۔ لِّاُولِی النُّهٰى ۝ نھیۃ کی جمع ہے بمعنے عقل یعنے ذوی العقول کے لیے اور عقول نتائج سے روکتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ جملہ کا مضمون فاعل ہے مفعول نہیں۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

پس سپاس او را کہ ما را در جہان
گرد پیدا از پس پیشینیان
تا شنیدیم آن سیاستہائے حق
بر قرون ماضیہ اندر سبق
استخوان و پشم آں گرگاں عیاں
بنگرید و پند گیرید ای مہان
عاقل از سر بنہد این ہستی و باد
چوں شنید انجام فرعونان و عاد

(بقیہ صفحہ نمبر ۴۲۰)

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ۝ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا
يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ
الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ۝ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ
اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّ
اَبْقٰى ۝ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ وَ
الْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ۝ وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ
مَا فِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۝ وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ
اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ۝ قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ
فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ۝

ترجمہ : اور اگر تیرے رب سے ایک بات کا فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا تو ان کو عذاب ضرور چمٹ جاتا اور اگر ایک میعاد مقرر نہ ہوتی (تو بھی) تو ان کی باتوں پر صبر کرو اور سورج کے طلوع سے پہلے اور اس کے ڈوبنے سے اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے اس کی پاکی بیان کیجئے اور رات کی گھڑیوں میں اس کی پاکی بیان کیجئے ، (ایسے ہی) دن کے کناروں پر (بھی) اس امید سے کہ تم راضی ہو۔ اور اس طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھئے جو ہم نے کافروں کے جوڑوں کو کچھ ساز و سامان دیا ہے وہ دنیوی زندگی کی رونق ہے تاکہ ہم انھیں اس میں فتنہ میں ڈالیں اور تیرے رب کا رزق بہتر اور دیر تک رہنے والا ہے اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیجئے اور خود بھی اس پر ثابت قدم رہئے ہم تجھ سے رزق نہیں مانگتے۔ ہم تجھے رزق دیں گے اور نیک انجام تقویٰ کے لیے ہے اور انھوں نے کہا : اپنے رب سے کہ ہمارے ہاں کوئی آیت کیوں نہیں لایا اور کیا ان کے ہاں وہ واضح دلیل نہیں آئی جو پہلے صحیفوں میں ہے۔ اور اگر ہم انھیں رسول سے پہلے عذاب دے کر تباہ کر دیتے تو کہتے اے ہمارے پروردگار تو نے ہمارے ہاں کوئی رسول نہ بھیجا کہ ہم تیری آیات کی اتباع کرتے۔ اس سے پہلے کہ ہم ذلیل و رسوا ہوتے۔ فرمائیے کہ ہر ایک منتظر ہے تو تم بھی انتظار کرو تو پھر جان لو گے کہ سیدھی راہ والے کون ہیں اور کس نے ہدایت پائی ۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

ورنہ بنہد دیگران از حال او
عبرتی گیرند از اضلال او

ترجمہ: ① اس کا شکر کہ اس نے جہان میں ہمیں اگلے لوگوں کے بعد پیدا فرمایا۔
② تا کہ ہم قرون ماضیہ پر اللہ تعالےٰ کے اجرائے احکامات سن کر عبرت حاصل کریں۔
③ ان گرگوں کی ہڈیاں اور بال دیکھ کر اے عزیز و بالنصیحت اور عبرت حاصل کرو۔
④ عاقل اپنے سر سے اس ہستی اور ہوا کا خیال نکال دیتا ہے جب فرعون و عاد کا حال سنتا ہے۔
⑤ اگر کوئی کسی سے عبرت نہیں پکڑتا تو لوگ اس کی گمراہی سے نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

(تفسیر آیات صفحہ گذشتہ)

تفسیر عالمانہ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ، اگر تیرے پروردگار سے کلمہ سبقت نہ کر جاتا۔ اس سے وہ کلمہ مراد ہے جو اللہ تعالےٰ نے اپنے حبیب کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے تاخیر عذاب کا وعدہ فرمایا اور امت سے امت دعوۃ مراد ہے اور اس تاخیر عذاب میں اس کی حکمت کا تقاضا یونہی تھا۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے ملائکہ سے فرمایا اور لوح محفوظ میں بھی لکھ دیا کہ (حضرت) محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اگرچہ تکذیب رسل و انکار کتب وغیرہ کرے گی تب بھی ان سے عذاب مؤخر کیا جائے گا ان پر وہ تباہی و بربادی نہ ہوگی جو دوسری امتوں کے لیے ہوئی اور نہ ہی ان کی جڑ کاٹ کر رکھ دیا جائے گا کیونکہ اس کے علم میں تھا کہ ان میں بعض اہل ایمان بھی ہوں گے اگر عذاب عام ہو تو ان میں وہ بھی تباہ و برباد ہو جائیں گے۔

[اس سے معلوم ہوا کہ اللہ والوں کا صدقہ ہے کہ ہم عذاب الٰہی سے محفوظ ہیں: فافہم وتدبر]۔

لَكَانَ، ان کے کردار کی سزا ہوتی۔ لِزَامًا، ان کافروں کو چمٹی ہوتی کہ ان کے کرتوت کے بعد فوراً عذاب میں مبتلا ہو جاتے جیسے پہلی امتوں کے لیے ہوا کہ وہ تکذیب پر فوراً تباہ و برباد ہوتے یہ مصدر لازم ہے لیکن اسے وصف بنانا مبالغہ کے لیے ہے۔ وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ۝ اس کا عطف کلمہ پر ہے اور درمیان کا فاصلہ بتاتا ہے کہ یہ دونوں ہر ایک نفی عذاب کے لیے مستقل ہیں اور فواصل آیات کے لیے بھی ایسا کیا گیا یعنی اگر ان کی اعمار یا عذاب کا ہر وقت مقرر نہ ہونا (اس وقت سے قیامت یا یوم بدر مراد ہے) تو ان سے عذاب ہرگز مؤخر نہ ہوتا۔

اللہ تعالےٰ نے انھیں ایمان کی ترغیب دی ہے اور پھر انھیں عبرت و استدلال سے سمجھایا ہے یہ اس کی رحمت اور فضل و کرم کی دلیل ہے ورنہ اسے کیا ضرورت تھی کیونکہ اس میں بندوں کا فائدہ ہے اسے تو اس سے کوئی نفع نہیں۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

چون خلقت الخلق کی یربح علی
لطف تو فرمود ای قیوم و حی
لا لان اربح علیہم جود تست
کہ شود زو جملہ ناقصا درست

ترجمہ: خلقت الخلق (میں نے مخلوق پیدا فرمائی (کی یربحوا علی) (تاکہ وہی مجھ سے نفع پائیں) تو نے فرمایا اے حی وقیوم (لا لاربح علیھم) نہ کہ میں ان سے نفع پاؤں یہ تیرا جود ہے تاکہ اس سے تمام ناقص کامل ہوں -

قدسی حدیث شریف: کلمات قدوسیہ میں ہے:

یا عبادی لو ان اولکم و اٰخرکم و انسکم وجنکم کانوا علی اتقی قلب رجل واحد منکم مازاد ذالک فی ملکی شیئاً -

اے میرے بندے! اگر تمھارے پہلے پچھلے اور تمام انس وجان ایک متقی ترین کے قلب کے موافق ہوں تب بھی میرے ملک میں اضافہ نہ ہو -

اور فرمایا:

یاعبادی لو ان اولکم و اٰخرکم و انسکم وجنکم کانوا علی افجر قلب رجل واحد منکم ما نقص ذلک من ملکی شیئاً -

اے میرے بندے اگر تمھارے پہلے پچھلے اور تمام انس وجان ایک فاجر ترین کے موافق ہوں تب بھی میرے ملک سے کچھ کم نہ ہوگا -

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ کلمہ توحید پر التزام کرے کہ کہیں وہ وعید میں داخل نہ ہو -

حدیث شریف حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم سارے بہشت میں داخل ہوگے سوائے منکر کے عرض کی گئی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منکر کون ہے؟ جس نے لا الہ الا اللہ (محمد رسول اللہ) نہ کہا اس سے قبل کہ اس پر موت آئے وہ منکر ہے۔ کلمہ توحید ہی مضبوط رسی اور جنت کا ثمن ہے"

ف: تاخیر عقوبت توبہ کے لیے مہلت ہے اور گناہ پر اصرار کرنے والے کے لیے حجت ہے -

سبق: عاقل مکلف پر لازم ہے کہ وہ مواعظ قرآن کریم سے نصائح حاصل کرے اور قادر حکیم سے ڈرے اور طاعت و انقیاد میں جدوجہد کرے اسے چاہیئے کہ جمادات سے برے حال میں نہ ہو کہ وہ فرمانبردار ہیں اور یہ نافرمان حالانکہ انسان اشرف المخلوق وابدع المصنوعات ہے۔

حدیث و معجزہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک سفر میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا تو مجھے پیاس کا غلبہ ہوا، حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ اس سامنے والے پہاڑ کو میرے سلام کے بعد کہیے کہ وہ پانی پلائے اگر اس کے پاس ہو تو۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے پہاڑ کے قریب جا کر کہا: السلام علیک ایہا الجبل۔ اس نے بزبان فصیح کہا:

لبیك یارسول رسول اللّٰہ لبیك - اے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے قاصد! میں حاضر ہوں -

میں نے اسے پانی کا کہا تو اس نے کہا :

"میرا اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ اور سلام کے بعد عرض کرنا کہ جب سے میں نے یہ آیت "فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ" سنی ہے اسی روز سے رو رہا ہوں کہ کہیں وہی حجارہ میں نہ ہوں جو جہنم کا ایندھن بنے گا۔ اس گریہ سے میرے اندر پانی نہیں رہا۔"

سبق : جو شخص قرآن مجید کے زواجر سن کر صالحات میں رغبت نہیں کرتا وہ پتھروں سے سخت تر اور جانوروں سے بدتر ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے قلب کی نرمی کا سوال کرتے ہیں۔

فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ، تو آپ ان کی گفتگو پر صبر کیجئے یعنے جب یہ بات طے شدہ ہے کہ ان پر عذاب مؤخر کیا گیا ہے اور اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ ان سے چشم پوشی کی جا رہی ہے بلکہ انھیں چند روزہ مہلت دی جا رہی ہے کیونکہ عذاب ان پر لازم ہے تو آپ ان کے کلماتِ کفریہ اور جادو وسحر اور جنون کی نسبت کرنے پر اتنی دیر صبر کیجئے یہاں تک کہ ان کے مابین فیصلہ ہو۔ اور ویسے بھی حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو علم تھا کہ ان پر خواہ مخواہ عذاب ہونا ہے یہی بات بھی آپ کی تسلی اور صبر کے لیے کافی تھی۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ صبر کیجئے ان باتوں پر جو اہلِ اعتراض واہلِ انکار کہا کرتے ہیں کہ آپ کو ان کی تربیت کرنی ہے یہاں تک کہ آپ مقامِ صبر تک پہنچیں۔

ف : بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت 'آیۃ السیف' سے منسوخ ہے لیکن تفسیر کبیر میں ہے کہ ضروری نہیں کہ اسے منسوخ مانا جائے کیونکہ ممکن ہے کہ آپ کو کفار کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم بھی ہو اور ساتھ ہی ان کے ایذاؤں پر صبر کرنے کا حکم بھی۔

حل لغات : امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا کہ الصبر یعنے نفس کا ان امور سے روکنا جن کے روکنے پر عقل وشرع کا تقاضا ہے۔ لفظ 'صبر' عام ہے ہاں بوجہ مختلف مواقع کے اس کے اسماء بھی مختلف ہیں مثلاً نفس کو مصیبت کے وقت روکنے کا نام صبر اور اس کی نقیض جزع آتی ہے اور اگر جنگ کے موقعہ پر صبر کرنے کا نام شجاعت اس کی نقیض جبن (بزدلی) ہے اور اگر حادثہ کے وقت صبر کیا جائے تو اسے رحب الصدر (سینہ کی کشادگی) اور اس کی نقیض الضجر آتی ہے۔ اگر گفتگو نہ کرنے پر اپنے آپ کو روکا اسے کتمان سے تعبیر کیا جاتا ہے اس کی نقیض بدل آتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان تمام مواقع کا نام صبر رکھا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اس پر تنبیہ فرمائی ہے :

والصابرین فی البأساء والضراء۔

اور فرمایا :

الصابرین علی ما اصابھم والصابرین والصابرات،

اسی پر 'الصوم' کا نام صبر ہے اس لیے کہ یہ صبر کے انواع سے ہے۔

تفسیر عالمانہ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ، اور اپنے رب تعالےٰ کی حمد کے ساتھ حمد کیجئے یعنے نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی ہدایت و توفیق پر حمد الٰہی کیجئے۔

سوال: تم نے تسبیح کا معنی نماز پڑھنے کا معنی کیوں کیا ہے؟

جواب: جز بول کر کل مراد لی گئی ہے کیونکہ نماز میں تسبیح و ذکر الٰہی ہوتی ہے اور یہ امور تسلی و راحت بخشتے ہیں اور جمیع احزان و غموم کو دور کرتے ہیں۔ کما قال تعالےٰ:

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔

قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ، طلوع شمس سے پہلے۔ اس سے صبح کی نماز مراد ہے۔

حدیث شریف: حدیث شریف میں ہے کہ طلوع شمس تک ذکر الٰہی میں مصروف رہنا اولاد اسماعیل میں سے اسی غلام آزاد کرنے سے افضل ہے۔

ف: اسماعیل علیہ السلام کی تخصیص ان کی شرافت اور ابو العرب کی وجہ سے ہے۔

وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا، اور غروب شمس سے پہلے۔ اس سے عصر کی نماز مراد ہے کیونکہ یہ دونوں نمازیں زوال کے بعد غروب سے ادا کی جاتی ہے۔ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ، اور رات کی بعض ساعات میں سے۔ انی بالکسر والقصر کی جمع ہے جیسے معی کی جمع امعا آتی ہے۔ دانلہ کو بالفتح واحد پڑھا جائے۔ فَسَبِّحْ پھر نماز پڑھیئے اس سے مغرب و عشاء کی نمازیں مراد لی ہیں۔

سوال: نماز پڑھنے کے حکم سے ان کے اوقات کی تقدیم کیوں؟

جواب: ان کی فضیلت کا اظہار مطلوب ہے کیونکہ ان اوقات میں قلب کو جمعیت حاصل ہوتی ہے اور نفس راحت کی طرف زیادہ مائل ہوتا ہے اور ان اوقات میں عبادت کرنے میں مشقت ہوتی ہے۔

وَاَطْرَافَ النَّهَارِ، اور دنوں کے اطراف میں۔ بندوں کو نفلی عبادات کا حکم ہے۔

ف: العیون میں ہے کہ یہ منصوب ہے ماقبل پر دوسرے ظروف پر اس کا عطف ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اطراف النہار میں تسبیح پڑھیے، اس سے صلوٰۃ مغرب و فجر مراد ہے تکرار صرف اختصاص کے لیے ہے جیسے: حافظوا علی الصلوٰت والصلوٰۃ الوسطی میں الصلوٰۃ الوسطی کا تکرار اختصاص کے لیے ہے اور الصلوٰۃ الوسطی سے مراد نماز عصر ہے۔

ف: جلالین میں ہے کہ قبل غروبھا سے نماز عصر، واطراف النہار سے صلوٰۃ الظہر مراد ہے کیونکہ جمع کے صیغہ سے واحد مراد ہے۔

ف: طبری میں ہے کہ قبل غروبھا سے عصر کی نماز مراد ہے اور اناءی اللیل سے عشاء آخری اور اطراف النہار سے ظہر و

مغرب مراد ہے کیونکہ ظہر نہار کی طرف اول کا کنارہ آخری اور نہار کے آخری حصہ کا پہلا کنارہ ہے گویا نماز ظہر ان دونوں طرفوں کے درمیان ہے اور مغرب طرف ثانی کے آخر میں ہے۔ اس معنی پر انھیں اطراف کہا گیا۔

ف : اس آیت سے الشیخ ابوالقاسم الفزاری رحمہ اللہ تعالٰی نے الاسئلۃ المقحمۃ میں استدلال کیا ہے۔ اس کی تشریح سورہ ہود کے آخر میں گذری اور مزید تشریح سورہ ق میں آئے گی۔

لَعَلَّكَ تَرْضٰى ○ یہ سبح کے متعلق ہے یعنے ان اوقات میں اللہ تعالٰی کی تسبیح پڑھتے پھر امید رکھنی چاہیئے کہ آپ اللہ تعالٰی کے ہاں وہ پالیں گے جس سے آپ کا جی خوش اور دل راضی ہوگا۔

ف : جناب کاشفی نے لکھا کہ خوشنودی سے صحیح تر قول یہ ہے کہ کرامت امت مراد ہے اس لیے کہ وہ شے اعلیٰ جو اللہ تعالٰی نے اپنے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا ہے وہ شفاعت امت ہے۔ اس نکتہ کی "ولسوف یعطیك ربك فترضٰی" سے تقویت ملتی ہے۔

امت ہمہ جسمند و توئی جان ہمہ
ایشان ہمہ آن تو و تو آن ہمہ
خوشنودیٔ توجست خدا در محشر
خوشنو نہ مگر بغفران ہمہ

ترجمہ : ① امت تمام جسم اور اس کی روح آپ ہیں یہ تمام بلکہ جملہ ہیں اور وہ جملہ تمام آپ ہیں۔

② قیامت میں اللہ تعالٰی بھی آپ کی رضا چاہے گا اور آپ امت کی مغفرت سے راضی ہوں گے۔

فضائل نماز تسبیح کی مشغولی میں دراصل تسبیح پڑھنے والا اس کے وسیلہ سے مکذبین پر غلبہ اور فتح و نصرت کی مدد چاہتا ہے اور نماز ازالۂ الم کے لیے تریاق اعظم ہے۔ اسی لیے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو کوئی پریشانی یا غم لاحق ہوتا تو آپ نماز میں مشغول ہوجاتے اور آیت 'وما ملکت ایمانکم' میں سب سے آخر میں نماز کی تاکید کی ہے۔

ف : آیت مذکورہ میں پانچ نمازوں کا بیان ہے۔

حدیث شریف : حضرت جبیر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ آپ نے چودھویں کے چاند کو دیکھ کر فرمایا :

انکم ستورن ربکم کما ترون ھذا القمر لاتضامون فی رؤیتہ فان استطعتم ان لاتغلبوا عن صلوٰۃ قبل طلوع الشمس وقبل غروبھا فافعلوا ثم قرا وسبح بحمد ربك۔"

بے شک تم اپنے پروردگار کو ایسے دیکھو گے جیسے اس چودہویں کے چاند کو دیکھ رہے ہو تم اس کے دیدار سے محروم نہ رہو گے اگر تم طاقت رکھتے ہو تو تم طلوع شمس سے قبل اور بعد کی نماز سے مغلوب نہ ہو جاؤ۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت مبارک

سبح بحمد ربك ... الآیۃ پڑھی۔

ف: حدیث شریف میں لفظ لا تضامون آیا ہے اس کی میم مشدد پڑھی جائے یہ ضمّ سے مشتق ہے ۔

اب معنے یہ ہوا کہ تمھارا بعض کے ساتھ ضم ہوکر نہ دیکھے گا اور کثرت ہجوم سے یہ نہ کہے گا کہ مجھے دکھاؤ وہ کہاں ہے بلکہ ہر ایک مستقل طور پر اللہ تعالےٰ کو دیکھے گا۔ اس تقریر پر 'تار' مفتوح ہوگی۔ یہ دراصل لا تتضامون تھا ایک تار حذف کردیا گیا ہے اور میم کو مخفف کرکے بھی پڑھا گیا ہے الضیم سے مشتق ہوگا بمعنے الظلم اس کی 'تار' مضموم ہے یعنے تمھارے کسی ایک پر ظلم نہ ہوگا کہ کسی کو دیدار ہو اور کسی کو نہ ہو بلکہ سب کو ہوگا اور تمام اس کے دیدار میں برابر ہوں گے ۔

حدیث شریف: (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) کہ منافقین پر ثقیل تر دو نمازیں ہیں:

① نماز عشار

② نماز فجر

اور اگر انھیں ان کا ثواب معلوم ہوتا تو گھٹنوں کے بل چل کر آتے ۔

نماز باجماعت کے فوائد مشائخ فرماتے ہیں جو پانچوں نمازوں کو جماعت کے ساتھ ادا کرتا ہے اسے مندرجہ ذیل فوائد نصیب ہوتے ہیں:

① روزی کی تنگی دور ہوگی ۔

② عذاب قبر سے حفاظت نصیب ہوگی ۔

③ پل صراط پر سے بجلی کی طرح گذرے گا ۔

④ بہشت میں بلا حساب داخل ہوگا ۔

ترک نماز باجماعت کے نقصانات: جو شخص نماز باجماعت میں سستی کرتا ہے وہ مندرجہ ذیل آفات میں مبتلا ہوگا:

① اس کے رزق سے برکت اٹھ جائے گی ۔

② اس کی کمائی میں برکت نہ ہوگی ۔

③ اس کے چہرے سے صالحین (نیک بختوں) کی نشانی (علامت) اٹھالی جائے گی ۔

④ اس کے باقی اعمال صالحہ بھی قبول نہ ہوں گے ۔

⑤ لوگوں کے دلوں میں اس کے لیے بغض پیدا کردیا جائے گا ۔

⑥ اس کی روح بھوکی پیاسی قبض کی جائے گی ۔

⑦ نزع روح (سکرات) کے وقت سخت تکلیف میں مبتلا ہوگا ۔

⑧ قبر میں منکر نکیر کی گرفت سخت ہوگی ۔

(۹) قبر میں اندھیرا رہے گا۔

(۱۰) قبر تنگ ہوجائے گی۔

(۱۱) حساب سخت ہوگا۔

(۱۲) اللہ تعالٰے کا غضب سخت تر ہوگا۔

(۱۳) جہنم میں اسے داخل کرکے شدید عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

اللہ والوں کی شان: حدیث شریف میں ہے:

امتی مرحومة وانما یدفع اللہ عنھم البلایا باخلاصھم وصلواتھم ودعائھم وضعفائھم[۱]

میری امت پر رحمت خداوندی ہے اور ان سے اللہ تعالٰے عذاب اور بلائیں دفع فرماتا ہے ان کے اخلاص اور نمازوں اور دعاؤں اور ضعیفوں کی برکت سے[۲]

فضیلت امت مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت دانیال نبی علیہ السلام نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی تعریف فرمائی کہ وہ نمازیں پڑھتے ہیں اگر نوح علیہ السلام کی امت نماز پڑھتی تو طوفان میں غرق نہ ہوتی۔ ایسے ہی اگر قوم عاد نماز پڑھتی تو ان پر ہوا کا عذاب نہ آتا اور ثمود کی قوم نماز پڑھتی تو انھیں چنگھاڑ نہ گھیرتا۔

سبق: مومن پر لازم ہے کہ وہ کسی وقت بھی نماز و دعا اور التجاء الی اللہ میں سستی نہ کرے۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ:

حل لغات: المد بمعنے الجر یعنے کھینچنا۔ اسی سے المد للوقت الممتد یعنے دراز وقت کا عرصہ الامداد کا اکثر استعمال اچھے امور اور المدد مکروہ امور میں ہوتا ہے پہلے کی مثال میں اللہ تعالٰے نے فرمایا:

وامددناھم بفاکھة (اور ہم نے ان کی میوہ جات سے مدد کی)۔

دوسرے کی مثال میں فرمایا:

ونمدھم من العذاب مدا (اور ہم ان کا عذاب دراز کردیں گے)

---

[۱]: روح البیان جلد ۵ صہ ۴۴۵۔

[۲]: اللہ والوں کی ہی دعائیں نمازیں اور اخلاص مراد ہوسکتی ہے ورنہ بہت سے لوگوں کی نہ دعائیں قبول اور نہ نمازیں بلکہ یہ لیسے اعمال ان کے منہ پر مارے جاتے ہیں اور ضعفار سے بھی وہی محبوبان خدا مراد ہیں۔ ۱۲ فافہم وتدبر ولاتکن من الوہابیین ۱۲۔

(اویسی غفرلہٗ)

لفظ عین اسی آنکھ (عضو) کو کہا جاتا ہے بخلاف بصر کے کہ وہ عام ہے۔ اسی لیے حدیث قدسی میں فرمایا: کنت لہ سمعاً وبصراً (میں اس کی سمع وبصر ہو جاتا ہوں)۔ عینا و اذناً نہیں فرمایا کیونکہ اللہ تعالٰی اعضا سے پاک ہے۔

اب معنٰی یہ ہوا کہ رغبت ومیلان کی وجہ سے آنکھیں دراز نہ کیجئے یعنے نہ دیکھئے۔

ف: بعض نے کہا کہ "امداد العین" بمعنے تطویل ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کے مرتبہ اور شان کو دیکھ کر اس آرزو اور تمنا پر اسے تک تک کے دیکھے کہ کاش! وہی مرتبہ اور شان مجھے بھی حاصل ہو۔

مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ کسی کے مرتبہ وشان کو دیکھ کر آرزو کرنا لیکن اسے رشک کی نگاہوں سے معمولی طور پر غور سے دیکھنا منع نہیں کیونکہ یہ ایسا امر ہے کہ اس سے بچنا دشوار ہے اور انسان کے اپنے بس میں نہیں۔ اس لیے کہ بہت سے امور ہمارے سامنے آتے ہیں ہم انہیں دیکھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں لیکن بحکم شرع اس سے آنکھ میچ لیتے ہیں ہاں! اسے بار بار غور سے دیکھنا منع ہے جیسا کہ حسد کے طور پر ہے مثلاً دنیوی نقش ونگار میں نگاہیں لگا دے ایسے کو گویا اس کے دل میں اس نے گھر کر لیا ہے، ایسا کرنا منع ہے یا کوئی شخص کسی دنیوی محبوب شئے کو دیکھ کر ایسا محو ہو جاتا ہے کہ سوائے اس کے کسی دوسری طرف دیکھنا گوارہ ہی نہیں کرتا تو یہ ناجائز ہے۔ اسی لیے اللہ تعالٰی نے اپنے محبوب کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو فرمایا: لا تمدن عینیك یعنے وہ کام نہ کیجئے جو بشری جبلت کے مطابق ہو۔

شان نزول حضرت کاشفی نے لکھا کہ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاں ایک مہمان حاضر ہوا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں کچھ نہ تھا کہ جس سے مہمان نوازی فرمائیں۔ مجھے ایک یہودی کے ہاں بھیج کر فرمایا کہ کچھ آٹا لائیے تاکہ مہمان بھوکا نہ جائے اور وعدہ فرمایا کہ یکم رجب رقم ادا کر دیں گے لیکن یہودی نے آٹا دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ادھار قطعی بند ہے، ہاں، اگر کوئی شے گروی رکھو تو آٹا بھجوا سکتا ہوں۔ آپ نے یہودی کا جواب سن کر فرمایا کہ بخدا میں تو آسمان وزمین کا امین ہوں، اگر وہ یہودی آٹا دے دیتا تو اللہ تعالٰی اس کا قرض اتار دیتا۔ لیکن اس نے اعتماد نہ کیا تو لیجئے ابو رافع! میری زرہ لے جائیے اور اس کو گروی رکھ کر آٹا لائیے تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے یہی آیت نازل ہوئی:

ولا تمدن عینیك (اپنی آنکھیں دراز نہ کیجئے یعنے نہ دیکھئے)

اِلٰی مَا مَتَّعْنَا بِہٖ، اس کی طرف جسے ہم نے دنیوی نقش ونگار سے متمتع فرمایا۔

حل لغات: متاع البیت اسی متعنا سے ہے یعنے گھر کا وہ سامان کہ جس سے نفع اٹھایا جائے۔ اس کا مادہ المتوع بمعنے الامتداد، والارتفاع جیسے کہا جاتا ہے:

"متع النهار ومتع البنات"

بمعنے ارتفع یعنے سورج اور کھیتی اونچی ہوئی۔ المتاع بمعنے انتفاع ممتد الوقت یعنے عرصہ دراز تک نفع پانا۔

اب معنٰے یہ ہوا کہ اس شے کی طرف نہ دیکھئے جسے ہم نے چند روز کے لیے نفع کا سبب بنایا ہے۔

ف: الکبیر میں متعنا بہ بمعنے الذذنا بہ لکھا ہے اور فرمایا الامتاع بمعنے الذاذ آتا ہے یعنے ان اشیاء سے لذت پانا جو مناظر حسنہ یا بہترین آواز یا اچھی خوشبو سے تعلق رکھتی ہیں۔ ایسے ہی لباس و نکاح وغیرہ کی اشیاء۔

اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ، کافروں کے اصناف میں سے جیسے وثنی (بت پرست) کتابی یعنے یہود و نصاریٰ۔ اور یہ متعنا کا مفعول بہ ہے۔ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَاۙ اس فعل سے منصوب ہے جو محذوف ہے جس پر متعنا دلالت کرتا ہے یعنے ہم نے انھیں دنیا کی زینت، رونق، نقش و نگار اور حسن بخشا ہے۔

ف: واسطی نے فرمایا کہ اس آیت میں فقراء و مساکین کو تسلی ہے کہ جب امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دنیوی زیب و زینت اور رونق کو دیکھنے سے منع کیا گیا ہے تو ہم کون ہوتے ہیں کہ اس کے لیے للچائیں۔

لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ط تاکہ ان سے وہ معاملہ کریں جو آزمائش کئے ہوئے لوگوں سے کیا جاتا ہے یعنے جو کچھ ہم نے انھیں عطا فرمایا ہے یہ الٹا ان کے لیے وبال اور آزمائش اور امتحان ہے کہ اس کی خلاف ورزی پر عذاب کے مستحق ہوں ہم انھیں نعمتیں بڑھائیں گے تو یوں سمجھ لو کہ ان کے کفر و طغیان میں اضافہ ہو رہا ہے یہ معاملہ ان کے لیے عذاب اور سزا ہے۔ اس لیے لازم ہے کہ دنیا سے نفرت کرنی چاہیے کیونکہ یہ دنیا آزمائش گاہ ہے اور امتحان کے بعد یا تو اعزاز نصیب ہوتا ہے یا ذلت اور خواری۔

تقویٰ و طہارت میں تشدد حضرات علماء کرام نے اسی آیت کے مطابق تقویٰ کا سبق دیا ہے بلکہ تشدد برتا ہے کہ ظالمین اور فاسقین کی ہر روش اور طریقہ سے اجتناب ضروری ہے یہاں تک کہ نہ ان جیسا لباس پہننا چاہیے نہ ان جیسی سواری یہاں تک کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ فساق کے ہمالیج کی دقدقہ کو نہ دیکھو بلکہ ان کو اگر دیکھنا ہے تو یہ سوچو کہ ان رفات سے معصیت کی ذلت کیسے ظاہر ہو رہی ہے وہ اس لیے کہ انھوں نے یہ اشیاء محض دکھاوے کے لیے بنا رکھی ہیں اور دیکھنے والا للچائے گا کہ اسے بھی اسی غرض و غایت کے اسباب حاصل ہوں۔

حدیث شریف (حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا): دنیا یعنے اس کی صورت اور ساز و سامان (حلوۃ) میٹھے ہیں۔۔۔ "خضرۃ حسنۃ فی المنظر تعجب المناظر" سرسبز اور حسین منظر ہیں جو دیکھنے والے کا دل لبھاتے ہیں اور دنیا کو سرسبزی سے اس لیے موصوف کیا گیا ہے۔

اہل عرب ہر اعلیٰ اور بہتر نعمت کو خضرۃ سے تعبیر کرتے ہیں اور اسے سبزی سے اس کے زوال کی سرعت کی وجہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ دنیا دھوکہ اور فریب سے پر ہے کہ اس کے حسن و چاشنی میں پھنس کر انسان غلطی کا شکار ہو جاتا ہے۔

حضرت خجندی نے فرمایا ؎

جہان و جملہ لذائتش بزنبور عسل ماند
کہ شیرینیش بسیارست وزان افزوں شر و شورش

ترجمہ: دنیا اور اس کی جملہ لذات کو شہد کے بھڑ کی طرح سمجھنا کہ اس کی اگر شیرینی بہتر ہے تو اس کا شور و شر بھی کچھ کم نہیں ۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

ہر کہ از دیدار برخوردار شد
ایں جہاں در چشم او مردار شد

ترجمہ: جو کوئی دیدار سے سرشار ہوتا ہے تو یہ جہاں اس کی نظروں میں مردار جیسا ہوتا ہے ۔

حضرت حافظ نے فرمایا ؎

از رہ مرو بعشوۂ دینی کہ این عجوز
مکارہ می نشیند و محتالہ می رود

ترجمہ: صحیح راہ سے مت ہٹ اس کمینی دنیا کے اشارے غلط ہیں اس بڑھیا کی عادت ہے کہ وہ مکار ہو کر بیٹھتی ہے اور حیلہ گر ہو کر جاتی ہے ۔

اور فرمایا ؎

خوش عروسیست جہان از رہ صورت لیکن
ہر کہ پیوست بدو عمر خودش کابین داد

ترجمہ: دنیا بظاہر حسین دلہن ہے لیکن جو اس سے پیوست ہوا تو اس نے اپنی زندگی اسے مہر میں دی ۔

بقیہ حدیث شریف "ان اللہ مستخلفکم فیھا" بے شک اللہ تعالٰے تمھیں اس دنیا میں خلیفہ بنانا ہے یعنے درحقیقت یہ اموال تمھارے نہیں بلکہ ان کا حقیقی مالک اللہ تعالٰے ہے اس کے تصرف میں تم بمنزلہ وکیل کے ہو ۔ "فناظر کیف تعلمون" پھر دیکھتا ہے کہ تم اس میں کس طرح تصرف کرتے ہو ۔

ف: حضرت عیسٰی علیہ السلام نے فرمایا کہ تم دنیا کو آقا نہ بناؤ ورنہ وہ تمھیں غلام بنا لے گی ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ولا تمدن عینیك میں عین البصر والبصیرۃ کی طرف اشارہ ہے یعنے بصر سے سر کی اور بصیرۃ سے قلب کی آنکھ مراد ہے اور یہ خطاب صرف حضور علیہ السلام کو ہے ۔ اس دو وجہیں ہو سکتی ہیں :

رؤیت حق صرف حضور علیہ السلام سے مخصوص ہے بخلاف دوسرے انبیاء علیہ السلام کے کہ انھیں دنیا میں اللہ تعالٰی کا دیدار نہ ہوا ۔ اور رویت حق غیر کی شرکت کو قبول نہیں کرتی جیسے زبان سے صرف توحید کا اقرار ضروری ہے ۔ اس اقرار میں کسی غیر کو



شریک نہیں کیا جاسکتا اور قلب میں ذکر الٰہی کے سوا کسی غیر کی گنجائش نہیں۔ ایسے ہی فرمایا واذکر ربک اذا نسیت یعنے ماسوا اللہ کو بھول کر ذکر الٰہی کیجئے۔

اسی طرح رویت الٰہی میں غیر کے دیکھنے کی گنجائش نہیں۔

"الی ما متعنا بہ ازواجا منھم زھرۃ الحیوۃ الدنیا" اس میں دنیا و آخرت ہر دونوں مراد ہیں، کیونکہ دنیا کا ذکر آخرت کو مستلزم ہے اسی لیے صرف ایک پر اکتفا کیا گیا۔ ازواج سے اہل دنیا و اہل آخرت مراد ہیں یعنے عزت کے پانی سے ظاہر و باطن کی آنکھیں رویت دنیا و آخرت کی میل کچیل سے دھوئیے کیونکہ انھیں ہمارے جلال کے نور کا سرمہ لگا کر ہمارے نور جمال کو دیکھنا پڑتا ہے اور ہم نے اہل دنیا و آخرت کو اپنے حضرت جلال کے لیے عزت بخشی ہے۔

"لنفتنھم فیہ" تاکہ ہم انھیں دارین کی نعمتوں میں مشغول رکھ کر اپنے کمال رویت جمال تک پہنچنے کے لیے آزمائیں۔

حکایت: حضرت شبلی قدس سرہٗ کے سامنے "اصحاب الجنۃ الیوم فی شغل فاکھون" پڑھا گیا تو آپ کی چیخ نکل گئی اور فرمایا کہ یہ مسکین بے خبر ایسے شغل سے نامعلوم کیوں روگردانی کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَرِزْقُ رَبِّكَ اور تمہارے پروردگار کا رزق یعنے وہ جو تمہارے لیے آخرت میں ذخیرۂ ثواب جمع کیا گیا ہے یا وہ جو آپ کو طاعت کی ادائیگی کے لیے کفایت کے طور پر عطا کیا گیا ہے۔

ف: رزق، عطا کو کہا جاتا ہے دنیوی ہو یا اخروی اور کبھی مقسوم کو بھی رزق کہتے ہیں۔ وہ چیز جو پیٹ کی بھوک مٹائے یعنے غذا کے طور پر استعمال کی جائے اس کو بھی رزق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

خَيْرٌ تمہارے لیے اس سے بہتر جو انھیں دنیا میں عطا ہوا ہے باوجودیکہ وہ نعمت جلیل القدر ہے جس میں للچانے والے للچاتے ہیں اور خراب ہونے سے بھی محفوظ ہے بخلاف ان کے اس مال و اسباب کے جو انھیں دنیا میں عطا ہوا ہے۔ **وَّاَبْقٰى** اور زیادہ باقی رہنے والا ہے کیونکہ وہ ہمیشہ تک غیر منقطع ہے۔

ف: حضرت کاشفی نے لکھا کہ زھر لغت میں شگوفہ کو کہتے ہیں اور اللہ تعالٰی نے دنیا کو شگوفہ سے تعبیر کیا ہے وہ اس لیے کہ جیسے چند روز تر و تازہ اور سرسبز رہ کر خزاں کا شکار ہو جاتا ہے ایسے ہی دنیا کا حال ہے کہ چند روز کی رونق کے بعد فنا و برباد ہو جائے گی۔

~

مال جہان بباغ تنعم شگوفہ ایست
کاول بجلوہ دل برباید ز اہل حال
یکہفتہ نگذرد کہ فرو ریزد از درخت
بر خاک رہ شود بو خس و خاک پایمال

اہل کمال در دل خود جا چرا دہند
آنرا کہ دمبدم زپے است آفت زوال

ترجمہ: (۱) مال جہان تنعم کے باغ میں ایک شگوفہ ہے کہ پہلے پہلے وہ اہل دل کو اپنے جلووں سے لبھاتا ہے۔
(۲) دو ہفتے گذرنے نہیں پاتے کہ وہ شگوفہ درخت سے ٹوٹ کر زمین پر خس و خاشاک کی طرح خراب پڑا ہوتا ہے۔
(۳) اہل کمال ایسی شے کو کب دل میں جگہ دیں لحظہ بلحظہ آفت زوال جس کے درپے ہے۔

سبق: اہل عقل ایسا رزق اختیار کرتا ہے جو باقی رہتا ہے اور فانی نعمتوں کو دیکھتا تک نہیں وہ مرتے دم تک اس قوت پر اکتفا کرتا ہے جس قدر وہ زندگی بسر کر سکتا ہے۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

(۱) گر آزادۂ بر زمین خسپ و بس
مکن بہر فانی زمین بوس کس

(۲) نیرزد عسل جان من زخم نیش
قناعت نکوتر بدوشاب خویش

(۳) خداوند زان بندہ خرسند نیست
کہ راضی بقسم خداوند نیست

(۴) مپندار چوں سرکہ خود خورم
کہ جور خداوند حلوا برم

(۵) قناعت کن اے نفس براندگی
کہ سلطان و درویش بینی یکی

(۶) کند مرد را نفس امارہ خوار!
اگر ہوشمندی عزیزش مدار

ترجمہ: (۱) اگر آزاد ہو تو زمین پر سو جا اور بس۔ دنیا فانی کی خاطر کسی کی زمین بوسی یعنے خوشامد نہ کر۔
(۲) زخم کھا کر شہد حاصل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں قناعت کو کاندھے پر رکھ یہی بہتر ہے۔
(۳) اللہ تعالےٰ اس بندے سے خوش نہیں جو اللہ تعالےٰ کی تقسیم پر راضی نہیں۔
(۴) یہ گمان نہ کرو کہ سرکہ کھا کر بسر اوقات کرنے والا حلوا والے کا ظلم اٹھائے گا۔
(۵) اے نفس تھوڑے پر قناعت کر اس لیے اللہ تعالےٰ کے نزدیک سلطان و گدا برابر ہے۔

(۶) انسان کو نفس امارہ خوار کرتا ہے اگر دانا ہو تو اس کے ساتھ پیار نہ رکھو ۔

ف: رزق معتبر وہ ہے جو روح قدسی کی غذا بن سکے جیسے علم و حکمت اور فیض ازلی و تجلی ۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

۱- فہم نان کردی نہ حکمت اے رہی
زانکہ حق گفت کلوا من رزقہ

۲- رزق حق حکمت بہ بود در مرتبت
کان گلو گیرت نباشد عاقبت

۳- این دہان بستی دہانی باز شد
کہ خورندہ لقمہائے راز شد

۴- گر ز شیر دیو تن را وابری !
در فطام او بسی نعمت خوری

ترجمہ: (۱) اے بیوقوف! روٹی کا مفہوم تو تُو نے سمجھ لیا لیکن تو نے حکمت کو نہ سمجھا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مطلق فرمایا ہے: کلوا من رزقہ۔

(۲) مرتبہ میں حکمت کا رزق بہتر ہے ورنہ جو رزق گلوگیر ہو وہ بے فائدہ ہے ۔

(۳) یہ منہ باندھو تو اور منہ کھلے گا وہ راز و اسرار کے لقمے ہیں ۔

(۴) اگر تم اس دیو نفس کو دودھ سے دور رکھو گے تو تمہیں ایزدی نعمتیں ملیں گی ۔

تفسیر عالمانہ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ، اور اپنے اہل کو نماز کا حکم فرمایئے جیسے ہم نے آپ کو نماز کا حکم فرمایا ہے ایسے ہی آپ اپنے اہل بیت کو نماز کا حکم فرمایئے کیونکہ فقیر کو ضروری ہے کہ وہ اپنے فقر پر نماز کے ساتھ استعانت کرے اسے معاشی امور میں نہ گھبرانا چاہیئے اور نہ ہی دولت مندوں کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا چاہیئے:

حدیث شریف اہلبیت : اس آیت کے نزول پر حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں روزانہ صبح جا کر فرماتے: " الصلوة " اور آپ کا یہ طریقہ مہینوں تک رہا۔

ف: عرائس البقلی میں ہے کہ اصطبار مجاہدہ اور صبر مشاہدہ کا مقام ہے ۔

ف: ابن عطار نے فرمایا کہ صبر کے جمیع انواع سے اصطبار شدید تر ہے کیونکہ اصطبار بلاؤں کی بوچھاڑ پر سرِ قلب سے صبر کا نام ہے اور صبر صرف نفس سے ہوتا ہے ۔

لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا ط ہم آپ سے رزق کا سوال نہیں کرتے یعنے اپنے اور اپنے اہل وعیال کے رزق کے لیے مکلف نہیں بلکہ عبادت کا مکلف بنانے ہیں۔ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ط ہم تمہیں اور تمہارے اہل وعیال کو رزق دیں گے تم صرف اللہ ہی کی عبادت میں دل لگاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں دل لگا رہتا ہے اور اللہ تعالے اس کی روزی کا خود کفیل ہوتا ہے :- وَالْعَاقِبَةُ اور نیک انجام یعنے بہشت کیونکہ اس کا اطلاق ثواب کے ساتھ مخصوص ہے جسے ہم پسندیدہ انجام سے تعبیر کرتے ہیں۔ لِلتَّقْوٰى ○ اہل تقویٰ کے لیے یعنے نیک انجام آپ کے لیے اور اس کے لیے جو آپ کی تصدیق کرے۔ اہل دنیا کو نیک انجام نصیب نہ ہوگا کیونکہ دنیا و آخرت کا اجتماع ممتنع ہے۔ تقویٰ سے پہلے مضاف محذوف ہے اور مضاف الیہ اس کے قائم مقام ہے تاکہ تنبیہ ہو کہ جمیع اعمال کا دارومدار تقویٰ پر ہے یعنے نفس اور جوارح کو ان جمیع قبائح سے روکنا جن کی شریعت مطہرہ اور علم نے مذمت کی ہے۔

حدیث شریف : مروی ہے کہ جب حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے اہل وعیال سے کسی کو تکلیف پہنچتی تو آپ انہیں نماز کا حکم فرما کر یہی آیت پڑھ کر سناتے۔

ہر دکھ کا علاج نماز ہے حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ تعالے عنہ نے فرمایا کہ جملہ ضروریات طلب کرنے کے لیے نماز جیسا اور کوئی نسخہ نہیں۔

اگلے لوگ ہر دکھ درد کے وقت نماز پڑھتے تو ان کی تمام دکھ درد ٹل جاتے ان کی عادت تھی کہ کوئی تکلیف جب بھی پہنچتی تو نماز پڑھتے۔ اللہ تعالے نے یونس علیہ السلام کے قصے میں فرمایا :

فلولا انہ کان من المسبحین۔

اس میں المسبحین سے المصلین مراد ہے۔ کذا قال ابن عباس رضی اللہ عنہما یعنے اگر وہ نماز پڑھنے والوں میں سے نہ ہوتے تو وہ قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں ٹھہرے رہتے۔

ف : حضرت شافعی رحمہ اللہ تعالے سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ دفعیہ وباء کے لیے تسبیح سے اور کوئی زیادہ نافع علاج نہیں۔

ف : حضرت یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ تعالے نے فرمایا کہ عابدین کو اللہ تعالے کی جانب سے چادریں پہنائی جاتی ہیں جن کا باہر کا حصہ نماز اور اندر کا روزہ ہوگا یعنے ان دونوں پر عمل کرنے سے خصوصی انعامات نصیب ہوتے ہیں۔

فائدہ صوفیانہ جسم کی نماز فرائض و نوافل ہیں اور نفس کی نماز یہ ہے کہ وہ بشریت کے گڑھے سے نکل کر روحانیت کی چوٹی تک پہنچے یعنے اپنے اوصاف رذیلہ سے نکل کر اس جنت تک پہنچے جو حضرت الٰہیہ کا دروازہ ہے۔

کما قال تعالے :

"الذین ھم فی صلوتہم خاشعون"

او رستر کی نماز ماسویٰ اللہ سے توجہ ہٹا کر بحر مشاہدہ میں مستغرق ہوجانا، کما قال تعالے :

"من یطع الرسول فقد اطاع اللہ"
کیونکہ ایسا انسان اپنے نفس کو فانی کرکے باقی باللہ ہو جاتا ہے جو شخص ایسی نماز پڑھتا ہے اسے اللہ تعالٰے ان اشیاء سے بے پرواہ کر دیتا ہے جن کی لوگوں کو محتاجی ہے اور ایسے شخص کا رزق اللہ تعالٰے اپنے ذمۂ کرم لگاتا ہے۔ کما قال تعالٰے :
"ووجدک عائلا فاغنی"
اسی لیے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے :
ابیت عند ربی یطعمنی و یسقینی۔ (میں اپنے رب تعالٰے کے ہاں شب باشی کرتا ہوں وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے)۔

نیست غیر نور آدم را خورش
جان را جز آن نباشد پرورش
چون خوری یکبار ازاں ماکول نور
خاک ریزی بر سر نان تنور

ترجمہ : (۱) آدم کی غذا صرف نور ہے کیونکہ روح کی پرورش اسی سے ہوتی ہے
(۲) جب تم اسی نور کے طعام سے کچھ کھاؤ گے تو پھر تنور کی روٹی کو پانی میں بہا دو گے۔
وَقَالُوْا ، اور کفار قریش نے کہا۔ لَوْلَا یَاْتِیْنَا ، ہمارے لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیوں نہیں لاتے۔ بِاٰیَةٍ ، وہ معجزات جو ہم ان سے مطالبہ کرتے یا جن پر ہمیں اعتماد ہے۔ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اپنے رب تعالٰے سے یعنے موسٰی و عیسٰی علیہم السلام پر ہمیں اعتماد ہے انھیں لائیے تاکہ وہ آپ کی نبوت کی گواہی دیں تب ہم مانیں گے کہ آپ نبی ہیں۔ چونکہ ان کی تعنت و سرکشی انتہا کو پہنچ چکی تھی اسی لیے باوجود بڑے بڑے معجزات دیکھنے کے پھر بھی ایسی بات کا مطالبہ کیا جو نہ کہنے کی تھی۔
اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَیِّنَةُ مَا فِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی ○ کیا ان کے ہاں وہ تصدیقات نہیں تھیں جو پہلے صحیفوں میں تھا۔

ف : ہمزہ انکار للوقوع اور واو عاطفہ ہے یہاں ایک فعل مقدر ہے۔ بینہ دلالت واضحہ کو کہتے ہیں وہ دلالت حسیہ یا عقلیہ ہے یہاں قرآن مراد ہے کیونکہ اس میں دلائل واضحہ موجود ہیں اور لفظ ما سے عقائد حقیقہ اور وہ اصول احکام مراد ہیں جن پر تمام امتوں کا اتفاق ہے الصحف ، صحیفہ کی جمع ہے ، وہ شے جس پر احکام منقوش ہوں اور حروف تہجی وہ ایک علیحدہ صحیفہ تھا جو آدم علیہ السلام پر اترا لیکن یہاں پر تورات ، انجیل ، زبور اور جملہ کتب مراد ہیں جو دیگر انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئیں۔
اب معنے یہ ہوا کہ کیا ان کے ہاں وہ جملہ آیات نہیں آئیں یا ان کے ہاں وہ خاص صحیفہ نہیں آیا جو 'صحف اولی' میں تھا یعنے بے شک ان کے ہاں وہ آیت آئی جو ام الآیات ہے اور باب اعجاز میں سب سے بڑی ہے یعنے وہ قرآن جس میں کتب الٰہیہ کا

سوال : الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کہ بندوں کے لیے وہ کام کرے جو ان کے لیے بہتر ہو ورنہ وہ حجت کے طور پر کہہ سکیں گے کہ اے پروردگار! تو نے ہمارے لیے یہ کام نہ کیا اسی لیے ہم ایمان نہ لاسکے (حالانکہ اللہ تعالیٰ پر کوئی شے واجب نہیں) ؟

جواب : اگر اللہ تعالیٰ کے لیے ان کا کوئی کام واجب ہوتا تو انھیں پیدا نہ فرماتا۔ انھیں پیدا کرکے ان کے ہاں رسل کرام کا بھیجنا ان کے لیے بہتر کام کا وجوب ثابت نہیں ہوتا پھر اسے یہ علم تھا کہ ایمان نہیں لائیں گے اسی لیے ان کے ہاں حجت قائم کرنے کے لیے رسل کرام بھیجے اور پھر کتاب ومعجزات سے اس حجت کو قائم کیا۔ ان کے اختیار ضلالت کو دیکھ کر ان سے توفیق سلب کرلی (وہ حق مالکیۃ جو چاہے سو کرے) ۔

قُلْ، ان سرکش کافروں کو فرمائیے۔ **كُلٌّ**، ہر ایک تمہارا اور ہمارا۔ **مُّتَرَبِّصٌ**، انتظار کرتا ہے کسی امر کے انتظار اور اس کے زوال کو تربص کہا جاتا ہے یعنی ہم تم انتظار کرتے ہیں تم ہماری شکست کا اور ہم تمہارے عذاب کا ۔

تفسیر کبیر میں ہے کہ ہم تم اپنے انجام کا انتظار کر رہے ہیں موت سے پہلے جہاد و ظہور دولت و قوت کے سبب سے یا موت کے بعد ثواب وعقاب کا۔ یا اس کا انتظار کر رہے ہیں کہ حق والے سے انواع کرامات کا صدور اور اہل باطل پر اہانت حق کا ظہور ہوگا۔

شان نزول : مروی ہے کہ مشرکین کہا کرتے تھے کہ ہم منتظر ہیں کہ کب (حضرت) محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) حوادث دہر کی لپیٹ میں آتے ہیں جس پر ہمیں خلاص نصیب ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا :

فَتَرَبَّصُوْاۚ تو انتظار کرلو۔ **فَسَتَعْلَمُوْنَ**، جب اللہ تعالیٰ کا حکم آئے گا تو تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ **مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ**، صراط مستقیم والا کون ہے۔ اصحاب، صاحب کی جمع ہے بمعنے ملازم اور الصراط وہ سیدھا راستہ جس میں ٹیڑھا پن نہ ہو بلکہ سیدھا منزل مقصود تک پہنچانے والا ہو۔ **وَمَنِ اهْتَدٰى**۝ اور ہدایت یافتہ کون، ہم یا تم۔ کسی نے خوب کہا ہے

سوف تری اذا انجلی الغبار
افرس تحتك ام حمار

ترجمہ : جب غبار ہٹ جائے گی تو پھر دیکھ لوگے کہ تم گھوڑے کے سوار ہو یا گدھے کے ۔

اس میں ان کے لیے تہدید شدید ہے ۔

ف : کاشفی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اس سے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم مراد ہیں کہ آپ ہی ہدایت یافتہ اور راہ دکھانے والے ہیں ۔ ؎

راہ دان و راہ بین و راہ بر
در حقیقت نیست جز خیر البشر

ترجمہ: راستہ جاننے اور دیکھنے اور دکھانے والے سوائے خیر البشر کے اور کوئی نہیں (صلے اللہ علیہ وسلم)۔

ف: آیت میں اشارہ ہے کہ واصل باللہ وہ ہے جو منازل طے کرتے ہوتے ماسویٰ اللہ سے علیحدہ اور غیر کے اتصال سے کوسوں دور ہوتے ہیں۔

حضرت نجندیؒ نے فرمایا ؎

وصل میسر نشود جز بقطع
قطع نخست از ہمہ ببرید نست

ترجمہ: وصالِ الٰہی انقطاع کے بغیر مشکل ہے اور انقطاع یہ ہے کہ از ہمہ فارغ ہو جائے۔

ف: اللہ تعالےٰ نے معذرت کا انقطاع یا امہال سے فرمایا ہے یا ارشاد سے اسی کے لیے حجت کاملہ ہے۔ (وہ جو چاہے کرے)۔

قیامت میں تین شخص سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کے ہاں تین شخص حجت پیش کریں گے:

(۱) زمانۂ فترت میں فوت ہونے والا عرض کرے گا کہ میرے ہاں کوئی رسول نہ آیا اور نہ ہی تو نے بھیجا (جس سے میں ہدایت پاتا)۔

(۲) مغلوب العقل عرض کرے گا کہ نہ تُو نے بخشی نہ میں ایمان لایا۔

(۳) صغرسن (نابالغ) عرض کرے گا کہ میں تو بچہ تھا مجھے کسی بات کی خبر نہ تھی۔

ان تینوں کی آزمائش کے لیے جہنم لائی جائے گی جس کے لیے علم الٰہی میں سعادت لکھی ہوگی اسے جہنم میں داخل ہونے کا حکم ہوگا تو وہ فوراً داخل ہونے لگے گا اور جس کے لیے علم الٰہی میں شقاوت لکھی تھی اسے حکم ہوگا کہ جہنم میں داخل ہو جا۔ وہ اس میں داخل ہونے سے انکار کر دے گا۔ اللہ تعالےٰ فرمائے گا کہ جب تم میری نافرمانی کر رہے ہو تو رسل کرام علیہم السلام کی بھی تکذیب کرتے، جب وہ تمہارے ہاں تشریف لاتے۔ (کذا فی التفسیر الکبیر)

فضیلت سورۂ طٰہٰ و یٰسین: حدیث شریف میں ہے کہ قیامت میں صرف سورہ طٰہٰ و یٰسٓ پڑھی جائے گی۔ (کذا فی الکشاف)۔



سورہ طٰہٰ بیس ۲۰ ربیع الاول ۱۱۰۶ھ میں (تفسیر) ختم ہوئی۔

حسن اتفاق:
فقیر اویسی غفرلہ نے بھی بیس ۲۰ ربیع الاوّل شریف ۱۴۰۰ھ بمطابق ۸ ر فروری ۱۹۸۰ء بروز ہفتہ ۹ بجے صبح ترجمہ ختم کیا۔

للہ الحمد علی ذالک وصلی اللہ علی حبیبہ خیر

خلقه سیدنا محمد العربی وعلی آله واصحابه واولیاء امته و علماء ملته اجمعین ۔

فقط والسلام

الفقیر القادری ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہ ۔ بہاولپور ۔ پاکستان

فہرست پارہ نمبر ۱۶